اداریہ

خوشتر نورانی

محدث اعظم ہند کی نذر!

تقسیم کار کے بغیر دینی وملی تقاضوں کی تکمیل ناممکن ہے

شخصیات کے تعارف میں عمومی رویہ: جب سے ہم نے شعور کی آنکھیں کھولیں اپنے گردوپیش یہی دیکھتے اور سنتے آئے کہ ہم نے پچھلی ایک صدی میں ملت کے مسائل سے زیادہ اکابر ملت کے ذکر وتعارف پر اپنی توجہات مرکوز رکھی ہیں- اہل سنت کے اس عمل کو کوئی شخصیت پرستی سے تعبیر کرے یا زندہ قوم کی علامت سے، بہر حال سچائی یہی ہے- اس سچائی کے ساتھ اس زمینی حقیقت کا بھی ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ اہل سنت و جماعت، اپنی مذہبی سرگرمیوں کا بڑا حصہ شخصیتوں کے محاسن ومناقب اور افکار وخدمات کی اشاعت میں خرچ کرنے کے باوجود، اپنی بے شمار شخصیتوں کا تعارف نہیں کرا سکے- اساطین امت کی ایک طویل فہرست میرے پیش نظر ہے، جنھوں نے اپنے زمانے میں اپنے علم وفضل، فکر ونظر اور تاریخی کارناموں سے امت کی پیشوائی کی، لیکن موجودہ عہد ان کے ناموں سے بھی واقف نہیں یا محض ان کے ناموں سے ہی آشنا ہے- ایسی شخصیتوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن کے افکار ونظریات، تعلیمات وخدمات، تصنیفات وتالیفات اور سوانحی تفصیلات سے کتب خانے خالی پڑے ہیں، جس کا بدیہی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ عبقری شخصیتیں یا تو گمنامی کے پردے میں چلی گئیں یا پھر دوسرے مکاتب فکر کی جھولی میں- بات صرف ان کی ذات تک رہتی تو صبر آجاتا، مگر جب کوئی عہد ساز شخصیت پردۂ گمنامی میں جاتی ہے تو اکیلے نہیں جاتی بلکہ امت کے ایک زریں عہد کو بھی ساتھ لے جاتی ہے، اسی طرح جب کوئی تاریخی حیثیت کی حامل شخصیت دوسرے مکاتب فکر کا حصہ بنادی جاتی ہے تو صرف اس کا عقیدہ وعمل ہی مسخ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے عہد کی خوش عقیدگی کے نشانات بھی مٹادیے جاتے ہیں-

لطف کی بات تو یہ ہے کہ چندگنی چنی شخصیات کے تعارف وتذکرے کو عام کرنے میں پچھلی ایک صدی سے امت کا ایک بڑا دل ودماغ لگا رہا ہے مگر ان کے تئیں ہماری عقیدت اب بھی ناآسودہ ہے، جب کہ وقت کے اژدھے نے بڑے بڑوں کو سالم نگل لیا، لیکن ہماری مذہبی ومسلکی حمیت بیدار نہ ہوسکی- اس ناآسودگی کا اگر کھلے دل ودماغ سے تجزیہ کیا جائے تو مختلف وجوہات سامنے آئیں گی، لیکن میری نظر میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ شخصیات کے ذکر وتعارف میں ہماری عقیدتیں بے لگام ہوگئیں، جس کا منفی اثر واقعات کی صحت، اسلوب بیان، طرز تحریر اور پیش کش پر پڑا اور اس طرح ہمارے تحریری سرمائے کا بڑا حصہ ان لوگوں کے نزدیک بے کار ٹھہرا، جن تک ہم اپنے بزرگوں کا تعارف پہنچانے کے خواہش مند تھے- یہی خواہش اور آرزو ہمیں اب تک آسودہ نہیں ہونے دیتی- یہ حال اس وقت تک رہے گا جب تک جدید اسلوب وتحقیق کی رعایت کے ساتھ حقائق نگاری عام نہیں ہوجاتی- شخصیات کے ذکر میں اگر اپنی عقیدتوں کا اظہار مقصود ہے تو پھر جس طرح ہم چاہیں لکھیں، لیکن اس کے ساتھ غیر جانب دار لوگوں تک ''ابلاغ'' کی تمنا ہمارے دلوں میں نہیں ہونی چاہیے- اگر یہ تمنا انگڑائی لیتی ہے تو پھر جدید اسلوب وتحقیق اور واقعات کی صحت کی رعایت ضروری ہے، ورنہ ہمارا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا- ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے دینی جذبوں، سرگرمیوں، توجہات اور ترجیحات کی ترتیب یوں ہونی چاہیے: اسلام، مسلک، پھر مشرب- بدقسمتی سے پچھلی ایک صدی سے یہ ترتیب الٹ گئی ہے، جس کے نقصانات مختلف شعبوں کے ساتھ ساتھ اساطین امت کو بھی پہنچے- یہ صحیح ہے کہ شخصیات کے ذکر وتعارف کی اشاعت میں نسبتاً اہل خاندان پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، لیکن جو شخصیات امت یا جماعت کی نمائندہ ہوتی ہیں وہ قومی، ملی اور جماعتی توجہات کی بھی اتنی ہی مستحق ہوتی ہیں جتنی خاندانی توجہات کی مستحق- اہل سنت کی ہر بڑی شخصیت حسب مراتب ہمارا سرمایہ ہے اور ان کے افکار وتعلیمات اور تعارف وتذکرے کی اشاعت ہمارا فرض، اس لیے ہماری ترجیحات میں امت کے مسائل کے ساتھ ان شخصیات کے ذکر وتعارف پر بھی توجہ ہونی چاہیے جن کی تاریخی خدمات وکارنامے شعوری بے توجہی یا غیر شعوری تساہلی کے سبب فراموش کیے جاتے رہے-

محدث اعظم ہند: ایک بڑا نام: - ایسی ہی شخصیتوں میں ایک نمایاں نام محدث اعظم ہند علامہ سید محمد کچھوچھوی (۱۸۹۴ء/۱۹۶۱ء) کا ہے، جن کی خدمات اور کارناموں کا دائرہ مختلف شعبوں کو محیط ہے- محدث اعظم نے تقریباً پانچ دہائیوں تک سیاست، خطابت، رشد وہدایت، تحریر و

صحافت، تنظیم وتحریک اور دعوت وتبلیغ کے ذریعے ملت کی قیادت کی اور اپنے علم وفن، فکر ونظر، تدبر وذہانت اور قوت فیصلہ سے اپنے عہد کے بے شمار مسائل کا حل پیش کیا۔

محدث اعظم ہند کی انہی خصوصیات نے انہیں معاصر علما ومشائخ کی مجلسوں میں ’’میر‘‘ اور ’’حکم‘‘ کی حیثیت دے دی۔ ان کے بعد جماعتی جلو میں یہ اعزاز کسی کے حصے میں نہ آسکا۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی نے آپ کے وصال کے بعد فرمایا کہ ’’ملت کے الجھے ہوئے مسائل کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرنے والی ذات اب ہم میں نہ رہی‘‘۔ سید العلما مولانا سید آل مصطفیٰ قادری مارہروی نے کہا کہ ’’جانے کتنے اکابرین گئے اور جائیں گے، مگر محدث اعظم ہند کا جانا اس لیے محرومی کا احساس دلا رہا ہے کہ وہ ہم سب کے حکم اور فیصل تھے۔‘‘ حافظ ملت مولانا عبد العزیز محدث مرادآبادی فرماتے تھے کہ ’’محدث اعظم کا وصال پوری سنیت کا علمی نقصان ضرور ہے مگر اکابرین اہل سنت کو ان کے وصال کے بعد یہ غم ہمیشہ ستاتا رہا کہ ملت کے الجھے ہوئے مسائل کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرنے والی ذات اب ہم میں نہ رہی۔‘‘ اسی طرح مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں نے کہا کہ ’’محدث اعظم کا رخصت ہو جانا نہ صرف عالم اسلام کا خسارہ ہے بلکہ ہمارے خاندان رضویہ کا بھی ذاتی خسارہ ہے، جب بھی ہمارے مسائل پیچیدگی اختیار کرتے تو محدث اعظم ہند ہی اسے حل فرمایا کرتے تھے۔‘‘

محدث اعظم ہند کی مذہبی سرگرمیوں کا سرسری جائزہ لیا جائے تو چند نمایاں خدمات اور کارنامے سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

- محدث اعظم ہند نے ۱۹۱۳ء میں حضرت علامہ سید محمد میر کی سرپرستی میں دہلی کے اندر مدرسۃ الحدیث قائم کیا۔
- تحریر وصحافت کے ذریعے ملت اسلامیہ کی خدمات کے لیے ۱۹۲۳ء میں کچھوچھہ سے ماہنامہ اشرفی جاری کیا جس میں خصوصیت کے ساتھ شدھی، قادیانی اور وہابی تحریکات کے خلاف اہم اور مختلف موضوعات پر درجنوں کتب ورسائل تحریر کیے، جن کے بارے میں مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری نے تحریر کیا ہے کہ ’’حضرت محدث اعظم ہند نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۳۵ سے زیادہ رسائل وکتب زیور طبع سے آراستہ ہو گئے اور اس سے زیادہ رسائل وکتب وہ تھے جو طبع نہ ہو سکے۔ تقریباً ہر فن کی کسی نہ کسی کتاب پر حواشی لکھے، قرآن پاک پر ترجمہ بھی لکھا اور تفسیر بھی شروع کی تھی لیکن چند پاروں ہی کا کیا تھا کہ وقت رحلت آ گیا۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترجمے کا ابتدائی حصہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو!‘‘
- اہل سنت کی خوش عقیدگی کو سلامت رکھنے کے لیے آپ نے بہت سے مناظرے کیے، جن کی پوری تفصیل ریکارڈ میں نہیں ہے، البتہ اس سلسلے کی دو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ایک ’’روداد مناظرہ گھوسی‘‘ اور دوسری ’’روداد مناظرۂ کچھوچھہ‘‘، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کئی اہم مناظرے میں شریک ہوئے، کہیں صدر کی حیثیت سے، کہیں مناظر کی حیثیت سے تو کہیں معاون کے طور پر۔
- آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی، آل انڈیا تبلیغ سیرت، ممبئی، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما، کان پور اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی صدارت وسرپرستی فرمائی، جب کہ سیکڑوں مذہبی اور فلاحی اداروں کی تاسیس وسرپرستی کی۔
- دعوت وتبلیغ اور درس وخطابت کی غرض سے آپ نے ملک اور بیرون ملک متعدد ممالک کا دورہ کیا، جس کے نتیجے میں سیکڑوں افراد اسلام میں داخل ہوئے اور ہزاروں افراد ہدایت پا کر داخل سلسلہ ہوئے۔
- تحریک پاکستان، شدھی تحریک، قادیانی تحریک، مسلم پرسنل لا، قاضی بل اور وقف بل کے مسائل پر آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، تحریکیں چلائیں، ملک گیر سطح پر جلسے منعقد کیے اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی۔ ۱۹۲۵ء میں بنارس میں ’’سنی کانفرنس‘‘ کا انعقاد اس سلسلے کی اہم کڑی ہے، جس میں محدث اعظم ہند نے خیبر سے لے کر ڈھاکہ اور کشمیر سے کنیا کماری تک کی خانقاہوں، اداروں اور مدارس کے لوگوں کو جمع کرنے میں جو کردار ادا کیا اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اسی کانفرنس میں آپ نے اپنا تاریخی خطبۂ صدارت بھی پڑھا جس میں مسلمانوں کے سیاسی، معاشی، مذہبی، مسلکی اور تعلیمی مسائل کا حل پیش کیا گیا۔
- بیرونی مسائل کے ساتھ داخلی سطح پر جو بھی تنظیمیں، تحریکیں، ادارے اور شخصیات کام کرتیں، ان میں محدث اعظم کے فیصلے، آرا اور مشورے

ناگزیر سمجھے جاتے، بقول مولانا مشتاق احمد نظامی ’’جماعتی نظم و نسق سے متعلق جو کچھ بھی ہوتا رہا اس میں حضرت مفتی اعظم ہند اور حضرت محدث اعظم ہند کی رائے حرف آخر سمجھی جاتی اور ہر مجلس مشاورت کی پوری کارروائی حضرت (محدث اعظم) علیہ الرحمہ کے استصواب و استفسار پر معلق کردی جاتی-‘‘

بیسویں صدی کے نصف اول میں ملت اسلامیہ کے لیے محدث اعظم کی بے شمار خدمات ہیں اور اپنے اسلاف کے مشن کی توسیع میں نمایاں کردار ہے، لیکن آج جب ان کی حیات و خدمات پر ایک وقیع گوشہ جام نور کی ٹیم مرتب کر رہی ہے تو اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری موجودہ نسل ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے کی پیڑھی بھی ان کی خدمات سے بہت زیادہ واقفیت نہیں رکھتی- ان کی تصنیفات و تالیفات کا سراغ لائبریریوں میں بھی نہیں ملتا، ان کے جاری کردہ رسالے کی ترتیب وار فائلیں بھی ندارد ہیں، ترجمۂ قرآن عام اشاعتی کتب خانوں میں دستیاب نہیں، مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے ان کی چلائی ہوئی تحریکات کی تفصیل بھی میسر نہیں، جماعتی نظم و نسق کے لیے ان کی ذاتی کوششوں کا گوشوارہ، مناظروں کی روداد، دینی اداروں کی سرپرستی اور تاسیس کی تفصیل اور دعوتی دوروں کا ریکارڈ کا نہ پایا جانا ان پر مستزاد- ان وجوہات نے محدث اعظم کی وفات کے پچاس سال گزرتے گزرتے ان کی عظیم شخصیت اور خدمات کو جماعتی منظرنامے سے غائب کردیا ہے- ایسا صرف محدث اعظم کے ساتھ نہیں ہوا ہے بلکہ اہل سنت و جماعت کی بے شمار قدآور شخصیتیں ہیں جن کے ساتھ ہمارا عمومی رویہ یہی ہے- اسلاف کے دامن کرم سے وابستگی کا نعرہ لگانے والوں کو اپنے اس عملی رویے پر غور و فکر کرنا چاہیے-

دو غیر ضروری اصرار:- (ا) جس وقت ہم نے تحریر و صحافت کے ذریعے عملی میدان میں قدم رکھا، امت کے مسائل اور اپنے اسلاف کے ساتھ اہل سنت کا عمومی رویہ ہمارے پیش نظر تھا، اس لیے ’’تقسیم کار‘‘ کی تھیوری کو اپناتے ہوئے ہم نے ترجیحی بنیادوں پر مسلم مسائل پر اپنی توجہ رکھی یا پھر ان شخصیات کے ذکر و تعارف پر جو ہماری شعوری یا غیر شعوری بے توجہی اور تساہلی کا شکار رہی ہیں-

ابتدا میں ہمارا یہ ترجیحی عمل کچھ خواص کی نگاہ میں مشکوک ٹھہرا، کیوں کہ پچھلی ایک صدی میں امت کے ذہنی سانچے کو جس طرز پر ڈھالا گیا ہے وہاں ’’تقسیم کار‘‘ کا کوئی بھی تصور عقیدے کی سلامتی کے لیے خطرے کا الارم ہے- جس وقت ہندوستان میں فرقہ بندی کا آغاز ہوا تو ان مکاتب فکر کے ردّ و تعاقب کا سلسلہ شروع ہوا جو اسلامی عقیدہ و مزاج سے ہم آہنگ نہ تھے، اسی طرح بیسویں صدی کے نصف آخر کے بعد ایک وقت آیا جب اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی خدمات اور تعلیمات و افکار کی اشاعت کے لیے اہل سنت میں بیداری آئی اور خوب آئی، یہ دونوں وقت کی اہم ضرورتیں تھیں- عقیدہ و عمل کی اشاعت و ابلاغ اور شخصیت کے ذکر و تعارف کا یہ دائرہ وسیع ہونا چاہیے تھا، لیکن ردّ و تعاقب کے علاوہ ہم دوسروں محاذوں پر اپنی فوج نہیں کھڑی کرسکے- اسی طرح اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے بعد ان ہی کی طرح کسی دوسری شخصیت کا تعارف نہ کرا سکے- جس طرح اہل سنت و جماعت کی عمومی ترقی کے لیے ردّ و تعاقب کے علاوہ دوسرے مسائل اور محاذ پر کام کرنا ضروری تھا، اسی طرح جماعتی شیرازہ بندی کے لیے فاضل بریلوی کے ساتھ دیگر اساطین امت کا ذکر و تعارف بھی لازمی تھا- اس میں ہم سب نے تساہلی برتی، نتیجے میں دوسرے بہت سے مسائل پیدا ہوگئے اور ہمیں ناقابل تلافی نقصانات اٹھانے پڑے- اللہ کا شکر ہے کہ پچھلی ایک دو دہائیوں سے اس سلسلے میں کافی بیداری آئی ہے اور بہت اہم پیش رفت بھی ہوئی ہے، لیکن جن کے دل و دماغ تلافی مافات کے احساس سے خالی تھے ان کا اب بھی ہم سبھوں سے یہی مطالبہ اور غیر ضروری اصرار ہے کہ ہر سطح پر ’’ردّ و تعاقب‘‘ کیوں نہیں کیا جاتا؟ اور ہر ایک شخص اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات و افکار کی اشاعت کیوں نہیں کرتا؟ یہ مطالبہ ہم تک بھی پہنچا اور ہوسکتا ہے کہ جنہوں نے کھل کر ہم سے اپنی اس خواہش کا اظہار نہ کیا ہو، ان کے دل میں کہیں نہ کہیں یہ خلش رہ گئی ہو- ان تمام لوگوں سے مخلصانہ عرض ہے کہ اہل سنت و جماعت کوئی نیا مسلک نہیں ہے، یہ وہی مسلک ہے جسے ما انا علیہ واصحابی کا مصداق مانا گیا ہے، اس کی توسیع اور اشاعت میں پچھلے پندرہ سو سالوں سے ہمارے اسلاف کی بے پناہ جد و جہد شامل ہے- ہر ایک صدی میں علما و مشائخ کے گروپ نے اس کے دفاع و تبلیغ میں ہر محاذ پر اپنا خون جگر بہایا اور ہر گروپ نے مختلف شعبوں کے ذریعے اپنے اسلاف کے مشن کو آگے بڑھایا ہے- دفاع و تبلیغ کا یہ تسلسل کسی ایک صدی میں بھی منقطع ہوگیا ہوتا تو اہل سنت کا وجود باقی رکھنا مشکل ہو جاتا- اس تاریخی سچائی کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اہل سنت کے وجود کی بقا اور تحفظ کے لیے جس طرح ہر محاذ اور ہر شعبے میں کام کرنا ضروری ہے، اسی طرح اپنی موروثی قیادت کے تسلسل کی بقا کے لیے ہر ایک

نمائندہ عالم و شیخ کا ذکر و تعارف بھی ناگزیر ہے- اہل سنت کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ہر شخص تمام شعبوں اور تمام شخصیتوں پر کام نہیں کر سکتا، اس کام کو انجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ اہل سنت کے قابل افراد اپنی صلاحیتوں اور دل چسپیوں کے ساتھ مختلف شعبوں اور مختلف شخصیتوں پر کام کریں، اسی کو ''تقسیم کار'' کہتے ہیں جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے- پچھلی ایک صدی میں جس تندہی سے ردو تعاقب پر کام ہوا، دعوت و تبلیغ، تعلیم، تحریک و تنظیم، صحافت، معیشت اور لٹریچرز پر کام نہ ہو سکا، اسی طرح جیسے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ذکر و تعارف پر کام ہوا دوسری شخصیتوں پر کام نہ ہو سکا- جب کہ جس طرح یہ دونوں کام وقت کے اہم تقاضے تھے اسی طرح دوسرے شعبوں اور شخصیتوں پر کام بھی اتنا ہی ضروری اور لازمی تھا-

تقسیم کار کے اسی احساس نے مجھے امت مسلمہ پر بحث و نظر کے لیے آمادہ کیا اور فراموش کردہ شخصیات کے تعارف کی طرف متوجہ کیا کہ اگر برصغیر کی سطح پر اہل سنت کے بے شمار افراد، تنظیمیں، تحریکیں، رسائل و جرائد، اکیڈمیاں اور ادارے ردو تعاقب اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر شب و روز کام کر رہے ہیں تو ہمیں تقسیم کار کے تحت صحافت و لٹریچر اور دوسری شخصیات پر توجہ دینی چاہیے تا کہ اہل سنت کی مجموعی ترقی کو یقینی بنایا جا سکے- اسی طرح دوسرے اہل علم و قلم کو اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف شخصیات اور شعبوں میں کام کرنے کے لیے سامنے آنا چاہیے اور ان میں اخلاص کے ساتھ اپنی لیاقتوں کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہیے-

(۲) اہل سنت اور دوسرے مکاتب فکر کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو فاضل بریلوی پر اس حیثیت سے معترض ہے بلکہ یہ کہنے پر مصر ہے کہ ان کے دل میں عشق رسول کی کیسی چنگاری تھی جو سیرت پر کچھ لکھنے پر آمادہ نہ کر سکی یا وہ کیسے صوفی اور عاشق اولیا تھے جو سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی شان میں منظوم خراج عقیدت پیش نہ کر سکے؟ جب کہ غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی کی مدح و ثنا میں دفتروں کا دفتر رقم کر دیا- یہ ایک بے جا اعتراض اور فہم و شعور کی ناپختگی کی دلیل ہے- اکثر علوم و فنون پر مہارت رکھنے کے باوجود فاضل بریلوی کی دل چسپی کا خاص میدان فقہ و افتا تھا، جس پر انہوں نے خوب کام کیا اور اتنا کیا کہ اپنے معاصرین پر سبقت لے گئے، اسی طرح سلسلۂ طریقت میں وہ از اول تا آخر قادری تھے، جس کی وجہ سے انہوں نے بیکس پناہ قادریت کی مدح میں بے محابا اپنی عقیدتوں کا اظہار کیا- اس ضمن میں کسی دوسری شخصیت کا ذکر نہ کرنا یا کسی دوسرے شعبے پر کام نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اس شخصیت سے عقیدت نہیں رکھتے تھے، یا اس شعبے میں ان کی دل چسپی یا صلاحیت نہیں تھی- ہمارے یہاں بے شمار اہل قلم ایسے ہیں جو زندگی بھر قلم کے ذریعے خدمت دین کرنے کے باوجود سیرت، تصوف اور فقہ جیسے اہم موضوعات پر بہت کچھ یا کچھ بھی نہ لکھ سکے- اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں رسول علیہ التحیۃ والثنا سے محبت نہیں یا وہ تصوف یا تقلید مخالف ذہن رکھتے ہیں- مذکورہ دونوں اعتراضات یا اصرار غلط ہے، جس کے جواب میں اس سے زیادہ لکھنا وقت کا ضیاع ہے-

آخر الذکر اعتراض یا اصرار کے تعلق سے بہت سے لوگ فاضل بریلوی کی حضرت خواجہ اجمیری سے عقیدت کو ثابت کرنے میں اپنی قلمی صلاحیتوں کا مظاہرہ فرما رہے ہیں اور دلیل میں فاضل بریلوی کا اس قسم کا شعر پیش کرتے ہیں:

مزرع چشت و بخارا و عراق و اجمیر　　کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

جس سے بے جا اعتراض کرنے والوں کو مزید حوصلہ ملتا ہے- ایسے افراد کی نیتوں پر ہمیں شک نہیں، وہ یقیناً اخلاص کے ساتھ اس کا جواب دینے کی کوشش کر رہے ہوں گے، مگر ہر اصرار اور اعتراض کا جواب دینا ضروری بھی تو نہیں، بلکہ ایسی ''مخاطبت'' کے جواب میں **قالوا سلاما** کہنا زیادہ بہتر ہے-

تقسیم کار کے تعلق سے ہماری جو بھی معروضات ہیں وہ برائے گفتن نہ رہ جائے اس لیے محدث اعظم ہند کی حیات و خدمات پر زیر نظر وقیع اور ضخیم شمارہ پیش کر کے ہم اس کا عملی نمونہ پیش کر رہے ہیں- اس خصوصی شمارے کی ترتیب و تزئین میں جام نور کی ادارتی اور قلمی ٹیم نے مہینوں جدوجہد کی ہے، نیز دیگر اہل علم و قلم کا بھی خصوصی قلمی تعاون شامل رہا ہے، ہم ان تمام حضرات کے بے حد ممنون ہیں- یہاں یہ اعتراف کرنا ضروری ہے کہ محدث اعظم ہند کے وصال کی پچاسویں برسی اور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں کی سجادگی کے گولڈن جبلی کے موقع پر محدث اعظم ہند کے پرنواسے مولانا سید قاسم اشرف کچھوچھوی صاحب نے محدث اعظم ہند پر خصوصی شمارہ نکالنے کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور ہر طرح کا تعاون پیش کیا، جس پر ہم نے لبیک کہا- اس طرح یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے- ہم تمام اہل سنت کی جانب سے ان کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں- ☐☐☐

پس منظر

کچھوچھا: ہندوستان کا ایک تاریخی وروحانی گہوارہ	مولانا سیف خالد اشرفی
مجدد خانوادۂ اشرفیہ اعلیٰ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں	نورین علی حق

مولانا سیف خالد اشرفی ☆

کچھوچھا: ہندوستان کا ایک تاریخی وروحانی گہوارہ

کچھوچھا ایک ایسا مشہورِ خاص وعام اور مرجعِ انام مقام ہے جس کے جدید جغرافیائی محلِ وقوع کے متعلق کچھ لکھنا تحصیلِ حاصل یا ضیاعِ وقت کے سوا کچھ نہیں ہوگا- تاریخِ قدیم کے سفر میں سو سال پیچھے کی طرف اگر جائیں تو یہ مقام ریاستِ جونپور، جس کے سربراہان ’’سلاطینِ شرقی‘‘ کے لقب سے جانے جاتے ہیں، کے قلمرو میں شامل دکھائی پڑتا ہے- جہاں تک تاریخ کے صفحہ پر اس خاص مقام کچھوچھا کی علمی وروحانی حیثیت سے اہمیت کا تعلق ہے تو میرے خیال میں تاریخ کے ایک طالب علم کو تتبع اور تلاشِ بسیار کے بعد اُس زمانے میں شاید اس کے سوا کچھ نہ ملے کہ فنِ سحر میں کمال رکھنے والوں، جوگیوں اور جادوگروں کا وہ مقام، گڑھ تھا- لطائف اشرفی کے حوالے سے صاحبِ ’’برکاتِ اشرفی‘‘ حضرت سید پیر بادشاہ حسینی قادری اشرفی حیدرآبادی لکھتے ہیں:

’’آپ کے ساتھی ہر طرف پھیلے ہوئے تھے کہ کسی طرح اس جھیل کا پتہ چلائیں جو آپ کے رہنے کے لیے آپ کے پیر نے بذریعہ کشف آپ کو بتلایا تھا- اس عرصہ میں ملک محمود، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا- آپ ملک محمود سے بھی اسی جھیل کے بارے میں دریافت فرمایا- اس نے کہا یہاں تو نہیں- البتہ کچھ فاصلہ پر ایک حصہ زمین کا شاداب ہے اور وہاں ایک جھیل بھی ہے اور اس کے اطراف سایہ دار درخت بکثرت ہیں اور واقعی سب شاخیں مغرب کی جانب جھکی ہوئی ہیں ممکن ہے کہ وہی ہو- لیکن اس پر ایک مشہور جوگی ساحر کا قبضہ ہے اور وہ بہت مغرور ہے- ہر کوئی وہاں جانے سے خوف کرتا ہے اور بہت بدخلق اور بدمزاج ہے اس کے پانچ سو ۵۰۰ جوگی ساحر چیلے ہیں اور ہر ایک اپنے فن میں لاثانی ہے- آپ نے سن کر فرمایا ’’یہ سب کچھ صحیح مگر جہاں حق آتا ہے وہاں سے باطل دور ہوتا ہے‘‘-

اس مقام کی تقدیر کے ٹھہرے ہوئے پانی میں ہلچل اس وقت پیدا ہوئی اور اس کی قسمت کا ستارہ چمکنے کا لمحہ وہ تھا جب سریر آرائے تختِ سمنان، مملکتِ درویشی کا سلطان، بنی نوعِ انسان کو مقامِ درویشی سمجھانے اور رازِ فقر سے پردہ اٹھانے کے لیے کچھوچھا کو اپنا مستقر بناتا ہے- میری مراد غوث العالم محبوبِ یزدانی قدوۃ الکبراء میرِ کبیر پیرِ دستگیر حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ سے ہے- گزشتہ چھ سو سال کے دوران علم وعرفان، تصوف وروحانیت اور انسان سازی کے حوالے سے جو عالمگیر شہرت ونیک نامی اس سرزمین کو حاصل ہوئی اور ان شاء المولیٰ تعالی تا قیام قیامت حاصل ہوتی رہے گی اس کا ’’تاریخی ازل وابد‘‘ قدوۃ الکبرا ہی کی ذاتِ والا صفات ہے اور رہے گی- ہم اس مضمون کے عنوان کا حق ادا کرنے کے لیے ادھر ادھر جانے کی بجائے قلم کو قدوۃ الکبرا کی ہمہ جہت شخصیت کے سدابہار گلشن ہی کی سیر کراتے رہیں گے-

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عظیم اور تاریخی شخصیات سے جڑی اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز عظیم وتاریخی ہو جایا کرتی ہے- یہی وجہ ہے کہ جب ایک مورخ وسیرت نگار کسی اولوالعزم ہستی پر قلم اٹھاتا ہے تو وہ صرف اتنے ہی پر بس نہیں کرتا ہے کہ وہ کیسی اور کیا تھی، اس کے اخلاق وکردار، اس کی عادات کیسی تھیں اور اس نے اپنی زندگی میں کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیے تھے، بلکہ وہ یہ بھی قلم بند کرتا ہے کہ اس کا تعلق کس خانوادے سے تھا، وہ کہاں اور کس جگہ پیدا ہوا، اس کے اساتذہ وشیوخ میں کون لوگ شامل تھے، اس کی بارگاہ کے حاضر باشوں اور تربیت یافتگان میں کن لوگوں کا نام آتا ہے، جس وقت وہ پیدا ہوا اس وقت کے حالات کیا تھے- اس کی پسندیدہ اور ناپسند چیزیں کیا تھیں، اس کا پہناوا کیا تھا، اس نے کہاں کہاں کا سفر کیا اور کن کن لوگوں سے ملا، الغرض اس کے تعلق سے ممکن حد تک تمام ضروری معلومات کا ایک تاریخ نگار احاطہ کرتا ہے اور سبھی کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرتا ہے-

قرآن مجید نے مسجد اقصیٰ کے گرد ونواح کو ’’ارض مقدسہ‘‘ سے یاد کیا ہے (المائدہ) اس لیے کہ یہ مقدس سرزمین لاتعداد انبیاے کرام اور بے شمار مردانِ خدا کی تربت گاہ وآرام گاہ ہے- اللہ پاک نے سرزمین مکہ کو ’’بلدِ امین‘‘ کا خطاب دیا ہے (التین) اس لیے کہ یہ سرزمین حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ اور پیغمبر آخر الزماں صلی

☆Machhi Pur,Distt.Bhagal Pur(Bihar)

اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش ہے "بسکانہا تغلو الدیار و ترخص" مکان کی قیمت کا اندازہ مکیں سے ہوتا ہے- کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے-

و ما احب الدیار شغفن قلبی
ولکن احب من سکن الدیار

مجھے اس سرزمین سے کیا لینا دینا میری ساری دل لگی تو یہاں رہنے والے محبوب سے ہے-

سرزمین کچھوچھہ کو "مقدس" ہونے کا شرف اس لیے حاصل ہے کہ اسے آٹھویں صدی ہجری کے اس مرد حق آگاہ سے نسبت وتعلق ہے جو اپنے وقت کا عظیم داعی حق ، بندۂ بے نفس ، درویش کامل اور غوثیت و جہانگیری کے بلند مقام پر فائز تھا- کہا جاتا ہے کہ حضور غوث العالم تارک السلطنت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ و الرضوان (۷۰۸-۸۰۸ھ) کے مرشد گرامی حضور شیخ علاء الحق والدین قدس سرہ (۷۰۱/۸۰۰ھ) آپ کی تربت گاہ کے لیے ایک جگہ کا انتخاب فرمایا اور بذریعہ کشف اس دیار کا معائنہ بھی کرایا (دیباچہ مکتوباتِ اشرفی) اور دلچسپ بات یہ ہے کہ حضور مخدوم نے اس سرزمین کو روح آباد کے نام سے یاد فرمایا ہے (مرأۃ الاسرار ۱۰۵۱) جیسا کہ آپ کے اس شعر سے ظاہر ہے-

اشرف از دل بروں کن میل سمناں را
کہ روح آباد سمناں است مارا

اشرف دل سے سمناں کی محبت دور کر ، کیوں کہ روح آباد (کچھوچھہ) ہمارے لیے سمناں ہے

شیخ عبدالرحمٰن چشتی (۱۰۰۵-۱۰۹۴ھ) قدس سرہ اس دیار مقدس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جب اس فقیر کے دل میں حضرت خضر علیہ السلام اور دوسرے رجال اللہ کی زیارت کی خواہش پیدا ہوئی اور بے قرار ہوا تو حضرت خواجہ معین الحق والدین چشتی قدس سرہ نے فرمایا کہ میر سید اشرف جہانگیر کے مزار پر جاؤ ، وہاں تمہاری مراد پوری ہوجائے گی- لہٰذا جب پہلی بار آستانے پر حاضری ہوئی تو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت سے شرف یاب ہوا مگر ہم کلامی کا شرف حاصل نہ ہوسکا- پھر جب دوسری بار حاضر ہوا تو تمام "رجال وقت" کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور قسم قسم کے فیوض و برکات حاصل کیے- اسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت پاک ، بعض صحابہ کرام اور اکثر مشائخ چشت کی بھی زیارت کا شرف حاصل ہوا"-

آگے چل کر شیخ چشتی لکھتے ہیں:

"اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ ولایت جہانگیری کے تصرف کی وجہ سے آج تک ولایت صوری ومعنوی کا عزل ونصب میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہ کے مزار پر جاری ہے اور اکثر رجال اللہ کا مجمع وہاں رہتا ہے" (ماخوذ مرأۃ الاسرار ، ۱۰۵۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۹۵۸-۱۰۵۲ھ) رقم طراز ہیں:

" آپ کی قبر بڑا فیض کا مقام ہے ، اور ایک حوض کے درمیان میں ہے ، اس علاقہ میں جنات کو دور کرنے کے لیے آپ کا نام لے لینا بڑا تیر بہدف نسخہ ہے"- (اخبار الاخیار ، ۸۴/۳)

مخدوم پاک اس مقام بافیض سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"ہر کہ بر سر قبر من رسد حاجتِ او بر آید و آمزیدہ شود ان شاء اللہ و عاقبت او بخیر باشد و آتش دوزخ بروے حرام گردد" (بشارۃ المریدین ، قلمی) جو شخص میری قبر پر حاضری دے گا ، ان شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی ، اس کا انجام اچھا ہوگا ، وہ بخشا جائے گا اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہوگی-

قدوۃ الکبرا حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ نے کچھوچھہ کو اپنی مملکت روحانیت کی راجدھانی بنانے کے بعد اپنے واحد مشن پر کام شروع کر دیا - وہ واحد مشن یہی تھا - مخلوق خدا کو خلق کی عبادت کے قعر مذلت سے نکال کر خالق کی عبادت کی سرمدی عزت کے مقام بلند پر کھڑا کر دینا - تاج وتخت پر لات مارنے کے بعد ہندوستان آنا اور پنڈوا کے مملکتِ فقر کے سلطان حضر شیخ علاء الحق والدین کے دامن سے وابستہ ہوکر دس سال سے زیادہ عرصہ تک ان کی ملازمت میں رہنا صرف اس لیے تھا کہ اس مشن کی راہ میں پیش آمدہ عوائق ومشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو پہلے سے تیار کرلیا جائے اور کوئی ایسا اسلحہ نہ چھوڑا جائے جس سے اپنی شخصیت مسلح نہ رہے- کس درجہ مکمل اور کیا غضب کی تیاری تھی- ذرا دیکھئے:

حضرت قدوۃ الکبرا کا پیام مشہور جوگی کے نام: آپ نے ملک محمود سے فرمایا کہ ہمارے ایک آدمی کو وہ مقام بتلا دو تا کہ وہ صحیح پتہ سے

وہاں پہنچے- ملک محمود نے حضرت کے خادم کو صحیح نشان و پتہ بتا دیا- حضرت نے اس کو حکم دیا کہ اس مقام پر جا اور ہمارا اس کو سلام پہنچا- اس کے ساتھ یہ بھی کہنا کہ خطہ زمین کا تخلیہ کر کے چلا جائے- آج سے اس پر ہمارا قبضہ رہے گا- خادم یہ حکم پاتے ہی رخصت ہوا اور ٹھیک اسی مقام پر پہنچا- اور بہ آواز بلند کہا کہ اے جوگیوں کے سرگروہ میرے شاہ مخدوم اشرف جہانگیر کا حکم ہے کہ تو اس خطہ زمین سے نکل جا آج سے اس پر ہمارا عمل دخل رہے گا- وہ یہ آواز سن کر باہر نکلا اور کہا کہ اے شخص مجھ کو تیری عقل پر افسوس ہوتا ہے- تجھے اس کا علم نہیں کہ انسان تو کیا چیز ہے جن کی قوت بھی جس کا مقابلہ نہ کر سکے- میں ایسی فضول بکواس سننا نہیں چاہتا- اس وقت میرے تابع فرمان پانچ سو جوگی بہادر ہیں اور ہر ایک کے تابع ایک جن ہے- بھلا کس کی قوت و طاقت ہے جو میرا مقابلہ کر سکے- پس یہاں سے تو خاموشی سے واپس جا ورنہ ٹھیک نہیں- خادم یہ جواب سن کر واپس آیا اور اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا-

پہلے خادم نے جو کچھ جوگی سے سنا تھا وہ سب حضرت سے عرض کیا- آپ نے اس وقت جمال الدین فقیر کو آواز دی- وہ حاضر ہوا آپ نے فرمایا تو ابھی جوگی کے پاس جا اور اس کو اسی وقت وہاں سے نکال- جمال الدین فقیر یہ حکم سن کر کچھ سوچنے لگا آپ نے فرمایا سوچتا کیا ہے یہ لے فرما کر ایک پان کا بیڑا دے کر فرمایا اس کو کھالے اور کسی قسم کا خوف نہ کر ہر طرح سے اس کا مقابلہ کرنا- جمال الدین نے وہ پان کا بیڑا کھایا اور مانند شیر غران جوگی کے مقام پر پہنچا- اور بہت زور سے للکار کر آواز دی کہ اے بدبخت اگر مقابلہ کا ارادہ رکھتا ہے تو نکل کر دیکھ تیرا کیا حشر ہوتا ہے- جوگی آواز پر نکلا اور کہا کہ میرے مقابلہ کی تاب وقوت آج دنیا کے بڑے بڑے سورما نہیں کر سکتے لیکن تو کون ہے جو مجھ سے ایسے گستاخانہ الفاظ کہتا ہے- دیکھ تیری بھلائی اسی میں ہے کہ تو ابھی واپس جا ورنہ تیری خیر نہیں- یہ کہہ کر اپنی قوت سحر سے چونٹیوں کا لشکر عظیم فقیر کی طرف روانہ کیا- جیسے ہی وہ فوج جمال الدین کے قریب ہوئی اس نے ایک آواز دی- اس وقت اس کے چونٹیوں کا پورا لشکر غائب ہو گیا- اس کے بعد جوگی نے شیروں کی فوج مقابلہ کے لیے بھیجی جیسے قریب ہوئے تھے کہ فقیر نے ایک آواز لگائی اور سارا لشکر غائب ہو گیا- اس جوگی کو بہت غصہ آیا اس نے اپنا سونٹا آسمان کی طرف پھینکا- اِدھر جمال الدین نے بھی اپنا سونٹا آسمان کی طرف پھینکا، جمال کا سونٹا جوگی کے سونٹے کو خوب مار مار کر زمین پر گرا دیا- اس وقت جوگی بدحواس ہو کر چلایا- اے فقیر رحم کر رحم کر- خادم نے کہا صرف اب تیرے بچنے کی ایک صورت ہے کہ تو ایمان لا اور مسلمان ہو جا ورنہ تیرے لیے خیر نہیں- جوگی نے کہا میں صدق دل سے ایمان لاتا ہوں، پہلے مجھے اپنے مرشد کے پاس لے چل- خادم نے کہا بسم اللہ دیر کیا ہے اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت قدوۃ الکبراء کی خدمت میں حاضر ہوا- خادم نے حضرت کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا یہ میرے سرکار ہیں، جوگی بدحواس تھا، بے تحاشہ حضرت کے قدموں سے لپٹ گیا- عرض کیا کہ اے مالک میری پہلی خطا معاف فرماؤ اور رحم کرو- بعد میں بخوشی اسلام قبول کرتا ہوں- صدق دل سے ایمان لاتا ہوں- آپ نے اس کی خطا معاف کی اور وہ مسلمان ہو گیا جب ایسا اشد اور سخت ترین دشمن مسلمان ہو گیا- اس نے حضرت سے اجازت چاہی کہ اپنی قیام گیاہ پہنچ کر اپنے پانچ سو چیلے لے کر حاضر ہوں- آپ نے اس کو اجازت دی وہ روانہ ہوا اور اپنے ہمراہ پانچ سو چیلے جوگیوں کو لے کر حاضر ہوا- یہ سب کے سب مسلمان ہوئے- یہ ایسا واقعہ تھا کہ جس کے دیکھنے کے لیے ہزار ہا آدمی آئے-

کچھوچھہ مقدسہ میں قیام واستقرار اور علاقائی سطح پر اپنے مشن کی حیرت انگیز کامیابی دیکھ کر اور مطمئن ہو کر حضرت قدوۃ الکبرا اپنی خانقاہ ہی میں معتکف نہیں ہو گئے بلکہ اس سرزمین کو اپنے مشن کا مرکز بنا کر اس وقت کی دنیا کے اکثر وبیشتر حصے کا سفر کیا- اور اس مشن کو عالمی مشن بنایا- جہاں گردی وسیاحت کے حوالے سے اولیا روئے زمین کے اولیا میں آپ کا نام معدودے چند کی فہرست میں ہے- صاحب ''برکات اشرفی'' لکھتے ہیں:

مولف ''لطائف اشرفی'' حاجی غریب الیمنی رقم طراز ہیں کہ حضرت قدوۃ الکبرا کے سفر وسیاحت میں جو جو عجائبات عالم نظر آئے حضرت نے کہ اس کا اظہار اگر تمہارے سامنے کیا جائے تو تم لوگ یقین نہیں کر سکو گے- جس طرح حضرت نے دنیاوی سفر وسیاحت فرمائی ایسی بہت کم نظیر ہوگی جو کچھ صنائع قدرت عالم کے آپ نے دیکھے اس کو دیکھ کر انسان دنگ ہو جاتا ہے''-

جس مشن کے لیے حضرت قدوۃ الکبرا نے تاج وتخت کو چھوڑا، دنیا کی خواہشات سے منہ موڑا اور جس کی خدمت کے لیے اپنی حیات مستعار کو وقف کر دیا، کیسے ممکن تھا کہ ان کے ساتھ ہی ان کا مشن بھی پردہ

غیب میں چلا جائے- یہ مشن تو وہ مقدس مشن ہے جسے ان کے بزرگوں نے ان کی طرف منتقل کیا اور انہیں اپنے جانشیں اور بعد میں آنے والے کی طرف منتقل کرنا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہنا ہے-

سب جانتے ہیں کہ حضرت قدوۃ الکبرا نے تجرد کی زندگی گزاری لیکن اللہ رحمٰن و رحیم نے انہیں اولاد سے محروم نہیں رکھا اپنے خواہر زادے سید عبدالرزاق جیلانی حموی کو اپنا فرزند بنایا جوان کی آنکھوں کا نور بنے اور نور العین کے لقب سے مشہور ہوئے- آٹھ سال کی عمر میں حضرت قدوۃ الکبرا نے انہیں اپنی صحبت میں لے لیا، اپنی تمام توجہات کا مرکز بنالیا- ان کی تعلیم و تربیت میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا اور تمام کمالاتِ صوری و معنوی سے آراستہ کر کے اپنا جانشیں و خلیفہ بنایا- حضرت نور العین کے چار فرزند حضرت قدوۃ الکبرا کی حیات ظاہری ہی میں زینت افزائے عالمِ گیتی ہوئے- چاروں صاحبزادگانِ نور العین کو حضرت قدوۃ الکبراء سے طویل عرصہ تک براہِ راست اکتساب فیض کے مواقع میسر آئے- الحاصل حضرت نور العین مع اپنے چاروں شاہزادگان جہانگیری شان کے حامل اور اس کے نگہبان ہوئے-

المختصر کچھوچھہ کا جو چھ سو سال سے زائد عرصہ پر محیط ایک مضبوط خوبصورت تاریخی ڈھانچہ بنتا ہے وہ روحانیت ہی کے حوالے سے بنتا ہے- یہ ملحوظ نظر رہے کہ جس روحانیت نے کچھوچھہ کو ''کچھ اچھا'' ہی نہیں، بلکہ ''بہت اچھا''، بلکہ قدیم ریاست جون پور کے قلمرو کا ''سب سے اچھا'' مقام بنایا، جس نے سید حسن، سید حسین، سید حاجی احمد، سید شمس الدین، اولاد نور العین، حاجی چراغ جہاں، سید دیوان صادق، جہانگیر ثانی، شاہ اشرف حسین، شاہ علی حسین، سید احمد اشرف، سید مصطفیٰ اشرف، سید محمد محدث اعظم، سید محی الدین اشرف، سید مختار اشرف جیسے ''اچھے سے اچھوں'' کو جنم دیا، اس روحانیت کا آج کی فاؤنڈیشنی اور کمپیوٹری روحانیت سے دور کا بھی رشتہ نہیں-

میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے سلسلہ اشرفیہ کے قائد اعظم نے جس روحانیت کی تبلیغ کی اور ان کے اولوالعزم جانشینوں نے جسے دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچایا، اس روحانیت میں توحید و شرک ایمان و کفر کے درمیان کسی قسم کے اتحاد کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے-

اوپر میں نے ذکر کیا کہ مکان کی قیمت و اہمیت مکین سے ہوتی ہے - نیز عنوان کے ساتھ انصاف کا تقاضہ بھی ہے کہ کچھوچھہ کو ''مقدس'' اور ''شریف'' اور اسے ''روحانی گہوارہ'' بنا کر تاریخ میں نمایاں مقام عطا کرنے والی چند شخصیات کا بہت ہی مختصر ذکر کر کے ہی میں اپنی بات ختم کروں- ہم اسے تاریخی طور پر تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں- (۱) حضرت قدوۃ الکبرا تا اولاد نور العین (۲) اولاد نور العین تا شاہ فضل حسین سجادہ نشیں (۳) شاہ اشرف حسین و شاہ علی حسین سجادہ نشینان تا امروز - دور اول میں کچھوچھہ کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے والی شخصیات میں جن کے متعلق ہم کچھ جانتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں (۱) فرزند غوث الثقلین مخدوم الآفاق حضرت سید عبدالرزاق نور العین- حضرت قدوۃ الکبرا نے سات سال کی عمر میں آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لیا اور اپنا پرتو بنا دیا- اپنا فرزند برحق اور جانشین مطلق کہا - نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک اپنی تربیت کے انوار سے ان کے ظاہر و باطن کو منور کرتے رہے- آپ کے فضائل و کمالات کا احاطہ یہ دماغ کما حقہ نہیں کر سکتا- قلم انہیں صفحہ قرطاس پر بکھیرنے سے عاجز ہے- آپ ہی ''مکتوبات اشرفی کے جامع ہیں'' -(۲) سید حسن خلف اکبر سجادہ نشین آپ کے بارے میں حضرت قدوۃ الکبرا کا یہ ارشاد ہے: ''حسن ما احسن الوجوہ و اکبر الوقوہ شود'' (۳) سید حسین صاحبِ ولایت جونپور آپ جونپور سے چلے آئے اور جوارِ مخدوم ہی میں زندگی گزارنے کو ترجیح دی- آپ کے بارے میں حضرت مخدوم قدس سرہ نے فرمایا: ''حسین ثانی ما است واز وے اولاد کثیر صادر گردد'' آپ کی اولاد اکناف ہند میں بہت پھیلی (۴) حاجی سید احمد صاحبِ ولایتِ جائس، صاحب فضل و کمال بزرگ تھے حضرت قدوۃ الکبرا نے ان کی صفات حمیدہ، علم و فضل اور سخاوت کا ذکر فرمایا تھا آپ کا مزار مقدس جائس میں ہے- آپ کی نسل میں بڑے بڑے صاحبان علم و کمال پیدا ہوتے رہے- ملا نظام الدین سہالوی بانی درس نظامی، نسل حاجی شاہ سید احمد قدس سرہ کی نسل میں ایک عبقری فاضل ملا قلی اشرفی کے شاگرد تھے- چودھویں صدی میں شاہ علی حسن اشرفی جائسی نام کے بزرگ علم و فضل اور شعر و ادب کی معتبر شخصیت تھی-

خلفائے حضرت قدوۃ الکبرا میں دو شخصیت کے بغیر کچھوچھہ مقدسہ کی روحانی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی- ان میں پہلی تو حضرت ملک محمود کی ذات ہے، جن کا پیدائشی تعلق کچھوچھہ سے متصل آبادی بھدوڑ سے تھا- آستانہ مخدوم کے صحن سے متصل آسودہ خواب ہیں- آپ کو حضرت قدوۃ الکبراء سے غایت تقرب حاصل تھا- دوسری عظیم ہستی سفر

وحضر میں ساتھ رہنے والی حضرت نظام غریب یمنی جامع ''لطائف اشرفی'' کی ہے- حضرت کے انفاسِ قدسیہ اور حقائق و معارف کو کتابی شکل میں جمع کر کے محفوظ فرما کر، امت پر احسان عظیم فرمایا-

دوسرا دور جو تین سو برس سے زیادہ کو محیط ہے- شاخ حسن و شاخ حسین سے کم و بیش ایک درجن سجادہ نشینان مسند ارشاد پر متمکن ہو کر عہد بہ عہد واصل باللہ ہوتے رہے- سب نے اپنی خدمات کے گہرے نقوش چھوڑے - تاریخ نے اگر ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی خدمات کو اپنے سینے میں محفوظ نہیں رکھا تو قصور اربابِ تاریخ کا ہے- عدم ذکر، عدم حقیقت کو مستلزم نہیں ہو سکتی - حقائق تو اپنی جگہ رہیں گے، تاہم بادشاہوں کے فرامین اور حکومتی رکاڈرس اور بعض قدیم کتب میں مختصراً سہی مگر ان حضرات کا ذکر ملتا ہے-

تیسرا دور جس کا آغاز تیرہویں صدی کے ربع آخر سے شروع ہوتا ہے، جب واقف اسرار قاب قوسین حضرت شاہ سید اشرف حسین (۱۲۶۰ء/۱۳۴۷ھ) اپنے عم محترم حضرت شاہ فضل حسین سجادہ نشین قدس سرہما سے تفویض شدہ مسند سجادگی کی ذمہ داریاں اپنے برادر عزیز شبیہ غوث الثقلین محبوب ربانی اعلیٰ حضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ کے سپرد کرتے ہیں- اس دور میں کچھوچھہ مقدسہ ایک نئے اور خوشگوار انقلاب سے روشناس ہوا- حضور اشرفی میاں کی کوششوں، یقین محکم اور عمل پیہم کے جو نتائج اور ثمرات سامنے آئے انہیں مخدومی مشن کا بجا طور پر تجدید و احیا کہا گیا - علم و عرفان، تقوی و دیانت، حکمت و دانائی، حلم و تدبر، اخلاقِ حسنہ و سلوک مستقیم کے زیور سے خود کو آراستہ و پیراستہ کر کے اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے برصغیر کے گوشے گوشے اور عالم اسلام کا سفر کیا اور مخدومی فیضان و اشرفی معارف و برکات کے نور سے دلوں کی دنیا کو جگمگایا- مرتبِ ''تحائف اشرفی'' آپ کے مرید صادق حضرت میر غلام بھیک نیرنگ وکیل انبالہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ و کعبہ کی سیر و سیاحت ضرب المثل و اشاعت سلسلہ میں بے بدل سمجھی جاتی ہے- سلسلۂ عالیہ اشرفیہ کی تاریخ میں پہلی دفعہ اس سلسلہ شریفہ کا اجرا شرق سے غرب تک حضور قبلہ و کعبہ کی ذات بابرکات سے ہوا- **فالحمدلله علی ذالک** - اجرائے سلسلہ کے اعتبار سے اگر آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ یا مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے آفتابِ ولایت کا پرتو کہیں تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا- اس دوہے میں آپ نے اپنی سیاحت کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا ہے-

دنیا میں ایسے پھرے جیس پھرت پرکار
آئیکے پہلی ٹھاؤں میں بیٹھے آسن مار

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے فضل و تبحر اور شخصیت کی جامعیت کے ادراک کے لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ کا یہ شعر ہی کافی ہے-

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ حقیقت و شریعت کے غواص اور علم و روحانیت کے بحر ناپیدا کنار تھے، جن کے زہد و پارسائی اور طہارت و پاکیزگی کو دیکھ کر اپنے وقت کے درویش کامل اور عظیم صوفی حضرت وارث علی شاہ صاحب آرزو کیا کرتے تھے کہ ''ایسا امام میسر ہو تو میں بھی جماعت کی نماز پڑھوں'' (حیات مخدوم الاولیاء، ۱۲۹) جنہیں دیکھ کر حضرت عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ نے سعی صفا و مروہ کی ترتیب بدل دی اور پوچھنے پر فرمایا کہ ''سامنے سے شبیہ غوث الثقلین حضرت شاہ علی حسین صاحب قبلہ جیلانی آرہے تھے میں کیسے ان کی طرف پیٹھ کرتا'' (حیات مخدوم الاولیا، ۱۳۷) جن کے میں بارے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ''حضرت ان میں ہیں جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں'' (حیات مخدوم الاولیا، ۱۴۴) اور جن کے حاضر باشوں اور تربیت یافتگان میں صدر الافاضل اور صدر العلما جیسی شخصیتیں شامل تھیں جو خود بھی حکمت و دانائی کا جبل شامخ اور علم کی مستحکم بنیاد تھا، جن کی عظمت و رفعت کا اعتراف اپنے بیگانے سبھی کیا کرتے تھے-

آپ کے پیر و مرشد تاج العرفا حضرت شاہ اشرف حسین علیہ الرحمہ، جمال صوری و معنوی سے آراستہ اپنے اسلاف کی زندہ یادگار تھے- اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے ذریعہ سلسلہ اشرفیہ کا جو احیا و تجدید ہوا اس مقدس عمل میں آپ کی مساعی جمیلہ اور سرگرم کردار کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں- انہیں ان کے نانا جان خاندانِ اشرفیہ کی انتہائی بزرگ شخصیت حضرت شاہ نیاز اشرف علیہ الرحمہ سے خصوصی فیض ملا- پابندی سے روزنامچہ لکھنا آپ کا معمول تھا- یہ روزنامچہ جس کی کثیر جلدیں مختار اشرف لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں محفوظ ہیں، اس دور کی تاریخی

دستاویز ہیں، معلومات اور معارف کا خزانہ ہیں- اس قیمتی روزنامچہ کے منظرِ عام پر آنے کا وقت آنے ہی والا ہے- ان شاء اللہ تعالی

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے جہاں برصغیر کے مشرق ومغرب، شمال وجنوب کا سفر کر کے سلسلہ اشرفیہ کے فیضان کو ہر طرف عام کیا اور اس خصوص میں بجا طور پر ثانی اشرف سمناں ہوئے، وہیں اس سے بڑا کام ''شخصیت سازی'' کا کیا جس کے نتیجے میں ۱۳۰۰ ہجری سے ۱۳۵۵ ہجری کے دوران پچاس پچپن سال کے درمیانی عرصے میں نسل شاہ اشرف حسین وشاہ علی حسین میں کئی شخصیات علم وعمل کے آسمان پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکتی نظر آ رہی ہیں-

(۱) عالم ربانی واعظ لاثانی حضرت سید شاہ احمد اشرف اشرفی جیلانی (۱۲۸۶-۱۳۴۷ھ) اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے فرزند، تاج العرفا حضرت شاہ اشرف حسین کے بھتیجے و داماد استاذ زمن شاہ لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید، فاضل بریلوی کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والے، علم وعمل سے خود کو ایسا سنوارا کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے عالم رویا میں اپنے دست اقدس سے دستار بندی فرمائی- استاذ زمن نے کہا- ''اب کس کی جرأت ہے کہ آپ کے سر پر فضیلت کی روایتی دستار رکھے-'' جمال ظاہر وباطن کا آئینہ تھے- ان کی قلمی تصویر دیکھ کر اور جمال جہاں آرا کے قصے سن کر مجھ سے نہ رہا گیا اور بے اختیار کہہ پڑا-

ماہِ کامل ہے خجل جس سے وہ چہرہ تیرا
آئنہ حسن ازل کا رخِ زیبا تیرا
جس کو دیکھو نظر آتا ہے وہ شیدائی حسن
حسن کو دیکھا تو شیدا نظر آیا تیرا

''عالم ربانی'' و''واعظِ لاثانی'' کے لقب سے مشہور تھے- اسلام وسنیت کی اشاعت اور بدعقیدگی و وہابیت کی بیخ کنی کے لیے پوری زندگی وقف کر دی- فاضل بریلوی نے فرمایا:

احمد اشرف حمد وشرف لے   ان سے ذلت پاتے یہ ہیں

(۲) حضرت سید مصطفیٰ اشرف اشرفی (۱۸۹۲/۱۹۷۲ھ) خلف اصغر حضور اشرفی میاں- بزرگی وروحانیت میں اپنے والد کے عکس جمیل تھے- صاحب کشف وکرامت اور روشن ضمیر تھے- فرنگی محل میں دینی علوم کی تحصیل کی- راقم الحروف نے زیارت کی ہے- اسی سال کی عمر تک ہدایت وارشاد کے عمل میں سرگرم رہے (۳) فاضلِ اجل حضرت سید شاہ نذر اشرف صاحب اشرفی جیلانی، والدِ حضور محدثِ اعظمِ ہند قدس سرہ، جلیل القدر فاضل، حاذق حکیم، جن کی حذاقت کے حکیم اجمل خاں مرحوم معترف، ذہانت وطباعی، حاضر جوابی میں بے مثل، فنِ شاعری میں درجہ کمال پر فائز، اردو وفارسی کے ادیبِ لبیب، بہترین نثر نگار، جامعہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف میں تاحیات درس وتدریس سے وابستہ رہے- حضرت سید محی الدین اشرف عرف اچھے میاں حضرت شاہ اشرف حسین علیہ الرحمہ کے پوتے- فرنگی محل میں تعلیم پائی- حسن ظاہر وباطن سے آراستہ تھے، ان کے اوصاف وکمالات کے بیان میں اچھے اچھوں کو رطب اللسان دیکھا- پوری زندگی اپنے بزرگوں کی روایت پر کاربند رہے-

ماضی قریب میں (۱۵/سال کے دوران) اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو کوچ کرنے والی شخصیات میں جنہوں نے اُس کاروانِ عمل وآگہی کو آگے بڑھانے میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں جو حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی قیادت میں جادہ پیما ہوا تھا- اسلامیانِ ہند کی زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کے مثبت اثرات محسوس کیے جا رہے ہیں- کچھوچھا مقدسہ کو ایک تاریخی وروحانی گہوارہ کی حیثیت سے دنیا بھر میں متعارف کرانے میں ان کی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں- ان شخصیات میں سب سے معتبر اور عظیم المرتبت شخصیت مخدوم المشائخ سراج السالکین حضرت مولانا سید محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ سجادہ نشین (۱۹۱۵-۱۹۹۶ء) کی ذاتِ گرامی ہے- تاریخ کچھوچھا کا تیسرا دور، جو معارفِ سلسلہ اشرفیہ کی تجدید واحیا کا دور ہے، اس دور کی تمام شخصیات کے، حضور سرکار کلاں چہیتے اور نور نظر رہے- سب سے خوب خوب اکتساب فیض کیا- حضرت صدر الافاضل مرادآبادی علیہ الرحمہ سے علوم وفنون کی تحصیل کی- تمام اوصافِ حمیدہ کے جامع، کمالات صوری ومعنوی کے سنگم، اکابرِ اہل سنت میں آپ کا نمایاں مقام ہے- ۶۰/برس تک آستانہ اشرفیہ کی مسندِ سجادگی پر متمکن رہے اور ایک عالم کو اشرفی فیضان کے انوار سے منور کیا-

دیگر شخصیات میں مجاہدِ دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین اشرفی جیلانی سابق ممبر پارلیامنٹ، حضرت مولانا سید امیر اشرف اشرفی جیلانی، شیخِ طریقت حضرت مولانا سید مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی، اشرف العلماء حضرت مولانا سید حامد اشرف اشرفی جیلانی، حضرت حکیم

سید احمد حسین کوثر اشرفی جیلانی، اشرف الصوفیہ حضرت سید احمد اشرف اشرفی جیلانی فرزند سرکارِ کلاں علیہ الرحمہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) ان شخصیات میں ہر ایک انجمن کی حیثیت رکھتی ہیں-قومی، ملی، مذہبی، سیاسی، علمی، روحانی خدمات کی ایک طویل تاریخ ہر شخصیت سے وابستہ ہے-سب کی خدمات عالم آشکار ہیں-اگر زمانہ حال کا جائزہ لیا جائے تو کچھوچھا مقدسہ عبقری اور تاریخ ساز شخصیات سے پُر نظر آئے گا-ان میں بعض ایسی بھی شخصیتیں ہیں، جنہوں نے مخدومی فیضان کو دنیا کے پچاسوں ممالک تک پہنچایا-

شیخ طریقت حضرت مولانا سید شاہ قطب الدین اشرف اشرفی جیلانی، شیخِ اعظم حضرت مولانا سید اظہار اشرف، شیخ الاسلام علامہ سید مدنی اشرفی جیلانی، جانشینِ مخدوم الملت محدثِ اعظم قدس سرہ، غازی ملت حضرت مولانا سید محمد ہاشمی اشرفی جیلانی دامت برکاتھم القدسیہ- طریقت و تصوف، تقریر و خطابت، تصنیف و تالیف، شیرازہ بندی و تنظیم، قیامِ مدارس و مکاتب اور لائبریری وغیرہ دینی خدمات کے مختلف شعبوں میں جو خدمات یہ حضرات پیش کر رہے ہیں، ان کی اہمیت کا زمانہ معترف ہے-یہ حضرات اہل سنت کے اساطین و اکابر ہیں-اہل سنت میں ان کا نام اور کام زبان زدِ خاص و عام ہے-ان کے علاوہ حضرت مولانا سید ظلِ حسن اشرف اشرفی جیلانی و اجمل العلما حضرت مولانا سید اجمل حسین اشرفی جیلانی خانوادہ اشرفیہ کے لائقِ احترام مشائخ شمار ہوتے ہیں-سلسلہ کی اشاعت اور مخدومی فیضان کو عام کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں-

باعثِ مسرت واطمینان یہ امر ہے کہ زمانۂ حال میں کچھوچھا شریف کی یہ بڑی شخصیات اپنے تحریکی سفر میں تنہا نہیں ہیں، بلکہ اپنے گھر ہی میں رفقاءِ سفر کی ایک قابلِ رشک ٹیم تیار کر لی ہے-اس ٹیم میں ہر ایک فرد اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب ہے-ان میں خاص طور سے قابلِ ذکر درج ذیل شخصیات ہیں-(۱) صوفی ملت حضرت مولانا سید تنویر اشرف اشرفی جیلانی (۲) حضرت صوفی سید جہانگیر اشرف اشرفی جیلانی (۳) حضرت مولانا سید انوار اشرف اشرفی جیلانی (۴) قائدِ قوم و ملت حضرت مولانا سید محمود اشرف اشرفی جیلانی ولی عہد سجادہ نشین (۵) حضرت مولانا سید حسن عسکری اشرفی جیلانی، ولی عہد آستانۂ محدثِ اعظم (۶) حضرت مولانا سید نورانی میاں اشرفی جیلانی (۷) حضرت قبلہ سید اشرف میاں اشرفی جیلانی (۸) حضرت مولانا سید قاسم اشرف اشرفی جیلانی (۹) حضرت مولانا سید نظام اشرف اشرفی جیلانی (۱۰) حضرت مولانا سید عالمگیر اشرف اشرفی جیلانی (۱۱) حضرت مولانا سید اشرف میاں صاحب ابن جہانگیر میاں اشرفی جیلانی (۱۲) حضرت مولانا سید طلحہ اشرف اشرفی جیلانی (۱۳) حضرت مولانا سید شبلی اشرف اشرفی جیلانی **اطال اللہ حیاتھم و افاض علینا وعلی جمیع المسلمین من برکاتھم**

حضرت قدوۃ الکبرا مخدوم سمناں علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے پیر و مرشد کے اشارے پر اس سرزمین کچھوچھا کی طرف رخ فرمایا اور اس ویران وغیر آباد سرزمین کو کفر و بے دینی، شرک و بت پرستی اور جاہلانہ اوہام وخرافات کی آلودگیوں سے پاک کر کے اسے مانند بہشت بنایا-

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ ''ارض مقدسہ'' ہر زمانے میں عالمی منظر نامے میں دو حیثیتوں سے مشہور و متعارف اور مرجع خلائق وانام رہی ہے-ایک تو مخدوم پاک کا بافیض وروحانیت بخش آستانہ ہے جب کہ دوسرا آپ کا بسایا اور آباد کردہ خانوادہ یعنی ''خانوادہ اشرفیہ'' ہے-جہاں تک اول الذکر کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور خود مخدوم پاک (علیہم الرحمۃ والرضوان) کی تحریروں اور ان کے سابقہ بیان سے لگایا جا سکتا ہے اور رہ گئی بات ثانی الذکر کی تو مخدوم پاک علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے فرزند معنوی اپنے جانشیں مطلق حضرت سیدنا عبدالرزاق نورالعین قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کے ذریعہ جو خانوادہ آباد کیا وہ اپنے گونا گوں اوصاف، اپنی انفرادی شان اور اپنے مقام بلند کی وجہ سے ہر زمانے میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتا رہا یہاں تک کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے اس خانوادے سے اپنی عقیدت ووارفتگی اور اپنی بے پناہ محبت والفت کا اعلان ان لفظوں میں کیا ''ساداتِ کچھوچھہ ہمہ داں مقبولانِ خالق وخلائق ہیں''-(بحوالہ حیات مخدوم الاولیا، ص:۱۴۶)

اس خانوادے میں ایسی ایسی عظیم ہستیاں اور اولوالعزم شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں جو حکمت و دانائی کے تاجدار، علم و روحانیت کے شہسوار، اپنے وقت کے غزالی ورازی اور بایزید و بسطامی تھے- حضرت سید عبدالرزاق نورالعین علیہ الرحمۃ والرضوان سے لے کر محدثِ اعظم ہند اور شیخ الاسلام تک اور حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں

علیہ الرحمہ اور مولانا احمد اشرف علیہ الرحمہ سے لے کر شیخ اعظم اور قطب المشائخ تک یہ وہ برگزیدہ اور جلیل القدر شخصیتیں ہیں، جنہوں نے اپنی دعوتی سرگرمیوں اور مسلسل تبلیغی دوروں کے ذریعہ بے شمار خلق خدا کو مضبوط ایمان وعقیدہ عطا کیا اور انہیں اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات پر قائم فرما کر ان کے دین ومذہب کی حفاظت فرمائی-

اس سلسلۃ الذہب کی ایک خوبصورت کڑی جسے دنیا محدث اعظم ہند کے نام سے یاد کرتی ہے، جنہوں نے انسانی خمیر وضمیر میں عشق مصطفیٰ کی روح پھونکنے، لوگوں کے دلوں کو ادب مصطفیٰ اور مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آباد و سرشار کرنے اور باطل فرقوں اور وہابیائی فتنوں کا قلع قمع کرنے کے لیے اپنے رات و دن ایک کردیے تھے- نہ جانے کتنے مناظرے کیے اور نہ معلوم دین وسنیت کے تحفظ و بقا کے لیے کہاں کہاں کے دورے اور کس کس جگہ کے سفر کیے- آپ جہاں بھی ہوتے شمع محفل، میر مجلس اور رونق بزم ہوا کرتے - آپ میدان علم وعمل کے شہسوار، روحانیت وتصوف کے تاجدار اور عزم وارادہ کی مستحکم بنیاد تھے- آپ کی علمی جلالت کا اعتراف اس وقت کے تمام علما وفضلا نے کیا ہے- چنانچہ حضرت برہان ملت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ‘‘گلستاں سنیت و بوستان علم اور فضل وکمال کے لہلہاتے پھولوں میں گلزار علم محدث اعظم علیہ الرحمہ ایک نمایاں اور خصوصی حیثیت کے مالک تھے-’’ (تذکرہ اکابر اہل سنت، ص: ۲۲۴)

مجاہد ملت کراچی لکھتے ہیں: ‘‘علما کی محفل میں وہ سرگروہ علماء تھے- صوفیا اور درویش میں ان کا مقام بلند تھا- وہ اپنے ہم نشینوں میں افضل ترین خصوصیات کے حامل تھے-’’ (تذکرہ اکابر اہل سنت، ص: ۲۲۳)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی تحریر فرماتے ہیں: ‘‘حیف صد حیف لوگوں نے اسے دفن کردیا جو مجلس مناظرہ میں فخرالدین رازی، محفل شعرا میں حسان الہند تھے- جو کارزار تقریر وتحریر میں مرد میدان تھا تو دارالافتا میں مفتی اعظم، جو مسند ارشاد پر شیخ معظم تھا تو درالحدیث میں محدث اعظم تھا-’’ (تذکرہ اکابر اہل سنت، ص: ۲۲۳)

صدہا مبارکبادیوں کا مستحق ہے ادارہ ‘‘جامِ نور’’ جو قوم وملت کی ایسی محسن شخصیت کے علمی وعملی کارناموں سے اہلِ عالم کو روشناس کرانے کے لیے اپنے رسالے کا خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے- مولیٰ تعالیٰ اس رسالے کو آباد اور اس کے کارکنوں کو شاد رکھے، آمین-

□□□

جانشین محدث اعظم، شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
کی پچاس سالہ دور سجادگی (گولڈن جبلی) اور
‘‘محدث اعظم ہند انٹرنیشنل کانفرنس’’
کے پرمسرت موقع پر بین الاقوامی شہرت یافتہ رسالہ ماہنامہ جام نور دہلی کے
‘‘محدث اعظم نمبر’’ کی رسم اجرا پر دلی مبارک باد اور نیک خواہشات
پیرومرشد کے دعاؤں کے طالب
پروفیسر یوسف قریشی، ابراہیم بھائی وڈیاوالا، یوسف بھائی سالار
احمد آباد (گجرات)

نورین علی حق☆

مجدد خانوادۂ اشرفیہ: اعلیٰ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں

نام ونسب: نام سید علی حسین، کنیت ابو احمد، لقب اعلیٰ حضرت، شیخ المشائخ اور تخلص اشرفی ہے- آپ کا شجرہ نسب ۲۴/ واسطوں سے حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

سید محمد علی حسین ابن سید شاہ سعادت علی ابن سید شاہ قلندر بخش ابن سید تراب اشرف ابن سید محمد نواز ابن سید محمد غوث ابن سید ابوالفتح ابن سید شاہ محمد ابن سید محمد اشرف ابن سید شاہ حسن ابن سید عبد الرزاق نورالعین (فرزند معنوی حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی) ابن سید عبدالغفور حسن جیلانی ابن سید ابوالعباس احمد ابن سید بدرالدین حسن ابن سید علاء الدین علی ابن سید شمس الدین محمد ابن سید سیف الدین نجی ابن سید ظہیر الدین احمد ابن سید ابونصر محمد ابن محی الدین ابی صالح نصر ابن سید تاج الدین عبد الرزاق ابن حضرت شیخ ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رحمہم اللہ اجمعین- حضرت سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد خلیفہ راشد، نواسہ رسول حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تک شجرہ نسب بہت معروف ہے اور انساب کی تمام اہم کتب ورسائل میں دستیاب ہے-

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی نگری کچھوچھہ شریف میں ۲۳/ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ بروز پیر صبح صادق کے وقت بمطابق دسمبر ۱۸۴۶ء میں ہوئی-

تقریب بسم اللہ خوانی: جب آپ کی عمر چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو خاندانی اور دیگر سادات خانوادوں کی رسم وروایت کے مطابق عارف کامل مولانا گل محمد خلیل آبادی نے رسم بسم اللہ ادا کرائی - اس کے بعد مولانا امانت علی کچھوچھوی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں - مولانا امانت علی گورکھ پوری اور مولانا قادر بخش کچھوچھوی سے مروجہ علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی اور اوراد ووظائف کی تعلیم حضرت سید شاہ عماد الدین اشرف اشرفی کچھوچھوی سے حاصل کی-

بیعت وخلافت: عصر حاضر میں بالعموم خانقاہی شہزادگان کی باہمی نزاع کافی شہرت رکھتی ہے اور ایک بھائی دوسرے کا حریف ہی ہوا کرتا ہے جب کہ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا سید شاہ ابومحمد اشرف حسین سے بیعت تھے اور پہلی خاندانی خلافت بھی آپ کو برادر بزرگ سے ہی حاصل تھی- آپ ۱۲۸۲ھ میں اپنے محترم بھائی سے بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے بھی سرفراز کیے گئے- ان کے علاوہ آپ کو سلسلہ قادریہ کی حضرت راج شاہ سوندھی، قادریہ منوریہ کی حضرت محمد امیر کابلی، قادریہ برکاتیہ کی حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی اور سلسلہ چشتیہ صفویہ کی حضرت شاہ خلیل میاں صفی پوری سے خلافت واجازت حاصل تھی-

مسند سجادگی: آپ کے برادر کبیر اور پیر ومرشد حضرت مولانا سید شاہ ابومحمد اشرف حسین نے علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کے بعد ۲۱ سال کی عمر میں ۳ ربیع الاول ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۱ء کو مسند سجادگی آپ کو عطا فرمائی-

حج بیت اللہ: آپ متعدد مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے دوران حج متعدد شخصیات کو خلاف واجازت سے نوازا- اس کے علاوہ دوران سعی ایک اہم واقعہ بھی پیش آیا جسے قاری توحید الحق اشرفی، کولکاتہ نے اپنے مضمون ”مخدوم الاولیا اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی کا حج وزیارت“ میں کچھ یوں تحریر کیا ہے:

”**پہلا حج وزیارت** : پہلے تو عالم خواب میں دربار نبوی میں حاضری کا شرف ہوا پھر بیداری کی حالت میں بارہا حاضری کی دولت نصیب ہوئی - ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۴ء میں پہلا حج ادا کیا اور دربار رسالت میں بحالت جسمانی بھی حاضری کا شرف حاصل کیا- وہاں سے بعض نعمتیں خاص طور پر حاصل ہوئیں-

عالم اسلام کے جلیل القدر عالم وعارف حضرت تاج الفحول شاہ مظہر حق محبّ رسول مولانا عبدالقادر بدایونی قدس سرہ بھی اسی سال سفر حج وزیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے- تاج الفحول صفا ومروہ کی سعی میں مشغول تھے- آپ کے ہمراہ آپ کے پیر خانہ مارہرہ مطہرہ کے صاحبزادگان عالی گرامی حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں

☆alihaqnrn@yahoo.com

اور حضرت مولانا شاہ حامد حسن بھی مصروف سعی تھے، حضرت تاج الفحول نے اچانک سعی کی ترتیب بدل دی۔ حضرت شاہ اسمٰعیل حسن نے حضرت شاہ حامد حسن سے کہا کہ حضرت تاج الفحول صاحب سے پوچھو اس تبدیلی سعی کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ انہوں نے تاج الفحول سے دریافت کیا تو حضرت تاج الفحول نے ارشاد فرمایا کہ ''آپ نے دیکھا نہیں کہ سامنے سے شبیہ غوث الثقلین شاہ علی حسین صاحب قبلہ جیلانی آرہے تھے، میں کیسے ان کی طرف پشت کرتا۔''

دوسرے دن صبح کو تینوں حضرات نے ایک دوسرے سے شب کا واقعہ بیان کیا کہ ''آج کی شب حضرت سیدنا غوث الثقلین قطب الکونین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دولت دیدار سے مشرف ہوا۔''

(حیات مخدوم الاولیاء ص ۹۲)

مجدد دین وملت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے حضرت تاج الفحول قدس سرہ کی مدح (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۶ء) میں ''قصیدہ چراغ انس'' (۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) میں مذکورہ واقعہ کا بیان لکھا ہے:

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے
روز سعی صفا محبّ رسول
ہاں یہ سچ ہے کہ یاں وہ آنکھ کہاں
آنکھ پہلے دلا محبّ رسول

دوسرا حج: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء میں تین سال بعد حج دوم ادا کیا۔ بعض اذکار واشغال کی اجازت مشائخ حرمین شریفین سے حاصل ہوئی۔

تیسرا حج: چھ سال بعد ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں حج سوم کے بعد زیارت مدینہ منورہ، طائف شریف، بیت المقدس اور دیگر بلاد اسلامیہ جیسے شام ومصر، حامہ شریف، حمص شریف میں حاضر ہوکر وہ نعمتیں حاصل کیں جس کی تفصیل کے لیے ایک لمبی کتاب درکار ہے۔

چوتھا حج اور آخری سفر حج وزیارت: شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں بسلسلہ رشد وہدایت لاہور کے مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف میں تشریف فرماتھے کہ آپ کے خصوصی پروردہ اور نواسے حضرت محدث اعظم ہند مولانا الحاج سید شاہ محمد قدس سرہ نے بمبئی سے یہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا کہ ''حضور سفر حرمین کا عزم فرمالیں، سفر کے مصارف کا میں انتظام کروں گا، آپ چلے آئیں۔'' مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات اشرفی شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف بیان فرماتے ہیں کہ: ''حضرت نے فرمایا: فقیر اپنے پیسے سے حج وزیارت کو جائے گا اور اعلیٰ حضرت نے اپنی جیب سے نکال کر تین روپے عطا فرمائے اور فرمایا لو ایک ایک پیسہ اس کا بھنا کرلے آؤ، جب میں لے کر آیا تو فرمایا مسجد وزیر خاں کی سیڑھیوں پر بیٹھ جاؤ، ایک ایک پیسہ سب میں تقسیم کردو، بلا لحاظ امیر وغریب اور صغیر وکبیر، آج فقیر اللہ تعالیٰ سے کاروبار کرے گا۔''

''بعد نماز عصر اعلیٰ حضرت قبلہ اپنے کمرہ میں رونق افروز تھے، جب دو غیر معروف آدمی جو سفید ریش اور بہت خوبصورت تھے، حاضر خدمت ہوئے اور قدم بوسی کی، اس کے بعد انہوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کے فرش کے نیچے کچھ رکھا اور چلے گئے۔ حضور نے مجھ سے فرمایا، فرزند ابوالبرکات! اس کے نیچے دیکھو کیا ہے؟ جب میں دیکھا اور نکالا تو پیسے تھے جو حج کے تمام اخراجات کے لیے کافی تھے، ان کی مقدار تین سو کی تھی (روایت جناب آصف لاہوری تحریر خالد سیف)

شیخ المشائخ محبوب ربانی قدس سرہ کا یہ چوتھا اور آخری سفر حج وزیارت تھا، حلقہ ارادت میں خبر عام ہوئی تو ایک قافلہ بھی سعادت ہمرکابی کے لیے ہمراہ ہوگیا، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین اشرفی مرادآبادی کا قافلہ بھی شامل تھا۔ شیخ المشائخ کا یہ سفر نہایت ہی ذوق وشوق کے ساتھ شروع ہوا، جہانگیری جہاز میں سفر کے لیے جگہ دستیاب ہوئی، مدینہ منورہ میں علمائے کبار اور مشائخ کی حاضری رہی، بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رہتا۔ اسی موقع پر حضرت مولانا محمد علی حسین خیرآبادی مدنی کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، اسی سفر میں مولانا عبدالباقی فرنگی محلی بانی وشیخ الحدیث جامعہ نظامیہ مدینہ طیبہ خلافت خاصہ سے سرفراز ہوئے۔ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی نے بھی نعمت خلافت پائی، دیگر علما ومشائخ بالخصوص عوام کا آپ کی جانب رجوع عام تھا۔''

دینی وتبلیغی مساعی اور اشاعت اسلام: آپ نے بحیثیت سجادہ نشیں خانقاہ کچھوچھہ کبھی بھی گوشہ نشینی کی زندگی کو اہمیت نہیں دی، ہمیشہ رسم شبیری کی کوشش میں لگے رہے۔ آپ ہی کے مبارک عہد میں سلسلہ اشرفیہ ہند وبیرون ہند پھیلا اور دنیا خانقاہ کچھوچھہ سے واقف ہوسکی۔ آپ تا حیات الجامعۃ الاشرفیہ کے سرپرست رہے۔ اس علاقہ میں اصلاح اور ارشاد کا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس القلم

علامہ ارشد القادری آپ کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے گویا ہیں:

’’عہد قدیم سے مبارک پور، جون پور، بلیا، اعظم گڑھ، سلطان پور اور آس پاس کے جو اضلاع ہیں وہاں کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مرکز عقیدت کچھوچھہ شریف رہا ہے۔ عرس مبارک کے زمانے میں مبارک پور سے بھی بڑی تعداد میں مسلمان وہاں جاتے تھے اور سادات کچھوچھہ سے یہ منسلک تھے۔ ان پر انہیں کا اثر تھا۔ حافظ ملت اور صدر الشریعہ جب وہاں تشریف لائے تب ہی اہل مبارک پور بریلی اور اعلیٰ حضرت سے اچھی طرح واقف ہوئے۔...... حضرت اشرفی میاں کو اللہ تعالیٰ نے جو ظاہری حسن و جمال اور جاہ و جلال عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے حضرت کو شبیہ غوث اعظم کہا جاتا تھا، ان کے چہرہ پرنور کی زیارت سے دل پر اتنا گہرا اثر پڑتا تھا کہ اندر سے ضمیر چیخ اٹھتا کہ یہ اللہ کا سچا ولی ہے۔‘‘

(ارشد کی کہانی ارشد کی زبانی، ۳۰، ۳۱)

ڈاکٹر فضل الرحمان شرر مصباحی اپنے مضمون ’’اشرفی، اشرفیہ اور اشرف العلما‘‘ میں اپنی بہن کے حوالہ سے اہل مبارک پور کا آنکھوں دیکھا حال اور الجامعۃ الاشرفیہ کی تقریب سنگ بنیاد کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

’’مشرقی ہند کا عظیم الشان دینی ادارہ دارالعلوم اشرفیہ جو اب جامعہ اشرفیہ کے نام سے جانا جاتا ہے اس کی نیو آپ ہی کی رکھی ہوئی ہے اور آپ ہی سے منسوب ہو کر یہ ادارہ چہار دانگ عالم میں بلندیوں کی سطح مرتفع پر دیکھا جاتا ہے۔

ہمارے مبارک پور اور اطراف میں حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ کو میاں بابا کے نام سے جانا جاتا تھا، جب میاں بابا پالکی پر سوار ہو کر قصبہ میں آتے اور حاجی خیر اللہ دلال صاحب کے مکان واقع لال چوک پر فروکش ہوتے تو آپ کی زیارت کے لیے ازدحام خلائق ہو جاتا تھا میری بڑی بہن عابدہ بیگم (جن کے نام کا کتبہ جامعہ اشرفیہ کی ایک درس گاہ پر بطور عطیہ کنندہ لگا ہوا ہے) اپنے بچپن کا قصہ سناتیں کہ جب میاں بابا مبارک پور آتے تھے تو پورے قصبے میں عید کا سا سماں ہو جاتا تھا کیا بچے کیا جوان کیا بوڑھے، کیا مرد کیا عورتیں، ہر ایک میاں بابا کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے لیے لال چوک کی طرف رخ کرتا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب مبارک پور میں دارالعلوم اشرفیہ کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا لیکن اہل سنت و جماعت کا ایک ادارہ بنام مصباح العلوم محلّہ پرانی بستی میں قائم تھا۔ جب اہل قصبہ کو ’’جائے تنگ است و مرد ماں بسیار‘‘ کے مصداق ضرورت کے اعتبار سے ادارہ کی توسیع کا خیال آیا تو مبارک کے رئیس اعظم جناب شیخ محمد امین انصاری نے چند روٴسائے قصبہ حاجی محمد عمران انصاری، حاجی محمد یوسف مناظر اشرفی، حاجی یاد علی اشرفی، حاجی محمد رفیع سوداگر اشرفی اور حاجی محمد طٰحہ وغیرہم کو بلا کر ایک مشاورتی میٹنگ کی جس میں طے پایا کہ موجودہ ادارہ ضرورت کی کفالت نہیں کرتا اس لیے اس کی توسیع ضروری ہے۔ چنانچہ شیخ محمد امین انصاری صاحب نے گولہ بازار میں اپنے گھرانے کی ایک وسیع اراضی کی نشاندہی کی۔ اس طرح شیخ صاحب کے گھرانے کی موقوفہ زمین پر دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ مصباح العلوم کا قیام عمل میں آیا اور میاں بابا یعنی حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے چاندی کی کرنی سے اس کی نیو رکھی اور کہا کہ ’’فقیر نے اپنی کرنی تو کر لی اب تم لوگ اپنی کرنی کر کے دکھاؤ‘‘ پھر اہل قصبہ نے اپنے پیر طریقت کی ’’کرنی‘‘ کی لاج رکھتے ہوئے اشرفیہ کی تعمیر میں دامے درمے قدمے سخنے ایسا حصہ لیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔‘‘ (ماہ نور کا اشرف العلما نمبر، ص: ۲۷۴)

شرر مصباحی صاحب کے اس اقتباس سے دارالعلوم اشرفیہ کے قیام کا پورا منظر سامنے آ جاتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت اشرفی میاں دینی امور میں حصہ داری کے لیے اپنے مریدوں کو کس طرح ابھارتے تھے۔ اس کے علاوہ جب بھی دین اور سواد اعظم اہل سنت کو ضرورت پڑی تو حضرت اشرفی میاں پیش پیش رہے۔ یہاں تک کہ انسداد شدھی تحریک میں بھی آپ کا بڑا اہم کردار رہے۔ اس سلسلہ میں اشرفی ماہنامہ کی پرانی فائلیں بھی گواہ و شاہد ہیں۔ یہاں علی اشرف چاپدانوی، چیرمین سنی رائٹرس آرگنائزیشن کولکاتہ کا مضمون ’’اعلیٰ حضرت علی حسین میاں کچھوچھوی کا تحریک شدھی میں حصہ‘‘ ملاحظہ کریں جو یقیناً آپ کی تحریکی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے۔

اشرفی میاں کچھوچھوی اور انسداد فتنۂ ارتداد: حضرت مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری (متوفی ۱۳۴۵ھ/۱۹۳۵ء)، حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا قطب الدین برہمچاری، حضرت مولانا ابوالبرکات (متوفی ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)، حضرت قاضی احسان الحق نعیمی صاحب نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ ہم لوگ اگرچہ میدان عمل میں سرگرم عمل ہیں مگر ایک عظیم روحانی شخصیت کی تشریف

آوری اور موجودگی بھی بے حد ضروری ہے چنانچہ سب نے اتفاق رائے سے حضور شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی کی خدمت بابرکت میں تشریف آوری کے لیے عریضہ حاضر کیا- جب علمائے کبار، مجاہدین اسلام کا عریضہ آپ کو دستیاب ہوا تو آپ نے تحریر فرمایا کہ ’’میں کبرسنی وضیعف العمری کے سبب ناقابل سفر ہو گیا ہوں لیکن اس موقع پر عذر کرتے ہوئے سب سے پہلے مجھ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حضور شرم آتی ہے جن کی کبرسنی شباب فاروقی سے برتر ثابت ہو چکی ہے-‘‘ (ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ، ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ ص:۶)

اس کے بعد بلا تاخیر آگرہ کے لیے عزم سفر فرمایا- آگرہ میں آپ کی تشریف آوری کا اعلان مولانا قاضی احسان الحق نعیمی اشرفی ناظم مرکزی وفود جماعت رضائے مصطفیٰ نے مندرجہ ذیل عنوان سے شائع کرایا: ’’اعلیٰ حضرت والا درجت شیخ المشائخ سیدنا و مولانا زیب سجادۂ مقدسہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف کا ورود مسعود جماعت رضائے مصطفیٰ کی تائید عظیم-‘‘ مذکورہ عنوان ہفتہ وار اخبار دبدبۂ سکندری رامپور جلد ۵۹/شمارہ ۴۴/۲۵ جون ۱۹۲۳ء میں شائع کرایا اور تشریف آوری کی رپورٹ تحریر فرمائی:

’’ہم گزشتہ اطلاعات میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شیخ المشائخ حضور مولانا الحاج سید شاہ محمد علی حسین صاحب اشرفی جیلانی سجادہ نشین کچھوچھہ مقدسہ دامت برکاتہم کا مفاوضۂ عالیہ (جس میں حضور پرنور نے اپنے مریدین مخلصین کو ہدایت فرمائی کہ وہ) ’’جلد از جلد اس علاقہ ارتداد میں پہنچ کر انسداد فتنہ میں کام کریں-‘‘ شائع کر چکے ہیں- اب خود حضور پرنور بہ نفس نفیس ۱۴/جون کو آگرہ تشریف لائے اسٹیشن سٹی پر ہزاروں آدمی استقبال کے لیے موجود تھے، رضا کاران جماعت مصطفیٰ بریلی اور مقتدر علمائے کرام بھی موجود تھے، حضرت والا بسواری موٹر دفتر جماعت رضائے مصطفیٰ میں تشریف لائے، راستہ میں ’’اللہ اکبر‘‘ کے نعرے بلند ہو رہے تھے اور ہر شخص کی زبان پر نصرت وفتح اسلام ومسلمین، لوگ ہار پھول پہناتے تھے، ایک عجیب ایمانی جوش کا منظر تھا اس شاہانہ شان کے ساتھ جلوس شہر کے بازار سے گزرا- تمام دوکاندار اس کی بہار دیکھ رہے تھے، چھتوں پر لوگوں کا ہجوم تھا ’’اللہ اکبر‘‘ آج جامع مسجد میں اعلیٰ حضرت دامت برکاتہم نے ایک زبردست تقریر فرمائی، ہر شخص محو حیرت بنا ہوا تھا-‘‘

علم اشرفی: آپ کے اس سرگرم سفر کا حال اور میدان ارتداد میں اسلام کی فتح ونصرت کا عظیم الشان بیان آپ کے پروردہ نواسہ حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید شاہ محمد قدس سرہ نے قلم بند فرما کر ماحول کی پوری عکاسی فرمائی ہے-

’’روزانہ، ہفتہ وار، ماہوار اخبارات اور خود ’اشرفی‘ کی گزشتہ اشاعت کے ذریعہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں یہ خبر پھیل چکی ہے کہ اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ سید الشاہ ابو احمد المدعو محمد علی حسین صاحب قبلہ اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانہ کچھوچھہ شریف ملکانہ کے علاقہ ارتداد کی خبروں کو سن کر بے چین ہو گئے اور مجاہدانہ طریقہ پر ’’اشرفی جھنڈا‘‘ بلند فرما کر اس علاقہ میں متوسلان سلسلہ عالیہ اشرفیہ کو دعوت دیتے ہوئے تشریف لے گئے- جماعت رضائے مصطفیٰ کی سرکردگی میں مسلمانان آگرہ نے جیسا پرجوش استقبال حضور کا کیا اور جیسی شاہانہ سواری آگرہ کی عام گزرگاہوں پر حضور کی نکلی اس نے مشرکین ہند کے دلوں کو ہلا دیا ہے اور رعب جلالت نے ان کے قلوب پر قبضہ کر لیا ہے- کہا جاتا ہے کہ آگرہ کی تاریخ میں وہ زریں وقت تھا جبکہ حضور موٹر پر علما کے حلقہ میں رونق افروز تھے، اور کثرت ازدحام سے موٹر رینگتا ہوا چلتا تھا اور ’’اللہ اکبر اور یا رسول اللہ‘‘ کے نعروں سے آگرہ گونج رہا تھا- راستہ میں نیچے سے اوپر تک آدمی مکانات میں گویا پھیلے ہوئے تھے، حضور شیخ المشائخ کا یہ استقبال اس اسلامی سطوت وجبروت کا نمونہ تھا جس کو ملکانہ میں اپنی سعی بلیغ سے جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی نے حضرت عالمگیر علیہ الرحمہ کے بعد دوبارہ پیدا کی اور قائم کیا ہے- اس دن معلوم ہوتا تھا کہ آگرہ مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے اور اس کے حقیقی حقدار صرف مسلمان ہیں- مسلمانان آگرہ کا مجاہدانہ ہجوم اپنی مثال آپ تھا- سارا دن مصافحہ وزیارت میں گزرا- جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ حضرت شیخ المشائخ کا وعظ ہوا، جس کے سننے کو ملکانہ کے راجپوت ٹوٹے پڑتے تھے- اس جلسہ میں لوگوں کی محویت جیسی کچھ تھی، اس کا لطف حاضرین ہی بتا سکیں گے، مسئلہ ارتداد پر روشنی ڈالنے کے بعد دعوت دی گئی اور اسلامی خون میں صدیقی جوش کی لہر پیدا ہو گئی، اس وعظ کا ملکانہ میں بڑا چرچا ہے-‘‘

(ماہنامہ اشرفی ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ)

شیخ المشائخ علی حسین اشرفی میاں نے سردھانند کی برپا کی ہوئی فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لیے ’’اشرفی جھنڈا‘‘ بلند فرمایا اور مسلمانان ہند کو بالخصوص حلقۂ اشرفی کے نام لیواؤں کو متوجہ کیا- محدث اعظم ہند تحریر

فرماتے ہیں کہ اے اشرفی بھائیو! اے لوائے اشرفی کے علم بردارو! اب تمہارا انتظار ہے کیا تم میں کوئی زمیندار ہے جو جائیداد کو چھوڑ کر، کوئی وکیل ہے جو اپنی پریکٹس کو لات مار کر، کوئی تاجر ہے جو اپنی دوکانوں کو بند کر کے، کوئی صاحب اولاد ہے، جو اپنے بچوں کو تج کر، کوئی صاحب عزت وجلال ہے جو اپنی عزت وجلالت کو ٹھکرا کر اٹھ کھڑا ہو اور اس مقدس جھنڈے کے نیچے آجائے، جس کے نیچے آنے کی حسرت، اسلاف سینے میں لے کر گئے اور جس کے سایہ تلے کونین کی کامیابی رکھی ہوئی ہے۔

مسلمانوں! جاگو! اشرفیو! اٹھو، کم کھاؤ، کم قیمت پہنو، مال ودولت کو اسلام پر قربان کردو، بھائیو! اسلام کی حالت ہندوستان میں بڑی نازک ہوگئی ہے۔ بت پرستوں نے حق پرستوں پر دھاوا کردیا ہے، فرزندان اسلام آگ میں پھونکے جاتے ہیں، حلقہ بگوشانِ اسلام قہر کی زنجیر وسلاسل میں گرفتار کیے جاتے ہیں، اسلام ایک غریب الوطن مہمان ہوگیا ہے اور کوئی میزبان نہیں پاتا، کیا تم نے اسلام کی اس صدائے تخویف کو نہیں سنا؟

ڈرو تم اس دن سے یارو، جس دن کہوں گا، امی لقب سے جا کر
کہ مجھ سا مہمان کا جہاں میں، نہ کوئی پرساں، نہ میزباں تھا

(ایضاً)

نیز یہ بھی تحریر فرمایا: اشرفی بھائیو خدا کے لیے بات کو سمجھو، موقع کو دیکھو آخر وہ کون سا دن ہوگا جبکہ آپ کو نرم بستر کانٹے معلوم ہوں گے اور صرف اسلامی جذبہ آپ کا مطمحِ نظر ہوگا۔

(ماہنامہ اشرفی، محرم الحرام ۱۳۴۲ھ)

تبلیغی جدوجہد میں حائل دشواریاں: شیخ المشائخ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہ نے تقریباً دو ماہ ملکانہ کے علاقہ میں تبلیغ کے کام میں جدوجہد فرمائی۔ اپنی زبان مبارک سے مبلغین کی جاں سپاری کا ذکر کیا، تبلیغی وفود کی خدمات کو سراہا اور تبلیغ اسلام کی جدوجہد میں حائل دشواریوں کا یوں اظہار فرمایا: ”میں نے خود جا کر اس منظر کو دیکھا کہ کام کرنے والوں کی دشواریاں، اس درجہ بڑھی ہوئی ہیں جس کا تصور بھی گھر بیٹھنے والے پر بار ہے، ماہ مبارک ہے، گرمی کی شدت ہے، پانچ پانچ کوس پاپیادہ سفر ہے، افطار کے لیے چنا بھی میسر نہیں ہے مگر عزم وثبات کا یہ عالم ہے کہ ہر خار راہ ان مجاہدین کو گل بوٹا نظر آتا ہے۔ ایک فرد کی دولت ایمان کو بچانے کے لیے ان مصیبتوں کو برداشت کیا گیا ہے جس کی داستان بہت طویل ہے۔

مزید اجمال ماہنامہ اشرفی میں ملاحظہ کریں۔ محدث اعظم ہند نے مالی ناداری، افراد کی قلت، بے سروسامانی، معاندانہ رکاوٹ، میدان عمل میں خوراک کی کمی، ایسی جنگ کا پہلا سابقہ یعنی ہر طرح کی ظاہری کمزوری کا ذکر کیا ہے۔

غیر مسلموں کا قبول اسلام: مذکورہ دشواریوں کے باوجود شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت اپنی پیرانہ سالی اور قویٰ کی ناتوانی کی حالت اور سخت موسم گرما میں اپنے دو خلفا حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری اور حضرت مولانا قاضی احسان الحق مفتی درگاہ معلیٰ بہرائچ کے ساتھ اٹاوہ میں نزول اجلال فرمایا اور پرتاثیر وعظ فرمائے اور مجلسی نشستوں میں روح اسلامی سے لبریز ارشادات سے ماحول کو سنوارا۔

(دبدبہ سکندری، رامپور ۲۳/اگست ۱۹۲۳ء)

مولانا قاضی احسان الحق نعیمی کا بیان ہے کہ:

”اعلیٰ حضرت قبلہ شیخ المشائخ اور ہم لوگ جب اٹاوہ اسٹیشن پہنچے تو مسلمانوں کا ایک جم غفیر استقبال کے لیے موجود تھا، وہ شان وشوکت اسلامی کے مظاہرے کے ساتھ قیام گاہ تک لے گیا، اسی شب کو جامع مسجد میں جلسہ ہوا اور مولانا برہمچاری صاحب اور میری تقریر ہوئی۔ ۳/جولائی کو دوسرے روز ۴/بجے شام کو مسجد اورنگ آبادی میں جلسہ ہوا، مسجد گرچہ بڑی اور وسیع ہے مگر مجمع کی کثرت نے اس کی وسعت کو تنگ کردیا۔ اس جلسہ میں اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ دامت برکاتہم نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تقریر فرمائی، حضور پرنور کی بے مثال صورت نورانی کا مجمع پر بڑا اثر ہو رہا تھا، سب ہمہ تن متوجہ ہو کر دیدار کی دولت سے حصہ یاب ہو رہے تھے، اس پر مستزاد یہ تھا کہ حضور کے قلب عالی مہبط انوارِ الٰہیہ سے نکلنے والے ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ خاص اثر ڈال رہے تھے۔ حضور پرنور نے اپنے کریمانہ انداز میں فرائض اسلامی کی پابندی کے برکات وفیوض سے آگاہ فرما کر متوجہ کیا، نیز اسلام کی پاکیزہ اور زریں تعلیمات کے بیان سے اس کی صداقت اور سچائی واضح فرمائی۔ حضور پرنور کی تقریر کا سامعین پر ایک خاص اثر تھا، عورتیں بھی پسِ پردہ مواعظۂ حسنہ سن رہی تھیں، ابھی حضور پرنور اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ دامت برکاتہم اسلام کے فضائل بیان فرما ہی رہے تھے کہ ایک عورت

حضور پرنور کی تقریر اور اسلام کی فضیلت سے متاثر ہوکر قبول اسلام کے لیے مجمع میں آگئی، حضور پرنور نے کلمہ طیبہ پڑھا کر اسلام قبول کرایا، پھر تو اسلامی جوش وخروش کی لہر اٹھ گئی، ۱۳/جولائی ۱۹۲۳ء کی شب میں امام باڑہ کے وسیع احاطہ میں جلسہ ہوا، تقریباً چھ ہزار لوگوں نے شرکت کی، قرب وجوار کے دیہات وقریات سے بھی بہت سے لوگ آکر شریک جلسہ ہوئے، مولانا برہمچاری صاحب نے آریوں کے مذہب کا نہایت عمدہ فوٹو کھینچا، آریوں سے وید کا الہامی کتاب ہونے کا ثبوت طلب کیا، اختتام اجلاس کے بعد حضور پرنور اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ سجادہ نشین صاحب دامت برکاتہم نے شہر کے حلوائیوں کو بلوایا اور ان کی پرسوز انداز میں تذکیر فرمائی - ان پر خاص اثر ہوا، ان کے ہندووانہ نام تبدیل فرمائے - ۲۵/جولائی کو عیدالاضحیٰ کی نماز ہوئی، حضور پرنور اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ دامت برکاتہم نے نماز کی امامت فرمائی، حضور پرنور کے دیدار کی دولت سے دو انگریزی و ہندی تعلیم یافتہ غیر مسلم جگناتھ مشرا اور نندلال مشر نے حضور پرنور کے دست حق نما پر اسلام قبول کیا، حضور پرنور نے ایک کا عبداللہ اور دوسرے کا ہدایت اللہ نام رکھا، اسی طرح ۲/جولائی ۱۲ ذی الحجہ کو مایارام برہمن جو ایف اے تک انگریزی تعلیم یافتہ اور سنسکرت کا ماہر تھا، حضور پرنور کے ارشادات سے متاثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوا، حضور نے اس کا اسلامی نام عبدالستار رکھا-‘‘

محدث اعظم ہند کا بیان نقل کیا جاتا ہے جو ماہنامہ اشرفی کچھوچھہ مقدسہ کی دوسری جلد کے ساتویں شمارہ میں شامل ہوکر شائع ہوا تھا، محدث اعظم ہند لکھتے ہیں:

’’لواء اشرفی کے پیر بھائی طالب اللہ اشرفی علی گڑھی کی غیر معمولی سرگرمی علاقۂ ارتداد میں اب تک قائم ہے اور آپ نے چند دن ہوئے کہ ایک آریہ خاندان کو مشرف بہ اسلام کیا ہے-‘‘

مزید تحریر فرماتے ہیں:

’’جناب مولوی طالب اللہ شاہ صاحب موضع رائٹ ضلع علی گڑھ سے اطلاع دیتے ہیں کہ الحمد اللہ اس نواح میں روزہ نماز کا خوب چرچا ہے، جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا تھا اور احکام شریعت سے ناواقف تھے، ان لوگوں نے بھی رمضان المبارک میں پابندی سے روزہ رکھے- ۱۷/شوال کو ایک آریہ مع اپنے کل خاندان کے مشرف بہ اسلام ہوا، دس اشخاص ہیں، حسب ذیل اسلامی نام رکھے گئے، نور محمد، یار محمد، مختار احمد، شفیع محمد، غلام محمد، مسماۃ کا نام نور بیگم، لڑکی کا مختار بیگم، انوری بیگم- مرتدین جو طمع زر سے مرتد کیے گئے تھے وہ پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، مجمع عام میں جب ان لوگوں سے کلمہ پڑھایا گیا تو لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کئے، اس حالت سے متاثر ہوکر پانچ راجپوتوں نے جو عرصہ سے چوٹیاں رکھا کرتے تھے اپنی چوٹیاں کٹوائیں-‘‘

محدث اعظم ہند ماہنامہ اشرفی محرم الحرام ۱۳۴۳ھ صفحہ ۳۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں: ’’اس سے زیادہ اشرفی جھنڈا کی روشن کرامات کا یہ واقعہ ہے کہ ممدوح کے والد جناب مطہر اللہ شاہ اشرفی نے حسب دستور قدیم حضور غوث العالم (محبوب یزدانی) رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک ماہ گزشتہ (محرم) میں کیا، محفل سماع میں چند آریہ جو ہمیشہ مسلمانوں سے مناظرہ کرتے اور شدھی کے فتنے پھیلاتے تھے، بطور مضحکہ آگئے، محفل میں آتے ہی ان پر عجیب وغریب رنگ طاری ہوا، شاہ صاحب کیف میں تھے اور مجلس خوب گرم تھی، اس محفل کا خاتمہ اس واقعہ پر ہوا کہ وہ سارے کفار بخوشی خاطر از خود کلمہ طیبہ پڑھنے لگے اور شاہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے سچ ہے کہ ’’کرامات الاولیاء حق-‘‘

نتائج: اس فتنہ ارتداد کے انسداد میں مندرجہ ذیل علما ومشائخ نے بھی کارہائے نمایاں انجام دیے: حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں (متوفی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) مولانا نثار احمد کانپوری (متوفی ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) مولانا عبدالماجد بدایونی (متوفی ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) مولانا حشمت علی خان پیلی بھیتی (متوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) صدرالشریعہ مولانا امجد علی خاں (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی (متوفی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء)، مولانا عبدالباری فرنگی محلی (متوفی ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) ودیگر بے شمار علما ومشائخ نے اپنی شبانہ روز کی کاوشوں اور انتھک جدوجہد سے اس فتنے کو کچل دیا اور اس اسکیم کو نابود کردیا **الحق یعلو ولا یعلیٰ** کی جلوہ گری ہوئی اور شردھانند کا شر مٹا، مسلم راجپوتوں میں اسلام کا غلبہ ہوا آریوں کو پے در پے ناکامیوں کا شکار ہونا پڑا، ساڑھے چار لاکھ وہ مرتد جو اسلام سے پھر گئے تھے دوبارہ داخل اسلام ہوئے مزید برآں لاکھوں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا-‘‘

خلفا ومریدین: آپ اپنے وقت کے اہم شیخ طریقت تھے- آپ کا عہد اپنے دامن میں سیکڑوں علما کو رکھتا تھا- بالخصوص سنی علما کی

تعداد بھی کچھ کم نہ تھی اور سب کے سب آفتاب و ماہتاب تھے اور ان تمام کی نظر میں آپ محبوب و منظور تھے۔ سلسلہ اشرفیہ کو آپ نے اتنا فروغ دیا کہ آج نہ صرف برصغیر ایشیا میں یہ سلسلہ پھل پھول رہا ہے بلکہ اس سے یورپ و امریکہ بھی مستفیض ہو رہے ہیں یقینی طور پر آپ مجدد سلسلہ اشرفیہ ہیں۔ آپ کے بعض سوانح نگار کی رائے ہے کہ آپ کے مریدوں کی تعداد کم و بیش چالیس لاکھ تھی اور خلفا تقریباً بائیس ہزار تھے۔ البتہ ہزار خلفا کی فہرست بھی کتابوں میں درج نہیں ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کے جتنے خلفا کی تعداد کتابوں میں درج ہے۔ موجودہ منظر نامہ میں ان کی بڑی اہمیت ہے اور ہر ایک سے کوئی بڑا کارنامہ منسوب ہے۔ بیسویں صدی میں اہل سنت کی تنظیمی و تحریکی، تصنیفی و تالیفی، درسی و نحوی اور تفسیری خدمات انجام دینے والے بیشتر آپ کے خلفا ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی کی مذکورہ تمام خدمات آپ کی زنبیل کی کرامت ہیں۔ آپ کے وابستگان میں چند مشہور نام یہ ہیں:

(۱)صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین اشرفی مرادآبادی (۲) حافظ ملت حضرت مولانا عبدالعزیز اشرفی (۳) حضرت مولانا فاخر اشرفی الہ آبادی (۴) مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمان اشرفی ،رئیس اعظم اڑیسہ، (۵) بحرالعلوم حضرت مفتی احمد یار خاں اشرفی (۶) حضرت مفتی محمد رفاقت حسین اشرفی (۷) امام النحو حضرت مولانا غلام جیلانی میرٹھی اشرفی (۸) مبلغ اعظم حضرت مولانا عبدالعلیم اشرفی میرٹھی (۹) حضرت مولانا عارف اللہ اشرفی (۱۰) حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی اشرفی (۱۱) فخر الاماثل حضرت مولانا محمد سلیمان اشرفی بھاگل پوری (۱۲) شمس العلما حضرت مولانا قاضی شمس الدین جون پوری۔

اولاد: آپ کے دو صاحبزادے حضرت مولانا سید شاہ ابو احمد اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف اشرفی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک صاحبزادی سیدہ محمدی زوجہ حضرت مولانا سید نذر اشرف جو حضرت محدث اعظم ہند کی والدہ ہیں۔

وصال: وصال سے قبل کی وصیت کے سلسلہ میں اشرف العلماء حضرت مولانا سید شاہ حامد اشرف اشرفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ’’حضرت جدی اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے حضور والد محترم مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف صاحب علیہ الرحمہ سے فرمایا فرزند پیر مصطفیٰ اشرف مجھے فرزند مولانا سید احمد اشرف علیہ الرحمہ اور والدہ سید محمد محدث علیہا الرحمہ (جو اشرفی میاں کی بڑی صاحبزادی تھیں) کے مابین دفن کرنا چوں کہ یہ اتنا حصہ بالکل میرے جد کریم مخدوم سمناں علیہ الرحمہ کے پائیں ہے۔ حضور والد محترم علیہ الرحمہ نے عرض کیا کہ حضور وہاں اتنی جگہ نہیں ہے کہ قبر بنائی جا سکے ۔

حضرت جدی اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جس کا نام لے کر فقیر اشرفی دردر مارا مارا پھرا اور جن کا کہلاتا رہا کیا وہ اپنے پائیں میں ایک قبر کی جگہ بھی نہ عطا فرمائیں گے۔ آج اسی جگہ پر آپ کا مزار پرانوار مرجع خاص و عام ہے اور فیض رسانی کا سرچشمہ ہے۔‘‘

آپ کی وفات ۱۱/رجب المرجب ۱۳۵۵ھ کو صبح کے وقت بحالت ذکر ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخری بات: حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت اپنے عہد میں ستاروں کے جھرمٹ میں چودہویں کے چاند کی تھی۔ اس عہد کے نابغہ روزگار علما نے آپ کے سلسلے میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ وہ بہت ہی اہم ہیں لیکن مقام افسوس ہے کہ آج تک حضرت موصوف کی زندگی پر کوئی مبسوط و مفصل کتاب منصۂ شہود پر نہ آسکی۔ نئی نسل کو حضرت کی شخصیت سے آگاہ ہونے کے لیے چیونٹی کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے پھر بھی اس کی سیری نہیں ہو پاتی۔ زیر نظر مضمون میں یہی وجہ ہے کہ حضرت کی شخصیت و خدمات کے حوالے سے کچھ خاص باتیں نہیں ہو سکی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جتنا کچھ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے، اس مضمون میں اس سے ایک سطر زیادہ نہیں ہے۔ یہی اسباب رہے کہ میں نے دیگر مضامین کو پڑھ کر اس کا چربہ پیش کرنے سے زیادہ بہتر سمجھا کہ ان ہی مضامین کے اقتباسات پیش کر دیے جائیں۔ قاری توحید الحق اشرفی، علی اشرف چاپدانوی کے مضامین کا بیشتر حصہ میں نے یہاں شامل کیا ہے، جس کے لیے میں ان کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ جن مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے ان کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ بالعموم مضامین میں کرامات کی سرخی لگائی گئی ہے اور کرامتیں بھی درج کی گئی ہیں لیکن میں نے شعوری طور پر کرامتوں کے بیان سے احتراز کیا ہے، چوں کہ حضرت موصوف جیسی ہمہ جہت، ہمہ گیر، ہشت پہلو، متقی و مزکی، مربی و مصلح شخصیات کے یہاں کرامتوں کا ظہور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ❑❑❑

شخص و عکس

آئینۂ حیات محدث	ادارہ
محدث اعظم ہند مشاہیر امت کی نظر میں	ادارہ
محدث اعظم ہند: حیات وخدمات	مولانا ذاکر حسین راج محلی
محدث اعظم ہند کے آخری ایام (علالت سے وفات تک)	صاحبزادہ سید حسن مثنیٰ انور
محدث اعظم ہند: کچھ یادیں کچھ باتیں	علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی
میرے ماموں جان (خانگی وازدواجی زندگی کے آئینے میں)	ڈاکٹر سید امین اشرف
محدث اعظم ہند اپنے شیوخ اور اساتذہ کی نظر میں	مولانا فروغ احمد اعظمی
محدث اعظم ہند امام احمد رضا کی خدمت میں	مولانا ملک الظفر سہسرامی
محدث اعظم ہند کے مقتدر استاد: مولانا عبدالمقتدر بدایونی	مولانا دلشاد احمد قادری
محدث اعظم ہند کے چند ممتاز معاصرین: روابط اور تعلقات	مولانا عبدالمبین نعمانی
محدث اعظم ہند اپنے ارادت مندوں میں	عبدالوہاب اشرفی
محدث اعظم ہند کا روحانی مقام	مولانا غلام شہزاد مجددی
محدث اعظم ہند کا ایک سفر	پروفیسر سید محمد کبیر احمد مظہر

آئینۂ حیاتِ محدث

اسم گرامی: سید محمد

لقب: محدث اعظم ہند (۱۷/سال کی عمر میں ۱۳۲۸ھ کو ۱۹۱۱ء کو دیا گیا)

والد گرامی: حکیم الاسلام مولانا سید نذر اشرف

والدہ ماجدہ: محترمہ سیدہ محمدی خاتون

نانا محترم: شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں

دادا محترم: حضرت مولانا شاہ فضل حسین اشرف

تاریخ ولادت: ۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ مطابق/۱۸۹۴ء

یوم ولادت: چہار شنبہ

وقت ولادت: قبل نماز فجر

جائے ولادت: قصبہ جائس ضلع بریلی (یو پی) انڈیا

تقریب بسم اللہ خوانی: چار سال چار ماہ چار دن کی عمر کے موقع پر تقریب بسم اللہ خوانی منعقد ہوئی۔

ناظرۂ قرآن: حضرت کی والدۂ محترمہ نے چھ ماہ میں پارہ عم ختم کرایا۔ پھر صرف انتیس دن میں بقیہ انتیس پارے پوری روانی کے ساتھ ختم کروائے۔

ابتدائی تعلیم اور مدارس: والد گرامی نے ابتدائی تعلیم اپنے ذمے لی اور مروجہ فارسی کی جملہ معروف کتب متداولہ پڑھائیں۔

اعلیٰ تعلیم: (الف) مدرسہ نظامیہ فرنگی محلی لکھنو سے سند فضیلت حاصل فرمائی۔

(ب) علامہ لطف اللہ علی گڑھی کے مدرسے سے منطق وفلسفہ کی سند فراغت حاصل فرمائی اور ''علامہ'' کا خطاب پایا۔

(ج) پیلی بھیت میں علامہ وصی احمد محدث سورتی کی درس گاہ سے صحاح ستہ، موطا، معانی الآثار و دیگر کتب احادیث کا درس حدیث لیا اور اعلیٰ سند حدیث حاصل کی۔

(د) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی سے فتاویٰ نویسی کا فن حاصل کیا۔

(ہ) مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں سے سند حدیث اور خطاب ''محدث اعظم'' سے مشرف ہوئے۔

مدت تعلیم: آپ نے ان تمام علمی اور تحقیقی منازل کو صرف ۱۷ سال کی عمر میں عبور کر لیا۔

اساتذۂ کرام: آپ نے جن جلیل القدر اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا وہ حضرات اپنے عہد کے عظیم و معروف صاحبان علم تھے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(الف) امام وقت علامہ عبد الباری فرنگی محلی (ب) استاذ زمن علامہ لطف اللہ علی گڑھی (ج) علامہ وصی احمد محدث سورتی۔ (د) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی۔ (ہ) علامہ عبد المقتدر شاہ مطیع الرسول قادری بدایونی۔

تعلیم روحانی: کچھوچھہ شریف میں شیخ المشائخ سید شاہ محمد علی حسین اشرفی میاں قدس سرہٗ کی ہدایت پر ان کے بڑے صاحبزادے سلطان الکلام حضرت سید شاہ احمد اشرف اشرفی الجیلانی ولی عہد سجادہ نشیں سرکار کلاں آستانہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف سے بیعت ہوئے اور ان عظیم المرتبت بزرگوں

کی نگرانی میں چلہ کشی میں منہمک ہوئے اور تین سال کے طویل عرصہ تک مجاہدات و ریاضت کی۔

اسم ذات و اسم صفات کے اوراد سے آپ میں آثار جہانگیری نمایاں ہوئے اور دعائے سیفی شریف کی اجازت عطا ہوئی اور ۱۴ سلاسل کی اجازت و خلافت عطا ہوئی اور خاندان اشرفیہ کا تاج اشرفیہ سر پر رکھا گیا۔

عقد نکاح: آپ کی شادی خانہ آبادی ۲۲؍سال کی عمر میں ہوئی۔ آپ کی زوجہ مطہرہ سیدہ فاطمہ آپ کے پیر و مرشد، ماموں اور استاد کی دختر نیک اختر تھیں۔ موصوفہ انتہائی فضل و کمال کی خاتون تھیں۔ چوں کہ حضرت دینی و تبلیغی امور کی وجہ سے گھر سے دور رہتے تھے لہذا بچوں کی تعلیم و تربیت اور نظم و ضبط کی پاسداری میں مخدومہ سیدہ فاطمہ کا کلیدی کردار رہا۔ شفیق ماں کے ساتھ وہ اعلیٰ منتظم بھی تھیں۔ نظم و ضبط کی زبردست پابند۔

اولاد و امجاد: حضرت کی ۶/ اولاد ہیں۔ دو صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں۔

(۱) سید محامد اشرف (مفقود الخبر) بڑے صاحبزادے نہ جانے جذب و کیف میں کہاں نکل گئے۔ (۲) محترم سید حسن مثنیٰ انور میاں صاحب۔
(۳) شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی آپ حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشیں ہیں۔ (۴) مولانا سید محمد ہاشمی اشرفی الجیلانی۔ (۵) محترمہ صاحبزادی سیدہ اقبال بانو (۶) محترمہ صاحبزادی سیدہ سلطانہ خاتون۔

وراثت عظمیٰ: اگر ہم حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان پر نگاہ ڈالیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ نے ایک علمی گھرانہ، ایک متقی خانوادہ بطور وراثت چھوڑا ہے۔ خاندان کا ہر فرد منفرد و اعلیٰ علمی مقام پر فائز ہے۔

مقام علمیت: حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی کی علمیت کو حدود و قیود میں مقید کرنا مشکل ہے۔ آپ اپنے وقت کے بلند پایہ محدث، مفتی، فقیہ، مفسر، مرشد، مبلغ، خطیب، ادیب، شاعر، مفکر اور عالم تھے، غرض کہ آپ کا مقام علمیت یکتا و منفرد، بے نظیر و بے مثال تھا۔

مدرسۃ الحدیث: ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۳ء میں حضرت علامہ سید محمد میر صاحب کی سرپرستی میں دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم فرمایا۔

ماہنامہ اشرفی: ۱۳۴۱ھ/ جنوری ۱۹۲۳ء میں کچھوچھہ سے ماہنامہ اشرفی جاری فرمایا جس میں خصوصیت کے ساتھ شدھی، قادیانی اور وہابی افکار و تحریکات کے خلاف گراں قدر تحریریں شائع ہوئیں۔

دینی و قومی خدمات: الجمہوریۃ الاسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی صدارت و سرپرستی فرمائی اور دار العلوم اشرفیہ بہرائچ، دار العلوم فاروقیہ بنارس جیسے سیکڑوں اداروں کی تاسیس و سرپرستی فرمائی۔

اسلامی و روحانی خدمات: سیکڑوں بندگان خدا کو داخل اسلام فرمایا اور ہزاروں مسلمانوں کو سلاسل مقدسہ قادریہ، چشتیہ، اشرفیہ، نقش بندیہ اور سہروردیہ میں داخل فرمایا۔

تصنیفات و تالیفات: مختلف کتب و رسائل تالیف فرمائے، جن کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ جن میں قرآن پاک کا سلیس ترجمہ ''معارف القرآن'' اور مجموعۂ کلام ''فرش پر عرش'' سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

روحانی و تبلیغی خدمات: سعودی عرب، عراق، فلسطین، دمشق، مصر، یمن، برما، سری لنکا، بنگلہ دیش اور پاکستان کے تقریباً تمام بڑے شہروں کا دورہ کیا۔

علالت و رحلت: حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ زندگی کے آخری ایام میں جنوبی ہند کے تبلیغی دورے پر تھے کہ علیل ہوگئے۔ آپ نے باوجود علالت کے دورے کو جاری رکھا لیکن جب مرض بڑھ گیا تو آپ گھر لوٹ آئے۔ ۲۵؍ اکتوبر تا ۱۰؍ نومبر ۱۹۶۱ء تک لکھنو میں زیر علاج رہے۔ آپ نے اپنی پیشن گوئی کے مطابق ۲۵؍ دسمبر کو وصال فرمایا۔ میت لکھنؤ سے کچھوچھہ شریف لائی گئی۔ آپ کی نماز جنازہ سرکار کلاں حضرت سید مختار اشرف سجادہ نشیں آستانہ عالیہ کچھوچھہ نے پڑھائی۔ بارگاہِ عالیہ اشرفیہ میں تدفین ہوئی۔

سجادہ نشینی: ۲۸؍ دسمبر ۱۹۶۱ء کو علامہ سید محمد مدنی الاشرفی الجیلانی دامت برکاتہم کو تاج اشرفیہ پہنا کر سجادہ نشیں و جانشین حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی مقرر فرمایا گیا۔ ❑❑❑

محدث اعظم ہند مشاہیر امت کی نظر میں

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں: مجھے جو غم کھائے جاتا ہے وہ یہ ہے کہ میری عمر کا بڑا حصہ گزر چکا ہے اور ضعیفی وناتوانی نے اس طرح مجھ کو گھیر لیا ہے کہ میں آپ کا ایک عضو معطل ہو کر رہ گیا ہوں- ہاں میری اسی (۸۰) برس کی کمائی میں صرف ’’دو چیزیں‘‘ ہیں جن کی قیمت کا اندازہ اگر آپ میری نگاہ سے کریں گے تو ہفت اقلیم کی تاج داری ہیچ نظر آئے گی، یہ میری بڑی قیمتی کمائی ہے جس پر مجھ کو دنیا میں ناز ہے اور آخرت میں فخر ہوگا، جس کو میں کبھی بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تھا لیکن آج اعلان حق کے لیے میں اپنی ساری کمائی نذر کر رہا ہوں- میرا اشارہ پہلے اپنے لخت جگر اور نور العین مولانا الحاج ابوالمحمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی پھر اپنے نواسہ وجگر پارہ مولانا الحاج ابوالمحامد سید محمد محدث اشرفی جیلانی کی طرف ہے ان دونوں کی ذات میری ضعیفی کا سرمایہ ہے آج ان جگر کے ٹکڑوں کو نذر پیش کرتا ہوں کہ اعلان حق میں آخری ساعت تک سنت واہلِ سنت کی خدمت جو سپرد کی جائے اس میں میری تربیت وحقوق کا حق ادا کریں-

امام احمد رضا قادری بریلوی: محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے بامحاورہ اور رشستہ ترجمۂ قرآن معارف القرآن کے ابتدائی حصے کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ: ’’شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو‘‘

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی: تعزیت کے سلسلے میں عموماً مرحوم کے مدائح اور ان کی قابلیت اور کارنامے بیان کیے جاتے ہیں لیکن محدث صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات والا صفات اس سے مستغنی ہے- اس لیے کہ ایک عالم جانتا ہے کہ ایک محدث اور صوفی میں جو صفات ہونی چاہیے ان کے وہ جامع تھے اور فن خطابت میں تو وہ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے- اہل سنت کو جس قدر ان سے فائدہ پہنچا ہے اس کی جزا مولیٰ تعالیٰ کا قرب ہی ہو سکتا ہے-

مولانا عبدالحامد قادری بدایونی: حضرت محدث صاحب کچھوچھوی اپنے آباواجداد کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عملی حیثیت سے تصویر کامل تھے- ان کے معمولات ووظائف کا یہ عالم تھا کہ جاڑہ ہو یا برسات، سفر ہو یا حضر، رنج ہو یا مسرت، ہر حالت میں مقررہ معمولات قضا نہ ہوتے- ان اوقات خاص میں شاہ ہو یا گدا، جب تک یہ اوقات پورے نہ ہو جائیں کوئی شخص بات نہ کر سکتا تھا- محدث صاحب ملنے جلنے، اٹھنے بیٹھنے میں اخلاق وکردار کا بہترین نمونہ تھے-

علما کی محفل میں وہ سرگروہ علما تھے- مشائخ میں ان کا مقام بلند وبالا تھا- وہ اپنے ہم نشینوں میں افضل ترین خصوصیات کے کے حامل تھے- فن خطابت ووعظ ان کا خاندانی حصہ تھا جو آستانہ سرکار بغداد سے انہیں ورثے میں ملا تھا- وہ جب بھی منبر ومسند سے تخاطب فرماتے تو ہر ایک متنفس پر ایمان وایقان کے جذبات وتاثرات پیدا ہوتے، خصوصیت کے ساتھ محدث صاحب کا انداز کلام مخالفین واشرار کے لیے ایک عجیب وغریب ساحرانہ انداز کا حامل تھا- جو لوگ آپ کے مواعظ میں آتے ہزاروں شبہات میں ڈوبے ہوئے گیلان وبغداد کے تخیلات سے اپنے قلوب میں طمانیت موجزن پاتے اور کامل سکون وایمان لے کر واپس ہوتے-

مولانا سید برہان الحق جبل پوری: گلستانِ سنیت اور بوستانِ علم اور فضل وکمال کے لہلہاتے پھولوں میں گلزار علم محدث اعظم علیہ الرحمہ ایک نمایاں اور خصوصی حیثیت کے مالک تھے- آپ کے بعض بعض وہ کلمات اور انداز بیان یاد آتے ہیں جو سامعین کے قلب کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتے تھے اور معاندین سنیت کلیجہ مسوس کر رہ جاتے تھے اب اس کلام فصاحت ریز کے سننے کے لیے کان، ان کے دیدار اور زیارت کی پیاسی آنکھیں اور مضطرب قلوب جس قدر بھی آنسو بہائیں اور آہ وبکا کریں، کم ہے- مگر مشیتِ الٰہی میں کسی کو دخل نہیں- **یفعل اللّٰہ ما یشاء بقدرتہ ویحکم مایرید بعزتہ**-

مولانا سید حامد اشرف کچھوچھوی: آپ کی ذات گرامی منارہ نور اور مرجع خاص وعام تھی- زندگی کا ایک ایک لمحہ دین متین کی حفاظت وصیانت

میں گزرا- پورے سال سفر میں رہ کر وعظ وتقریر سے مخلوق خدا کو مستفیض اور نور ایمانی سے مستنیر فرماتے رہے- رمضان المبارک میں صرف ایک ماہ کے لیے اپنے وطن مالوف کچھوچھہ شریف میں قیام فرماتے- ان ایام میں آپ کا معمول یہ تھا کہ تاخیر سے سحری تناول فرماتے جیسا کہ عند اللہ یہی محبوب ہے- اول وقت میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد آرام کے لیے بستر پر تشریف لے جاتے- طلوع آفتاب کے تھوڑی دیر بعد حوائج ضروریہ کے لیے اٹھتے پھر وضو فرماتے-

اب ان استفتوں اور خطوط کو ملاحظہ فرماتے جو پرانی اور نئی ڈاک سے آکر رکھے ہوتے- دن کے تمام حصے میں جواب لکھتے اور لکھاتے رہتے- نماز عصر کے بعد مکان کے بیرونی حصہ میں تشریف لاتے، جہاں ضرورت مند اور دوسرے احباب ہوتے- اس سلسلہ کی سب سے اہم کڑی ترجمہ وتفسیر قرآن ہے جو آپ کی زندگی کا مایۂ گراں اور ذخیرۂ آخرت ہے- آپ کے فتاوے اس مقدار میں ہیں کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو ضخیم کتاب بن جائیں- (مولائے کریم اخلاف کو اس کام کی بھی توفیق عطا فرمائے)

مولانا عبد العزیز محدث مبارک پوری: حضرت محدث صاحب قبلہ دنیائے سنیت حیثیت رکھتے تھے،- ہر کمال کے جامع تھے،- صوری وباطنی تمام خوبیوں کے حامل تھے- علوم عقلیہ ونقلیہ میں رکھتے تھے- افہام وتفہیم میں آپ کا پایہ انتہائی بلند تھا- باریک سے باریک، پے چیدہ بات، نہایت واضح اور روشن طریقہ سے سمجھانا آپ کا معمول تھا- صاحب قلم وصاحب لسان تھے- قلم برداشتہ موقر وجامع تحریر فرماتے تھے- ہر موضوع پر برجستہ بڑے بڑے شاندار خطبے دیتے تھے- آپ کو شہنشاہ خطابت تسلیم کیا جاتا تھا- بڑے بڑے آپ کی تقریر سے استفادہ کرتے تھے-

مولانا محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی: محدث اعظم کا رخصت ہوجانا نہ صرف عالم اسلام کا خسارہ بلکہ ہمارے خاندانِ رضویہ کا بھی ذاتی خسارہ ہے- جب بھی ہمارے مسائل پیچیدگی اختیار کرتے تو حضور محدث اعظم ہی اسے حل فرمایا کرتے تھے-

مولانا سید محمود احمد رضوی: حضرت محدث صاحب قبلہ اہلِ سنت کی ان ممتاز شخصیتوں میں سے ایک تھے جو اپنا ثانی نہیں رکھتے- حضرت کے وصال سے اہل سنت وجماعت ایک عظیم فلاسفر بے مثل خطیب اور جلیل القدر محدث سے محروم ہوگئے- حضرت محدث علیہ الرحمہ نے اپنی پوری زندگی دین کی تبلیغ واشاعت میں صرف کی اور مذہب حق اہلِ سنت وجماعت کی بہترین خدمت انجام دی- پاک وہند میں آپ کے لاکھوں مرید اور نیاز مند ہیں- آج ہر آنکھ ان کے غم میں اشک بار ہے-

مولانا مشتاق احمد نظامی: اگر وہ ایک طرف خطیب، مقرر، مناظر، مدرس، شیخ طریقت تھے تو دوسری طرف ملک کی سیاسی لہروں پر بھی اپنی گہری نگاہ رکھتے تھے- وہ حالات سے منہ موڑنے کے عادی نہ تھے بلکہ بگڑے ہوئے حالات کا رخ بدلنے میں ایک خاص وصف کے مالک تھے- اس دنیا میں ایسے لوگ بار بار نہیں پیدا ہوتے- حضرت بسا اوقات خود بھی فرماتے- ''میں رات کا مقرر اور دن کا پیر ہوں''-

مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی: بلاشبہ حضرت موصوف علیہ الرحمہ کی ذات گرامی دور حاضر میں قصر سنیت کے لیے ایک ایسا ستون تھی جس کے انہدام سے پوری عمارت متزلزل ہوگئی- یقیناً آپ کی وفات حسرت آیات دنیائے دین وملت کا ایک عظیم الشان نقصان ہے جس کی تلافی مستقبل قریب میں غیر ممکن نظر آتی ہے- اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی رحلت صرف آپ کے عزیزان ہی کے لیے باعث رنج وملال نہیں بلکہ پوری دنیائے سنیت کے لیے یہ ایک ایسا حادثہ فاجعہ وصدمۂ عظیمہ ہے جس کو برسہا برس امت مسلمہ فراموش نہ کرسکے گی مگر بہر حال رضا بالقضا لازم الایمان وواجب العمل ہے-

مولانا سید مظفر حسین اشرفی کچھوچھوی: حضرت محدث اعظم کی خطابت کا یہ عالم تھا کہ جتنے مقررین شریک جلسہ رہتے تو ان سے پہلے ہی خطابت کیا کرتے تھے لیکن حضرت کی تقریر کے بعد کسی خطیب کے اندر جرأت لب کشائی نہ ہوتی تھی، اگر وہ اسٹیج پر کبھی وقت سے پہلے تشریف لاتے تھے تو اس وقت کوئی بھی کرسی خطابت پر آنے کو تیار نہ ہوتا تھا-

مولانا محمد قائم چشتی قتیل داناپوری: حضرت محدث صاحب سرمایۂ قوم وملت تھے- اس ناقابل تلافی نقصان پر قوم بلکہ سارا ملک جتنا بھی غم کرے کم ہے- آپ مجمع البحرین تھے- اس پیکر گرامی میں علم وعرفان دونوں جمع ہوکر پروان چڑھے اور معراج کمال کو پہنچے- آپ کے رشحات فیض

وانوار سے ایک دنیا سیراب ہے- ایسے بزرگ جامع کمالات ظاہری و باطنی کم ہوتے ہیں- آسمان برسوں چکر کاٹتا ہے تب کہیں ایسے درشہوار ملتے ہیں- آپ سند العلما بھی تھے اور تاج العرفا بھی- ایسی ہی ذات گرامی پر صحیح معنوں میں **موت العالم موت العالم** اور **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** ''کے معنی ومفہوم پورے پورے مرتب ہوتے ہیں- اس قحط الرجال میں مخلوق اپنی کم نصیبی پر محدث صاحب کا جتنا بھی غم کرے بجا ہے- آپ علم وعرفان کے درخشاں آفتاب تھے- آپ **یزکیھم ویعلمھم الکتاب** کی زندہ تفسیر اور **ان من البیان لسحرا** کی زندہ مثال تھے- حضرت کے وصال کا مدرسوں اور خانقاہوں دونوں پر یکساں اثر ہے- آپ فیضان ظاہری و باطنی دونوں کے سنگم تھے- خلق حسن آپ کا ترکہ ومیراثی حصہ ہے- اپنے اخلاق سے دلوں پر بادشاہت کرتے تھے-

مولانا غلام علی اوکاڑوی: فقیر کو بعض ان مجالس میں شرکت کا موقع ملا جب آپ مرکزی حزب الاحناف کے سالانہ جلسوں میں تشریف لاتے اور بعدازاں ملک کے مختلف دوسرے مقامات پر بھی تشریف لے جاتے- حضرت والا کے متعلق تاثرات یہ ہیں کہ آپ نہ صرف تقریر وتحریر میں اپنے دور میں مثل نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے وقت کے مناظر اعظم بھی تھے جیسا کہ عبدالشکور خارجی لکھنوی کے بھائی عبدالرحیم کے ساتھ مسئلہ علم الغیب پر مناظرہ کی ایک مکمل روئداد مطبوعہ ہے، جس میں آپ نے مخالف بدمذہب مناظر پر ایسی سخت گرفتیں کی ہیں جس سے اس کا کاذب اور صواب سے عاجز ہونا بالکل ظاہر باہر ہے-

مولانا شاہ سراج الہدیٰ گیاوی: وہ جو لباس فقر میں اقلیم خطابت کا تاج دار تھا، وہ جاتا رہا کہ جب منبر خطابت پر جلوہ گر ہو تو شہنشاہ بغداد کی بھیک برسے، خواجۂ خواجگان سرکارِ اجمیر کا صدقہ نچھاور ہو، اہل سنن پر پھول برسائے، موتی لٹائے- اعدائے دین کی طرف روئے سخن پھیر دے اور ترکش سخن سنبھال لے تو باطل کا دل دہل جائے- صف اعدا کو درہم برہم کردے، ایک ایک سینہ چھید دے- وہ بولے تو عظمت معلوم ہو اور چپ ہو جائے تو وقار وطمانیت قدم چومے-

مولانا سید شاہ اسرار الحق: حضرت محدث اعظم ہند کی پاکیزہ زندگی کے دو رخ تھے، ایک رخ تو آپ کا خالص صوفیانہ تھا، آپ کے شب وروز کے بیشتر اوقات سفر اور حضر دونوں میں مخصوص طور پر مراقبے اور ذکر وشغل کے لیے وقف رہتے تھے- ہزاروں قسم کی دنیاوی ضرورتیں اور مریدین و متوسلین کا بے پناہ ہجوم بھی کبھی آپ کے روحانی مشاغل میں خلل انداز نہ ہوسکا- مجھے جب کبھی ہمراہی میں سفر کی سعادت حاصل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اوقات مخصوصہ پر موصوف علیہ الرحمہ بلا کسی رعایت ومروت کے خلوت حاصل کر لیتے اور اپنے معمولات میں مصروف ہو جاتے یہ پابندی مستقر پر تو کی جا سکتی ہے لیکن سفر میں سختی کے ساتھ اس پر قائم رہنا حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا منفرد اور مخصوص کارنامہ تھا-

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی لائق صد ہزار حیات طیبہ کا دوسرا رخ یہ تھا کہ آپ کے قلب مومن میں ملت اسلامیہ کی مستحکم تنظیم اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا ایک بے پناہ جذبۂ صادق تھا- چنانچہ آپ کی زندگی کا پیش تر حصہ آل انڈیا جماعت رضائے مصطفیٰ، سنی کانفرنس بنارس آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما بمبئی وغیرہ کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل اور مسلمانوں کی تنظیم میں صرف ہوا- ملک کا کوئی ایسا گوشہ اور مسلمانوں کا کوئی ایسا خطہ نہیں ہے جہاں آپ کے دل کی تڑپ نے آپ کو پہنچایا نہ ہو اور کوئی دروازہ ایسا نہیں ہے جس کو آپ نے مسلمانوں کی دینی ودنیوی فلاح کے لیے کھٹکھٹایا نہ ہو-

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی: حضرت محدث اعظم ہند ابوالمحامد سید محمد کچھوچھوی اشرفی جیلانی سمنانی واقعی اسلام کا اعجاز، حضرت سلطان محمد اشرف جہانگیر شاہ سمنانی کی کرامت، علما ومشائخ پاک وہند کے مخدوم وسربراہ تھے جو صدیاں گزر جانے کے باوجود اپنے مورث وجد اعلیٰ کے کمالات علم وفیض کے مظہر تھے- جن کی اولاد آج بھی پاک وہند میں اپنی امتیازی شان کو برقرار رکھتے ہوئے علما کے مخدوم ومرشد ہیں-

مبلغ دین کا تھا پر اثر تقریر تھی اس کی　　　نہایت دل نشیں انداز کی تحریر تھی اس کی

مفتی محمد حسین نعیمی اشرفی: حضرت پیر طریقت ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمہ علم وعرفان کے آفتاب و ماہتاب کی خدمات جلیلہ سے ایک عالم آگاہ ہے- علوم روحانیہ وباطنیہ میں آپ کو جو عظمت ورفعت حاصل تھی اہل معرفت سے مخفی نہیں ہے- پاکستان کے لیے

یہ امر باعث فخر ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں لانے کے لیے آپ نے جو دور رس اور خاموش خدمات سرانجام دیں وہ خود تاریخ پاکستان کا ایک درخشاں باب ہے-

مولانا عبدالحکیم شرف قادری: حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال اور فضل وکمال کا پیکر جمال بنایا تھا- وجاہت کا یہ عالم تھا کہ سیکڑوں علما ومشائخ کے اجتماع میں وہی م...... محفل دکھائی دیتے تھے- گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ان کے ہونٹ پھول اور موتی برسا رہے ہیں وہ بلاشبہ اپنے دور کے سحبان تھے- خطاب شروع کرتے تو مجمع پر سناٹا چھا جاتا- ہر شخص سراپا گوش بن کر محویت میں ڈوب جاتا- آپ کا مدلل بیان ایک سیل رواں تھا جو سامعین کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا اور ان کے دل ودماغ کو قائل کیے بغیر نہ چھوڑتا- وہ عقیدہ کے سچے اور دھن کے پکے تھے- انہوں نے اپنے بزرگوں کی ہدایت اور رہنمائی سے جو راستہ منتخب کیا اس کے لیے اپنی تمام توانائی صرف کر دی-

مولانا صابر القادری نسیم بستوی: حضرت اسلام وسنیت کے ایک آفتاب و ماہتاب تھے، جس کی روشنی سے ہم محروم ہو گئے، آپ نے مذہب حق کی جیسی بے مثال خدمت کی وہ سیکڑوں برس گزر جانے پر بھی فراموش نہیں کی جا سکتی- اس سال دارالعلوم کے پہلے جلسۂ دستار فضیلت میں حضرت کو مدعو کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا- یہاں کے تمام لوگوں کی دلی تمنا تھی کہ وہ حضرت کی زیارت اور فیض صحبت سے برکات حاصل کریں لیکن آہ!......ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مفتی محمد اشفاق حسین نعیمی : آپ کی ذات مجموعہ کمالات وصفات ہے- مقام اتنا بلند و بالا کہ اشہب فکر پرواز تھک کر رہ جائے- آپ کے اوصاف جمیلہ لکھنے کے لیے دفاتر بھی ناکافی لکھنے والے لکھیں گے مگر سچ تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوگا- آپ کی دینی خدمات اظہر من الشّمس وابین من الامس ہیں- ہندو پاک کا وہ کون سا خطہ ہے جس کو آپ نے سرفراز نہ کیا ہو- جہاں تشریف لے جاتے ایام بہاری کی آمد آمد ہوتی- ہر شاخ وشجر پر تازگی آجاتی-

مولانا سید مظہر ربانی باندوی: موصوف کی شخصیت جب جس صف سے نمودار ہوئی اس صف کے لیے باعث صد افتخار ثابت ہوئی- آپ نے بحیثیت عالم اس ملک میں علما کا مقام بلند کیا، بحیثیت فقیہ ومفتی منصب افتا کو چار چاند لگائے، بحیثیت مناظر اہل مناظرہ کی عظمت و مرتبے کا لوہا مخالفین سے منوایا، بحیثیت خطیب وواعظ اسٹیج کے اسپیکروں اور ایوان قیادت کے سرکش لیڈروں سے اپنے جماعتی زور بیان کا خطبہ پڑھوایا، بحیثیت پیرومرشد مخلصوں سے زیادہ منکروں کو مشائخ طریقت کا گرویدہ عقیدت بنایا- غرض خانوادۂ مخدومی اشرفی کا چشم وچراغ جس بزم میں گیا، شمع محفل بنا اور رونق محفل دوبالا ہو گئی اور جس افق سے طلوع ہوا ستاروں کے جھرمٹ میں بدر کامل کی شعاعیں بکھر گئیں-

اگر زبان عقیدت کھلے تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ چودھویں صدی کے اس قحط الرجال دور میں محدث اعظم کی ذات گرامی، ہمارے پاس قدرت خداوندی کا ایک عطیہ بے بہا تھی جس کی مثال کہیں اور نہ مل سکے گی اور کالی کملی والے پیارے رسول کا ایک درخشاں معجزہ تھا کہ جس زمین پر رونما ہوا اعدائے دین کی زبانیں گنگ، نگاہیں خیرہ اور دل ودماغ دبدبہ حق سے مبہوت وعاجز ہو کر رہ گئے-

مولانا ضیاء القادری: کتابی چہرہ آیات جلالی کا ترجمان، بڑی بڑی کشادہ آنکھیں گنبد خضرا کی تجلیات سے معمور، آواز میں ہیبت اور جبروت کے ساتھ ساتھ حلاوت کا انداز بھی، مقفیٰ و مسجع، فصیح وبلیغ خطبہ پڑھ کر مجمع کو مخاطب کر رہا ہے، اگر آیات قرآنی کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حقائق ومعارف کا قلزم ذخار، دل نشیں فقرات اور ایمان افروز الفاظ میں طوفان خیز معلوم ہوتا ہے، اگر احادیث نبوی کی شرح ووضاحت پر مائل ہوتا ہے تو رشد وہدایت کی سنہری بدلیاں باران رحمت میں مصروف نظر آتی ہیں، اگر فضائل ومحامد کی جانب دماغ راغب ہوتا ہے تو بے شمار مسائل علم وعرفان حل ہو جاتے ہیں، مجمع ہے کہ وجد آفریں انداز میں جھوم رہا ہے، سبحان اللہ! وصلی اللہ! کے نعروں سے فضا گونج رہی ہے، حاضرین پر کیف طاری ہے، ایمان تازہ ہو رہے ہیں-

الحاج نصرت اللہ عباسی: حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان پیچیدہ سے پیچیدہ باہمی اختلافی مسائل کو اس طرح حل فرماتے تھے کہ دونوں فریق خوش ہو جاتے تھے- علما اسلام انہیں اپنا حَکَم تسلیم کرتے تھے-❑❑❑

مولانا ذاکر حسین راج محلی ☆

محدث اعظم ہند: حیات وخدمات

ولادت باسعادت:- حضرت مولانا سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی کی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسا بیٹا عطا فرمائے جو دین ودنیا میں ان کے لیے باعث افتخار ہو- اپنے اورادخاص اور اوقاتِ خاص میں بارگاہِ خداوندی میں اکثر اپنے مالک حقیقی سے دعا مانگتے تھے- اس کے علاوہ اپنے وقت کے باکمال بزرگ شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان جو مولانا حکیم سید نذر اشرف کے خسر بھی تھے ان کی دلی آرزو یہی تھی کہ صاحبزادی کے یہاں ایک ایسا صاحبزادہ پیدا ہو جو دین ودنیا میں نام روشن کرے اور اللہ کے دین کی تبلیغ کا فرائض کماحقہ انجام دے- حضرت اشرفی میاں بھی اپنے اوقات خاص میں دعا فرماتے تھے اس کے علاوہ آپ نے غوث العالم محبوب یزدانی سلطان مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے آستانہ اشرفیہ پر بھی دعا کی- اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے ارادوں اور خواہشات کو پورا فرماتا ہے- چنانچہ جب حضرت اشرفی میاں کو اطلاع ملی کہ صاحبزادی کے یہاں خوشی ہونے والی ہے تو آپ نے مراقبہ کیا اور بعد فراغت مراقبہ یہ خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سرکار دوعالم ﷺ کے صدقہ میں ایک ایسا بیٹا عطا فرمائے گا جس پر میں دین ودنیا میں فخر کروں گا-

حضرت اشرفی میاں کی یہ عام کرامت تھی کہ آپ ایک دو سال قبل اولاد کی ولادت کی خوش خبری سنا کر نام رکھ دیا کرتے تھے، اس لیے جب آپ نے اپنے نواسے کی پیدائش کی خوش خبری بیٹی کو سنائی تو ان کو مکمل یقین ہو گیا کہ ضرور ایسا ہی ہوگا-

اب تولد ہونے والے بیٹے کی آمد آمد کی تیاری بہت زور وشور سے شروع ہوئی، عام طور پر ولادت سے قبل خواتین ایسے کپڑے تیار کرتی ہیں جو لڑکا یا لڑکی دونوں پہن سکیں- لیکن یہاں چوں کہ حضرت اشرفی میاں کی پیشن گوئی سامنے تھی اس لیے صرف لڑکے کی مناسبت سے کپڑے تیار کیے گئے- ایام حمل کے دوران شہزادی حضرت اشرفی میاں جائس ضلع رائے بریلی میں مولانا سید علی حسن اشرفی جیلانی جائسی متوفی ۱۹۱۰ء کے دولت خانہ میں قیام پذیر تھیں اور وہیں یہ امید وبیم کے لمحات گزر رہے تھے کہ ماہ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۵ء کی پندرہویں تاریخ کی درمیانی شب شب چہار شنبہ کو شہزادی حضرت اشرفی میاں نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ ان کے ہاتھ میں کتاب حدیث وقرآن عظیم دے کر مبارک باد دیتے ہیں، ان کی آنکھ کھل گئی اور اس وقت دردِ زہ شروع ہو گیا لیکن معمولی تکلیف محسوس ہوئی اور پھر محدث اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی-

تمام گھر جو مستورات سے بھرا ہوا تھا مسرت وشادمانی کے نغموں سے مزین ہو گیا- سرکار محدث اعظم ہند کے والد ماجد کو یہ خوش خبری مسجد میں سنائی گئی اور فوراً نماز فجر کے لیے جماعت کھڑی ہو گئی گویا مولانا سید نذر اشرف کی یہ نماز باجماعت اپنے رب کے حضور شکرانے اور نذرانے کا ذریعہ بن گئی، بعد فراغت صلوۃ اشراق سید نذر اشرف اشرفی صاحب گھر تشریف لائے اور دیگر خاندانی بزرگ جو جائس میں مقیم تھے سب نے مل کر نومولود صاحبزادے کو گود میں لیا اور آب زم زم شریف میں شہد گھول کر دنیا کی پہلی خوراک کے طور پر دیا گیا-

آستانہ اشرفیہ کا کاجل آنکھوں میں لگایا گیا، ہاتھ میں قرآن عظیم اور حدیث شریف رکھ کر اور پھر دوات قلم ہاتھ میں دے کر کچھ تحریر کرایا گیا، یہ خاندان اشرفیہ میں علم کی ترسیل کا شگون ہے-

مولانا سید شاہ علی حسن اشرفی جیلانی جائسی نے نام ''سید محمد'' رکھا- موصوف مولانا سید نذر اشرف اشرفی جیلانی کے حقیقی ماموں تھے وہ ایک متبحر عالم وفاضل، بلند پایہ فارسی شاعر اور نامور صوفی تھے- بحر العلوم مولانا عبد الحئ فرنگی محلی کے ہم عصر وہم درس تھے- موصوف صاحب جائداد بھی تھے لیکن کوئی اولاد نہ تھی- وہ اپنے بھانجوں سے کافی شغف رکھتے تھے- حکیم الاسلام فاضل کچھوچھوی اپنے ماموں حضرت علامہ مولانا سید شاہ علی حسن اشرفی جیلانی قدس سرہٗ کے دولت خانہ ہی میں رہا کرتے تھے، اس لیے وہیں سرکار محدثِ اعظم ہند کی بڑے ناز ونعم کے ساتھ علمی وفکری ماحول میں پرورش ہوئی-

☆Darul Uloom Ashrafia Tankaria,Distt.Bharuch(Gujrat)

بچپن میں محدث اعظم ہند عام بچوں سے عادات میں منفرد تھے- والدہ ماجدہ کو سجدہ میں دیکھ کر نقل کی سعی کرنا، کتابوں میں صرف قرآن پاک تک رسائی کرنے کی جدو جہد کرنا اور ابتدائی گویائی کے لیے اللہ، محمد کے الفاظ کا زبان پر جاری ہونا، غیب سے بچہ کی تربیت اور حفاظت کا اہتمام تھا-

رسم بسم اللہ خوانی اور سلسلۂ تعلیم:- جب آپ کی عمر شریف چار سال چار مہینے اور چار دن کی ہوئی تو خاندانی معمول کے مطابق آپ کے جد امجد حضرت مولانا سید شاہ فضل حسین اشرفی جیلانی قدس سرہٗ متوفی ۱۳۳۸ھ نے مٹھائی بطور نیاز منگوا کر فاتحہ خوانی کی اور ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ کو آپ کو بسم اللہ پڑھائی-

آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ محمدی خاتون مرحومہ ومغفورہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہٗ کی دختر نیک اختر اور حضرت مولانا سید احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہٗ کی حقیقی بہن نے آپ کو ابتدائی تعلیم دی اور آپ کو صرف چھ مہینے میں بغدادی قاعدہ اور پارہ عم ختم کروایا-

ماشاءاللہ کتنی مبارک ومسعود تعلیم تھی کہ مقدس ماں نے معزز فرزند کو صرف چھ ماہ میں قاعدہ بغدادی اور پارہ عم ختم کروایا- یہ دن آپ کے دولت کدہ میں خاص سرور کا دن تھا- نذر ونیاز تو مشائخ کے گھرانوں میں روزانہ کے معمول میں داخل ہے- خاص خاص موقعوں پر مریدین و متوسلین بھی لطف اندوز ہوتے ہیں- آج کا دن مقدس ماں کی مسرتوں کا دن تھا- ایک خاص قسم کی تقریب منعقد ہوئی جس میں خاندانی بزرگوں نے کثرت سے شرکت فرمائی- خوب شیرینی تقسیم ہوئی اور صدقات دیے گئے- اشرفی خاندان میں بچہ کے ہر پارہ کو ختم کرنے پر شیرینی تقسیم کرنے کا رواج ہے- پھر محدث اعظم ہند کو بقیہ انتیس پارے پوری روانی کے ساتھ صرف انتیس دنوں میں ختم کروائے- تب آپ کی عمر شریف صرف پانچ سال کی تھی- اس طرح بچپن ہی سے آثار ولایت ظاہر ہونے لگے-

پھر آپ نے نہایت عمدگی سے خوش خطی سیکھی اور ریاضی و ہندسہ وغیرہ کے اسباق ختم فرمائے، اس کے بعد فارسی وعربی کی ابتدائی کتابوں سے کافیہ وغیرہ تک کی کتابیں آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید نذر اشرف اشرفی جیلانی فاضل کچھوچھوی نے پڑھائی جو خود درس نظامیہ کے بہت بڑے معلم اور مشہور ترین طبیب حاذق بھی تھے جن کی نباضی پر دہلی کے حکما خراج تحسین ادا کرتے تھے- حکمت وطبابت کی اس منزل پر تھے کہ آواز سن کر، کپڑا سونگھ کر مرض کی تشخیص فرما دیتے- آج کا دور ایسے گرامی قدر حکیموں سے محروم ہی نظر آرہا ہے- حکمت کے ساتھ ساتھ اچھے مناظر او ربہترین شاعر اور لائق مصنف بھی تھے- ذہانت وظرافت، صلاحیت و استعداد ان کی تصنیف و تالیف اور شعروشاعری کے ہر ہر جملے سے پھوٹتی تھی- آپ ساری عمر دنیا کمانے سے بے نیاز رہے- جو کچھ ملا غریبوں کی دستگیری میں صرف کردیا- ہاں اگر کوئی سرمایہ چھوڑا تو اپنے ایسے عظیم فرزند (محدث اعظم ہند) کو چھوڑا جسے اکابر علما ومشائخ نے سرمایۂ اہلِ سنت تسلیم کیا- ماشاءاللہ ذہن بلا کا پایا تھا- فہم وادراک کی حالت باعث حیرت تھی- خداداد ذہانت اور عقل ودانش پر اہلِ علم انگشت بدنداں تھے- سلسلۂ تعلیم کے دوران دو سال تک سخت بیمار رہے- متعدد مرتبہ چیچک نکلی- امید زیست منقطع ہوگئی- اس دوران سلسلہ تعلیم منقطع رہا مگر مقدس ماں باپ اور ولی کامل نانا اور اکابر خاندان کی دعائیں بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئیں اور تیسرے سال آپ صحت یاب ہوگئے اور ماشاءاللہ آپ کی تندرستی برابر ترقی کرتی رہی اور ایسی ترقی کی کہ دیکھنے والے حیران ہوتے تھے- تعلیم کا سلسلہ پھر شروع ہوا- الغرض جب آپ عربی کی ابتدائی کتابوں سے فارغ ہوئے تو تمام دینیات کی تکمیل اور اعلیٰ تعلیم کے لیے برصغیر کے سب سے مشہور مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ کا رخ فرمایا اور بحر العلوم حضرت مولانا عبد الباری علیہ الرحمہ فرنگی محلی سے آٹھ سال میں تعلیم مکمل فرمائی اور سند فضیلت حاصل کی- تقریباً چودہ سال کی عمر شریف میں ۱۹۰۷ء میں تمام درسیات نظامی وعلوم عربیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے-

محدث اعظم ہند اپنے تمام ساتھیوں میں سب سے زیادہ ذہین اور طباع تھے- آپ کا حافظہ بہت قوی تھا- اکثر متون زبانی یاد تھے- عقائد نسفی، شمسیہ، منار از بر تھے، مقامات حریری کے اکثر مقامات ذہن نشیں تھے- بحر العلوم حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ آپ کی قدر واحترام کرتے تھے- جب آپ نے تمام دینیات سے فراغت پالی تو آپ نے لکھنؤ سے علی گڑھ آکر استاذ زمن علامہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے شرح تجرید، افق المبین جیسی منطق وفلسفہ کی ادق ونایاب کتابیں پڑھیں- مفتی لطف اللہ صاحب نے آپ کی خداداد استعداد وصلاحیت کو دیکھ کر آپ کو جو سند فراغت مرحمت فرمائی اس میں آپ کے

نام کے ساتھ ''علامہ'' تحریر فرمایا-

پھر آپ علی گڑھ سے پیلی بھیت آئے اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ سے صحاح ستہ، معانی الآثار وغیرہ حدیثوں کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حدیث حاصل فرمائی-

پھر اس کے بعد آپ کے حقیقی ماموں، شہزادہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ، سید شاہ احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہٗ نے اپنے حقیقی بھانجے اور مرید صادق پر روحانی وعلمی نوازشات کھول دیں- پھر آپ کو بریلی شریف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ کے سپرد فرمادیا-

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا ضرور تشریف لائیں یہاں فتویٰ لکھیں اور مدرسہ میں درس دیں- رد وہابیہ اور افتا طب کی طرح ہیں، صرف کتاب پڑھنے سے نہیں آتا جب تک کسی ماہر فن کی صحبت میں نہ بیٹھیں- بفضل ورحمت الٰہی پھر بعون وعنایت رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افتا اور رد وہابیہ کے دونوں کامل فن اور دونوں نہایت اعلیٰ فن انہیں یہاں سے اچھا ان شاء اللہ ہندوستان میں کہیں نہ ملے گا- میں تو ہر شخص کو بہ طیب خاطر سکھانے کو تیار ہوں- سید احمد اشرفی صاحب تو میرے شاہزادے ہیں اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ انہیں کے جد امجد کا صدقہ وعطیہ ہے- بالآخر آپ اپنے مرشد برحق کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پیلی بھیت سے بریلی شریف پہنچے- اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں دو سال رہ کر فقہ وفتاویٰ پر مہارت تامہ حاصل فرمائی- جب تک آپ کا وہاں قیام رہا فتاویٰ نویسی کا مشغلہ جاری رکھا- پھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی دعائیں اور برکتیں لے کر آپ بدایوں شریف آستانہ عالیہ قادریہ تشریف لے گئے اور یہاں آپ نے مطیع الرسول حضرت علامہ مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ سے سند حدیث حاصل فرمائی اور عالم میں محدث اعظم ہند کی شہرت ورفعت سے سرفراز ہوئے- ان تمام علمی وتحقیقی منازل کو سرکار محدث اعظم ہند قدس سرہ نے سترہ سال کی عمر میں عبور کر لیا جس میں دو سال کچھوچھہ شریف میں شدید علالت کا دور بھی شامل ہے-

محدث اعظم ہند کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے، صرف یہ نفوس ہیں-

(۱) سیدہ محمدی خاتون (والدہ ماجدہ)
(۲) علامہ سید نذر اشرف اشرفی (والد ماجد)
(۳) امام وقت علامہ عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی
(۴) استاذ زمن علامہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی
(۵) علامہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی
(۶) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی
(۷) مطیع الرسول علامہ عبدالمقتدر بدایونی

(۸) محدث اعظم ہند قدس سرہ کے ماموں جان، پیر ومرشد حضرت مولانا مفتی سید شاہ احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہٗ کو شامل کر کے صرف آٹھ نفوس قدسیہ ہوتے ہیں-

ان آٹھ حضرات کے علاوہ حضور محدث اعظم قدس سرہ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا- مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے اور آپ کی محنت وخداداد ذہانت کی وجہ سے بہت سے علوم وفنون کا جامع بنایا- آپ ایسا قادر الکلام اور قلم کے بادشاہ ہوئے کہ جس مسئلہ پر بھی قلم اٹھایا نہ موافق کو ضرورت افزائش نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوئی-

درس وتدریس:- ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہٗ عقلیات ونقلیات کے جملہ علوم وفنون میں امتیازی شان حاصل کرنے کے بعد دہلی تشریف لائے اور علامہ سید محمد میر صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی سرپرستی میں وہاں مدرستہ الحدیث قائم فرمایا اور بارہ سال تک وہاں درس حدیث کا فریضہ انجام دیا- رسالہ قشریہ، قانون شیخ جیسی کتابیں بھی آپ کے زیر تدریس رہیں- تصوف وطب کی بھی تدریس جاری رکھی-

پھر آپ دہلی چھوڑ کر کچھوچھہ تشریف لائے اور اپنے نانا جان اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ العزیز کے قائم کردہ جامعہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ ضلع فیض آباد، یوپی، میں منصب شیخ الحدیث کے مسند نشیں ہوئے اور ایک طویل زمانہ تک درس دیتے رہے، ساتھ ہی فتاویٰ بھی لکھتے رہے اور تشنگان علوم وفنون کو سیراب فرماتے رہے- کتنوں کو علم وادب کی شاہراہ سے انگلیاں پکڑ کر لے گئے اور ان کی منزل پر گامزن کیا اور کتنے گنگ زبانوں کو طرز تکلم سکھایا-

آپ کے نامور اور ارشد تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے- مشاہیر میں بعض جو خود استاذ الاساتذہ شمار کیے جاتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) مولانا سلیمان اشرفی بھاگل پوری
(۲) مفتی افضل الدین اشرفی
(۳) مولانا سید نعیم اشرف اشرفی جیلانی جائسی
(۴) مولانا سید فاخر الہ آبادی علیہ الرحمہ
(۵) مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

بیعت وخلافت: -حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہٗ نے اپنے نانا جان، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ، کی ایما پر اپنے حقیقی ماموں حضرت مولانا ابوالمحمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا پیر و مرشد منتخب فرمایا اور آپ کی ارادت میں داخل ہوئے- سلوک وعرفان کی راہ میں تیرہ سال گزارے اور زبردست مجاہدات وریاضات کی یہاں تک کہ اسم ذات اور اسم صفات کے ورد سے آپ میں آثار جہانگیری نمایاں ہو گئے- حضرت قدس سرہ کے ماموں جان نے اپنے بھانجے پر روحانی وعلمی نوازشات کے تمام دروازے کھول رکھے تھے- لائق بھانجے نے شفیق ماموں کے اور مرید صادق نے مرشد برحق کے علمی وعرفانی اور روحانی خزانوں سے اپنے آپ کو خوب مالا مال کیا یہاں تک کہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں تمام سلاسل کی مثال خلافت عطا کی گئی اور وہ بھی مدینہ طیبہ میں، خاص مواجہہ شریف میں اس مبارک دولت سے سرفراز ہوئے-

حضرت محدث اعظم ہند کی خداداد صلاحیت اور پرخلوص خدمات دیکھ کر ہی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنی ضعیفی کا سرمایہ اور آخرت کی کمائی قرار دیا تھا- اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہونہار شہزادے، حضرت مولانا الحاج احمد اشرف اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو جو محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے حقیقی ماموں اور پیر برحق تھے اگر لخت جگر سے یاد فرمایا ہے تو محدث اعظم ہند کو بھی جگر پارہ کہہ کر اپنی بے پناہ شفقت کا اظہار فرمایا ہے-

مرادآباد کی سرزمین پر علما ومشائخ کی عظیم الشان کانفرنس ہے، ۱۹۲۵ء کا سال ہے اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت ہے، آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں قوم وملت کی بلندی وبہتری کے لیے لائحہ عمل پیش فرمایا ہے- اس میں جو سوالیہ نشانات آپ نے کھینچے اور ان کا حل پیش فرمایا وہ تاریخی خطبہ الخطبۃ الاشرفیہ کے نام سے مئی ۱۹۲۵ء کے ماہنامہ اشرفی میں اشاعت پذیر ہوا- خطبے کے آخر میں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ نے اسی خطبہ میں خانوادۂ اشرفیہ کے ان دونوں آفتاب ومہتاب کو قوم وملت کے سپرد فرماتے ہوئے اعلان فرمایا تھا کہ:

”مجھے جو غم کھائے جاتا ہے وہ یہ ہے کہ میری عمر کا بڑا حصہ گزر چکا ہے اور ضعیفی وناتوانی نے اس طرح مجھ کو گھیر لیا ہے کہ میں آپ کا ایک عضو معطل ہو کر رہ گیا ہوں- ہاں میری اسی (۸۰) برس کی کمائی میں صرف ”دو چیزیں“ ہیں جن کی قیمت کا اندازہ اگر آپ میری نگاہ سے کریں گے تو ہفت اقلیم کی تاج داری ہیچ نظر آئے گی، یہ میری بڑی قیمتی کمائی ہے جس پر مجھ کو دنیا میں ناز ہے اور آخرت میں فخر ہوگا جس کو میں کبھی بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تھا لیکن آج اعلان حق کے لیے میں اپنی ساری کمائی نذر کر رہا ہوں- میرا اشارہ پہلے اپنے لخت جگر اور نور العین مولانا الحاج ابو المحمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی پھر اپنے نواسہ وجگر پارہ مولانا الحاج ابو المحامد سید محمد محدث اشرفی جیلانی کی طرف ہے- ان دونوں کی ذات میری ضعیفی کا سرمایہ ہے- آج ان جگر کے ٹکڑوں کو نذر پیش کرتا ہوں کہ اعلان حق میں آخری ساعت تک سنت واہلِ سنت کی خدمت جو سپرد کی جائے اس میں میری تربیت وحقوق کا حق ادا کریں“

الخطبۃ الاشرفیہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے قارئین پر بخوبی واضح ہو چکا ہوگا کہ تاج دار طریقت، پروردۂ سہ محبوباں، ہم شبیہ غوث اعظم، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادے اور نواسے کو کس قدر عزیز رکھتے تھے- قابلِ فخر دونوں شہزادوں کو اعلاء کلمۃ الحق کے لیے نذر کر کے حاضرین سے مخاطب ہو کر آگے یوں فرماتے ہیں-

”امید ہے کہ آپ ایک متوکل درویش کی ناچیز نذر کو قبول فرما کر مجھے رب کی سرکار میں سرفراز فرمائیں گے اور آپ یقین رکھیں کہ میری رات دن کی دعائیں آپ سے جدا نہ ہوں گی اور آپ کا درد میرے دل سے کبھی نہ جائے گا-“

وسط صدی چودھویں ہجری کی تاریخ گواہ ہے کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے نذر کردہ عظیم سپوتوں نے دین وسنیت کی تبلیغ واشاعت کے لیے ملک کے گوشے گوشے میں تقریریں کیں اور تحریکیں چلائیں- مناظرے کیے اور بے شمار غیر مسلموں کو شرف اسلام

سے مشرف فرمایا اور تاریک زدہ لاکھوں گم گشتۂ راہ کو ایمان وایقان کی منزلیں عطا کیں- تاج دار سمناں کے دامن سے ان گنت افراد کو وابستہ کر دیا- ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ اچانک ایک حادثہ ہوا جس نے نہ صرف اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کو بلکہ پورے خانوادہ وسلسلہ اشرفیہ کو ہلا کر رکھ دیا- ۱۵/ربیع الاخر ۱۳۴۷ھ کو علم وعرفان رشد وہدایت اور اخلاق ومروت کا روشن ستارہ جسے دنیا حضرت سید احمد اشرف کے نام سے جانتی پہنچانتی تھی عین حالت نماز میں ضعیف باپ کی حیات ہی میں ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا- نور اللہ مرقدہٗ-

ملت اسلامیہ کی حرماں نصیبی دیکھیے کہ ''علم وفضل کا ہمالہ'' آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے- اسلامیان ہند حضرت مولانا سید احمد اشرف علیہ الرحمۃ کی ظاہری فیضان رسانی سے محروم ہو گئے- اس اچانک حادثے نے خانوادۂ اشرفیہ کی قیادت اور روحانی مشن کو زبردست دھچکا پہنچایا- لیکن اکابر کا کہنا ہے کہ حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال کی عمر شریف میں عالم اسلام کی جانب توجہ فرمائی اور اپنے مرشد برحق وماموں جان کے مقدس روحانی منصوبوں کی تکمیل کے لیے انہیں کے نقش قدم پر سیاحت شروع کی اور بے مثال وتاریخ ساز رول ادا فرمایا- اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے بازو بن کر ابھرے اور سندھ اور ہند، عرب وعجم کے مختلف ملکوں کا روحانی دورہ فرمایا، ہزاروں تشنگان معرفت کو سلوک ومعرفت کا جام پلایا، لاکھوں گم گشتگان کو راہ ہدایت دکھائی، ہزاروں کو صراط مستقیم پر لا کھڑا کیا، تزکیہ نفس اور روحانی تعلیمات کا درس دیا اور اپنے آباو اجداد کی سنت ادا کرتے ہوئے ہزاروں گم راہوں کو ایمان واسلام کی دولت سے مالا مال کیا، ملک کے گوشے گوشے میں آپ پہنچے اور لاکھوں تشنگان علم وعرفان کو سیراب کیا- ملک کا کوئی ایسا خطہ نہیں جہاں وابستگانِ سلسلہ اشرفیہ موجود نہ ہوں، ہر گوشے کو سلطان مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے دامن سے منسلک فرما دیا-

خاندان وسلسلۂ اشرفیہ کی اشاعت عرب وعجم میں آپ کے نانا جان حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ درگارہ کچھوچھہ شریف نے کی تھی اور آپ کے بعد آپ کے نواسے وجگر پارے حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اپنے نانا جان بلکہ اپنے مقدس ماموں وپیر برحق کی بھی روحانی تعلیم وتربیت اور حقوق کو کماحقہ پورا کیا-

دنیا نے دیکھا کہ نانا جان اور ماموں کی مقدس وروحانی تربیت گاہ نے حضرت محدث اعظم ہند کو وجاہت دوریشانہ بھی بخشی تھی اور شان فقیرانہ بھی- نانا اور ماموں کی روحانی تربیت نے حضور محدث اعظم ہند کو عالم اسلام کا عظیم رہنما اور روحانی قائد بنایا اور اس عظیم رہنما اور روحانی قائد نے اپنے اکابر کے مشن کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ ملک اور بیرون ملک میں اس کے فروغ وارتقا کا ایک لامتناہی سلسلہ قائم فرمایا-

تصنیف وتالیف:- حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ ایک جہان علم تھے، قلم کے بادشاہ تھے، قلم برداشتہ شستہ، مؤقر اور جامع تحریر فرماتے تھے- بلاشک وشبہ اپنے دور کے آپ معروف صاحب تصنیف وتالیف تھے- اس کی وجہ یہ تھی کہ قوت حافظہ میں مسائل مستحضر تھے- کثیر المطالعہ اور وسیع معلومات واطلاعات کے حامل تھے-

جس طرح آپ نے تقریروں کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں رسول وآل رسول اور محبوبان خدا کی عظمت وبلندی اور عقیدت ومحبت اور ادب واخلاص کی شمع روشن فرمائی، عشق وعقیدت کے مرجھائے ہوئے پھولوں کی آبیاری کی، اپنے علم وعمل کے ذریعہ درس دیا، دینی، ملی، تنظیمی، تعلیمی کارنامے انجام دیے، اسی طرح آپ نے قلمی جہاد بھی کیا اور رہتی دنیا تک کے لیے علمی، تحقیقی، تصنیفی کارنامے بھی انجام دیے- پورے سال سفر کی حالت میں دینی تبلیغی دورے کی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود مسلمانوں کی اصلاح وتبلیغ کے لیے مختلف موضوعات پر عربی، فارسی، اردو میں اپنی سو سے زیادہ علمی یادگاروں کا عظیم ذخیرہ چھوڑا- ہزار ہا دلائل کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا-

آپ کی سب سے اہم اور عظیم الشان تصنیف ترجمہ قرآن وتفسیر قرآن ہے- یہی آپ کا سوز نہاں ہے-

دوسرا عظیم الشان علمی کارنامہ آپ کے فتاویٰ ہیں، اخیر عمر تک آپ نے لاکھوں سے زیادہ نہایت جامع اور فاضلانہ ومحققانہ فتاویٰ لکھے-

تیسرا عظیم الشان علمی کارنامہ آپ کی صحافت ہے- آپ نے ۱۹۲۲ء میں کچھوچھہ شریف سے ''اشرفی ماہنامہ'' جاری فرمایا جس میں چودہ آنہ مضامین آپ ہی کے رشحات قلم سے ہوتے تھے- اس کے ذریعے بھی آپ نے دین متین کی قابل قدر خدمات انجام دیں- اس

میں آپ کے بہت سے طویل مضامین قسط وار بھی شائع ہوئے ہیں، اگر ان سب مضامین کو یک جا کر کے ترتیب دے دیا جائے تو گراں مایہ کتابیں- رسائل تیار ہوجائیں اور آج بھی اشرفی ماہنامہ کا ایک ایک شمارہ علم وعرفان کا گنجینہ گراں مایہ ہے-

حضرت محدث اعظم کی تصنیفات یوں تو سیکڑوں سے زیادہ ہیں جوآپ کی حیات مبارکہ میں عرب وعجم میں شائع ہوئیں، جنہیں اہل علم و تحقیق پڑھ کر انگشت بدنداں اور ممنون احساں ہوئے اور آپ کے علمی تفوق وتبحر اور ہمہ گیری کی علمی دنیا میں دھوم مچ گئی- ان نایاب مطبوعہ تصانیف میں سے جن مطبوعہ تصانیف اور مضامین کی معلومات ہوسکیں ذیل میں ایک مختصر سی فہرست پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں-

(۱) معارف القرآن (۲) تفسیر قرآن پاک (۳) تقویٰ القلب (۴) قہر قہار برروئے ناہنجار (۵) اتمام حجت برجند منکر نبوت (٦) کما قال اقول فی رد اہل الضلال والجھول (۷) حیات غوث العالم (۸) فرش پر عرش (۹) بصارۃ العین فی ان وقت العصر بعد المثلین (۱۰) التحقیق البارع فی حقوق الشارع (۱۱) الاجازۃ بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ (۱۲) دافع الاستفاع عن جواز الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ بالاجماع معروف بہ احسن التحقیقات فی جواز الدعاء للاموات (۱۳) مرقومات بے مثال (۱۴) تحقیق التقلید (۱۵) روداد مناظرہ کچھوچھہ شریف (۱٦) نوک تیر (۱۷) خدا کی رحمت (۱۸) مقصد الابرابر (۱۹) شیخ العالم (۲۰) پیران پیر (۲۱) سلطان المشائخ (۲۲) سلطان العارفین (۲۳) سوانح غوث اعظم (۲۴) الفتویٰ علی جواز التکبیر بالجھر فی عید الفطر وعید الاضحیٰ (۲۵) حقا کہ بنائے لاالہ است حسین (۲٦) مکالمۂ جمعہ (روداد مناظرہ بنارس) (۲۷) میلاد اشرفی (۲۸) وصایا شریف امام اعظم (۲۹) فتنہ عظیمہ اور اس کا دفیعہ (۳۰) عید معراج (۳۱) جزیرۃ العرب وآریہ ناریہ (۳۲) معظم الابواب فی بیان طریق الزیارۃ وایصالِ الثواب (۳۳) سیرۃ الخلفا، (۳۴) کتاب الصلوٰۃ (۳۵) فتاویٰ اشرفیہ غیر مطبوعہ (۳٦) منافقین اسلام کا آغاز وارتقاء مطبوعہ

ماہنامہ اشرفی میں شائع شدہ گراں قدر مضامین ومقالے:-

(۱) وحدت الوجود (۲) تکوین عالم (۳) مجذوب شیرازی (۴) فضائل رمضان المبارک (۵) ایک تاریخی معجزہ (٦) عید کیا ہے؟ (۷) نکاہ بیوگاں (۸) مشاہیر اسلام (۹) فتنۂ ارتداد (۱۰) خواجۂ خواجگاں (۱۱) مقاماتِ مقدسہ کی توہین اور مسلمانوں کی بے کسی (۱۲) مقالات شتی- چیستاں (۱۳) لفظ اشرفی کا تاریخی پس منظر-

وعظ وتقریر:- اس میں شک نہیں کہ حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ عظیم ترین فاضل، عالم، مفسر، محدث، اعلیٰ ترین فقیہ، نہایت اچھے معلم اور کامیاب مناظر بھی تھے لیکن بایں ہمہ آپ کی تقریر نہایت سلیس وعام فہم ہوتی تھی- عوام وخواص میں یکساں مقبولیت، آپ کی تقریر دل پذیر کی خاص خصوصیت تھی- آپ بذات خود صاحب طرز خطیب تھے- آپ نے قدیم عالمانہ ومواعظانہ طرز خطابت میں متعدد مفید ودل کش ایجادات کا اضافہ فرما کر اصلاح وتبلیغ کے خشک وغیر دل چسپ کام کو عوام وخواص کی توجہات کا مرکز بنادیا اور دینی واعظین ومقررین کے لیے نئی نئی راہیں کھول دیں، جس سے واعظین ومبلغین میں نیا حوصلہ، نئی امنگ اور رنیا ولولہ پیدا ہوا- دینی جلسوں، مذہبی محفلوں میں از سرنو رونق وتازگی آگئی اور اس طرح دین وملت کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اور پرانے طرز کی دنیائے وعظ وتذکیر میں ایک خوش گوار انقلاب آیا- پر جوش مقررین نئے طرز خطابت کے ساتھ نمودار ہوئے جن میں اکثر مقررین حضرت محدث اعظم ہند کے طرز خطابت کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں-

اصلاح وتبلیغ کا کس قدر دل آویز طریقہ آپ نے ایجاد فرمایا جس کا ہر رخ پر کشش اور اثر آفریں ہے- آپ اکثر پند ونصیحت کے سادہ اور خشک اور غیر دل چسپ موضوع کو اپنے علمی دلائل سے پر وقار بناتے اور احکام الٰہیہ کو پوری شدت سے بلارعایت بیان فرماتے پھر عرفانی مضامین میں لینت اور سوز وگداز پیدا کرتے- واقعات عالم اور دلائل عقلی اور عام فہم مثالوں سے اس کو دل نشیں، قابل قبول، شگفتہ بیانی اور سلیس زبان میں اس کے تمام پہلو نمایاں فرماتے تو موقع ومحل پر طنز ملیح کے تند وتیز تیر ونشتر بھی استعمال فرما کر اصلاح حال فرماتے- کبھی کبھی خوش کن لطائف سنا کر بھی سامعین کو اپنے اصل موضوع گفتگو کی طرف متوجہ کرلیتے تھے- بزرگوں کے پاکیزہ اشعار بھی قدرے ترنم سے پڑھ کر بارش کیف وسرور فرماتے- غرض کہ ہر طرح علمی وعرفانی حقائق ومعارف قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے زور بیان، شوکت الفاظ، پر وقار طرز ادا، جمال بزرگانہ اور فیضان باطنی سے سارے مجمع کو مسخر ودیوانہ بنالیتے تھے- آپ کی تقریر کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی آسانی سے

سرکار بغداد، پیرانِ پیر غوث اعظم شیخ محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر بے نظیر کی شان وعظمت، مقبولیت ومحبوبیت کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ان کی نسل پاک میں ایک جیلانی شہزادہ کے وعظ و تذکیر کا یہ سماں ہے تو اس شہنشاہ اقلیم ولایت وفرماں روائے سریر خطابت کی تقریر پرتنویر کا کیا نورانی عالم ہوگا-

حضرت مولانا ابوالعُلا قادری شیخ الحدیث قصور نے تحریر فرمایا ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ سیدنا غوث الاعظم کی صدا اور سیدنا غوث العالم مخدوم سید اشرف جہانگیر قدس سرہ کی ضیا ہیں اور گلشن سادات کی بہار ہیں- جب والی کون ومکاں، باعث زمین وزماں، ہادی سبل، ختم الرسل، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں آپ کا بیان ہوتا تو کیا کہیے- ایسے معلوم ہوتا جیسے فضا میں سنسنی چھائی ہوئی ہے اور پرندہ پر تک نہیں مارتا- گویا وہ بھی آپ کے کلام کو سن رہا ہے- میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے کہ مرکزی دارالعلوم حزف الاحناف لاہور کے عظیم الشان جلسۂ عام میں عوام حضرات سامعین کی یہ کیفیت ہوتی کہ آپ بیان فرمارہے ہوتے اور حاضرین کی آنکھیں آپ کی ذات مقدسہ پر لگی ہوتیں اور موتی گررہے ہوتے-

میں نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس جہاں علامہ عبد الحامد صاحب قادری بدایونی علیہ الرحمہ کا بیان سنا، ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے محدث اعظم ہند کی تقریر بھی سنی- خدا کی قسم وہ تقریر تھی، نہیں نہیں، وہ ایک والہانہ، ولولہ انگیز جذبہ تھا، جس نے دولاکھ کے مجمع میں ایسی روح پھونک دی جو پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوئی اور لفظ بنارس سے ۳۱۳ عدد نکال کر بتایا کہ غزوہ بدر میں ۳۱۳ کامیاب ہوئے- یہ اجلاس بھی کامیاب ہوگا اور پاکستان بن کر رہے گا-

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی مدیر اعلیٰ جہان رضا لاہور نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سید محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کو میں نے ۱۹۳۹ء میں ''مرکزی انجمن حزب الاحناف'' کے سالانہ جلسہ میں مسجد وزیر خاں لاہور کے شاندار اسٹیج پر پہلی بار دیکھا- آپ سر پر ''شاہی تاج'' سجائے گیروا لباس پہنے تقریر کے آغاز میں ایک خوب صورت منبر پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے-

میں نے زندگی میں پہلی بار ایک عالم دین کے سر پر شاہانہ تاج (شاہ سمناں کا تاج) سجائے دیکھا تو حیرت زدہ ہوگیا- حضرت محدث اعظم ہند کی آنکھوں کی سرخی اور ان کے چہرے کا جلال یوں دکھائی دیتا تھا جیسے واقعی ایک زبردست شہنشاہ اپنے وزرا وامرا کے حلقہ میں اپنی رعایا کو خطاب کررہا ہو- حضرت کی آواز سے مسجد وزیر خاں کے بام ودر گونج رہے تھے، جس سے در و دیوار معمور تھے- خطبہ کے الفاظ کی ادائیگی اتنی پر شکوہ تھی کی سامعین دم بخود تھے- مسجد وزیر خاں کا وسیع صحن سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا - یہ سامعین عامی نہیں تھے اہل علم وفضل تھے، اہلِ ذوق ومحبت تھے، محدث صاحب کی تقریر فصاحت وبلاغت کا ایک نمونہ تھی - آپ کا انداز بیان اہل علم کے لیے غذائے روح تھا- آپ کا خطاب آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ نہیں رات ڈھلنے تک جاری رہا اور سامعین ہمہ تن گوش بیٹھے رہے- یہ ان دنوں کی بات ہے جب مسجد وزیر خاں کا صحن اہل ذوق اور سامعین سے لبالب بھرا ہوتا تھا- یہ ان دنوں کی بات ہے، جب تشنگانِ علم وفضل، ''نوشانوش'' کی آواز پر امڈے آتے تھے-

سفر حج وزیارت:- حضرت محدث اعظم ہند پانچ مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مالا مال ہوئے-

پہلا سفر حج: مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند اپنے مرشد برحق حضرت مولانا سید احمد اشرفی جیلانی قدس سرہ کے ساتھ ۲۹/ سال کی عمر میں ماہ ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں یک بارگی سفر حج کا ارادہ فرمالیا اور شرف حاضری حرمین حاصل فرمانے کے لیے ایک جماعت کے ساتھ مغرب کا سفر فرمایا، نیازمندوں نے عرض کیا-

آفتاب سوئے مغرب می روی   ماہتاب با کواکب می روی!

اسی مقدس سفر حج میں آپ کو آپ کے مقدس ماموں ومرشد برحق نے خاص مواجہہ اقدس سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میں مثال خلافت واجازت عطا فرمایا اس مقدس سفر سے واپسی ۲۶/ صفر ۱۳۴۱ھ کو ہوئی تھی-

ایک سفر حج: یہ سفر حج آپ کا ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں تقسیم ہندو پاک کے سال ہوا- آپ کا یہ حج دوسرا یا تیسرا یا چوتھا تھا- اس کی تعیین ذرا مشکل ہے، چوں کہ دو سفر حج کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں، جس کی وجہ سے مذکورہ سفر حج کو دوسرا یا تیسرا یا چوتھا سفر حج کا نام نہیں دیا جاسکتا- آپ حرم شریف میں مناسک ادا فرمارہے تھے کہ اسی دوران آپ کو انوارِ باطن سے یہ منکشف ہوا کہ آج حضرت صدرالافاضل حضرت علامہ مولانا سید نعیم الدین اشرفی مرادآبادی دارِ فانی سے دارالبقا کی طرف انتقال فرماگئے- آپ کی حالت غیر ہونے لگی، غموں سے دل

ڈوبا رہنے لگا، حرم شریف سے طیبہ تک آپ حسرت وغم کا مجسمہ بنے رہے، ہمراہ وہم سفر بڑے حیران و پریشان تھے کہ خدایا حضرت کی حالت کیوں بدل گئی ہے، نہ کھانے پینے کی رغبت، نہ زندگی کا کوئی خیال ہے، آخر سبب کیا ہے- جب آپ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو آپ کو حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہہ اقدس میں سکون ملا پھر ہم راہیوں کو معلوم ہوا کہ آج حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی انتقال فرما گئے ہیں- اس واقعہ کو حضرت مولانا قطب الدین احمد اشرفی نائب مدیر ''سواد اعظم'' لاہور نے اپنے نظم کے اندر منقبت میں یوں کہا ہے:

جناب محدث کچھوچھہ کو واللہ
تھی صدر الافاضل سے بے حد محبت
مناسک حرم میں ادا کررہے تھے
ہوئی جب کہ صدرالافاضل کی رحلت
ہوا منکشف یہ بانوار باطن
کہ رخصت ہوئے آج دنیا سے حضرت
رہا طیبہ تک یہ غم دل کا عالم
نہ جینے کی پروا نہ کھانے کی رغبت
پریشان وحیراں تھے ہمراہی سارے
خدایا یہ کیوں ان کی بدلی ہے حالت
کھلا عقدہ جاکر مدینہ میں سب کو
کہ صدر الافاضل ہوئے آہ رخصت
سکوں آگیا جب مواجہہ میں شہ کے
نظر آئی صدر الافاضل کی صورت

آخری سفرحج: آپ نے یہ حج اکبر ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں ادا فرمایا، اسی آخری سفرحج میں آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پاک کی زیارت سے حالت بیداری میں مشرف ہوئے تھے، آپ نے اس سہانا منظر کو اپنی ایک غزل میں یاد فرمایا ہے:

جانب مرغ زار پھرتے ہیں
دن ترے اے ہزار پھرتے ہیں
دیکھیں دن ہجر یار کے کس دن
میرے پروردگار پھرتے ہیں
آج سید کہیں کے نظارے
آنکھ میں باربار پھرتے ہیں

شادی خانہ آبادی:- حضرت محدث اعظم ہند کی شادی ۲۳ سال کی عمر میں حضرت اشرفی میاں کی پوتی اور حضرت مولانا سید احمد اشرف کی شہزادی محترمہ سیدہ فاطمہ کے ساتھ ۱۹۱۵ء میں ہوئی جو سرکار کلاں حضرت سید شاہ مختار اشرف کی حقیقی بہن تھیں-

آپ انتہائی جاہ وجلال اور فضل وکمال کی خاتون تھیں، آپ کے شہزادگان کی تعلیم وتربیت اور نظم وضبط کی پاس داری میں مخدومہ سیدہ فاطمہ کا کلیدی رول رہا ہے- دعوت وتبلیغ کے لیے محدث اعظم ہند زیادہ تر گھر سے باہر رہتے، مگر بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں مخدومہ صاحبہ نے کبھی کمی نہ آنے دی- شفیق ماں کے ساتھ ساتھ وہ اعلیٰ منتظم بھی تھیں-

اولاد واخلاف:- آپ کے چار شہزادے اور دو شہزادیاں ہیں: (۱) سید محامد اشرف (مفقود الخبر) آپ ہی کی نسبت سے محدث اعظم ہند ''ابوالمحامد'' لکھا کرتے تھے- (۲) سید حسن مثنیٰ انور (۳) سید محمد مدنی اشرفی جیلانی- (آپ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے جانشین ہیں اور علم وفضل، تقویٰ وطہارت، تحریر وتقریر میں اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے حقیقی ماموں سرکار کلاں حضرت سید مختار اشرف کے دامن ارادت سے وابستہ ہوئے- آپ کو ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے- غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ نے آپ کو آپ کی کتاب ''ویڈیو کی شرعی حیثیت'' کے مطالعے کے بعد ''رئیس المحققین'' کے خطاب سے نوازا ہے- آپ ہی کی خصوصی دل چسپی سے حضرت محدث اعظم ہند کا ترجمۂ قرآن ''معارف القرآن'' اردو، ہندی اور گجراتی تینوں زبانوں میں ایک ساتھ طبع ہوکر منظر عام پر آیا- آپ نے حضرت محدث اعظم ہند کے آستانہ، خانقاہ اور محمدی ہال کو پرشکوہ انداز میں تعمیر کرائی اور ہر سال ۱۵، ۱۶، رجب المرجب کو انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ عرس کا انعقاد کرتے ہیں- جانشین محدث اعظم ہند نے سماجی ومعاشرتی برائیاں ختم کرنے کے لیے ''محدث اعظم مشن'' کی داغ بیل ڈالی - ہندوستان میں گجرات اور بیرون ملک انگلینڈ میں اس تعلق سے کافی پیش رفت ہورہی ہے-) (۴) سید محمد ہاشمی میاں (۵) سیدہ اقبال بانو (زوجہ مولانا سید امیر اشرف علیہ الرحمہ) (٦) سیدہ سلطانہ خاتون (زوجہ سید سعید احمد لکچرار معاشیات، محمد حسن انٹر کالج، جون پور)- □□□

صاحبزادہ سید حسن مثنیٰ انور☆

محدث اعظم ہند کے آخری ایام

علالت سے وفات تک

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ذات گرامی ملت اسلامیہ کی آبرو اور علماے اہل سنت کی پشت پناہ تھی- ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت میں گزرا- اس راہ میں انہوں نے سختیاں بھی جھیلیں، حالات کے نشیب و فراز بھی دیکھے، اپنوں اور بیگانوں کے جمود و تعطل کا بھی مشاہدہ کیا، لیکن ان مراحل میں سے کوئی بھی حضرت کے تبلیغی مشن پر اثر انداز نہ ہو سکا- اوائل عمر سے آخری منزل حیات تک حضرت نے جہد و عمل اور فکر و نظر کے جو رنگا رنگ مظاہر پیش کیے وہ ان کی اسلام سے غیر معمولی وابستگی اور مظلوم انسانیت سے بے پناہ ہمدردی کی روشن مثالیں ہیں- غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت کی مقبولیت اور عظمت کا احساس نہ صرف یہ کہ مسلمانوں ہی کے دلوں میں رہا بلکہ ہندوستان کے دیگر افراد قوم نے بھی حضرت کی حلقہ بگوشی قبول کر کے اپنے اس احساس تفاخر کو جلا دی- یہ قلندرانہ جرأت و عمل اور یہ فقیہانہ فکر و نظر اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب مقصد حیات رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگے-

حضرت محدث اعظم کا مقصد حیات اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ **لا الہ الا اللّٰہ** کی ترویج ہو اور **محمد رسول اللّٰہ** کا زمانے میں بول بالا رہے- حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معرفت حاصل کیے بغیر لا الہ الا اللہ کا سعی تحصیل عرفان ممکن نہیں- چنانچہ حضرت کی اصطلاح میں اسلام محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والہانہ اور سچی وفاداری کا دوسرا نام ہے- اگر غور سے دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ اسلام کا دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دعویٰ کی دلیل ہیں- لہٰذا دلیل کو سمجھے یا سمجھائے بغیر دعویٰ کی تائید و تبلیغ کرنا کوئی دانش مندانہ فعل نہیں- بس اسی دلیل کے محور پر حضرت کے تبلیغی مشن کی دنیا گھومتی رہی اور اس کو معیار تسلیم کر کے حضرت نے انسانی زندگی کے گونا گوں تقاضے پر مطالبے کی آسودگی کا ایسا نقشہ مرتب فرمایا جس کی بدولت سینکڑوں گم کردہ راہ صراط مستقیم پر آ گئے اور ہزاروں طالبان حق و صداقت **فاتبعونی یحببکم اللّٰہ** کی پرسکون منزل پر پہنچے-

حضرت علیہ الرحمہ کا یہ طرز فکر و عمل کچھ اس طرح ان کی زندگی سے ہم آہنگ ہو گیا تھا کہ آخر دم تک اپنے تبلیغی فرائض اور اصلاحی منصوبہ بندیوں سے دامن کش نہ ہوئے، چناں چہ حضرت اپنی عمر کے آخری ایام میں جنوبی ہند کے مختلف مقامات مثلاً رادھن پور، ہمت نگر، ایڈر، اڑیسہ، احمد آباد اور میسور وغیرہ کی سیاحت فرما رہے تھے کہ اچانک زکام میں مبتلا ہو گئے- پہلے تو اپنی قوت ارادی سے اس معمولی تکلیف کو دور کرنے کی سعی فرمائی اور اپنے تبلیغی پروگرام میں کوئی فرق نہ آنے دیا لیکن ایک دن جب قارورہ کی رنگت خون کبوتر کے مشابہ نظر آئی تو پھر سارے پروگرام ملتوی کر کے ۲۵/اکتوبر ۱۹۶۱ء کو اپنے وطن کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد پہنچے اور یہ وجہ بیان فرمائی کہ

موت آئے تو در پاک نبی پر سیّد
ورنہ تھوڑی سی زمیں ہوشہ سمناں کے قریب

کچھوچھہ شریف میں کچھ دنوں حکیم التفات حسین صاحب کا علاج ہوتا رہا اور جب مرض میں افاقہ کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی تو مورخہ ۱۰/نومبر ۶۱ھ کو حضرت نے لکھنؤ جانے کا عزم مصمم کر لیا- لکھنؤ پہنچ کر جھوائی ٹولہ میں قیام فرمایا اور دوسرے دن ۱۱/نومبر ۶۱ھ کو حکیم شکیل احمد شمسی پرنسپل تکمیل الطب کالج کو طبی معائنے کا موقع دیا- حکیم صاحب نے ورم جگر اور یرقان کی تشخیص کی- ان کے علاج سے ۳۰/نومبر تک ورم جگر بھی تحلیل ہو گیا اور یرقان کا فساد بھی جاتا رہا لیکن اندرونی طور پر طبیعت کا بگاڑ بدستور تھا- اول تو غذا کی خواہش پیدا نہیں ہوتی تھی اور دوم یہ کہ معدہ کسی شے کو قبول نہیں کرتا تھا اور غذا کے ساتھ فوراً ہی مالش کی کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی- بس لے دے کر دوا، پھلوں کا رس اور کبھی کبھار آش جو پر زندگی کا مدار تھا- ایسی حالت میں نقاہت کا فروغ پانا ناگزیر ہو گیا- حکیم صاحب انتہائی انہماک اور کمال اخلاص کے ساتھ نسخے میں غیر معمولی ردو بدل کرتے رہے لیکن کوئی مفید علامت رونما نہ ہوئی- میرے استفسار پر حکیم صاحب نے کہا کہ جگر کا فعل ابھی ناقص ہے اور اسے اعتدال پر لانے کے لیے ذرا وقت لگے گا،

☆Al-Ashraf,Sector-B,Surender Nagar,Ismail Ganj,Faizabad Road,Lucknow(U.P)

کیوں کہ ایسے نازک موقع پر کسی تیز دوا کا استعمال منفی اثرات بھی مرتب کرسکتا ہے، چنانچہ انہوں نے طبی امداد پہنچانے میں یقین واعتماد اور توازن کو ہمیشہ ذہن میں رکھا-

اس عرصے میں حضرت اپنی ناتوانی کے باوجود روز مرہ کے معمولات کے پابند رہے- وقت پر نمازیں ادا کیں، وظائف جاری رکھے اور صبح سے شام تک مزاج پرسی کرنے والوں کا ہجوم طبیعت پر گراں محسوس نہ ہوا- کبھی علمائے فرنگی محل سے لطف مذاکرہ حاصل کیا، کبھی بمبئ ،احمد آباد اور یوپی کے مختلف شہروں سے آنے والے نیازمندوں سے مخاطب ہوئے اوران کو صبر وسکون کی تلقین فرمائی، کبھی کسی استفتا کا شرعی جواب قلم بند فرمایا اور کبھی امامیہ مشن لکھنؤ کے سکریٹری کے ہمراہ ’’مشین اور توحید‘‘ کے موضوع پر ایک گراں قدر مقالہ سپرد قلم کیا- غرض کہ اتنے مختلف النوع مشاغل رکھنے کے باوجود حضرت کے چہرے پر اضمحلال کے نقوش دکھائی نہ دیے- ایک مرتبہ میں نے نہایت ہی ادب کے ساتھ یہ درخواست پیش کی کہ حضور والا کو قیام، رکوع اور سجود میں بڑی زحمت ہوتی ہوگی لہذا بستر ہی پر لیٹے لیٹے عبادت کرلیا کریں، فرمایا کہ ’’عبادت کا خیال میرے جسم کو توانا بنادیتا ہے‘‘ اسی طرح شدید سردی کے عالم میں حضرت نے وضو پر تیمّم کو فضیلت نہ دی اور میری اس گزارش کو بھی مسترد کردیا- مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک صاحب طلاق کا مسئلہ پوچھنے آئے تھے اور حضرت کو ذہنی کام کرنے یا جسم کو نقل وحرکت میں لانے سے حکیم صاحب نے مطلقاً روک رکھا تھا لیکن جب سائل نے اپنا اظہار کیا تو میری ہزار منتوں کے باوجود یہ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھے کہ ’’جب دین کا کام درپیش ہو تو بیماری کا حیلہ بھی میرے نزدیک ایک فرار ہے‘‘ اور مسئلہ طلاق پر سیر حاصل بحث قرطاس پر منتقل کردی- میں دیر تک سر جھکائے حضرت کی صورت حال اوران کی بے پناہ قوت ارادی کا موازنہ کرتا رہا اور اس کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ؎

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

نومبر کا مہینہ گزر چکا تھا لیکن مرض میں نہ کوئی اضافہ ہوا اور نہ کوئی تخفیف- مورخہ ۵ دسمبر ۶۱ ھ کو حکیم شکیل صاحب نے قارورہ کی کیمیاوی جانچ کرائی اور جو نتائج مرتب ہوئے ان سے حضرت کو ایک خط کے ذریعہ مطلع کیا-

’’مخدومی! سلام مسنون

قارورہ کی رپورٹ گردہ کی خراش ظاہر کرتی ہے- Pile (صفرا) نہ پائے جانے کی بنا پر اب یرقان بالکل نہیں ہے- نسخے ترمیم شدہ حاضر ہیں- شکنجبین روک دی جائے گی- غذا میں تبدیلی ہوگی - اب چکنائی کا پرہیز ضروری نہیں ہے- مکھن ٹوسٹ، چکنائی میں پکی ہوئی ترکاری اور مونگ کی دال وغیرہ کھائی جاسکتی ہے- گوشت منع رہے گا، مرچ نہیں پڑے گی- اگر چائے کی طرف رغبت ہو تو وہ بھی زیادہ دودھ کے ساتھ‘‘ (شکیل)

حکیم صاحب کو اسی دن آل انڈیا طبی کانفرنس میں شرکت کے لیے بنارس پہنچنا تھا لہذا وہ ضروری طبی ہدایات مجھے دے کر چلے گئے اور سوء اتفاق کہ اسی تاریخ میں دن گزار کے حضرت محدث اعظم کو یکا یک درد گردہ کی پرانی اذیت سے دوچار ہونا پڑا - بیماری کے اس حملے نے حضرت کے قوائے جسمانی کو اس حد تک متاثر کیا کہ اب اکثر اوقات سکوت اختیار فرمانے لگے اور صرف اشاروں سے اپنی ضروریات کا اظہار کردیا کرتے تھے لیکن اس معذوری کے عالم میں بھی حضرت نے اپنے خالق کے سجدوں کو فراموش نہ کیا اور اپنے خاندانی وظائف ومعمولات سے چشم پوشی نہ کی، عیادت کرنے والوں کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور مجھ پر یہ تاکید بھی کہ کسی کی دل شکنی نہ ہونے پائے- لوگوں کے خاموش آنے اور آب دیدہ واپس جانے کا منظر یاد آتا ہے تو دل فرط غم سے بیٹھنے لگتا ہے-

حضرت نے اپنے تجربے کی بنا پر اجوائن کے دھوئیں سے مقام درد کو سینکنے کی ہدایت فرمائی اور اس میں شک نہیں کہ میں اور حضرت کا ایک مخلص نیاز مند محمد حلیم اشرفی دونوں انجام دیتے تھے، غرض ۹ دسمبر ۶۱ ھ تک انتہائی کرب واذیت کے ساتھ حضرت نے شب وروز گزارے، نہ دن کو سکون ملتا تھا اور نہ رات کو چین- درد گردہ کے مسلسل حملوں نے حضرت کے جسم کو چور چور کرڈالا تھا- البتہ اس صبر وضبط پر عقل حیران ہے کہ عالم اضطراب میں زبان مبارک سے کوئی ایسا لفظ نہ نکلا جو خدمت گاروں کے دل ودماغ کو بے قابو کردیتا حالانکہ ہمارے محسوسات سے کہیں زیادہ حضرت کو تکلیف تھی اور بظاہر وہ ہم سے زیادہ مطمئن نظر آتے تھے-

۱۰ دسمبر ۶۱ ھ کو بنارس سے واپسی کے بعد حکیم صاحب نے حضرت کی قیام گاہ پر آ کر سارے حالات معلوم کیے- وہ اپنی اس غیر حاضری پر نادم بھی تھے اور حضرت کی مزاجی کیفیت سن کر رنجیدہ بھی- آخر کار حکیم صاحب نے ایک ایسا نسخہ تحریر کیا جو تیر بہدف ثابت ہوا- چنانچہ ۱۲ دسمبر ۶۱ ھ سے درد گردہ کا کوئی دورہ نہیں اٹھا- اسی دن احتیاط کے طور پر گردوں کا ایکسرے بھی کرایا گیا لیکن کوئی تشویش ناک علامت نہ نکلی، لہذا ہم لوگ مطمئن ہو چکے تھے اور اس موذی مرض سے نجات ملی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا- اب لے دے کے صرف وہی پہلی شکایت باقی رہ گئی تھی کہ ہمہ وقت مالش کی وجہ سے طبیعت غذا کی طرف مائل نہیں ہوتی تھی- یہ شکایت اس اضافے کے ساتھ تھی کہ ہر وقت منہ سے لس دار لعاب نکلا کرتا تھا- ۱۵ دسمبر کو جب حکیم صاحب معائنے کے لیے آئے تو حضرت نے فرمایا ’’اب علاج سے میری طبیعت اکتا چکی ہے اور میں نے طے کر لیا ہے کہ ۲۵ دسمبر کو بہر حال لکھنؤ سے مکان کے لیے روانہ ہو جاؤں گا لہذا آپ ۲۴ دسمبر تک جس قدر چاہیں دوائیں کھلا پلا دیجیے‘‘ حکیم صاحب کے اس مشورہ پر کہ آپ سفر کے قابل نہیں ہیں، حضرت نے فرمایا ’’میں ٹرین کی بجائے موٹر سے مسافت طے کروں گا تا کہ درمیان میں کہیں تبدیلی کی زحمت نہ ہو اور کم سے کم وقت میں مکان پہنچ جاؤں‘‘ میں نے حضرت سے دست بستہ درخواست کی کہ آپ موٹر کار سے سفر کا خیال نہ فرمائیں اور طبی سہولتوں کے پیش نظر مکان جانے سے بہتر لکھنؤ کا قیام ہے- حضرت نے برجستہ ارشاد فرمایا ’’موٹر سے میری مراد موٹر لاری ہے اور یہ بلاشبہ میرے لیے آرام دہ ہوگی- اب جہاں تک طبی سہولتوں کا سوال ہے تو اسے میں نے اپنے مولیٰ کی مرضی پر چھوڑ رکھا ہے-‘‘

اس گفتگو کے بعد ۲۰ دسمبر تک حکیم صاحب نے ہر ممکن تدابیر اختیار کی اور جب یونانی طریقہ علاج سے وہ ایک حد تک مایوس ہو گئے تو ان ہی کی اجازت سے ۲۱ دسمبر کو ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کو دکھلایا گیا- مرض کی تشخیص میں ڈاکٹر فریدی اور حکیم شکیل دونوں متفق الرائے تھے اس لیے اطمینان تھا کہ طریقہ علاج کی تبدیلی سے مرض سرعت کے ساتھ زائل ہوگا اور ہوا بھی یہی کہ دو دن کے اندر ہی وہ شکایت ختم ہو گئی جو طبیعت کو غذا کی طرف راغب کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتی تھی لیکن اسی کے ساتھ دن بدن ضعف واضمحلال حد درجہ بڑھتا گیا- ۲۳ دسمبر کو کافی مقدار میں خون کی اجابت ہوئی جس کی اطلاع پانے پر ڈاکٹر فریدی نے دواؤں میں ترمیم و تنسیخ کی تا کہ خون کا اخراج رک جائے- انہوں نے خون کے جاری ہونے کی وجہ سے بواسیر بتائی جو ان کے خیال میں یرقان کی شدت کا ایک نمایاں اثر تھا- میں نے ڈاکٹر صاحب سے اطلاعاً کہا کہ حضرت کو کبھی Piles کی شکایت نہیں تھی مگر انہوں نے اپنی تشخیص ہی پر غیر معمولی اعتماد کیا اور یہ کہتے ہوئے اپنے خاص کمرے میں چلے گئے کہ ’’گھبرانے کی بات نہیں ہے‘‘ مورخہ ۲۴ دسمبر کو سہ پہر کے بعد خون کی اجابت بالکل بند ہو گئی - البتہ نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد حضرت نے پشت پر ریڑھ کی ہڈی میں دفعتہً ایک ایسا کرب محسوس کیا جس کی وجہ سے ان پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی اور ہم سب کے ہوش وحواس اڑ گئے- ۲۴ دسمبر کو اتوار کا دن تھا اس لیے نہ ڈاکٹر فریدی ہی مل سکے اور نہ ہی کوئی دوسرا ڈاکٹر-

اس احساس شکست خوردگی کو لیے جب میں قیام گاہ پر پہنچا تو حضرت خود بخود ہوش میں آ چکے تھے- میں نے مزاج پرسی کی تو فرمایا کہ ’’دل بیٹھا جاتا ہے‘‘ پھر مجھے ملول اور رنجیدہ پا کر میرے سر دست شفقت رکھا اور دو چار باتیں ایسی کیں جن سے میرا غم غلط ہو جائے- آخر میں مجھے ڈاکٹر لانے کی ہدایت فرمائی- میں اپنے مقدر پر آنسو بہاتا ہوا دوبارہ ڈاکٹر کی تلاش میں نکلا- لوگوں سے دریافت کیا کہ کسی لائق ڈاکٹر کا پتہ بتاؤ- بڑی مشکل سے ڈاکٹر رفیق حسین ریٹائرڈ سول سرجن سے ملاقات ہوئی اور انہیں اپنے ساتھ لے آیا- ڈاکٹر رفیق نے انجکشن اور سفوف کے دو نسخے لکھے- انہوں نے اطمینان دلایا کہ ان کے استعمال کے بعد طبیعت بحال ہو جائے گی لیکن دس بجے رات تک حضرت کو جب کوئی سکون نہ ملا تو حضرت ہی کی ایما سے حکیم شکیل صاحب کو بلا گیا- حکیم صاحب نے دیر تک نبض دیکھی، قلب اور اس کے گرد و نواح کا معائنہ کیا، ڈاکٹروں کے نسخوں پر نظر ڈالی- مزید احوال وکوائف بھی معلوم کیے اور آخر میں انہوں نے فارسی کا ایک شعر (جو اس وقت یاد نہیں) برجستہ پڑھا- شعر سن کر حضرت کی طبیعت کا رنگ چمک اٹھا اور کچھ ایسے انداز سے شعر کی تعریف و تحسین کی کہ ہم سب کا دل بھر آیا- حکیم صاحب نے تقریباً رات کے گیارہ بجے اپنا دواخانہ کھولا اور فوری استعمال کے لیے ایک دوا دی- انہوں نے یہ

بات بھی کہی کہ حضرت کے دل پر چڑھے ہوئے غلاف میں درد ہے جسے وہ ریڑھ کی ہڈی میں بتاتے ہیں- حکیم صاحب کا لب ولہجہ کافی امید شکن تھا- ان کی بات سن کر میرے رہے سہے اوسان خطا کر گئے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلنے لگے- اس وقت میرے وفادار خادم محمد حلیم اشرفی بھی تھا- اس نے میری ہمت بندھائی اور ہم دونوں دوا لے کر قیام گاہ پر پہنچے تو حضرت درد کی شدت سے ماہی بے آب ہو رہے تھے کبھی پلنگ پر لیٹ جاتے کبھی بیٹھ کر تکیہ کے سہارے سے سر کو آگے جھکا لیتے یا کبھی مختلف کروٹیں بدلتے اور کبھی مقام درد کو دبانے کا اشارہ فرماتے- میں نے اس عالم میں حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق دوا استعمال کرائی مگر کوئی راحت نہ ملی اور ساری رات کرب واضطراب میں گزر گئی-

۲۵ دسمبر ۶۱ھ کی صبح میں قدرے سکون حاصل ہو گیا تھا اور چہرے پر اس حد تک بشاشت تھی کہ حضرت نے مجھے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا- میں نے پوچھا کہ حضور کا مزاج گرامی کیسا ہے؟ فرمایا ’’اللہ کا شکر ہے‘‘ پھر خود ہی اشارہ کیا ’’اب کیا ہوگا؟‘‘ میں نے یہ سمجھ کر کہ ڈاکٹر کے بارے میں حضرت کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں، جواب دیا کہ لکھنؤ میں ڈاکٹروں کا مجمع لگایا جا سکتا ہے، آپ فکر مند نہ ہوں- میری اس بات پر حضرت نے تبسم فرمایا اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا- میں اپنی قیام گاہ سے سیدھا ڈاکٹر فریدی کی کوٹھی پر پہنچا جو حضرت گنج میں نشاط گنج روڈ پر واقع ہے- وہاں معلوم ہوا کہ ابھی ڈاکٹر فریدی صاحب اتوار والے تفریحی مقام سے واپس نہیں آئے- ساڑھے نو بجے دن تک ان کی کوٹھی پر بے چینی کے ساتھ انتظار کرتا رہا- پھر مایوس ہو کر ان کے دواخانے پہنچا- ساڑھے دس بجے فریدی صاحب سے وہیں ملاقات ہوئی- میں نے تفصیل کے ساتھ حضرت کے سارے دل سوز اور غم انگیز حالات وکوائف سنائے اور قیام گاہ پر جلد از جلد پہنچنے کے لیے اصرار کیا- فریدی صاحب کو ایک شادی کے سلسلے میں کہیں جانا تھا لہذا انہوں نے بڑے اطمینان سے اپنی معذوری بتا کر ڈاکٹر عبدالحلیم لکچرر میڈیکل کالج لکھنؤ کو فون کیا کہ وہ اس کیس کو دیکھ لیں- فریدی صاحب کے اس طرز عمل نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ابھی ہندوستان میں ڈاکٹروں کا نقطہ نظر جتنا تاجرانہ یا سرمایہ دارانہ ہے اتنا مشفقانہ اور خادمانہ نہیں، خدا کرے کہ عیش پسندی کا زمانہ ختم ہو اور قومی بیداری کا جذبہ صادق بیدار ہو جائے- بہرحال میں اس ذہنی خلش کے ساتھ ڈاکٹر عبدالحلیم کے پاس پہنچا تو سوا بارہ بج چکے تھے اور وہ اپنے چند مریضوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے- ساڑھے بارہ بجے انہیں اپنے ہمراہ لے کر چلا ابھی ان کی کار قیام گاہ سے کم وبیش ۱۰۰ گز کے فاصلے پر رہی ہوگی کہ محمد حلیم نے اطلاع دی کہ اب کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں - اب ہمارے حضرت وہاں پہنچ گئے، جہاں کسی بیماری کا گزر نہیں- میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہوا کار سے نیچے اتر گیا- بمشکل تمام قیام گاہ پر پہنچا تو ایک کہرام مچا ہوا تھا- ہر دل مضطرب اور ہر آنکھ اشکبار تھی مگر دنیائے سنیت کا شہنشاہ اپنے سینے میں قرآن وحدیث کا خزانہ لیے ارضی نالہ وشیون سے دور، پورے جاہ وجلال کے ساتھ رحمت تمام کے سایہ تلے ابدی نیند سو رہا تھا اور اس کی کشادہ پیشانی پر کاتب تقدیر کی یہ تحریر بھی جلی حرفوں میں دکھائی دیتی تھی کہ

الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون

الغرض مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء مطابق ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ بروز دوشنبہ بوقت ساڑھے بارہ بجے دن حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ نے اللہ اللہ کی تسبیح کے ساتھ آخری سانس لی اور دفعتاً حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے عالم اسلام کا یہ مہر نیم روز مشیت الٰہی کا اشارہ پا کر ہمیشہ کے لیے ہماری نگاہوں سے روپوش ہو گیا اور ہم ایمان کی روشنی اور عمل کی حرارت دونوں کے لیے ترسنے کی خاطر رہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون-

چار بجے شام کو حضرت کی نعش مبارک موٹر لاری میں رکھی گئی تو مجھے ۱۵ دسمبر کی وہ گھڑی یاد آ گئی جب حضرت نے فرمایا تھا ’’۲۵ دسمبر کو بہرحال لکھنؤ سے مکان کے لیے روانہ ہو جاؤں گا اور موٹر لاری سے مسافت طے کروں گا‘‘ میں نے اس وقت پہلی بار یہ محسوس کیا کہ حضرت نے مختلف اوقات میں اجمالی طور پر جو باتیں کہی تھیں وہ درحقیقت بلیغ اشارے تھے جو اپنے اندر مفاہیم کی ایک وسیع کائنات رکھتے تھے اور جن کی گرہ کشائی آج بھی اس اندیشے سے خالی ہے کہ ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

موٹر لاری تقریباً ایک بجے رات میں کچھوچھہ شریف پہنچی ساری آبادی میں ہل چل مچ گئی کوئی اضمحلال وافسردگی کا خاموش

مجسمہ بن گیا اور کوئی اضطراب والتہاب کا رواں پیکر، کسی کی پلکوں پر آنسوؤں کے شبنمی قطرے چمک رہے تھے اور کسی کی آنکھوں کو خشک کرنے کے لیے دامن وگریباں بھی ناکافی تھے- بلاشبہ ۲۶ دسمبر کا دن بڑا ہی ہوش ربا، روح فرسا اور غم انگیز دن تھا- بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کی گریہ وزاری اور مختلف مذاہب وملل کے لوگوں کی بے قراری نے ایک ایسی ماتمی فضا ہموار کی جس نے حضرت محدث اعظم کی گراں مایہ شخصیت کے گوناگوں مظاہر پیش کیے- مقامی کالج اور اسکول بند کردیے گئے، بازار کی دوکانوں پر تالے لگ گئے اور قرب وجوار نیز اکبر پور، ٹانڈہ اور جلال پور کے بے شمار مسلمانوں اور ہندوؤں کا ماتمی ہجوم لشکر در لشکر حضرت کے آخری دیدار کے لیے مجتمع ہوگیا- دو بجے شام کو غسل میت کا اہتمام کیا گیا- غسل دینے والوں میں خاندان کے لوگ، محلّہ کے افراد، آبادی کے معززین اور حضرت کے نیازمند سب ہی شامل تھے-

جناب سید آل حسن اشرفی، حاجی صفی اللہ بنارسی اور دیگر لوگوں کا متفقہ بیان ہے کہ قینچی سے کاٹے بغیر سارا لباس حضرت کے جسم اطہر سے بآسانی اتارلیا گیا جبکہ لباس میں بنیائن، سوئٹر، روئی کی مرزئی اور کرتا سب ہی کچھ تھا- بدن کی نرمی اور نازکی کا یہ حال تھا کہ ہاتھ کو جدھر چاہا رکھ دیا اور جسے چاہا اٹھالیا- چہرہ انور پر صابن لگاتے وقت اگر حضرت کی پیشانی کی طرف ہاتھ پھیر دیا تو آنکھیں کھل جاتی اور سرخ سرخ ڈورے چمکنے لگتے اور اگر ریش اقدس کی جانب ہاتھوں کا رخ ہوتا تو آنکھیں اشارہ پاکر بند ہوجاتیں- کروٹ بدلتے وقت حضرت کے ہاتھوں کا انداز اس طرح کا ہوگیا گویا آرام فرمارہے تھے- لطائف کے حصے پر حاجی صفی اللہ نے کئی لوٹے پانی ڈالے مگر حرارت ختم نہ ہوئی- ان حقائق پر جس قدر بھی نگاہیں جمائیے اسی قدر حضرت کی عظمت، تقدیس اور اللہ کے ولی ہونے کی نشانیاں ابھرتی ہیں- غسل دینے کے بعد تجہیز وتکفین عمل میں آئی اور آخر میں جنازہ اٹھانے کی صدا بلند کی گئی تو آدمیوں کا سیلاب اس طرح امنڈ پڑا کہ کاندھا دینے سے کتنے ہی لوگ محروم رہے- چار بجے شام کو حضرت مولانا الحاج سید مختار اشرف صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں نے نما جنازہ پڑھائی اور حضرت کی وصیت کے مطابق مکان کے مغربی حصے میں انہیں سپرد خاک کردیا گیا- انا للہ وانا الیہ راجعون

۲۸ دسمبر کو حضرت علیہ الرحمہ کے فاتحہ وایصال ثواب کی تقریب میں مرادآباد سے حضرت مولانا محمد یونس صاحب مہتمم جامعہ نعیمیہ، اعظم گڑھ سے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب صدر المدرسین مدرسہ اشرفیہ مبارکپور، مولانا عبدالمنان صاحب اور قاری یحیٰ صاحب کے علاوہ مدرسہ اشرفیہ کے طلبہ، بنارس سے حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب صدر المدرسین مدرسہ حمیدیہ رضویہ اور مولانا باقر علی صاحب صدر المدرسین مدرسہ فاروقیہ، کراچی سے حاجی سیٹھ محمد ابراہیم صاحب (جو پہلے ہی سے حضرت سجادہ نشین سرکار کلاں کے دولت کدہ پر مقیم تھے) کے سوا مقامی طور پر علما ومشائخ اور حفاظ نیز خاندان اشرفیہ کے سارے بزرگ وخورد اور کثیر تعداد میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے شرکت کی- فاتحہ وایصال ثواب کی تقریب ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوئی اور حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب نے فضائل رسول کو بیان کرتے ہوئے حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ کے متبع سنت ہونے پر گہری روشنی ڈالی- آخر میں پانچ سو ختم قرآن بے شمار پاروں اور سورتوں کا ایصال ثواب حضرت کی روح پر فتوح کو پہنچایا گیا- فقرا اور مساکین میں کھانا تقسیم ہوا جس کا سلسلہ شام کے تین بجے تک رہا-

۲ جنوری ۱۹۶۲ء کو مسلمانان کچھوچھہ شریف کی جانب سے ماتمی جلوس نکلا اور حضرت کی قبر انور پر پھولوں کی چادر چڑھائی گئی اور ۷ جنوری کو جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ اور طلبہ نے حضرت محدث اعظم کے سوگ میں جلوس نکالا اور پھولوں کی چادر چڑھائی - باہر سے حضرت کے ارادت مندوں کی آمد کا ایک تانتا بندھ گیا- ۳۰ دسمبر کو گجرات اسمبلی کے اسپیکر مع اپنے اہل وعیال حضرت کے مزار پر انوار پر عقیدت کے پھول چڑھانے کی خاطر پہنچے اور اسی طرح یوپی، بہار، بنگال، مدھیہ پردیش، بمبئی، آندھرا پردیش کے مختلف علاقوں سے لوگ اس جانکاہ خبر کو پاتے ہی بے تابانہ پہنچتے رہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے-

اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو اپنے جوار رحمت میں بلند مقام عطا فرمائے اور ہم تیرہ نصیبوں نیز ان کے ارادت مندوں کو صبر جمیل کی توفیق اور حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت دے-

□□□

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی

محدث اعظم ہند: کچھ یادیں، کچھ باتیں

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اس کو بھولوں
سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

۲۵ / دسمبر ۱۹۶۱ء کی تاریخ میری زندگی کا وہ ہوش ربا تاریک دن ہے جس دن دنیائے سنیت کا آفتاب غروب ہوگیا، جو نہ صرف میرے نور بصارت ہی کے لیے سرمایہ سرور تھا بلکہ میرے دل و دماغ کی دنیائے بصیرت و وجدان بھی اس سے جگمگا رہی تھی!

آہ! اسی دن مادر ملک وملت کا وہ سپوت ہم سے بچھڑ گیا جو نہ صرف اپنے ابنائے جنس ہی کے لیے سرمایہ افتخار تھا بلکہ تمام امت مسلمہ کے لیے فخر روزگار خداوندی شاہکار تھا-

اسی دن گروہ علما و مشائخ کا وہ سرخیل اعظم اپنے مشتاق دید سے ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا جس کی صورت سب کی نگاہوں کا مرکز اور جس کا نقش قدم سب کے لیے مشعل راہ تھا-

اسی دن ملک وملت کا وہ آتش بیان خطیب اور اسلام و سنیت کا وہ ذی شان نقیب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا جس کے نعرۂ حقانیت کی گونج نہ صرف سمع نواز تھی بلکہ اس کا لفظ لفظ کلمۃ الحق کا تیر بن کر دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتا تھا-

اسی دن وہ مدبر اعظم ہمیں داغ مفارقت دے گیا جس کے ناخن تدبیر نے بڑے بڑے عقد ہائے لم ینحل کو چشم زدن میں درہم برہم کر دیا-

اسی دن فضل و جامعیت کا بطل جلیل عالم اسفل کے تمام رفیقوں کو دل ریش و اشکبار چھوڑ کر رفیق اعلی سے مل گیا-

ہم سے وہ جدا ہوگیا جو عالم باعمل بھی تھا اور فاضل بے بدل بھی، جو پاک ذات بھی تھا اور پاکباز بھی، جو صاحب سوز و گداز بھی تھا اور دل دار و دل نواز بھی-

حیف صد حیف! لوگوں نے اس کو دفن کر دیا جو مجلس مناظرہ میں فخر الدین رازی تھا، تو محفل شعرا میں حسان الہند، جو کارزار تقریر و تحریر میں مرد میدان زبان و قلم تھا تو دارالافتاء میں مفتی اعظم، جو مسند ارشاد و مشیخت پر شیخ معظم تھا تو دار الحدیث میں محدث اعظم ۔

ولیس من اللّٰہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

پہلی ملاقات: -آج سے تقریباً ۳۲ سال قبل جب حضرت علیہ الرحمہ میرے وطن گھوسی ضلع اعظم گڈھ کے مناظرے میں تشریف لائے تو میں پہلی مرتبہ زیارت سے مشرف ہوا اور حضرت علیہ الرحمہ کے جمال صورت و کمال سیرت سے اولین نظر میں بے حد متاثر ہوا- مخدوم زادہ مولانا حکیم شمس الہدیٰ صاحب مرحوم نے میرا تعارف کرایا- میں ان دنوں شرح ملا جامی پڑھتا تھا- حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا- ’’ماشاءاللہ بہت ہونہار طالب علم ہیں-‘‘

عجیب اتفاق کہ حضرت علیہ الرحمہ کی تحریر مناظرہ مولوی عبد الرحیم لکھنوی تک پہنچانے کے لیے جن لوگوں کا انتخاب ہوا ان میں میرا نام بھی تھا- چنانچہ میں چند لوگوں کے ہمراہ حضرت علیہ الرحمہ کی تحریر لے کر مولوی عبد الرحیم کے پاس پہنچا تو وہاں تقریباً ضلع اعظم گڈھ کے تمام چوٹی کے دیوبندی مولوی موجود تھے- ان لوگوں نے تحریر پڑھ کر ڈینگیں مارنی شروع کر دیں کہ یہ کچھوچھہ کے جھاڑ پھونک کرنے والے، تعویذ گنڈہ والے پیرزادے ہیں- ان کو علم سے کیا نسبت؟ یہ تو فارغ التحصیل بھی نہیں ہیں یہ کیا مناظرہ کریں گے؟ وغیرہ وغیرہ-

میں چونکہ حضرت علیہ الرحمہ کی علمی قابلیت سے بالکل ہی ناواقف تھا، اس لیے میں ان مولویوں کی ڈینگوں اور لن ترانیوں سے قدرے مرعوب ہوگیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ کاش ان لوگوں سے مناظرہ کے لیے حضرت صدر الشریعہ یا حضرت صدر الافاضل علیہما الرحمہ جیسے جامع منقول و معقول شخص کو مدعو کر لیا جاتا تو بہت بہتر ہوتا- مگر بحمدہ تعالیٰ جب میدان مناظرہ میں **علمک مالم تکن تعلم** کی تقریر میں لفظ ما کے عموم پر اصولی و منطقی بحث شروع ہوئی اور حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ جب ان ملاؤں کی تقریروں پر علمی مواخذات فرما کر ان کی تجہیل و تحمیق فرمانے لگے اور متداول درسی کتابوں کے

حوالوں سے جب استدلال فرما کر مخالف کو دندان شکن جواب دینے لگے تو نہ صرف میں بلکہ تمام علما حضرت علیہ الرحمہ کے تبحر علمی پر **احسنت مرحبا** پکار اٹھے اور دیوبندی مولویوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور سب کے سب مبہوت وانگشت بدنداں رہ گئے- یہاں تک کہ جب صرف تین گھنٹے کی بحث میں مولوی عبدالرحیم لکھنوی نے پسینہ میں شرابور ہوکر پیشاب کی اجازت طلب کی تو واللہ العظیم حضرت علیہ الرحمہ کے فضل وکمال جلالت کا میرے قلب پر سکہ بیٹھ گیا اور دوسرے دن مولوی عبدالرحیم کے فرار نے تو اس پر مہر لگا دی کہ حضرت علیہ الرحمہ وہ مناظر اعظم ہیں کہ بدمذہبوں کے بڑے بڑے شیر مرد حضرت علیہ الرحمہ کے مقابلہ میں روباہ روسیاہ سے بھی کمتر ہیں- یہ وہ تاریخ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کے تبحر علمی اور فضل وکمال کی وجاہت سے میں انتہائی متاثر ہوا اور حضرت علیہ الرحمہ کی والہانہ محبت وعظمت میرے قلب پر نقش کالحجر ہوگئی جو بحمدہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رہی اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک باقی رہے گی-

اس کے بعد ۳۲ سال کی مدت میں سیکڑوں مرتبہ حضرت علیہ الرحمہ سے شرف ملاقات حاصل ہوا اور یوپی، بہار، بنگال، راجستھان، گجرات، مہاراشٹر کے پچاسوں جلسوں میں ایک ہی اسٹیج پر تقریروں کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور بفضلہ تعالیٰ مجھے حضرت علیہ الرحمہ سے اتنا گہرا نیاز مندانہ تعلق اور اس درجہ رازدارانہ تقرب حاصل ہوا اور میں حضرت علیہ الرحمہ کے الطاف کریمانہ وعنایات بزرگانہ سے اتنا مالا مال ہوا کہ میں اپنے بعض معاصرین کا محسود بن گیا جس سے باخبر حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز
ورنہ در محفل رنداں خبرے نیست کہ نیست

یوں تو حضرت علیہ الرحمہ کی ہر ہر ملاقات سیکڑوں ایسے ایسے عجائب وغرائب کی یاد اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے کہ اگر میں ان سب کا تذکرہ کروں تو ایک دفتر عظیم درکار ہے مگر میں اس وقت صرف چند ایسی دس یادداشتوں کا ذکر کر رہا ہوں جن سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ مجھ جیسا بے علم وبے عمل انسان کس طرح حضرت علیہ الرحمہ کی کریمانہ عنایتوں اور بزرگانہ شفقتوں کا مورد الطاف رہا ہے- باقی حضرت علیہ الرحمہ کے فضل وکمال کی وجاہت اور ان کے علمی وعملی کارناموں کی وسعت وجلالت پر سیر حاصل بحث کرنا تو یہ میرے بس کی بات نہیں، یہ دوسرے باکمال اہل قلم احباب کا حصہ ہے- میں تو صرف حضرت علیہ الرحمہ کی بزرگانہ محبتوں وشفقتوں کو یاد کرکے آنسو کے چند قطرات بہا لینے ہی کو اپنے لیے معراج سعادت سمجھتا ہوں-

ماقصۂ سکندر ودارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(۱)

آج سے تقریباً ۱۹ برس قبل جن دنوں میں دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں صدر مدرس تھا- عرس کچھوچھہ شریف میں حاضری کا شرف حاصل ہوا- مولانا سید مجتبیٰ اشرف میاں صاحب نے درگاہ شریف کے باہر مدرسہ کے اس کمرے میں میرے قیام کا انتظام کیا جس میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ قیام فرماتے تھے- حضرت علیہ الرحمہ کو خبر ہوئی تو اپنے مخصوص لہجے میں بلند آواز سے فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ مولانا اعظمی ہماری خانقاہ سے باہر رہیں، انہیں خانقاہ کے اندر ٹھہراؤ، وہ نقشبندی ہیں تو کیا ہوا؟ اگر وہ بالقصد سماع نہیں سنتے تو انہیں یہاں بلاقصد سماع سننا پڑے گا- پھر اندرون خانقاہ میرے قیام کا انتظام فرمایا- خانقاہ میں رات بھر قوالی ہوتی رہی اور میں ساری رات بستر پر جاگتا رہا اور واقعی بلاقصد قوالی سنتا رہا- صبح کو حضرت علیہ الرحمہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ بزرگ ہوجانے کے بعد سید بھی شیخ بن جاتا ہے اور ہماری خانقاہ میں آنے کے بعد نقشبندی بھی چشتی بن جاتا ہے- اب ہم آج سے نہایت وثوق کے ساتھ یہ اعلان کریں گے کہ بعض نقشبندی بزرگوں نے بھی قوالی سنی ہے- اس پر ایک گیسودراز قسم کے صوفی صاحب نے کہا کہ حضور! وہ بزرگ کون ہیں؟ فرمایا مولانا اعظمی صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ مبارک پور- صوفی صاحب نے ہنستے ہوئے مجھ سے ہاتھ ملایا تو میں نے صوفی صاحب سے کہا کہ میں تو ایسا بزرگ ہوں کہ قوالی تو کیا گالی بھی سن لیتا ہوں- اس پر لوگ ہنس پڑے اور حضرت علیہ الرحمہ نے بھی تبسم فرمایا-

(۲)

رات میں درگاہ شریف میں حضرت علیہ الرحمہ کے زیر صدارت مشاعرہ تھا- مصرع طرح یہ تھا

یہی بام حقیقت کا ہے زینہ

میں نے بھی چند شعر موزوں کرلیے تھے- جب میرا نمبر آیا تو

und
dministrator\De

حضرت علیہ الرحمہ نے کچھ ایسے پرشکوہ الفاظ میں میرا تعارف ارشاد فرمایا کہ میرے قدم ڈگمگانے لگے- خدا خدا کرکے میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور غزل پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا- مطلع ہی میں تضمین بھی تھی جو حسب ذیل ہے-

فراقِ یار میں مرمر کے جینا
یہی بامِ حقیقت کا ہے زینہ

کرسی صدارت سے حضرت علیہ الرحمہ نے ان لفظوں میں داد عطا فرمائی کہ ''سبحان اللہ، کیا کہنا زینہ اور وہ بھی سنگ مرمر کا'' حاضرین نے قہقہہ بلند کیا اور مجھے بھی اتنی ہنسی آئی کہ بمشکل غزل پڑھ سکا-

(۳)

دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں حضرت علیہ الرحمہ تفسیر بیضاوی شریف کا امتحان لے رہے تھے- میں بھی حاضر تھا- ذی استعداد طلبہ کی عبارت خوانی اور مطلب خیز ترجموں سے حضرت علیہ الرحمہ بے حد مسرور ہو رہے تھے- ورق الٹا تو ناگہاں اس شعر پر نظر پڑی۔

ولما رأيت النسر غر ابن داية
وعشش فی وکريه جاش له صدری

اپنی گرجدار آواز میں ایک طالب سے فرمایا کہ تم اس شعر کا ترجمہ کرو طالب علم نے ترجمہ کیا-

''اور جب میں نے دیکھ لیا گدھ کو کہ وہ کوے پر غالب ہوگیا اور اس کے دونوں گھونسلوں میں آشیانہ بنالیا تو اس وجہ سے میرے سینے نے جوش مارا'' پھر شعر کا مطلب پوچھا طالب علم نے بہترین تشریح کی اور بتایا کہ کوے سے مراد کالے بال اور گدھ سے مراد سفید بال ہیں- اور مطلب یہ ہے کہ کالے بال سفید ہوگئے-

پھر فرمایا کس مدرس سے یہ کتاب پڑھی ہے- طلبہ نے میری طرف اشارہ کیا- پھر میری طرف مخاطب ہوکر خود ایک مرتبہ ترنم کے ساتھ یہ شعر پڑھا اور ایک سرد آہ کھینچ کر اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور طلبہ سے فرمایا کہ میری داڑھی کو دیکھ لو سب کوے اڑ چکے ہیں اور گدھوں نے ان کے گھونسلوں میں قبضہ جما لیا ہے- مولانا اعظمی کی طرف کیا دیکھتے ہو ان کے تو سر اور داڑھی میں کوار پر ہو رہی ہے، ایک گدھ کا گزر تک نہیں-

پھر بالوں کی سفیدی پر فارسی و اردو شعروں کے چند نمونے پیش فرما کر یہ دوہا بھی ارشاد فرمایا-

اجلی اجلی سبھی بھلی اجلی بھلی نہ کھیس
دشمن دبے نہ کامن روئے نہ آدر کرے نریش

(۴)

ایک سفر میں ٹرین پر دارالعلوم اشرفیہ کے نظام تعلیم و تعلم کے بارے میں مجھ سے استفسار فرما رہے تھے- اسی ضمن میں دریافت فرمایا کہ دیوان متنبّی کا سبق کس مدرس کے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا: خادم ہی کے پاس تو ہے- فرمایا کہاں تک ہوچکی ہے- میں نے عرض کیا، ردیف باء قریب الختم ہے-

فرمایا: واہ ابھی تک گویا آپ متنبّی کے الف ب تک پہنچے ہیں- اچھا یہ تو بتائیے کہ دیوان متنبّی میں کون سا نعت کا شعر آپ کو پسند آیا؟ میں نے عرض کیا، حضور! دیوان متنبّی میں نعت کے اشعار تو نہیں ہیں-

گرجدار آواز میں فرمایا کیوں نہیں ہیں؟ متنبّی نے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا نام لے لے کر نعت کہی ہے اور ایک شعر تو ایسا کہہ گیا ہے کہ عربی، فارسی، اردو کسی زبان میں بھی اس مضمون پر اتنا بلند پایہ شعر آج تک میری نظر سے نہیں گزرا- میں سراپا حیرت بن کر استعجاب سے حضرت علیہ الرحمہ کا منہ تک رہا تھا کہ بھلا دیوان متنبّی میں نعت کا کون سا شعر ہے اور وہ بھی عدیم المثال- پھر ایک دم ارشاد فرمایا اچھا بتائیے یہ شعر کس کا ہے؟

الا انما كانت وفاة محمد
دليلاً على ان ليس لله غالب

ترجمہ ''خبردار! محمد کی وفات اس بات پر دلیل ہوگئی کہ خدا کے لیے کوئی غالب نہیں ہے''-

میں نے عرض کیا حضور یہ متنبّی کا شعر ہے جو اس نے محمد ابن التنوخی کی مدح میں کہا ہے- تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ متنبّی نے اس کو محمد تنوخی کے لیے کہا ہوگا مگر ہم تو اس شعر کو محمد عربی کے لیے پڑھتے ہیں- (صلی اللہ علیہ وسلم) کہیے کتنا بلند پایہ نعت کا شعر ہے- واہ واہ! درحقیقت اس شعر کو نعت میں پڑھنے کے بعد مجھ پر بھی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں سر دھننے لگا-

(۵)

عرس مسعودی بہرائچ شریف کے جلسوں میں حضرت علیہ الرحمہ،

راقم الحروف اور مولانا عبدالحامد بدایونی ومولوی شاہد فاخری چند علما مدعو تھے- آخرالذکر دونوں صاحبان نے تو مہمان خانہ مسعودیہ میں قیام کیا، مگر حضرت علیہ الرحمیہ اپنے مرید سیٹھ ننھے میاں تاجر غلہ کی کوٹھی پر تشریف فرما تھے- مجھے حضرت علیہ الرحمہ کی فرقت گوارا نہیں تھی اس لیے میں درگاہ شریف سے ننھے میاں کی کوٹھی پر پہنچا- کوٹھی مہمان سے پر تھی- حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آپ مہمان خانہ مسعودیہ میں کیوں نہیں ٹھہرے؟ میں نے عرض کیا کہ بھلا میں حضور والا کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں؟ پھر میں نے عرض کیا کہ حضور والا نے مہمان خانہ مسعودیہ میں کیوں نہیں قیام فرمایا، وہاں سے شرکت اجلاس میں بڑی سہولت رہتی؟ مولانا عبدالحامد صاحب اور مولوی شاہد فاخری صاحب وہیں مقیم ہیں-

ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ! آپ خود تو وہاں ٹھہرے نہیں مگر بنی امیہ اور بنی ہاشم کو ایک ہی منزل میں دیکھنا چاہتے ہیں- وہاں کانگریس اور مسلم لیگ کا ملاپ تو ہو ہی چکا ہے، کیا آپ چاہتے ہیں کہ سنی کانفرنس بھی ان دونوں کے ساتھ مدغم ہو جائے (مولانا عبدالحامد بدایونی نسباً عثمانی اموی اور کٹر مسلم لیگی اور مولوی شاہد فاخری پکے کانگریسی ہیں اور حضرت علیہ الرحمہ ہاشمی اور سنی کانفرنس کے صدر ان حقائق کی طرف کتنے لطیف انداز میں اشارہ فرمایا)

(٦)

اجلاس آل انڈیا سنی کانفرنس کے موقع پر حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری قدس سرہ العزیز کی زبان سے کوئی ایسا جملہ نکل پڑا جو قابل رجوع تھا- علمائے کرام میں کھلبلی مچ گئی- ہر طرف اظہار بیزاری اور کانفرنس سے مقاطعہ کی تیاری ہونے لگی- میں خود بھی موقع کی نزاکت اور ناسازگار فضا سے بہت متوحش تھا- اتنے میں حضرت علیہ الرحمہ نے مجھے اپنے کیمپ میں طلب فرمایا- وہاں اس وقت تک حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمہ وحضرت مولانا عبدالعلیم صاحب صدیقی علیہ الرحمہ، حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ مصروف مشورہ تھے- مجھ سے حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آپ علامہ ازہری (شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی) کو ساتھ لے کر جائیے اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو سنبھالیے- خدانخواستہ اگر وہ کانفرنس سے تشریف لے گئے تو حضرت مفتی اعظم ہند سجادہ نشین بریلی شریف و حضرت مولانا ابراہیم رضا جیلانی میاں صاحب (شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف) بھی کانفرنس کا مقاطعہ فرمادیں گے- چنانچہ میں تو حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مصروف گفتگو ہو گیا ادھر محدث اعظم ہند وحضرت صدرالافاضل وحضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہم الرحمہ ودیگر علما نے کچھ اس انداز سے جب گفتگو فرمائی کہ حضرت امیر ملت علیہ الرحمہ نے فوراً اپنے کلمات سے رجوع فرمالیا اور پھر نہایت خوب صورتی کے ساتھ آل انڈیا سنی کانفرنس کا تاج صدارت بھی حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے زیب سر ہو گیا اور تمام اختلافات رفع دفع ہو گئے- میں مبارک باد پیش کرنے کے لیے حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ یہ ایک عقدہ لم ینحل تھا جس کو حضرت صدرالافاضل علیہ الرحہ کے ناخن تدبیر نے حل فرمادیا- دراصل مبارک باد کے مستحق وہ ہیں اور آپ نے بھی بہت بڑا پارٹ ادا کیا کہ حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اور دوسرے علمائے کرام کو سنبھالے رکھا-

(۷)

بھنگا ضلع بہرائچ شریف کے اجلاس میں تشریف لے گئے تو راقم الحروف بھی ہمراہ تھا، بس سے اترے تو ایک پالکی اور ایک گھوڑا نظر آیا، پتہ چلا کہ ابھی بھنگا چھ میل دور ہے اور یہ سواری ہم لوگوں کے لیے آئی ہے، حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوں تو میں پالکی پر بیٹھ جاؤں اور اگر آپ پالکی پر بیٹھیں تو میں گھوڑے پر سوار ہو جاؤں میں نہایت شرمندہ ہوا اور حضور والا سے پالکی پر تشریف رکھنے کی التجا کی اور میں گھوڑے پر سوار ہو گیا- حضرت علیہ الرحمہ نے مجھے گھوڑے پر دیکھا تو اپنے مخصوص لہجہ میں فرمایا واہ! سبحان اللہ سوار نہیں بلکہ شہسوار ہو گئے- متنبّی کا شعر بطور وظیفہ پڑھتے چلے آیئے-

الخیل واللیل والبیداء تعرفنی
والحرب والضرب والقرطاس والقلم

ترجمہ:- گھوڑا اور رات اور جنگل اور جنگ اور شمشیر بازی اور کاغذ اور قلم سب مجھ کو پہچانتے ہیں-

بھنگا میں پہلے ہی سے وہابی مولویوں کا اجتماع تھا- ان لوگوں نے مناظرہ کا چیلنج دیا تھا اور حضرت علیہ الرحمہ نے بلا تامل ان کا چیلنج قبول فرمالیا اور مجھ خادم کو اپنا وکیل بنا کر مناظرہ کے لیے پیش فرمادیا- وہابی مولویوں نے تو محض اپنا رنگ جمانے کے لیے چیلنج دیا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ کو اجلاس گورکھپور میں شرکت فرمانی ہے مگر

اس صورت حال سے مولوی صاحبان اپنی چوکڑی بھول گئے اور ان کے مناظر اعظم صاحب تو اپنی بیوی کی علالت کا بہانہ کر کے رات ہی میں رفو چکر ہو گئے اور دوسرے مولویوں نے المدد یا پولس کہہ کر مناظرہ سے گلو خلاصی پائی- پھر اہل سنت کا عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں حضرت علیہ الرحمہ نے مسئلہ ایصال ثواب پر ایسی لاجواب تقریر فرمائی جو آج تک میرے قلب و دماغ پر نقش کالحجر ہے-

(۸)

عرس رضوی بریلی شریف میں جب حضرت شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کے طویل انقطاع کے بعد اکابر علمائے اہل سنت کے ساتھ اتحاد و ملاپ کی تحریک شروع ہوئی تو اس وقت حضرت شیر بیشۂ اہل سنت سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ نے مجھ راقم الحروف اور حضرت مولانا غلام یزدانی محدث مظہر الاسلام بریلی کو اکابر علمائے اہل سنت کا نمائندہ بنا کر بھیجا- اگرچہ حضرت اقدس مفتی اعظم صاحب قبلہ اور حضرت مولانا شاہ اجمل صاحب سنبھلی زید مجدہم نے گفتگو کے خاص خاص پوائنٹ مجھے تلقین فرما دیے تھے مگر سب کو حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ، والرضوان کا نہایت بے چینی کے ساتھ انتظار تھا- آٹھ بجے شب میں حضرت مولانا غلام یزدانی علیہ الرحمہ اور میں بارگاہ شیر بیشہ میں مودبانہ حاضر ہوئے- اس وقت حضرت کی خدمت میں مولانا محمد طیب صاحب مفتی جاورہ، مولانا وجیہ الدین صاحب پیلی بھیتی، الحاج میمن ابوبکر ریشم والے اور دوسرے صاحبان موجود تھے- راقم الحروف نے گفتگو کا آغاز کیا- تین گھنٹے تک گفتگو کا سلسلہ رہا- باقی گفتگو دوسرے دن پر ملتوی رہی- ادھر بارہ بجے شب میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ بریلی شریف رونق افروز ہو گئے اور فوراً ہی راقم الحروف کو طلب فرما کر پوری گفتگو سماعت فرمائی- میں نے گفتگو کے ضروری نکات سناتے ہوئے صلح سے قدرے مایوسی کا اظہار کیا تو اپنی گرجدار آواز میں فرمایا کہ مولانا آپ ہرگز مایوس نہ ہوں اور صبح کو بھی اپنی گفتگو جاری رکھیں! ان شاء اللہ تعالیٰ صلح ہو کر رہے گی اور مولانا حشمت علی بغیر ہم سے ملے ہوئے بریلی سے جا نہیں سکتے- پھر تنہائی میں گفتگو کے چند ایسے پوائنٹ مجھے تلقین فرمائے کہ واللہ فرط عقیدت میں میں نے بار بار حضرت علیہ الرحمہ کی دست بوسی کی اور بحمدہ تعالیٰ صبح کی گفتگو میں حضرت شیر بیشہ اہل سنت ہم سے اس قدر قریب ہو گئے کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا- بالآخر آٹھ بجے شب میں حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کی تحریک پر حضرت شیر بیشہ اہل سنت نے تحریر خاص پر دستخط فرما دی اور میری آنکھیں آج بھی اس روح افزا منظر کو دیکھ رہی ہیں کہ حضرت شیر بیشہ اہل سنت کو حضرت مفتی اعظم ہند و حضرت محدث اعظم و حضرت مولانا شاہ محمد اجمل صاحب قبلہ گلے لگا رہے ہیں اور حضرت شیر بیشہ اہل سنت حضرت محدث اعظم ہند و حضرت مفتی اعظم ہند اپنے دونوں بزرگوں کی دست بوسی فرما رہے ہیں اور تمام علمائے اہل سنت شیر بیشہ اہل سنت کو مبارکباد دیتے ہوئے مصافحہ و معانقہ کر رہے ہیں اور میں نے ''اتحاد اہل سنت زندہ باد'' کا نعرہ لگایا-

(۹)

میرے قیام احمد آباد کے زمانے میں بعض میرے حاسد مولویوں کی دسیسہ کاریوں کی وجہ سے میرے اور حضرت علیہ الرحمہ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی- چنانچہ میں حج کی روانگی کے وقت ایک معافی نامہ تحریر کر کے حضرت علیہ الرحمہ سے دعاؤں کا خواستگار ہوا- اس کے جواب میں مندرجہ ذیل مضمون کا گرامی نامہ میرے نام عزت بخش ہوا-

مولانا الاعز! سلمکم المولیٰ تعالیٰ

محبت نامہ نظر نواز ہوا- حج و زیارت کی خبر نے مسرور الوقت کیا- میرا ہر بن مو آپ کے لیے مصروف دعا ہے- اس موقع پر یہاں تو آپ نے مجھے یاد رکھا- کاش حرمین طیبین میں بھی آپ یاد رکھ کر مجھے اور زیادہ مسرور کرتے-- جس وقت میرا دعا نامہ آپ کو ملے گا اس وقت میں بنگال کی سرحد میں داخل ہو چکا ہوں گا- اس لیے ملاقات نہیں ہو سکتی-

فقط والدعاء

دعا گو فقیر ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی غفرلہ

حرمین طیبین کی واپسی پر پہلی ملاقات مدرسہ احسن المدارس کانپور کے اجلاس میں ہوئی- حضرت علیہ الرحمہ نے جس التفات و گرم جوشی کے ساتھ معانقہ فرمایا اس کی لذت آج تک فراموش نہیں کر سکا ہوں-

(۱۰)

۲۴ ؍صفر ۸۱ھ کو حضرت علیہ الرحمہ سی گرین ہوٹل بمبئی میں ہز ہائی نس نواب رادھن پور کی دعوت پر تشریف لے گئے- دوران گفتگو میں ہز ہائی نس نواب صاحب نے میرا بھی تذکرہ

فرمایا- حضرت علیہ الرحمہ اسی دن بمبئی سے بھمڑی تشریف لائے اور فوراً ہی مجھے اپنی قیام گاہ پر طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرے بھمڑی آنے کا خاص مقصد یہ بھی ہے کہ ایک تو آپ سی گرین ہوٹل بمبئی جا کر ہز ہائی نس رادھن پور سے ملاقات کرلیں اور دوسرا خاص الخاص مقصد یہ ہے کہ میں آپ کو مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن کا صدر مدرس بنانا چاہتا ہوں اور میں حیدر آباد میں تمام معاملات طے کر چکا ہوں- چونکہ حیدر آباد جانے کے لیے میں تیار نہیں تھا اس لیے حضرت علیہ الرحمہ کا فرمان سن کر سکتہ میں پڑ گیا اور بالکل خاموش رہا- مگر حضرت مولانا محمد حامد صاحب فقیہ سکریٹری آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما نے میری وکالت فرمائی اور اس خصوص میں حضرت علیہ الرحمہ سے ایسی بلیغ گفتگو کی کہ حضرت علیہ الرحمہ نے مجھے بھمڑی ہی میں قیام کی اجازت بخش دی- اگر چہ نہایت تاسف کے ساتھ یہ فرمایا کہ میں آپ کو ایک بڑی جگہ پر دیکھنے کا خواہش مند تھا لیکن مولانا فقیہ کی خواہش پر میں اپنی تمنا قربان کرتا ہوں- پھر حضرت علیہ الرحمہ نے مجھے اپنے ساتھ کار پر بیٹھا کر بھمڑی سے سی گرین ہوٹل بمبئی پہنچا دیا اور اپنے مرید خاص حافظ ابوالحسن رادھن پوری کو میرے ساتھ کر دیا کہ وہ ہز ہائی نس سے ملاقات کرادیں- چنانچہ فوراً ہی ہز ہائی نس نواب صاحب نے مجھے باریاب فرمایا اور ایک گھنٹہ بیس منٹ تک نہایت ہی التفات کے ساتھ شرف ملاقات بخشا-

آخری ملاقات:- امسال مواعظ گیارہویں شریف کے سلسلے میں حضرت علیہ الرحمہ بمبئی تشریف فرما ہوئے تو میں بھمڑی سے خاص قدم بوسی کے لیے بمبئی حاضر ہوا- فرمایا امسال آپ گیارہویں شریف پر کہاں ہوں گے؟ میں نے عرض کیا کہ پالی مارواڑ کی دعوت قبول کر لی ہے پھر ارشاد فرمایا کہ اس وقت تو چلنے کا موقع نہیں ہے، مگر ایک ماہ بعد ان شاء اللہ بھمڑی آؤں گا اس وقت فقیہ خاندان کے معاملات بھی طے کر دوں گا اور آپ کے مستقبل کے بارے میں بھی مولانا فقیہ سے ایک بہت ضروری گفتگو کروں گا- اس کے بعد قدم بوس ہو کر بھمڑی چلا آیا- افسوس کیا خبر تھی کہ یہ میری آخری قدم بوسی ہے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
سیر گل ہیچ نہ دیدیم و بہار آخر شد

□□□

محدث اعظم مشن ناگ پور
کی جانب سے
جانشین محدث اعظم، شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
کی پچاس سالہ دورِ سجادگی (گولڈن جبلی) اور
”محدث اعظم ہند انٹر نیشنل کانفرنس“
کے پر مسرت موقع پر بین الاقوامی شہرت یافتہ رسالہ ماہنامہ جام نور دہلی کے
”محدث اعظم نمبر“ کی رسم اجرا پر دلی مبارک باد اور نیک خواہشات
مولانا سید عالمگیر اشرف، صدر: محدث اعظم مشن، مخدوم اشرف چوک، لشکری باغ، ناگ پور (مہاراشٹر)

ڈاکٹر محمد امین اشرف☆

میرے ماموں صاحب

خانگی اور ازدواجی زندگی کے آئینے میں

ہندوستان میں اکبر اعظم کا دور (۱۶۰۵ء-۱۵۵۶ء) مغلیہ حکومت کا عہد زریں کہلاتا ہے- وجہ یہ ہے کہ مادی خوش حالی کے شانہ بہ شانہ علمی مذاکرے، مذہبیات کے موضوع پر بحث و مباحثہ اور ادب و شعر کا فروغ اس عہد کی امتیازی شناخت ہیں- اراکین مجلس میں ابوالفضل، فیضی، تان سین، مان سنگھ، ٹوڈرمل وغیرہ اہم نام ہیں- عجیب اتفاق ہے کہ یہی زمانہ انگلستان میں ملکہ ایلزابتھ کا تھا جو انگلستان کی تاریخ میں عہد زریں کہلاتا ہے- یہاں بھی مادی اور اقتصادی خوش حالی کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کو قابلِ لحاظ فروغ حاصل ہوا- اس عہد کے خاص شعرا اور نثر نگار ہیں کڈ، فلپ سڈنی، مارلیو، بیکن اور شیکسپیئر وغیرہ-

ہمارے بچپن میں کچھوچھہ شریف علم و آگہی کے نور سے جگمگا رہا تھا- عہد اکبری یا دورِ ایلزابتھ کی طرح ۱۹۰۱ء سے ۱۹۶۰ء تک علمی، ادبی، دینی اور روحانی لحاظ سے یہ عہد خانوادۂ اشرفیہ کا عہد زریں کہلاتا ہے- نابغۂ روزگار حکیم سید نذر اشرف فاضلؔ کی علمیت و ذکاوت، بڑے حضرت شاہ اشرف حسین کی مشیخیت اور فہم و فراست، شاہ علی حسین اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت و ولایت، شاہ احمد اشرف کی خطابت، شاہ محی الدین اشرف اچھے میاں کی ریاضت و عبادت، شاہ مصطفیٰ اشرف کی بذلہ سنجی اور کرامت، سید مختار اشرف سرکار کلاں کے مواعظ حسنہ اور رشد و ہدایت، اس خاندان کی زریں روایت پر دال ہیں- اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ سارے اوصاف حمیدہ و جمیلہ جو فرداً فرداً بزرگوں میں پائے جاتے تھے، سب سید محمد کی ذات میں رچ بس گئے تھے اور جو وصف ان سارے اوصاف پر غالب تھا وہ تھی خطابت اور بجا طور پر ایک زمانہ اس ذاتِ گرامی کو رئیس المتکلمین کہتا تھا- خطابت کیا تھی، تیغِ آبدار بھی اور گوہر فشاں بھی، ایسا لگتا تھا کہ مشیت الٰہی نے اولاد شاہ حسن کے چاروں گھروں پر مشتمل جغرافیائی حدود میں ارضِ سمنان کو منتقل کر دیا تھا جہاں اور جس سے قریب مخدوم سمنان کی آرام گاہ ہے- اس روحانی مملکت کے تاج دار تھے حضرت اشرفی میاں اور اس مملکت کا پایۂ تخت تھا اشرفی میاں کا حجرہ مبارک- دانش ورانہ فکر، علم و حکمت، منطق و فلسفہ کی رو سے یہی حدود خطہ یونان سے مشابہ تھے جس کی علمی و ادبی زمامِ حکومت اس عدیم المثال حکیم و دانا کے ہاتھ میں تھی جس کے فرزند تھے محدث اعظم- غرض یہ چاروں گھر دو متضاد خصوصیات، فکر و فلسفہ، دانش وری، تعقل پسندی او ر دوسری طرف رشد و ہدایت، تبلیغ و اشاعتِ اسلام، مسلک اہل سنت و جماعت کے فروغ کی یکجائی کا خوب صورت نمونہ تھے- اس حکومت کے مشیر اعلیٰ، میر منشی، کاتب خاص، قلم بردار اور اپنے پیر اشرفی میاں کے عاشق صادق، روحانی تجربات و مشاہدات کے عینی شاہد تھے میرے والد مرحوم شاہ حبیب اشرف- سید العلما مولانا آل مصطفیٰ مارہروی کے حوالے سے محدث اعظم کی خطابت پر یہ تبصرہ حق بہ جانب ہے کہ ’’خطابت تو محدث اعظم کی چوکھٹ کی غلام ہے-،، صاحبزادگان میں مولانا سید محمد مدنی اور مولانا سید محمد ہاشمی کی خطابت کا ایک عالم قائل ہے- ان کا تعارف محتاجِ بیان نہیں-

سید محمد کے پوتوں میں مولانا محمد راشد مکی اور مولانا سید محمد نورانی کی تقاریر میں اسی عالمانہ شان، اسی جلوہ سامانی، تجمل شاہانہ، اور اسی آفتاب عالم تاب کے پرتو نظر آتے ہیں- یہی نہیں بلکہ خانوادۂ محدث اعظم کے نونہال، یہاں تک کے اس خاندان کے تنن منن (نہایت چھوٹے بچے) بھی کلمہ کی انگلی اٹھا کر دو تین منٹ کے لیے تو تو مو تو کر ہی سکتے ہیں - اس خصوصیت سے ماورا ایک وصف جو صرف محدث اعظم سے مخصوص ہے وہ ہے حضرت کی رواداری، وصف دل جوئی اور اقربا پروری-

میں نے رواداری اور دل جوئی کی بات کہی ہے - اس کی وضاحت کر دوں- کتب بینی یا علم و ادب کا شوقین مطالعہ کے لیے تنہائی چاہتا ہے تا کہ یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کرے- گھر میں کئی ایسے کمرے تھے جہاں بیٹھ کر وہ لکھ پڑھ سکتے تھے مگر ماموں صاحب ہمیشہ دروازے سے ملحق ایک دالان میں پلنگ پر بیٹھ کر خطوط کے جواب لکھتے یا علمی مذاکرات میں دل چسپی لیتے، کلام پاک کی تفسیر لکھتے یا دین اسلام سے متعلق اس کے کسی گوشہ پر خامہ فرسائی کرتے - مقصد یہ تھا کہ اس طرح آبادی کے وہ لوگ جو مشتاقِ دیدار رہیں ان سے تبادلۂ خیالات بھی

☆4/54,Badar Bagh,Aligarh(U.P)

ہوتا رہے گا- وہ ایک جید عالم اور پیر طریقت تھے، ان میں کسر نفسی تھی، نخوت ذرہ برابر چھو کر بھی نہیں گئی تھی، ہاں علمی بحثوں میں انا صاف جھلکتی تھی، خطوط لکھتے رہتے اور لوگوں سے بات بھی کرتے رہتے- اس میں ادنیٰ و اعلیٰ، چھوٹے بڑے یا ذات پات کی تخصیص نہیں تھی- رمضان شریف میں تو مطالعہ بھی کثرت سے کرتے اور عبادت بھی-

زیادہ تر ان کی مجلس میں شرفائے خاندان ہوتے یا ایسے بیہڑ قسم کے لوگ جو اکثر بے تکے سوال کرتے، مثلاً ایک خاں صاحب آئے، پوچھنے لگے، ''ہجرت آپ کی برادری میں ایک صاحب کبوتر ذبح کر رہے تھے، کبوتر تو سید ہوتے ہیں؟،، صرف جواب میں یہ تھا ''خاں صاحب کبوتر کس امام کی اولاد ہیں؟،، ایک خاں صاحب بولے ''ہجرت سید کی پہچان یہ ہے کہ ہاتھ میں آگ رکھ لے تو ہاتھ نہیں جلے گا-،، جواب تھا کہ میدانِ کربلا میں تو سیدوں کے خیمے جلائے گئے، جل گئے، تم سے کس احمق نے کہا؟

ماموں صاحب کو پان کھانے کا شوق بہت تھا، طالب علمی کے زمانہ سے، سوال کرنے والے کی ضیافت ایک پان سے ضرور کرتے- اگر دینی مسائل کے بارے میں لوگ معلومات کرتے تو لکھتے رہتے اور جواب دیتے رہتے، کسی وکیل سے گفتگو ہو رہی ہے تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے انڈین پینل کوڈ زبانی یاد ہے، چوں کہ طب اور فلسفہ کی تعلیم باپ سے حاصل کی تھی، اس لیے کسی حکیم یا ڈاکٹر سے کسی مرض کے بارے میں گفتگو ہوتی تو محسوس ہوتا کہ خود تجربہ کار طبیب ہیں- مخدوم سمناں پر بات ہوتی تو سمناں سے پنڈوہ شریف تک کے سفر کا ایک ایک لمحہ تازہ کر دیتے- ایک بار تبلیغی جماعت کے کچھ لوگ آئے، نظر پڑی تو صرف یہ کہا ''کون؟،، سب بھاگ گئے بلکہ ایک کو کہتے ہوئے سنا گیا'' یہاں کہاں چلے آئیو،، کوئی مدرسہ کا طالب علم ہوتا تو اس کی صلاحیت کو کریدتے اور اصلاح فرماتے- کوئی مرید، معتقد یا صوفی مسلک ہوتا تو صرف سلوک کی بات کرتے، اسی طرح بچوں کی دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے-

ذرا سی تفصیل میں جاؤں گا- ہم دن رات اپنے ماموں صاحب کے پاس ہی رہتے یعنی نانی ہال میں، ہم سب ہمجولی تھے اور منھ کا مزہ بھی بدلتا- والد مرحوم کو یہ احساس تھا کہ نانی ہال میں رہیں گے- کھیل کود میں بھی کچھ نہ کچھ حاصل کریں گے- بات یہ تھی کہ ہمارا محلّہ زمین داروں کا تھا، شوق کبوتر بازی، مچھلی کا شکار اور چھوٹے بچوں کا Puppies سے آنکھ مچولی کرنا، ان سے دل چسپی تو بعض کو اس حد تک تھی کہ ایک کا نام پلے پڑ گیا، چنانچہ اکثر یہ کہہ کر مخاطب کرتے ''اے الے کے بھائی پلے،، ابا مرحوم ہمیں اس لہو و لعب سے بچانا چاہتے تھے- ماموں صاحب کو اپنے بچوں سے یعنی بھانجوں سے اس قدر والہانہ محبت تھی کہ ہمارا دل رکھنے کے لیے ہمارے ساتھ گولی کھیلتے، پتنگ اڑاتے، والی بال تک کھیلتے، شرط یہ تھی کہ صحن سے باہر شجرِ ممنوعہ ہے، مگر اس تمام کھیل کود پر حاوی تھا ہمارا تعلیمی انہماک- مثال کے طور پر ۷-۸ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے- ہم لوگوں نے اپنے نانا اور ماموں سے بچپن میں اتنا سیکھ لیا جو کہ آئندہ زندگی میں کام آیا- حسن مثنیٰ فرزند اکبر جب علی گڑھ میں ایم -اے کے طالب علم تھے تو پروفیسر مسعود حسین خان شعریات پڑھاتے تھے- انہوں نے طلبہ و طالبات سے نظم کی اقسام پوچھیں- سب خاموش- حسن مثنیٰ نے کہا، اس کے اقسام ہیں: غزل، قصیدہ، رباعی، منقبت، ترجیع، مسمط، مستزاد، مرثیہ وغیرہ- استاد نے پوچھا کہ آخر کب پڑھا، حسن مثنیٰ بولے، ۷-۸ سال کی عمر میں- خاں صاحب نے کہا حیرت ہے! اب تو شرفا کے بچے بھی غزل کو گجل کہتے ہیں- کیا انقلاب ہے، میرے ماموں صاحب جیسے لسان اور فصیح البیان کی بے زبانی کا یہ عالم تھا کہ رشتہ داروں ہی میں ایک صاحب بلا ناغہ بعد مغرب آتے اور چارپائی کی بادھ بلیڈ سے کاٹ دیا کرتے- آپ دیکھتے اور خاموش کہ شخص مذکور کو اگر راحت دلآزاری سے ملتی ہے تو یہی سہی- شب کی محفل بھی دیر تک جمتی، محض افرادِ مجلس کی دل جوئی کے لیے، جب درہم برہم ہوتی تو نشست گاہ سے عشا کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھ جاتے، لیکن جب تک ایک شخص بیٹھا رہتا کیا مجال کہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس ہوں-

بچوں کے دل بہلا رہے ہیں، دریں اثنا کوئی حاجت مند یا عقیدت مند آ گیا تو چہرہ کھل اٹھتا، نہایت خندہ پیشانی سے پذیرائی فرماتے، کب آئے، خوب ملاقات ہوئی، اے خوشا آمدنت باعث آبادی ما وغیرہ وغیرہ- آج کل کے بعض پیرانِ عظام کی طرح گردن ٹیڑھی کر لیتے نہ منھ موڑتے بلکہ ہاتھ اٹھا کر سلام کرنے میں پہل کرتے اور مناسب خاطر و مدارات-

بچوں سے محبت اور ان سے دل چسپی سے متعلق دو عدد واقعات یاد آ رہے ہیں- حضرت کلکتہ کے سفر سے واپس آئے تھے- ہم بچوں کو بلوایا: امین اشرف، قمر میاں، قطب الدین اشرف، حسنی مثنیٰ وغیرہ- ایک اچھا خاصا بڑا سا نہایت صحت مند ناشتہ دان سامنے رکھ دیا- کہا کہ اس میں مٹھائیاں ہیں، کھاؤ! ہم سب بہت محتاط ہو کر کھا رہے تھے، تڑخ کے بولے کہ شیر کی طرح کھا، ہم لوگوں نے رفتار تیز کر دی، پھر کہا بلی کی

طرح کھاؤ، ہم نے رفتار سست کر دی، ایک بار پھر حکم صادر ہوا کہ چڑیے کی طرح چگو- ہم مٹھائی کا ایک ایک دانہ اٹھا کر کھانے لگے، پھر آخری بار کہا کہ ایک دوسرے سے چھین کر کھاؤ ہم لوگ ایک لشکر جرار کی طرح ٹوٹ پڑے، جو مضبوط پڑا وہ ایک ڈبہ لے کر بھاگا- مگر ماموں صاحب کے ہونٹوں پر نہ ہنسی نہ مسکراہٹ- شاید ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ بچے پسند کرتے ہیں- جی بھر کر کھائیں-

ایک واقعہ اور دل چسپ ہے- ہم لوگ بیٹھے تھے، شاید دن کے ۱۱-۱۲ بجے تھے- کہنے لگے، دیکھنا ہے کہ تم میں کس کو کتنی طاقت ہے، میری کُشتی، زور آزمائی قمر میاں سے تھی اور میرے بھائی وحید اشرف کی بدرالدین سے- ہم لوگ جی جان سے لڑ رہے تھے، یہاں تک کہ قمیص پھٹ گئی- دونوں کا برا حال- پھر جان میں جان یوں آئی، ملازم کو پکارا آدو (آدم خاں) جاؤ ان بچوں کے لیے اچھے سے اچھا کپڑا خرید وا دو- یہ سلسلہ کئی بار چلا- یہاں تک کہ پہلے تو مایوس تھے مگر بعد میں سازش کرنے لگے کہ کیا ترکیب ہو کہ حضرت پھر کشتی لڑوائیں تاکہ نیا نیا کپڑا بنے- غرض وغایت حضرت کی یہی رہی ہوگی- ہمیں تو پتہ نہیں کہ ہمارا کپڑا کثیف تھا یا برا تھا مگر لگتا ہے کہ حضرت نے کچھ محسوس کیا ہوا اور کشتی سے زیادہ نئے کپڑے ہمارے لیے سلوانے کے خواہش مند رہے ہوں-

ایک واقعہ تو صرف راقم الحروف سے متعلق ہے- رات میں کبھی دس، کبھی گیارہ بج جاتے تھے، حضرت گھر کے اندر مجلسی گفتگو سے فارغ ہو کر، عشا کی نماز پڑھنے کے بعد کھانا کھاتے تھے- مجھے اور صرف مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے- خود ماموں صاحب کی خوراک بہت کم تھی مگر ان کے سامنے ہر چیز رکھی جاتی تھی، یہاں تک کہ بالائی، جسے وہ صرف نصف چمچہ لیتے، باقی میں چٹ کر جاتا- جب روزانہ رات میں بالائی سے لطف اندوز ہونے کی عادت پڑ گئی تو پھر مجھے آواز دینا بند کر دیا- غالباً وہ میرا ردعمل دیکھ رہے تھے- انہیں جب میری بے چینی کا اندازہ ہوا اور رات میں ان کا کھانا لگا تو بولے ’’معلوم ہوتا ہے امینوا (امین) سو گیا-،، میں کہتا ’’نہیں ماموں صاحب میں جاگت ہوں-،، (میں جاگ رہا ہوں) میرے منھ سے یہی کلمہ سننے کے لیے ماموں صاحب بے تاب، میں بالائی کے لیے بے تاب، جب سفر پر چلے جاتے تو بالائی بند ہو جاتی-

سچی بات یہ ہے کہ ماموں بھانجے کا بڑا قریبی اور گہرا تعلق ہوتا ہے، کم سے کم خانوادۂ اشرفیہ میں یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ماموں نے اپنے بھانجے سے بڑی محبت کی ہے- یہ سلسلہ تو سلطان جی سے ہی شروع ہوتا ہے- حضرت مخدوم کو اپنے بھانجے نورالعین سے محبت، شاہ علی حسن جائسی کو اپنے بھانجے شاہ نذر اشرف سے، مولانا احمد اشرف کو اپنے بھانجے سید محمد سے، سید محمد کو اپنے بھانجوں امین اور قمر سے- میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب ماموں صاحب کی شادی کی بات چلی اور باپ نے مولانا احمد اشرف کی بیٹی بی بی فاطمہ سے نسبت طے کر دی تو سید محمد ماموں نے سر تسلیم خم کر دیا، بلا چوں و چرا ایک تو والد بزرگوار کا حکم، دوسرے ماموں سے محبت- ظاہر ہے کہ ماموں کی بیٹی، کیا دیکھانہ ہوگا مگر سسرال سسرال ہے، میکے اور سسرال میں بہر حال فرق ہوتا ہے- پتہ نہیں شوہر کا مزاج کیسا، خسر اور خوشدامن کا رویہ کیسا نکلتا ہے، کچھ نہ کچھ اندیشے تو رہتے ہیں مگر میں نے آخر تک دیکھا کہ دونوں میں شدید محبت، ایک دوسرے کا لحاظ اور خیال، بیوی کی ضروریات پر نظر، بیوی کے مزاج کے مطابق شوہر کا برتاؤ، غرض کبھی کسی بھی طرح کی ادنی سی بھی تلخی اس مقدس رشتے میں نہیں دیکھی گئی-

حضرت کی اقربا پروری کا ذکر راقم الحروف نے کیا ہے- یہ تو ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے- ایک کمانے والا اور سیکڑوں اخراجات- بہنوں میں ایک بہن جوانی ہی میں بیوہ ہو گئیں- ان کے تینوں بچوں کی تازندگی پرورش اور کفالت کرتے رہے تاوقتیکہ بچے پڑھ لکھ کر برسرروزگار نہیں ہو گئے- دوسری بہن کی بھی وقتاً فوقتاً امداد کرتے رہے- بڑی بیٹی اقبال بانو بھی عین شباب میں بیوہ ہو گئی تھیں- ان کی اور ان کے بچوں کی پرورش اسی آسمان اور اسی شاخِ ثمر دار کے نیچے ہوتی رہی- محدث صاحب اپنے پورے کنبے کے لیے شامیانہ وسائبان تھے جس کے تلے آرام وراحت سے سب کی زندگی گزرتی رہی- آدو گھر کا ملازم تھا اور معتمد خاص، اس کے گھر کی بھرپور مدد، سلیم یکہ وان کی بیوی بچوں کی کفالت حضرت کا شیوہ تھا- کہاں تھی ایسی کوئی اور مثال اسی خاندان میں- لطف یہ ہے کہ کبھی پیشانی پر شکن نہیں- یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوتا، پاس پڑوس کے غریب اور حاجت مندوں کی مدد سے نہیں گھبراتے تھے، بعض غیر مسلموں کی ان کے کاروبار میں ترقی کے لیے مدد کی ہے یا اس کا انتظام کیا ہے، اور سنیے- خاندان ہی کے چند ایسے افراد جن سے ان کا کوئی خاص تعلق بھی نہیں تھا، ان کے بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں اپنی

جیب خاص سے رقم صَرف کی ہے- یہی وجہ ہے کہ بوقت وصال کوئی اثاثہ، کوئی سرمایہ، کوئی دولت چھوڑ کر نہیں گئے- مدرسے بنوائے نہ خانقاہیں تعمیر کیں، نہ زمین خریدی، گھر کا نام بھی رکھا تو ’’آشیانہ،، جسے دوام نہیں، بس ایک ہی مشن تھا گلی گلی، کوچہ بہ کوچہ، شہر و دیار، گاؤں دیہات ہر ہر جگہ عشق رسول میں سرشار مدحِ رسول کرتے رہے-

ماموں صاحب کو جب کوئی بیٹھا ہوا دیکھتا تو لگتا کہ ایک بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہے- عام گفتگو میں بلا کی نرمی اور دل آویزی، محسوس ہوتا کہ منھ سے پھول جھڑ رہے ہیں- جب چلتے تو نہایت اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ، رک رک کر قدم رکھتے، یہ نہیں کہ سر پٹ بھاگے جا رہے ہیں، جب کسی کو بلاتے یا آواز دیتے تو ایسا لگتا جیسے بانگ رحیل، میں تو اعتماد کے ساتھ یہاں تک کہوں گا کہ مضمون کی ابتدا میں جن علما اور مشائخ خانوادۂ اشرفیہ حسینیہ کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں بھی ماموں صاحب کی شخصیت نہایت منفرد تھی-

میں نے اپنے مضمون کا آغاز سلطنتِ مغلیہ اور حکومت ایلز ابتھ کے عہد زریں سے کیا ہے- وقت کے ساتھ ساتھ یہ سب روبہ زوال ہوئیں- ان کے انحطاط کے اسباب بیش تر مادی اور اخلاقی ہیں، آخر خانوادۂ اشرفیہ کا عہد زریں کہاں گیا، کیوں یہ عہد اب ورق پارینہ نظر آتا ہے، اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں، ہمیں نہ کسی مؤرخ کے پاس جانا ہے نہ کسی جوتشی کے پاس- ہمیں اس سلسلے میں سرگرداں ہونے کی ضرورت ہی نہیں- لطائف اشرفی کے اوراق الپٹے پلٹے آپ کو سلطان جی کا ارشاد یا قول اس بارے میں ہماری رہ نمائی کرے گا-

میرے ایک کرم فرما اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ بخیل کے دسترخوان پر بیٹھئے تو لذت بھی نہیں ملتی اور پیٹ میں مروڑ بھی ہونے لگتا ہے، سخی کا کھانا نعمت ہے- پروفیسر خورشید الاسلام سابق صدر شعبۂ اردو علی گڑھ یونیورسٹی کہتے ہیں کہ اگر کسی کا کریکٹر دیکھنا ہو اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہو تو زیادہ چھان بین کی ضرورت نہیں، اس کے دسترخوان کو دیکھو- میں ان تاثرات کی تصدیق یا تردید کرنے سے قاصر ہوں، مجھے تو یہ معلوم ہے جس کا میں نے بچپن میں خود مشاہدہ کیا ہے کہ خانوادۂ اشرفیہ میں فراخ دل مہمان نواز صرف دو عدد گزرے ہیں- ایک حضرت اشرفی میاں، دوسرے سید محمد محدث- اشرفی میاں کا دسترخوان خانقاہی تھا، سید محمد کا شاہی، اشرفی میاں کے دسترخوان پر مجمع علما، مریدین ومعتقدین کا ہوتا تھا، سید محمد کے دستر خوان پر بچے ہوتے تھے یا بعض شرفائے خاندان- اشرفی میاں کے دسترخوان پر لوگ حصولِ برکت کے لیے حاضر ہوتے، سید محمد کے دسترخوان پر منھ کا مزہ بدلنے کے لیے- دونوں بے لوث، بے نفس اور فقرائے بے ریا تھے- آج کل دعوت کا اہتمام سیاسی ہوتا ہے، انداز نظر نہایت تاجرانہ، ماموں صاحب کی مہمان نوازی میں دنیا داری کو شمہ برابر دخل نہیں تھا- جب سفر سے گھر آتے تو دعوت کا اہتمام کرنے کے بہانے تلاش کرتے، مثلاً کوئی چھوٹی چھوٹی سی تقریب ہے یا صاحب زادے امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں، اسی خوشی میں یا کوئی باوقار اور ذی مرتبت مہمان آگیا ہے تو اس کے ساتھ دوسروں کو مدعو کر لیا- یہ ایک طرح کا Get-together ہوتا تھا- خصوصیت سے مہمان نوازی اور ضیافت کا لطف آتا تھا، رمضان شریف کے مہینہ میں روزہ کھولنے کے وقت بڑا exitement ہوتا تھا- اس عمر میں ہم روزہ تو کیا رکھتے، چٹ پٹے پکوان کے تصور ہی سے طبیعت شاد رہتی- دسترخوان پر جملہ سامانِ نشاط کے علاوہ بعض اشیاے خوردنی کے نام حضرت نے خود Coin کیے تھے، مثلاً گلزر چمن، بلبل در آشیاں، قمری در بیاباں، غنچہ در بوستاں، وغیرہ بڑے صاحب زادے کے دستر خوان سے متلذ ذ ہونے کا اکثر موقع ملتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ باپ کی یہ روایت اب بھی جاری وساری ہے- مہمان کو دیکھ کر حسن مثنیٰ کا چہرا کھل اٹھتا ہے- یوں تو لذت کام ودہن سے محروم ہوں مگر قیاس کہتا ہے کہ باقی دونوں شہزادوں میں بھی باپ کی طرح فراخ دلی اور مہمان نوازی کا یہی جذبہ ہوگا- مگر اب تو پر شکمی کا وقت بھی رخصت ہوگیا، کہاں کے دستر خوان، کہاں کی پسندیدہ غذائیں اور انواع واقسام کے کھانے- بلڈ پریشر نے سوائے ساگ پات کسی مصرف کا نہیں رکھا- ایک میں ہی کیا:

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس پریشر کے سب اسیر ہوئے

سید محمد محدث اعظم ایک باغ و بہار کثیر الجہات، اور ہمہ گیر شخصیت کا نام ہے، اپنی ذات میں بے مثال، ایک انجمن، ایک انسٹی ٹیوشن، ایک شجر سایہ دار اور ابر گہر بار، ایک ایک ادا، ایک ایک ناز فقیرانہ کو یاد کرتا ہوں تو جی مسوس کر رہ جاتا ہے- ایسی من موہنی صورت، ایسا وقار، ایسی علمی شان، ایسا دبدبہ چشم حیرت نے پھر نہیں دیکھا:

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مولانا فروغ احمد اعظمی☆

محدث اعظم ہند اپنے شیوخ واساتذہ کی نظر میں

محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان (ولادت ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء، وصال: ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) ماضی قریب میں سادات کچھوچھہ میں اپنی غیر معمولی خوبیوں اور خدمات کی وجہ سے ایک انتہائی مقبول ومشہور اور ممتاز شخصیت کے مالک رہے ہیں، ان کی خداداد ذہانت، علمیت، جوہر خطابت، مناظرانہ لیاقت، رشد وہدایت، خاندانی وجاہت، روحانی عظمت اور قائدانہ صلاحیت کا لوہا ایک دنیا نے مانا ہے، آپ نے اپنی شخصیت اور خدمات سے اہل زمانہ کو متاثر کیا اور اپنے دور میں اہل سنت کی شاندار قیادت فرما کر خود کو: ’’ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما‘‘ کا مصداق بنا دیا۔

آپ اچھے مفسر، محدث، مفکر، خطیب، مناظر، مبلغ، مرشد، شاعر، مصنف، مدرس اور قائد تھے۔ آپ مجدد سلسلۂ اشرفیہ قطب ربانی مخدوم الاولیا والعلما اعلیٰ حضرت ابو احمد سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ (وصال ۱۳۵۵ھ) کے نواسے اور عالم ربانی خطیب لاثانی حضرت علامہ سید احمد اشرف اشرفی جیلانی (وصال: ۱۳۴۷ھ) بن حضرت اشرفی میاں کے بھانجے، داماد، پروردہ اور مرید وخلیفہ تھے، نانا اور ماموں دونوں نے حضرت محدث اعظم کی تربیت فرمائی، اور ایسا لائق وباکمال بنایا کہ اپنے بزرگوں کے لیے دین ودنیا میں باعث افتخار ہو گئے۔

آپ کے نانا حضرت اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ آپ کو بہت زیادہ چاہتے تھے، اور صلاحیتوں پر اعتماد بھی کرتے تھے، پہلی آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد منعقدہ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء کے خطبۂ صدارت میں آپ نے صاحبزادے اور نواسے کو جماعت اہل سنت کی خدمتِ قیادت کے لیے پیش کرتے ہوئے محدث اعظم ہند کو اپنا جگر پارہ اور زندگی کی کمائی قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

’’میری اسّی برس کی کمائی میں صرف دو چیزیں ہیں، جن کی قیمت کا اندازہ اگر آپ میری نگاہ سے کریں گے تو ہفت اقلیم کی تاجداری ہیچ نظر آئے گی، یہ میری بڑی کمائی ہے، جس پر ملک ودنیا میں ناز ہے، اور آخرت میں فخر ہے، جس کو میں کبھی اپنے سے جدا نہیں کرسکتا تھا، لیکن آج اعلان حق کے لیے میں اپنی ساری کمائی نذر کر رہا ہوں، میرا اشارہ پہلے اپنے لخت جگر ونور العین الحاج ابو المحمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی پھر اپنے نواسہ، جگر پارہ مولانا الحاج ابو المحامد سید محمد محدث اشرفی جیلانی کی طرف ہے، جن دونوں کی ذات میری ضعیفی کا سرمایہ ہے، میں آج ان جگر کے ٹکڑوں کو نذر پیش کرتا ہوں کہ، اعلان حق میں حیات کی آخری ساعت تک سنت اور اہل سنت کی خدمت جو سپرد کی جائے، اس میں میری تربیت کا حق ادا کریں‘‘۔ (الخطبۃ الاشرفیہ مشمولہ حیات مخدوم الاولیا ص ۳۲۶، از مولانا محمود احمد قادری)

محدث اعظم ہند چودہویں صدی ہجری کی دوسری دہائی کے آغاز ۱۳۱۱ھ میں جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے، آپ کے والد گرامی حکیم الاسلام حضرت علامہ سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے ماموں اور خسر نور المشائخ حضرت علامہ سید شاہ صوفی علی حسن اشرفی جیلانی جائسی (وصال: ۱۹۱۰ء) (آپ بحر العلوم مولانا عبد الحئ فرنگی محلی کے ہم درس تھے) کے یہاں جائس میں رہائش پذیر تھے، اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے نور المشائخ نے بیٹی اور داماد کو اپنے دولت خانے پر رکھ لیا تھا۔

محدث اعظم ہند کے والد گرامی کی آرزو تھی کہ ایسا بیٹا عطا ہو، جو دین ودنیا میں باعث افتخار ہو، اور نانا حضرت اشرفی میاں بھی تمنا رکھتے تھے کہ ایسا نواسہ پیدا ہو، جو دین کا کام کماحقہ انجام دے، اور دین ودنیا میں نام روشن کرے، اس کے لیے دعائیں بھی کرتے رہتے تھے، ایک بار مراقبے سے فراغت کے بعد لوگوں کو خوش خبری سنائی کہ:

’’اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں ایک ایسا بیٹا (نواسہ) عطا فرمائے گا، جس پر میں دین ودنیا میں فخر کروں گا‘‘۔

(حیات محدث اعظم ہند ص ۲۳ مولانا ذاکر حسین اشرفی مصباحی)

محدث اعظم ہند کی والدہ نے شب ولادت خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ ان کے ہاتھ میں قرآن اور حدیث کی کتاب دے کر مبارک باد

☆Principal:Darul uloom Alimia,Jamda Shahi,Distt.Basti(U.P)

دے رہے ہیں، نیند کھل گئی، پھر اسی شب چند ساعتوں کے بعد محدث اعظم ہند کی ولادت ہوئی۔

والد گرامی اور دیگر خاندانی بزرگ جو جائس میں تھے، سب نے نومولود کو آغوش میں لیا اور آب زم زم میں شہد گھول کر دنیا کی پہلی خوراک پلائی، آستانۂ اشرفیہ کا کاجل لگایا، اور خاندان اشرفیہ کی روایت کے مطابق ترسیل علم کے شگون کے طور پر ہاتھ میں قرآن عظیم اور حدیث شریف رکھا، پھر ہاتھ میں قلم دے کر کچھ تحریر کرایا، آپ کے والد کے ماموں اور خسر نور المشائخ سید شاہ صوفی علی حسن اشرفی جائسی علیہ الرحمہ نے آپ کا نام سید محمد رکھا۔

بزرگوں کے طریقے کے مطابق چار سال چار ماہ چار دن کے ہوئے تو آپ نے دادا حضرت مولانا سید شاہ فضل حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان (وصال ۱۳۳۸ھ) نے ۱۹/ربیع الاول ۱۳۱۵ھ کو بسم اللہ خوانی کرائی۔ والدہ ماجدہ سیدہ محمدی خاتون علیہا الرحمۃ والرضوان نے ابتدا میں گھر کے اندر تربیت کے ساتھ تعلیم دینی شروع کی اور چھ ماہ کی مختصر سی مدت میں انھوں نے ذہین اور سعادت مند بیٹے کو بغدادی قاعدہ اور پارۂ عم ختم کرادیا، پھر بقیہ انتیس پارے صرف ۲۹/دنوں میں ختم کرائے۔ خاندانی بزرگوں کی دعا، فیضان نظر اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم سے ہی محدث اعظم ہند نے روزانہ ایک پارے کے حساب سے ناظرۂ قرآن پڑھا:ـ

ایں سعادت بزور باز ونیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

پھر خوش خطی، ریاضی اور اردو، دینیات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد کافیہ تک فارسی عربی کی کتابیں اپنے والد ماجد علامہ سید شاہ نذر اشرف اشرفی علیہ الرحمہ سے پڑھیں، والد گرامی بھی ایک باصلاحیت مدرس، ماہر حکیم، مناظر اور شاعر و مصنف تھے۔

پھر دو سال بیماری کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ بند رہا، صحت یابی کے بعد گھریلو تعلیم بند ہوگئی اور آگے کی باضابطہ درس گاہی تعلیم کے لیے مدرسہ نظامیہ فرنگی محلی لکھنو میں داخلہ لیا اور علامہ عبدالباری فرنگی محلی سے آٹھ سال کی مدت میں ۱۹۰۷ء میں (بعمر چودہ سال تقریبا) درس نظامیہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کرلی۔

علامہ عبدالباری فرنگی محلی کی نظر میں: محدث اعظم ہند نے ذہانت کے ساتھ حافظہ بھی بہت قوی پایا تھا، اکثر متون زبانی یاد ہوجاتے تھے، محدث اعظم ہند کے سوانح نگار مولانا ذاکر حسین اشرفی مصباحی لکھتے ہیں:

''عقائد نسفی، شمسیہ، منار، ازبر تھے، مقامات حریری کے اکثر مقامات ذہن نشین تھے، امام الوقت بحر العلوم حضرت علامہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ آپ کا بہت ہی قدر واحترام کرتے تھے''۔ (حیات محدث اعظم ہند ص ۳۵، ۳۶)

مفتی لطف اللہ علی گڑھی کی نظر میں: محدث اعظم ہند مدرسہ نظامیہ فرنگی محلی لکھنو میں منقولات کی متداول کتب درسیہ اور معقولات کی کچھ کتب درسیہ کی تعلیم سے فراغت کے بعد معقولات میں اختصاص پیدا کرنے کے لیے استاذ العلما علامہ مفتی لطف اللہ علیہ الرحمہ کے پاس علی گڑھ چلے گئے اور ان سے شرح تجرید اور الافق الامبین جیسی معقولات کی اہم اور مشکل کتابوں کا درس لیا، اور معقولات میں رسوخ وکمال پیدا کیا، آپ کی ذہانت وصلاحیت کا اعتراف آپ کے استاذ مفتی لطف اللہ صاحب کو بھی تھا، چنانچہ مفتی صاحب نے تحریری طور سے آپ کو ''علامہ'' کے خطاب سے نوازا، سوانح نگار لکھتا ہے:

''حضرت استاذ زمن مفتی لطف اللہ صاحب نے آپ کی خداداد استعداد وصلاحیت دیکھ کر آپ (محدث اعظم ہند) کو جو سند فراغ مرحمت فرمائی، اس میں آپ کے نام کے ساتھ ''علامہ'' تحریر فرمایا''۔

(حیات محدث اعظم ہند، ص: ۳۶)

مفتی لطف اللہ صاحب جیسے استاذ الاساتذہ کا محدث اعظم ہند کو طلب علم سے فراغت کے ساتھ ہی میدان عمل میں اترنے سے قبل ''علامہ'' کا خطاب دینا بہت غیر معمولی اور اہم واقعہ ہے، اور یہ محدث اعظم ہند کے کمال علم وفضل کی کھلی دلیل ہے۔

علامہ وصی احمد محدث سورتی کی خدمت میں: علی گڑھ میں معقولات میں اختصاص کرلینے کے بعد علم حدیث میں اختصاص کا خیال پیدا ہوا اور اس مقصد کے حصول کے لیے محدث اعظم ہند اپنے وقت کے مشہور اور جلیل القدر محدث حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ کی خدمت میں پیلی بھیت تشریف لائے اور محدث سورتی سے صحاح ستہ اور معانی الآثار وغیرہ کتب حدیث کا درس لیا اور تکمیل کے بعد محدث سورتی نے اپنے اس لائق شاگرد کو سند حدیث سے نوازا۔

محدث اعظم ہند بارگاہ امام احمد رضا میں: علم حدیث میں اختصاص کے بعد آپ نے اپنے مربی وسر پرست اور خسر و ماموں عالم ربانی واعظ لاثانی علامہ سید احمد اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ کی خواہش پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں فقہ وافتا میں مشق وممارست اور اختصاص کے لیے بریلی شریف تشریف لے گئے اور بڑی محنت سے دوسال تک اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے فتوی نویسی سیکھی، اس کا قصہ الملفوظ کے مرتب اور شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''ایک روز حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی (بریلی) تشریف لائے ہوئے تھے، رخصت کے وقت انھوں نے عرض کیا کہ مولوی سید محمد صاحب اشرفی (محدث اعظم ہند) اپنے بھانجے کو میں چاہتا ہوں کہ حضور کی خدمت میں حاضر کروں، حضور جو مناسب خیال فرمائیں ان سے کام لیں، ارشاد ہوا، ضرور تشریف لائیں، یہاں فتوے لکھیں اور مدرسے میں درس دیں، سید محمد اشرفی صاحب تو میرے شہزادے ہیں، میرے پاس جو کچھ ہے، وہ انھیں کے جد امجد (حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا صدقہ وعطیہ ہے-

(الملفوظ، حصہ اول، ص:۷۴،۷۵)

اعلیٰ حضرت کے ارشادات سے محدث اعظم ہند کے لیے حد درجہ محبت وشفقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا، ضرور تشریف لائیں، یہاں فتویٰ لکھیں اور ہمدردی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ فرمایا ''مدرسے میں درس دیں'' جب کہ اصل مقصود فقہ وافتا میں استفادہ کرنا اور اختصاص حاصل کرنا تھا، جیسا کہ دوسال کے اندر محدث اعظم ہند نے خاص طور سے بریلی میں یہی کام کیا، اور اپنائیت واحترام کے انتہائی جذبے کی جھلک ان جملوں میں دیکھیے فرماتے ہیں:

''سید محمد اشرفی صاحب تو میرے شہزادے ہیں'' اور ایسا کیوں نہ ہو کہ محدث اعظم ہند اولاد غوث اعظم تھے، اور اعلیٰ حضرت اپنے سارے فضل وکمال کو غوث اعظم ہی کا صدقہ سمجھتے تھے اور باوجود اس کے کہ محدث اعظم ہند ابھی نو فارغ تھے، بلکہ سلسلۂ تعلیم ابھی منقطع نہیں ہوا تھا کہ بریلی بھی طلب علم ہی کے لیے آئے تھے مگر اعلیٰ حضرت کو ان کی صلاحیت پر پورا اعتماد تھا، اس لیے فرمایا: ''مدرسے میں درس دیں'' اعلیٰ حضرت کے دور میں اعلیٰ حضرت کے مدرسے ''منظر اسلام'' میں درس دینا ہرایرے غیرے کا کام نہیں تھا-

حضرت علامہ عبد المقتدر بدایونی کی نظر میں: محدث اعظم ہند نے بریلی شریف میں دوسال فقہ وافتا میں ممارست اور پختگی حاصل کر لینے کے بعد آستانۂ قادریہ بدایوں شریف جا کر مقتدر اعظم حضرت علامہ مطیع الرسول عبد المقتدر قادری بدایونی قدس سرہ کی بارگاہ میں علم حدیث میں استفادہ کیا اور مزید رسوخ حاصل کیا، اور ان سے سند حدیث بھی حاصل کی، بقول سوانح نگار مقتدر اعظم ہی نے ۱۹۱۱ء میں ''محدث اعظم ہند'' کا خطاب دیا-(حیات محدث اعظم، ص:۱۱۷)

محدث اعظم ہند نے ۱۷؍سال کی قلیل مدت میں اپنا درسگاہی حصول علم کا کام مکمل کر لیا اور علم ظاہر پورے طور سے حاصل کر لیا-

اعلیٰ حضرت کی نظر میں: محدث اعظم ہند ایک اچھے مصنف اور صاحب قلم بھی تھے، علم پختہ ہو ہی چکا تھا، زبان وبیان پر زبردست قدرت بھی حاصل تھی، اعلیٰ حضرت کی حیات ہی میں آپ نے'' معارف القرآن'' کے نام سے قرآن کے اردو ترجمے کی شروعات کی، جب اعلیٰ حضرت نے ترجمہ ''معارف القرآن'' کے ابتدائی حصے کو دیکھا تو اس کے زبان وبیان سے اتنا متاثر اور خوش ہوئے کہ محدث اعظم ہند کو مخاطب کر کے تحسین فرمائی، فرماتے ہیں ''شہزادے! تم تو اردو میں قرآن لکھ رہے ہو''-(مقدمہ تفسیر اشرفی ج۱ص۱۵)

اعلیٰ حضرت نے یہ جملہ کہہ کر محدث اعظم ہند کی قرآن فہمی، تفہیمی صلاحیت اور زبان پر قدرت کو سراہا ہے، جو معارف القرآن اور صاحب معارف القرآن کی اہمیت وعظمت اور افادیت پر مہر ہے-

علم حساب میں بھی محدث اعظم ہند کو کامل دستگاہ حاصل تھی اور اس کی مدد سے علم فرائض کے مشکل سے مشکل مسائل کے جوابات آپ حل فرمادیا کرتے تھے، اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت کو محدث اعظم ہند کی صلاحیت پر پورا اعتماد تھا اور آپ نسبۃً بہت آسانی سے جواب لکھ دیتے، پھر اعلیٰ حضرت کی تصدیق حاصل ہوجاتی اور اعلیٰ حضرت داد بھی دیتے-

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

''ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا، چوں کہ اعلیٰ حضرت کی رائے میں مولانا سید محمد صاحب (محدث اعظم ہند) نے فن حساب کی تکمیل باضابطہ کی تھی، اور آنہ پائی کا حساب بالکل آسانی سے کرتے تھے

، لہذا یہ مناسخہ انھیں (محدث اعظم ہند) کے سپرد کیا گیا، مولانا سید محمد صاحب (محدث اعظم ہند) کا بیان ہے کہ ان کا سارا دن اسی مناسخے کے حل کرنے میں لگ گیا، شام کو اعلیٰ حضرت کی عادت کریمہ کے مطابق جب بعد نماز عصر پھاٹک میں نشست ہوئی اور فتاویٰ پیش کیے جانے لگے تو میں نے بھی اپنا قلم بند کیا ہوا جواب اس امید کے ساتھ پیش کیا کہ آج اعلیٰ حضرت کی داد لوں گا، پہلے استفتا سنایا:

’’فلاں مرا، اور اتنے وارث چھوڑے اور پھر فلاں مرا، اور اتنے وارث چھوڑے غرض پندرہ موت واقع ہونے کے بعد زندوں پر ان کے حقِ شرعی کے مطابق ترکہ تقسیم کرنا تھا، مرنے والے تو پندرہ تھے، مگر زندہ وارث کی تعداد پچاس سے اوپر تھی، استفتا ختم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: ’’آپ نے فلاں کو اتنا، فلاں کو اتنا حصہ دیا-

(محدث اعظم ہند فرماتے ہیں:) اس وقت کا میرا حال دنیا کی کوئی لغت ظاہر نہیں کرسکتی، علوم اور معارف کی یہ غیر معمولی حاضر جوابیاں جس کی کوئی مثال سننے میں نہیں آئی- (حیات اعلیٰ حضرت ج۱ص ۵۶، ۲۵۵ ترتیب جدید مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی)

گزشتہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے ظاہری علوم جن اساتذہ سے حاصل کیے وہ سات ہیں اور ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) والدہ ماجدہ سیدہ محمدی خاتون، جائس
(۲) والد ماجد علامہ سید نذر اشرف اشرفی جیلانی، جائس
(۳) امام وقت علامہ عبدالباری فرنگی محلی، لکھنو
(۴) استاذ الاساتذہ علامہ مفتی لطف اللہ، علی گڑھ
(۵) علامہ وصی احمد محدث سورتی، پیلی بھیت
(۶) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری، بریلی
(۷) علامہ شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری عثمانی، بدایوں

روحانی استاذ: جہاں تک باطنی اور روحانی علم کی بات ہے تو بظاہر ہم ظاہر بینوں کو کیا نظر آئے کہ کس نے؟ کیا کیا پڑھایا؟ اور کتنا دیا؟ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ بزرگ نانا حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان نے تربیت دی، پھر مزید بزرگ ماموں نے روحانی وعلمی نوازشات کے دروازے کھول دیے، قدرے تفصیل سوانح نگار کے لفظوں میں یہ ہے:

’’حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ نے اپنے مقدس نانا جان ......اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کی ایمائے نظر سے اپنے حقیقی ماموں ......عالم ربانی واعظ لاثانی اعلیٰ حضرت مولانا ابوالمحمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا پیر و مرشد منتخب فرمایا، اور آپ کی ارادت میں داخل ہوئے، سلوک وعرفان کی راہ میں تیرہ سال گذارے، اور زبردست مجاہدات وریاضات کیں، یہاں تک کہ اسم ذات اور اسم صفات کی ورد سے آپ میں آثار جہانگیری نمایاں ہوگئے، اعلیٰ حضرت (محدث اعظم ہند) قدس سرہ کے ماموں جان نے اپنے بھانجے پر روحانی وعلمی نوازشات کے تمام دروازے کھول رکھے تھے، لائق بھانجے نے شفیق ماموں کے اور مرید صادق نے مرشد برحق کے علمی وعرفانی اور روحانی خزانوں سے اپنے آپ کو خوب مالا مال کیا، یہاں تک کہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں تمام سلاسل کی مثال خلافت عطا کی گئی، اور وہ بھی مدینہ منورہ میں خاص مواجہہ شریف میں- ☐☐☐

(حیات محدث اعظم ہند، ص:۴۶)

محدث اعظم ہند کے اقوال

- محمد رسول اللہ صَلیَ اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کیے بغیر لا الہ الا اللّٰہ کا عرفان ممکن نہیں-
- اسلام محمد رسول اللہ صَلیَ اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اور سچی وفاداری کا دوسرا نام ہے-
- لا الہ الا اللّٰہ اسلام کا دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ اس دعوے کی دلیل ہے-
- دلیل کو سمجھے یا سمجھائے بغیر دعویٰ کی تائید اور تبلیغ کرنا کوئی دانش مندانہ فعل نہیں-
- اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت کا خیال جسم کو توانا بنا دیتا ہے-
- اسلام انسان کو عملی انسان بناتا ہے اور دینداری کی سند حسن کردار پر دیتا ہے-
- اسلام حقائق کے اعتراف کے ساتھ اپنے پیرو کو میدانِ عمل میں کھڑا کر دیتا ہے-
- اسلام کا درس ہے ’’جو کچھ مانا ہے اس کو کر کے دکھانا ہے-‘‘
- اسلام نے صاحب تخت وتاج، مسکین ومحتاج سب کے لیے مکمل لائحہ عمل دیا ہے-
- اسلام نے برتری کا مدار عمل صالح پر رکھ دیا ہے-

مولانا ملک الظفر سہسرامی☆

محدث اعظم ہند امام احمد رضا کی خدمت میں

یہ اس دور کی بات ہے جب روحانیت پر مادیت کا غلبہ نہ ہوا تھا- جب دلوں میں عشقِ رسول علیہ التحیۃ والثناء کی حرارت تیز تھی- جب بے عمل زندگی کا آغاز علی الاعلان نہ ہوا تھا- اس زمانے میں مادی ترقیات کا ایسا برق رفتار سلسلہ بھی نہ تھا- گلوبلائزیشن کا یہ ترقی یافتہ دور نہ تھا کہ پوری دنیا ایک مٹھی میں سمٹی ہوئی محسوس ہو- لوگ دور دراز کا سفر بھی بڑی مشقتوں کے ساتھ کرتے- سفر کی جدید سہولتوں سے محروم، اس دور میں بھی علم دین کا سودا مسلمانوں کے سر میں سمایا ہوا تھا- وہ اس سلسلے میں لمبے لمبے سفر کی ناقابل برداشت صعوبتوں کا خنداں پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کرتے تھے-

دہلی، لکھنؤ، کانپور، بدایوں، اجمیر اور بریلی میں مقتدر علماے کرام کی مسند تدریس بچھی ہوئی تھی- ایک دن خاتم المحدثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بزم تدریس سجی ہوئی ہے- تلامذہ زانوئے ادب تہہ کیے ہوئے ہیں- محترم استاذ کی زبان فیض ترجمان سے احادیث نبویہ کا درس جاری ہے- عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تروتازہ زبان معارف و معانی کے لعل و گہر لٹا رہی ہے- اثنائے گفتگو محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی زبان پر امام عشق و محبت فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت سیدی امام احمد رضا کا تذکرہ محویت کے ساتھ ہونے لگا اور ایسا بارہا ہوا کہ درمیانِ درس کسی زاویے سے محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی زبان پر اعلیٰ حضرات کا تذکرۂ جمیل آ جاتا- آج بھی اس امام عشق و محبت کے تذکرے میں محدث سورتی رطب اللسان ہو گئے- لیکن آج طلبہ کے درمیان درس حدیث لینے والے وہ کم عمر طالب علم اپنے تجسس کو قابو میں نہ رکھ سکے- ادب کے سارے تقاضوں کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کچھ عرض کرنے کی اجازت طلب کی- شفیق استاذ نے خاموش لہجے میں اجازت مرحمت فرمائی تو شاگرد عرض گزار ہوتے ہیں حضور گستاخی معاف! مجھے ایک بات آج سمجھ میں نہ آسکی میں نے سنا تھا کہ ''جو جس کا کھاتا ہے اسی کا گاتا ہے'' آپ کے تعلق سے مجھے علم ہے کہ آپ کو شرف بیعت حاصل ہے حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے لیکن آج تک آپ کی زبان سے ان کا تذکرۂ جمیل میرے ان کانوں نے نہیں سنا- البتہ امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت کا خطبہ آپ خوب والہانہ انداز میں پڑھتے ہیں- شاگرد کے اس سوال پر محدث سورتی علامہ وصی احمد علیہ الرحمہ نے جو جواب مرحمت فرمایا ہے وہ اگر اعلیٰ حضرت کے مقام علمی و فکری کے تعین میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے تو وہیں اس جواب نے شاگرد کے دل میں لگی ہوئی تجسس کی آگ کو سرد کرنے کی بجائے مزید بھڑکا دیا- محدث سورتی نے فرمایا- ''جب میں نے پیرومرشد سے بیعت کی تھی بایں معنیٰ مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان کا خاندان سمجھا جاتا تھا- مگر جب اعلیٰ حضرت سے ملنے لگا تو ایمان کی حلاوت مل گئی- اب میرا ایمان وہبی نہیں بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے-- جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں-'' محدث سورتی کے اس بیان پر شاگرد اپنے تأثرات کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حضرت کا انداز بیان اور چشم پرنم- مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی ''ولی را ولی می شناسد اور عالم را عالم می داند-'' شاگرد پھر عرض گزار ہوتے ہیں کہ حضور علم الحدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں؟ فرمایا ہرگز نہیں- پھر فرمایا ''شہزادے صاحب! آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے؟ سنیے کہ اعلیٰ حضرت امیر المومنین فی الحدیث ہیں- میں سالہا سال صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں گا-''

اعلیٰ حضرت کے علمی مقام و مرتبہ کا خطبہ آپ نے اپنے استاذ محترم اور وقت کے عظیم محدث کی زبان سے بایں انداز سنا تو پھر دل بریلی کی طرف کھنچنے لگا- محدث سورتی حضرت علامہ وصی احمد علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں اپنے تجسس کا اظہار فرمانے والے یہ طالب علم تھے حضرت علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان-

آیئے اب بریلی شریف کی اس معروف درس گاہ میں جہاں علوم و معارف کے لولو و مرجان اعلیٰ حضرت کی زبان فیض ترجمان سے لٹائے جارہے ہیں، وہاں ان سیدزادے کی تعلیم و تربیت کے لیے اعلیٰ حضرت

☆Mohtamim:Madrasa Khairia Nizamia,Bara Dari,Sasaram,Distt Rohtas(Bihar)

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے کیسا اہتمام فرمایا- لکھنؤ میں آٹھ سال قیام کے سبب وہاں کی خوبو حضرت محدث اعظم ہند میں اچھی خاصی تھی- عمر بھی بہت زیادہ نہ تھی- جمعہ اسلامی درسگاہ کے معمول میں فرصت کا دن ہوتا ہے، اس دن کے لیے پہلے سے ہی ذہنی طور پر منصوبہ بندی ہو چکی تھی- بریلی کا جغرافیہ بھی لوگوں سے معلوم کر رکھا تھا- اس مقصد کی تکمیل کے لیے نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے پچھلی صف کا انتخاب کیا- نماز و دعا مکمل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے حضرت محدث اعظم ہند کا نام لے کر لوگوں سے دریافت فرمایا- چونکہ بریلی میں حضرت محدث اعظم ہند نو وارد تھے، اس لیے لوگ آپ سے ناواقف تھے، لاعلمی کی بنا پر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے- آخرش اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ خود کھڑے ہو گئے اور مسجد کے دروازے پر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آ کر ان سے مصافحہ کیا اور اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت محدث اعظم ہند فرماتے ہیں کہ ''میں تھرا کر گر پڑا-'' اعلیٰ حضرت پھر مصلیٰ پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے- مسجد کے ایک ایک شخص نے اسے دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا-

تربیت کا یہ انوکھا اور نرالا طریقہ کیا رنگ لاتا ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں- حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''میں نے بازار و کتب خانے کی سیر کو طے کر رکھا تھا- شام کو جب چلا تو شہادت گنج کے موڑ پر پہلے پان کھانے کی خواہش ہوئی- ابھی پان والے سے کہا بھی نہ تھا کہ ہر طرف سے السلام علیکم آئیے اور مجھ کو جواب دینا پڑا، اب پان والے کی دکان کے سامنے کھڑا ہونا بھی میرا دشوار ہو گیا- سلام و مصافحہ کی برکت نے میرا سارا پروگرام ختم کر دیا- وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بریلی کا ذکر نہیں، کلکتہ، بمبئی، مدراس میں بھی پا پیادہ نہیں بلکہ موٹر میں بیٹھ کر بھی سید بازار کے لیے نہیں نکلا- تربیت کا کیسا انوکھا اور پیارا انداز تھا کہ ایک سلام و مصافحہ سے لکھنؤ کی ساری خوبو ہوا ہو گئی-

محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ تربیت افتا کے لیے اس فقیہ اعظم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے لیکن اعلیٰ حضرت کی تعلیم و تربیت نے کچھ ایسا رنگ جمایا کہ پھر سارے رنگ پھیکے پڑتے نظر آئے اور کہنے والے کہنے پر مجبور ہو گئے- ''زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہو گئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پا لیا ہے- علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ و پے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا یہ وہ کرامت تھی جو ہر منٹ پہ صادر ہوتی رہتی تھی-''

کارِ افتا کی تربیت حاصل کرنے کے دوران حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے تبحر علمی، وسعت فکری اور خداداد صلاحیتوں کا جو کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا، اس نے حضرت محدث اعظم ہند کو اعلیٰ حضرت کا گرویدہ بنا دیا- اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ عصر و مغرب کے درمیانی وقفے میں زیر تربیت مفتیان کرام کے فتوے سماعت فرماتے، مصنفین کی تصانیف دیکھتے، زبانی سوال کرنے والوں کے سوالات سماعت فرماتے اور یہ سب کچھ بیک وقت ہوتا جو کسی بھی طرح کرامت سے کم نہیں- اس پر حضرت محدث اعظم ہند کا بیان ملاحظہ فرمائیے ''عادت کریمہ تھی کہ استفتا ایک ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے پھر عصر و مغرب کی درمیانی مختصر ساعت میں ہر ایک سے استفتا پھر فتوے سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے- اسی وقت مصنفین اپنی تصانیف دکھاتے، زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو کہیں، جو سنانا ہو سنائیں، اتنی آوازیں اور اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا، جوابات کی تصحیح و تصدیق، مصنفین کی تائید و تصحیح و اغلاط، زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے-''

فقہی جزئیات کا استحضار کارِ افتا میں کس قدر اہم و ضروری ہے- وہ اہلِ فن پر پوشیدہ نہیں- اعلیٰ حضرت کو فقہی جزئیات پر کس قدر عبور تھا اس کا ایک نظارہ کرنے کے لیے محدث اعظم ہند کی مشاہداتی عینک نے جو دیکھا ہے اس کی ایک جھلک آپ بھی ملاحظہ کرتے چلیں- ''یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لیے جزئیات فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے- اسی وقت فرما دیتے رد المحتار جلد فلاں کے صفحۂ فلاں کی سطر فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے- درِ مختار کے فلاں صفحہ کی فلاں سطر میں یہ عبارت ہے- عالمگیری میں بہ قید جلد و صفحہ و سطر یہ الفاظ موجود ہیں- ہندیہ میں خیریہ میں مبسوط میں ایک ایک کتاب فقہ کی اصلی عبارت بقید صفحہ و سطر ارشاد فرما دیتے- اب جو کتابوں میں جا کر دیکھتے تو صفحہ و سطر و عبارت وہی پاتے جو زبانی

اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا-‘‘

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس استحضار علمی پر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ سیدی اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کا شاندار خطبہ ہے- وہ فرماتے ہیں ’’اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو چودہ سو برس کی ساری کتابیں حفظ تھیں- یہ چیز بھی اپنی جگہ حیرت انگیز ہے مگر میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ قرآن کریم نے سالہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا، روزانہ دہرایا، ایک ایک دن میں سو بار دیکھا، حافظ ہوا محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا، حفظ کے بعد سالہا سال مشغلہ رہا- ہوسکتا ہے کہ کسی حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو مگر ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہوسکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیت قرآنیہ کو سن کر اتنا یاد رکھیں کہ ان کے پاس جو قرآن کریم ہے اس میں یہ آیت کریمہ داہنی جانب ہے یا بائیں جانب ہے گو یہ بھی بہت نادر چیز ہے مگر یہ تو عادۃً محال اور بالکل محال ہے کہ آیت قرآنیہ کے صفحہ وسطر کو بتایا جاسکے، تو کوئی بتائے کہ تمام کتب متداولہ وغیر متداولہ کے ہر جملے کو بقید صفحہ وسطر بتانے والا اور پورے اسلامی کتب خانے کا صرف حافظ ہی ہے یا وہ اصلی کرامت کا نمونۂ ربانیہ ہے، جس کے بلند مقام بیان کرنے کے لیے اب تک ارباب لغت واصطلاح لفظ بنانے سے عاجز رہے ہیں-‘‘

علم الفرائض میں مناسخہ جب زیادہ بطون پر مشتمل ہو تو مفتی کے لیے ایک بڑا دردِ سر ہوتا ہے- محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے علم الحساب کی تعلیم چونکہ اسکول میں حاصل کی تھی لہٰذا فرائض سے متعلق جو سوالات ہوتے وہ انہیں سپرد کر دیے جاتے- ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پندرہ بطون پر مشتمل ایک استفتا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے سپرد کر دیا گیا- دو رات ایک دن کی مسلسل محنت کے بعد اس کا جواب تحریر فرما کر حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں استصواب کے لیے پیش کیا- اب اس سلسلے کی مزید تفصیل محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں- ’’نمازِ عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتا سناؤں، وہ بہت طویل تھا- فلاں مرد اور فلاں فلاں کو وارث چھوڑا پھر فلاں مرد اور اس نے اتنے وارث چھوڑے- اس میں صرف ناموں کی تعداد اتنی بڑی تھی کہ فل اسکیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے- جب یہ استفتا میں پڑھ رہا تھا تو دیکھا کہ اعلیٰ حضرت کی انگلیاں حرکت میں ہیں- ادھر استفتا ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا درجنوں لوگوں کا نام بنام حصہ بتا دیا- اب میں حیران وششدر کہ استفتا کو پہلی مرتبہ تو میں نے پڑھا ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلم بند کیا- لیکن مجھ سے جب سب الاحیا کا نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتا اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا-

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علم وفکر کی برکھا برسات میں فیضیاب ہونے والوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا- حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فیض بخشیوں کے اس نورانی سلسلے کا مشاہدہ بہت قریب سے فرمایا- اس لیے ان کے بیان کا مقام ایک مشاہد کی حیثیت سے بہت اہم ہے- وہ فرماتے ہیں: ’’روز کا معمول تھا کہ فلکیات وارضیات کے ماہرین اپنے علمی مشکلات کو لے کر آتے اور دم بھر میں حل فرما کر ان کو شاد شاد رخصت فرما دیتے- میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ماہرین فن آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا یہ اس کا حل پہلے سے فرمائے ہوئے تھے-‘‘

اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی پہ ریسرچ وتحقیق کے لیے آج عالمی جامعات کے دروازے کھل چکے ہیں- آپ کی بارگاہِ علم وفضل میں بڑے بڑوں نے خراج عقیدت پیش کیا ہے- تیرہویں صدی عیسوی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو اپنے علم وفکر کی انفرادیت کی بنیاد پر ہندوستان کے چھوٹے سے شہر سے اٹھی اور پھر دیکھتے دیکھتے دنیا کے علمی آفاق پر کچھ اس طرح چھائی کہ آج وہ علم وفکر کا ایک روشن اشاریہ سمجھی جانے لگی- حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اس آفاقی شخصیت کے علم وفکر کی جولان گاہ میں بیٹھ کر جو تاثرات اخذ فرمائے، اسے زبان وبیان کی یوں قوت عطا فرمائی- ’’ایک بار صدرا کے مایۂ ناز حماری وشکل عروسی کے بارے میں مجھ سے سوال فرما کر جب کتابی جواب کی صحت دیکھی تو اپنی تحقیق بیان فرمائی، تو میں نے محسوس کیا کہ حماری کی حماریت بے پردہ ہوگئی اور عروسی کا عروس ختم ہوگیا- مسئلہ بخت واتفاق شمس بازغہ کا سرمایہ تفلسف ہے مگر اس بارے میں اعلیٰ حضرت کے ارشادات جب مجھے ملے تو اقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود آج ہوتے تو اعلیٰ حضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے- اعلیٰ حضرت نے کسی ایسے نظریے کو کبھی صحیح سلامت رہنے نہیں دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے- اگر آپ وجودِ فلک

کو جاننا چاہتے ہوں اور زمین و آسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہتے ہوں اور سیاروں کے بارے میں **کل فی فلک یسبحون** کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیٰ حضرت کے رشحات قلم ہیں اور یہ راز آپ پر کھلتا جائے گا کہ منطق و فلسفہ و ریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پہ کج رفتار ہو جاتے ہیں۔‘‘

اعلیٰ حضرت کے ہمہ جہت علوم پر محدث اعظم ہند نے جو شاندار تبصرہ فرمایا ہے وہ اعلیٰ حضرت کے فضل علم و فکر کا روشن اشاریہ ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے کنز الایمان کے نام سے اردو زبان میں جو شاہکار ترجمۂ قرآن فرمایا ہے، اس سے اعلیٰ حضرت کے علم القرآن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ امر بھی اتنا آسان نہیں کہ ہر کہہ و مہہ اس پر اپنا تبصرہ تحریر کر سکے۔ اس کے لیے بھی گہرا علم و مطالعہ درکار ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے علم القرآن کے حوالے سے مختصر الفاظ میں جو تبصرہ بیان فرمایا ہے، اپنے آپ میں وہ اتنا لاجواب ہے کہ بڑے سے بڑا تبصرہ اس مختصر سے تبصرے کے سامنے پھیکا اور بے رنگ نظر آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ’’علم القرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس ترجمۂ قرآن سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے، نہ فارسی میں اور نہ اردو میں۔ اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا الفاظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر در حقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے۔‘‘

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت کے علم حدیث کے حوالے سے جو اپنے ذاتی تاثرات بیان فرمائے ہیں، وہ جہاں اعلیٰ حضرت کے تبحر علمی کے گواہ ہیں، وہیں صاحب بیان کی وسعتِ علمی کی دلیل بھی۔ وہ فرماتے ہیں ’’علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں بروقت پیش نظر۔ اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر۔ علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحیٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقہ اور اسناد اور شاگرد کا نام بتا دیا جاتا تو اس فن کے اعلیٰ حضرت خود موجد تھے کہ طبقہ و اسما سے بتا دیتے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح۔ اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت۔‘‘

درج بالا تبصرے کی ایک ایک سطر زبان حال سے شہادت پیش کر رہی ہے کہ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اس ذات و شخصیت کی وسعت علمی کا قریب رہ کر گہرا مطالعہ کیا۔ اس بیان کی گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی وسعت علمی کا بھی قائل ہونا پڑے گا۔

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو جس قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس میں ایک شاگرد رشید کی سعادت مندیوں کی جھلک تو ہے ہی، لیکن اسی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے مقام علم و فکر کی وسعتوں، گہرائیوں اور خداداد صلاحیتوں کا بھی مکمل عمل دخل رہا ہے۔ چنانچہ شوال ۱۳۷۹ھ میں ناگپور کے اس عظیم الشان اجلاس میں جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے جشن یوم ولادت کے موقع پر منعقد ہوا، اس میں منصب صدارت سے حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے علم و فکر پر جو علمی و فکری خطبہ پیش فرمایا ہے وہ یقیناً اس بات کا بین ثبوت ہے۔ اعلیٰ حضرت کے تعارف میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں: ’’ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اس مہینے کی یادگار منانے کے لیے یک جا ہوئے ہیں، جس مہینے میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب، علم کا جبلِ شامخ اور عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریائے ناپیدا کنار، اہل سنت کا امام، واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب و عجم مجدد، تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، دولت فقہ و درایت میں امیر المومنین اور سلطنت قرآن و حدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین، اعلیٰ حضرت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، مجدد مأة حاضرة، موئد ملت طاہرہ، اعلم العلماء عند العلما، و قطب الارشاد علیٰ لسان الاولیاء مولانا و فی جمیع الکمالات اولانا فانی فی اللہ والباقی باللہ عاشق کامل رسول اللہ مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ و

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کے قدم اول اول اس خاکدان دنیا میں جلوہ فرما ہوئے- ’’

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت کے اوصاف حمیدہ کے بیان میں ایک ایک لفظ نگینے کی طرح جڑ دیا ہے- مختصر الفاظ میں اعلیٰ حضرت کی جو تصویر کشی کی ہے، مکمل طور پر وہ آپ کا عکس و آئینہ محسوس ہوتا ہے- حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو ہمہ جہت علوم کے ماہر اور آفاقی شخصیت کی حیثیت سے دیکھا، سمجھا اور کھلی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا- وہ فرماتے ہیں:

‘‘تیرہویں صدی کی یہ وہ واحد شخصیت تھی، جو ختم صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتاب فضل و کمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پر چھا گئی اور چودہویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں اس کو حق و صداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا- میری طرح سے سارے حل و حرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل و کمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا- ’’

اپنے اس بیان پر بطور استشہاد حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی معیت میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین کی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری کا واقعہ نقل فرمایا- ‘‘مولانا سید سلیمان اشرف بہاری مرحوم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کو لے کر جب اس لیے حاضر خدمت ہوئے کہ ایشیا بھر میں ڈاکٹر صاحب ریاضی و فلسفے میں فرسٹ کلاس کی ڈگری رکھتے ہوئے ایک مسئلہ کو حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگا کر بھی حل نہ کرنے پائے تھے اور فیثا غوثی فلسفۂ کشش ان پر چھایا ہوا تھا تو اعلیٰ حضرت نے عصر و مغرب کی مختصر درمیانی ساعت میں مسئلہ کا حل بھی قلم بند کرا دیا اور فلسفۂ کشش کی کھینچ تان کو بھی ختم فرما دیا- جو رسالے کی شکل میں چھپ بھی چکا ہے- اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ان کو کوئی یورپ کا تھیوریوں والا درس دے رہا ہے یا اسی ملک کا کوئی حقیقت آشنا سبق پڑھا رہا ہے- انہوں نے اس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً یوں کہا تھا کہ ‘‘اپنے ملک میں جب معقولات کا ایسا اکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جا کر جو کچھ سیکھا اپنا وقت ضایع کیا- ’’

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے اس ضمن میں اپنا ایک مشاہدہ بھی پیش فرمایا- وہ بیان فرماتے ہیں ‘‘اعلیٰ حضرت نے نماز عصر کے لیے وضو فرماتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ... عرض شجرہ کا حساب یونانیوں نے جس وتد سے کیا تھا اب دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یونان بلکہ دنیا کے ہر پہاڑ سے بلند کوہ ہمالیہ کی ایورسٹ چوٹی ہے، کیا اس سے حساب لگا دو گے- میں نے دو دن کی مہلت مانگی اور رات و دن صفحات کو سیاہ کرتا رہا جب صحیح حساب تیار کر کے حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا آپ کا جواب یہ ہے؟ میں نے ہاں تو عرض کر دیا مگر حیران تھا کہ جس حساب میں میرا مغز سر سوکھ گیا وہ برجستہ ارشاد فرمانے والا صرف ایک عالم ہے یا وہ ایسا ہے کہ لغت میں اس کے اظہار کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں ہے- میرے صحیح جواب پر جو دعائیں فرمائیں آج وہی میرے لیے سب کچھ ہیں- ’’

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں جہاں دوسروں کو لب کشائی کی جرأت نہ تھی- جہاں بڑے بڑے ناطقوں کی زبانیں گنگ ہو جایا کرتی تھیں وہیں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو ایک مقام امتیاز حاصل تھا جس کی بنا پر کبھی کچھ سوالات کر گزرتے- لیکن اعلیٰ حضرت کے جواب میں جو نیاز مندی، عاجزی اور انکساری کا اظہار ہوتا وہ خود اپنے آپ میں ایک مستقل باب کا دلچسپ عنوان ہے- اس سلسلے میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ایک دو واقعات بیان فرمائے ہیں-

‘‘میں اس سرکار میں کس قدر شوخ بنا دیا گیا تھا- اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی چارپائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا حضور! کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا، جس کا علماے کرام میں نشان بھی نہیں ملتا- مسکرا کر فرمایا کہ میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فیض کرم ہے اور کچھ نہیں- ’’ مجھے اپنی یہ شرارت یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتا دیتے اور مزید حوالے عطا فرماتے مع صفحہ و سطر و عبارت نوٹ کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی لفظ و نقطے کی بھول ہو جائے- مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرار صالح اپنا بیان دیتا ہوں کہ میری شریرانہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی- ’’

اعلیٰ حضرت کی تعلیم و تربیت کے فیضان نے حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کو جس انداز میں سجایا سنوارا، وہ افادہ و استفادہ کی ایک شاندار مثال ہے، اب درس گاہوں کی وہ رونقیں کہاں باقی رہیں- نہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ جیسے مربی استاذ مسند تدریس کی زینت ہیں، نہ ہی شاگردوں میں حضرت محدث اعظم ہند جیسی شخصیات- ☐☐☐

مولانا دلشاد احمد قادری☆

محدث اعظم کے استاد محترم

سرکار صاحب الاقتدار مولانا شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی

سرکار صاحب الاقتدار حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ کی ولادت دوشنبہ ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۳ھ کو مولوی محلّہ بدایوں شریف میں مشہور علمی اور روحانی خاندان خانوادہ قادریہ عثمانیہ میں ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت تاج الفحول مظہر حق مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہ اور جد محترم سیف اللہ المسلول معین الحق مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی ہیں، جد محترم حضرت معین الحق شاہ فضل رسول قدس سرہ کو پوتے کی ولادت کی خوش خبری دی گئی، تو حضرت نے نومولود کا تاریخی نام ''غلام پیر'' رکھا - قلمدان منگا کر حفاظت کے لیے تعویذ لکھا اور فرمایا ''یہ گلے میں ڈال دیا جائے، بڑے ہو کر اپنے بازو پر باندھیں گے''، ان صاحبزادہ گرامی کا نام عبدالمقتدر رکھا، اسی کے ساتھ ان کے دوسرے بھائی کی بشارت بھی دی - ان کے لیے بھی تعویذ لکھا کہ ''اسے محفوظ رکھا جائے، جب یہ بچہ پیدا ہو تو اس کے گلے میں ڈالا جائے، بڑا ہو کر وہ اپنے بازو پر باندھے گا، اس لڑکے کا نام ہم نے عبدالقدیر رکھ دیا'' -

تعلیمی مراحل اور اساتذہ: حضرت تاج الفحول نے آپ کی تعلیم و تربیت میں خصوصی توجہ فرمائی، درسیات کی اکثر کتابیں خود حضرت تاج الفحول سے ہی اخذ فرمائیں، بعض منتہی کتابیں مولانا نور احمد قادری بدایونی (تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی) سے پڑھیں، کچھ کتابوں میں علامہ محبّ احمد قادری بدایونی (تلمیذ حضرت تاج الفحول) سے بھی استفادہ کیا - ۱۵/ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کی -

تدریسی خدمات اور تلامذہ: درسیات سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی خاندانی روایت کے مطابق مدرسہ قادریہ کی مسند تدریس کو زینت بخشی، ایک جہان نے آپ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی، یہ سلسلہ وصال سے آٹھ دس سال قبل تک جاری رہا، آپ کے بے شمار تلامذہ میں چند نام حسب ذیل ہیں (۱) مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی (مفتی اعظم بمبئی) (۲) مفتی حسین احمد قادری بدایونی (مفتی ریاست پہاسو) (۳) مولانا عبدالمجید قادری آنولوی (صدر مدرس مدرسہ منظر حق ٹانڈہ) (۴) مجاہد آزادی مولانا عبدالماجد قادری بدایونی (۵) مولانا یعقوب بخش راغب (صدر شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) (۶) مولانا مفتی قدیر بخش قادری (مفتی جے پور) (۷) مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی (صدر المدرسین و مفتی مدرسہ قادریہ بدایوں) (۸) محدث اعظم ہند حضرت سید محمد کچھوچھوی (۹) حضرت مولانا عاشق الرسول محمد عبدالقدیر قادری بدایونی (مفتی اعظم ریاست حیدرآباد) (۱۰) تاج العلما حضرت مولانا محمد میاں برکاتی مارہروی (۱۱) مترجم قرآن مفتی عزیز احمد قادری بدایونی ثم لاہوری (۱۲) پروفیسر ضیا احمد صدیقی بدایونی (صدر شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

تقویٰ و پرہیز گاری: سرکار مقتدر تقوی، پرہیز گاری اور للٰہیت کا ایسا پیکر تھے کہ ان کو دیکھ کر متقدمین صوفیا اور اہل اللہ کی یاد تازہ ہوتی تھی، آپ کے مقام کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے والد اور شیخ حضرت تاج الفحول جو علم و فضل اور ولایت و روحانیت میں یگانہ عصر تھے، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مولوی عبدالمقتدر میرے بیٹے اور مرید ہیں مگر ان کا تقویٰ اور صفائے باطن کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ کاش میں ان کا مرید ہوتا - ایک مرتبہ علی گڑھ میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری کی مجلس میں اہل علم موجود تھے، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، نواب صدر یار جنگ بھی موجود تھے، بات اسلاف اور اکابر صوفیہ کی ریاضتوں اور مجاہدات کی ہو رہی تھی، سید سلیمان اشرف صاحب نے فرمایا کہ اگر قرون اولیٰ کے اکابر کا تقویٰ، پرہیز گاری اور خدارسیدگی دیکھنا ہو تو بدایوں جا کر مولانا عبدالمقتدر صاحب کو دیکھ لیجیے - ایک زمانے کے بعد جب مدرسہ قادریہ کے ایک جلسے میں نواب حبیب الرحمٰن شیروانی تشریف لائے تو انہوں نے یہ بات اپنی تقریر میں کہی تھی - یاد الٰہی میں استغراق ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کا وصال فجر کی نماز میں عین سجدے کی حالت میں ہوا -

تصنیفی خدمات: تدریس اور معمولات و اشغال میں مصروفیت کی وجہ سے آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں فرمائی، آپ کی قلمی کاوشوں میں صرف دو چیزیں یادگار ہیں، مجاہد

☆Madrasa Alia Qadria,Molvi Mohalla,Budaun(U.P)

انقلاب آزادی مولانا فیض احمد قادری بدایونی کی ''المقامۃ البغدادیہ'' اور ''الہدیۃ القادریہ'' پر آپ نے فارسی زبان میں حاشیہ تحریر فرمایا جو مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ آپ نے تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباس کا اردو ترجمہ کیا، جو پہلے پاکستان سے مفتی عزیز احمد قادری بدایونی کے ترجمہ قرآن کے ساتھ شائع ہوا اس کے بعد ادارہ مظہر حق بدایوں نے اس کو ۱۹۸۶ء میں شائع کیا، اس کے بعد سے ہندو پاک سے مختلف اداروں کے ذریعے شائع ہو رہا ہے-

شعری ذوق: شعری ذوق خاندانی ورثے میں ملا تھا، عربی، فارسی اردو تینوں زبانوں میں شعری نگارشات موجود ہیں، لیکن صرف ابتدائی زمانے میں آپ نے طبع آزمائی فرمائی، بعد میں استغراقی کیفیت کے زیر اثر شعر و سخن سے بالکل کنارہ کرلیا، آپ کا فارسی اور اردو کلام عرس قادری بدایوں شریف کی رودادوں ''بہار بے خزان ہدایت'' (۱۲۹۸ھ) وغیرہ میں موجود ہے- یہاں ہم نمونے کے طور پر آپ کی دو عربی منظومات پیش کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں-

سراج السالکین سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ نے ۱۳۰۹ھ میں ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' تصنیف فرمائی، ۱۳۱۳ھ میں یہ کتاب پہلی مرتبہ وکٹوریہ پریس بدایوں سے شائع ہوئی، سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے دو تقریظیں عربی نظم میں تحریر فرمائیں، پہلی تقریظ کے آخر میں سراج العوارف کا سنہ تصنیف (۱۳۰۹ھ) برآمد ہوتا ہے اور دوسری تقریظ کے آخری مصرع میں سنہ طبع (۱۳۱۳ھ) کی طرف اشارہ ہے- (دیکھیے سراج العوارف، ص: ۱۲۴/ ۱۲۵ طبع اول وکٹوریہ پریس بدایوں (۱۳۱۳ھ) یہ دونوں تقریظیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

بشری لکم اقبلوا طلّاب خیرات
فالدھر حف بانوار و نفحات
ھذی ریاض الحمیٰ طابت مزخرفة
فیھا تغرّد ورقاء المسرّات
ھذا زمان بدا فیه الھدی وغدا
فیه ضلال الوری منکوس رایات
طوبیٰ لنا معشر الایمان انَّ لنا
من برج معرفة شمس الھدایات
ابدیٰ سراجا من العرفان والحکم
مولی الندی والھدا رب الکرامات
نور الوری احمد النُّوری ذو کرم
ابو الحسین الذی جاء بایات
ھو الذی احرق الطغوی بوارقه
ونضّر الحق من مزن الھدایات
ھذا موید دین اللّٰه مجتھدا
مذیع اسرار عرفان زکیات
اروی الخوارج والرفاض صارمه
عذابه اھل تفضیل کأ موات
ھٰذا منیر سراج العلم والحکم
اکرم به من سراج ذی الھدایات
اعظم به من کتاب واضح وھدیً
ینجی الوری من اباطیل الضلالات
ان شئت ادارک عام فیه قد ظھر
قل فی البرایا بدا شمس السعادات
(۱۳۰۹ھ)

تاریخ طبع

انظر الدھر یا اولی الابصار
طیبا قد صفا عن الاکدار
من سراج العوارف التمع
صنعه نور الاله فی الامصار
محرق الغی مبطل الاھوا
مثبت الحق مظھر الآثار
کیف لا قد افاده سند
العارفین و قدوة الاخیار
قدوة الکون احمد النوری
نور قلب الکرام والابصار
فاز فی الدھر حزبه ابداً
بصنوف الفتوح والاوطار
نور الکون شمس معرفة
وتجلت بوارق الاسرار

ذات سقر معظم هاد
للبرايا الى حمى الانوار
مهلک للخوارج الفجرة
قاصم للروافض الاشرار
قبلة المجد کعبة الاکرام
زين وجه الدهور والاعصار
دام بالفضل والافادات
قامعاً راس بدعة الفجّار
وغدا منکروه اهل هوىً
حائرين بمهمة الاخطار
قال عام انطباعهٖ ذهنی
قد تجلت بدائع الانوار
(۱۳۱۳ھ)

وصال: وصال سے ایک روز پہلے آپ نے اپنے چھوٹے بھائی اور مرید وخلیفہ حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی کو کچھ خاص وصیتیں اور نصیحتیں فرمائیں، کچھ مخصوص اوراد کی تلقین کی، صبح فجر کی نماز کی تیاری کی، مگر کمزوری اور طبیعت میں گرانی کی وجہ سے گھر میں ہی نماز ادا کرنے کا ارادہ کیا، فجر کی سنتیں ادا فرمائیں، پھر فرض کی نیت باندھی، دوسری رکعت کے آخری سجدے میں تھے کہ جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

تھی محویت خدا سے یہ راز و نیاز میں
سجدہ کیا تو جان بھی دے دی نماز میں

آپ کا وصال ۲۵/محرم الحرام ۱۳۳۴ھ مطابق ۴/دسمبر ۱۹۱۵ء سنیچر کے دن ہوا۔

محدث اعظم ہند اور مدرسہ قادریہ: فرنگی محل اور دیگر مراکز علم سے اکتساب علم کے بعد حضرت محدث اعظم حصول علم کے لیے مدرسہ عالیہ قادریہ میں رونق افروز ہوئے اور حضرت مطیع الرسول مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ کے سامنے علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث میں زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور سند فراغت حاصل کی، اپنے بدایوں آنے اور حصول علم کا تذکرہ ایک مرتبہ خود حضور محدث اعظم نے ایک تقریر میں فرمایا تھا، یہ بات ۱۹۵۴ء/۱۹۵۵ء کی ہے راقم سطور کے وطن قصبہ آنولہ (ضلع بریلی) میں حضرت محدث اعظم کے بے شمار دست گرفتہ اور محبین تھے، اب بھی سلسلہ اشرفیہ کے وابستگان کافی تعداد میں ہیں، جب کہ قصبہ آنولہ میں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے وابستگان ومعتقدین قدیمی زمانے سے کثیر تعداد میں ہوتے چلے آرہے ہیں، ان ہی وابستگان میں صوفی میاں جان قادری بھی تھے جو ہر سال بڑے پیمانے پر اپنے پیرومرشد حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری بدایونی قدس سرہ کی یاد میں جلسہ کروایا کرتے تھے، اسی جلسے میں ایک مرتبہ حضور محدث اعظم کو مدعو کیا گیا، جلسے کی صدارت حضرت عاشق الرسول مولانا شاہ عبدالقدیر قادری بدایونی فرما رہے تھے، اس جلسے میں حضور محدث اعظم نے دوران تقریر فرمایا تھا کہ ''جو لوگ جانتے ہیں وہ جانتے ہیں جو نہیں جانتے وہ جان لیں۔ آج سے ۴۰/۴۵ سال پہلے کچھوچھہ شریف کا ایک لڑکا مدرسہ قادریہ میں پڑھتا تھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ میں ہی تھا، میں جب فرنگی محل سے فارغ ہوا اور اپنے نانا حضور اشرفی میاں کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم نے سند فراغت حاصل کرلی ہے مگر ہم تمہیں اس وقت عالم مانیں گے جب حضرت تاج الفحول کے جانشین مولانا عبدالمقتدر بدایونی تمہیں سند دیں گے، اس کے بعد میں بدایوں حاضر ہوا اور حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی صاحب سے حدیث پڑھی، آپ نے سند عطا فرمائی، پھر سند لے کر میں حضرت اشرفی میاں کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ''ہاں اب تم عالم ہوئے''، اس تقریر کو سننے والے بعض بزرگ اب بھی آنولہ میں موجود ہیں، حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری صاحب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف بھی حضرت عاشق الرسول کے ساتھ اس جلسے میں موجود تھے، یہ واقعہ راقم الحروف نے حضرت کی زبانی ہی سنا ہے، اس سے حضرت محدث اعظم کے مدرسہ قادریہ میں بحیثیت طالب علم تشریف لانے کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت کے اکابر کی نظر میں مدرسہ قادریہ کی سند کا کیا مرتبہ ومقام تھا، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کا حکم دے کر حضور محدث اعظم کو بدایوں بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کی نظر ولایت میں حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کی درسگاہ سے فیض حاصل کرنے کی کیا اہمیت تھی، یہاں اس بات کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ تاریخی طور پر یہ بات تسلیم کی جاچکی ہے کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کو سب سے پہلے شبیہ غوث اعظم حضرت تاج الفحول نے ہی کہا تھا، اس کے بعد سے یہ لقب آفاق میں مشہور ہوا۔ ☐☐☐

مولانا عبدالمبین نعمانی☆

محدث اعظم ہند کے چند معاصرین: روابط اور تعلقات

محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ جماعت اہل سنت کی بڑی مقتدر شخصیت کا نام ہے- میں نے جب سے ہوش سنبھالا اکابر و اصاغر سے ان کا چرچا سنا ان کی خوبیوں سے واقف ہوا، اگرچہ زیارت کی سعادت نصیب نہ ہوئی- آپ بریلی اسکول کے پروردہ تھے اور مرکز علوم فرنگی محل کے فیض یافتہ بھی، جب کہ مرکز روحانیت کچھوچھہ شریف کے میکدہ عرفان کے بادہ گسار تھے- نانا جان شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ (متوفی) نے آپ کو پالا پوسا اور اپنے رنگ میں رنگ دیا- آپ اپنے عہد کے خطیب اعظم تھے اور مدبر اعظم بھی اور محدث اعظم کا خطاب تو آپ کو ایسا جچتا ہے کہ اس کے بغیر آپ کی شناخت ہی مشکل ہے- آپ اپنے معاصرین میں مرجع العلما کا درجہ رکھتے تھے اور پوری جماعت میں قائد اعظم کی حیثیت رکھتے تھے- بلا شبہ آپ کے معاصرین آپ کی گوناگوں صلاحیتوں کے معترف تھے اور آپ کو اپنے درمیان حکم و فیصل کا درجہ دیتے تھے، آپ نے ہمیشہ اپنے معاصرین سے بہتر تعلقات و روابط رکھے تخریب پسند لوگ آپ کو پسند نہیں تھے تعمیر سے آپ کو لگاؤ تھا اور تعمیری شخصیات محبوب تھیں- معاصرین سے آپ کے روابط اور تعلقات بڑا وسیع عنوان ہے اس کے لیے چودھویں صدی ہجری نصف اول سے نصف آخر کی تیسری دہائی تک کی تاریخ کو کھنگالنا ہوگا، جس کے لیے بڑے وقت اور کثیر صفحات کی ضرورت ہے- اس لیے سر دست چند معاصرین کے روابط اور تاثرات پر ہی میں اپنی بات ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں-

صحیح تو یہ ہے کہ حضرت محدث اعظم کی خدمات اور تعلقات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ایک ضخیم کتاب اس موضوع پر تیار ہو سکتی ہے اور یہ کام آج سے بہت پہلے ہی ہو جانا چاہیے تھا، ابھی بھی وقت غنیمت ہے آپ کو دیکھنے والی بہت سی شخصیتیں ابھی موجود ہیں ان کی یادداشتوں اور معلومات کو سمیٹا جا سکتا ہے تا کہ آپ کی زندگی کے نقوش آئندہ نسل کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں ہمارے یہاں یہ بڑا المیہ ہے کہ جب ہمارے کوئی بزرگ پردہ فرماتے ہیں تو ان کے قبہ و مزار اور عرس کا فوری اہتمام شروع ہو جاتا ہے لیکن ان کی زندگی کے اوراق کو گوشہ گم نامی میں بکھرتا چھوڑ دیا جاتا ہے- افسوس کہ محدث اعظم جیسی بھری پری شخصیت کی حیات و خدمات کے حوالہ سے ہم نے دو ایک نمبرات نکال کر ان کی طرف سے توجہ ہٹالی- خدا بھلا کرے شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کا کہ انہوں نے حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے پچاسویں عرس کے موقع پر ان کی یادوں کے سمیٹنے کی طرف توجہ دی اور اپنے احباب کو متوجہ کیا، ان شاء اللہ یادوں کا یہ گلدستہ کسی عظیم سوانح حیات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا-

محدث اعظم اور مفتی اعظم:- شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری (متوفی ۱۴/محرم ۱۴۰۲ھ) کی عظمت شان کا کون ہے جو معترف نہ ہوگا آپ صرف اس لیے مفتی اعظم نہ تھے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ (۱۳۴۰ھ) کے شاہزادے تھے بلکہ آپ خود فقہ و فتاوی میں اس مقام عالی پر فائز تھے کہ بالاتفاق آپ کے معاصرین آپ کو مفتی اعظم کہتے اور آپ کو مرجع العلما سمجھتے جب کبھی کسی معاملے میں اختلاف ہوتا تو مفتی اعظم جو فرما دیتے وہ حرف آخر ہوتا- حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے حضور مفتی اعظم ہند کو دیکھا اور قریب سے دیکھا کیوں کہ حضور محدث اعظم اعلی حضرت قدس سرہ کے پرشاگرد ہیں اعلیٰ حضرت کے دارالافتا میں فتوی سیکھا اور پھر امین الفتوی کے منصب پر فائز ہوئے- دونوں بزرگوں میں گہرے مراسم تھے چنانچہ حضرت مفتی اعظم نے جب کل ہند سنی کانفرنس بنارس (۱۹۴۶ء) میں صدر الافاضل اور محدث اعظم کی دعوت پر شرکت کی تو حضرت محدث اعظم ہند نے پانچ سو مشائخ اور سات سو علماے اہل سنت کی موجودگی میں شہزادہ اعلیٰ حضرت کو مفتی اعظم کے نام سے یاد کیا- جیسا کہ ماہنامہ المیز ان کی رپورٹ ہے، ملاحظہ ہو بابت ماہ اپریل محدث اعظم نمبر ص:۱۲۳ وغیرہ-

☆Al-Majmaul Islami,Millat Nagar,Mubarak Pur,Distt.Azam Garh(U.P)

اورتاج دار اشرفیت حضرت مفتی سید محمد محدث اعظم ہند نے اپنے خطبہ صدارت در ارشادات دین پرور میں فرمایا جو سنی جمعیۃ العلما کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا-

’’میرا خیال ہے کہ سنی جمعیۃ العلما کیا چیز ہے؟ سطور بالا میں اس سوال کا مفصل جواب آچکا ہے- کاش اس سوال کا جواب حضرت مفتی اعظم، سنیوں کا آقا سنیوں کا مرکزی آسرا کا قلم دیتا-‘‘

(ماہنامہ المیز ان، اپریل ۱۹۸۷ء، ص: ۱۴۱، محدث اعظم نمبر)

یہ آل انڈیا سنی کانفرنس مالیگاؤں منعقدہ ۱۳۷۹ھ کا خطبہ صدارت ہے جس میں حضرت محدث اعظم ہند نے حضرت سید العلما اور برہان ملت علیہما الرحمہ کو بھی مخاطب فرمایا ہے لیکن سب سے پہلے مفتی اعظم کو مخاطب کیا ہے جن سے حضرت محدث اعظم کی نظر میں مفتی اعظم کا کیا مقام تھا وہ بخوبی ظاہر ہے-

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب نماز میں لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کرنے سے متعلق فتوی تحریر فرمایا کہ- لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں، مماثل آواز امام ہے اور مقتدی نماز میں غیر کی اقتدا کرے یہ مفسد ہے‘‘ تو آپ کے اس ارشاد کی تصدیق تاجدار اشرفیت حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ان لفظوں میں کیا:

”**ھذا حکم العالم المطاع وما علینا الا الا تباع** - یہ عالم مطاع (لائق اطاعت) کا حکم ہے جس کا اتباع ہم پر لازم ہے-‘‘

(مضمون، مفتی مطیع الرحمٰن پورنوی، مشمولہ جہان مفتی اعظم، ص: ۴۶۳، رضا اکیڈمی ممبئی)

اس تصدیق سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت محدث اعظم حضرت مفتی اعظم پر کس قدر اعتماد فرمایا کرتے تھے اور دونوں بزرگوں میں کس درجہ گہرے تعلقات تھے- اسی کو سامنے رکھتے ہوئے جانشین محدث اعظم ہند شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا:

’’میرا خیال ہے کہ آج تک حضور مفتی اعظم کا تعارف کراتے ہوئے جو کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا ان سب کو اگر ایک پلڑے پر اور حضورت محدث اعظم ہند کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو دوسرے پلڑے پر رکھ دیا جائے تو اس کا وزن زیادہ ہوگا- ہم اس عظیم فرد کے فضل وکمال کا کیا تعارف کرا سکیں جسے حضور محدث اعظم ہند جیسی شخصیت کی زبان بھی عالم مطاع اور واجب الاتباع قرار دے-‘‘

(جہان مفتی اعظم، ص: ۲۳۱، ماخوذ از مفتی اعظم نمبر استقامت ڈائجسٹ کان پور، ۱۹۸۳ء ص: ۱۳۱)

یہی محدث اعظم مفتی اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’آج کی دنیا میں جن کا فتوی سے بڑھ کر تقویٰ ہے، ایک شخصیت مجدد مأۃ حاضرہ کے فرزند دل بند کا پیارا نام مصطفیٰ رضا‘‘ بے ساختہ زبان پر آتا ہے اور زبان بے شمار برکتیں لیتی ہے-

نور چشم اعلیٰ حضرت راحت دل خستگاں
مفتی اعظم بنام مصطفیٰ شاہ زمن‘‘

(مفتی اختر حسین، جہان مفتی اعظم، ص: ۹۹۹، رضا اکیڈمی)

حضرت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے تقویٰ اور فتویٰ کے ضمن میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے اور ثقات سے مروی ہے اور مولانا سید راشد مکی نبیرہ محدث اعظم ہند نے بھی اسے نقل فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

’’واقعہ یہ ہے کہ کسی مسجد کے اندر اتفاق سے مفتی اعظم اور حضور محدث اعظم ہند دونوں ہی موجود تھے اندرون مسجد چائے آئی سب سے پہلے چائے حضور مفتی اعظم ہند کو پیش کی گئی تو مفتی اعظم ہند نے اپنے ہاتھ سے چائے کی پیالی حضور محدث اعظم ہند کو پیش کی پھر دوبارہ جب مفتی اعظم ہند کو چائے دی گئی تو وہ بلا کسی توقف کے خارج مسجد تشریف لے گئے اور وہاں چائے نوش کی- اور حضور محدث اعظم ہند نے اندرون مسجد چائے نوش فرمائی، حاضرین بڑی تشویش میں مبتلا ہوئے، حضور محدث اعظم ہند نے جب حاضرین پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ او پر نیچے ہو رہے ہیں، برجستہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے مسجد کے اندر چائے جو نوش کی وہ مفتی اعظم کا فتویٰ ہے اور انہوں نے جو خارج مسجد چائے نوش کی یہ ان کا تقویٰ ہے- ارشاد سن کر حاضرین نے اپنے قلب کو جلا بخشی اور اپنی جگہ پر کافی مطمئن ہو گئے-‘‘

(المیز ان دہلی، محدث اعظم نمبر، ص: ۹۱)

مذکورہ بالا ارشادات و واقعات کی روشنی میں حضرت محدث اعظم اور مفتی اعظم علیہما الرحمہ کے اندر جو ربط و تعلق تھا وہ اچھی طرح واضح ہے ان بزرگوں کے حالات وتعلقات ہمارے لیے درس عبرت ہیں- کاش مینارہائے نور کی مانند ان شخصیات کے ارشادات سے روشنی حاصل کرتے ہوئے ہم اپنے جماعتی کارواں کو آگے بڑھاتے-

سیدالعلما اور محدث اعظم:- سید العلما حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی قدس سرہ جماعت اہل سنت کی مقبول ترین شخصیت تھے- خانقاہ مارہرہ کے تو تاجدار تھے ہی تاعمر سنی جمعیۃ العلماء کے مرکزی صدر بھی تھے آپ جیسا خطیب میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا، سادگی کے باوجود وقار و تمکنت آپ کا طرہ امتیاز تھا- علما و مشائخ سب آپ کے سامنے باادب رہتے-- جس مجلس میں ہوتے آپ ہی میر مجلس رہتے- حضور محدث اعظم ہند سے آپ کے کیا تعلقات تھے اور کیسا ربط تھا اس حیثیت سے میرے علم میں کوئی زیادہ مواد تو نہیں مگر ایک ارشاد دہی کافی ہے جس سے اندازہ لگتا ہے کہ سید العلما علیہ الرحمہ کے نزدیک حضور محدث اعظم کی کیا حیثیت تھی اور کیا مقام تھا، چنانچہ نبیرہ حضور محدث اعظم ہند مولانا سید محمد جیلانی میاں رقم طراز ہیں:

''۱۹۶۸ء میں یاد آتا ہے جب راقم الحروف (سید محمد جیلانی) پہلی بار بمبئ پہنچا- سید العلما حضرت علامہ سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ سے ان کی قیام گاہ مسجد کھڑک ڈونٹا اسٹریٹ بمبئ میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا- تعارف ہوا تو فرطِ شفقت میں مجھے گلے سے لگالیا آنکھیں ڈبڈبا گئیں، فرمایا:

بیٹے! نہ جانے کتنے اکابرین گئے اور جائیں گے مگر محدث اعظم ہند کا جانا اس لیے محرومی کا احساس دلا رہا ہے کہ وہ ہم سب کے حکم تھے-'' (المیزان، محدث نمبر، ص:۶)

صدرالعلما میرٹھی اور حضور محدث اعظم ہند: امام النحو صدر العلما حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ علم وفضل کے پہاڑ تھے حدیث اور فن نحو میں خصوصی امتیاز کے حامل تھے، حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ سے بڑے اچھے روابط تھے، متعدد بار ایک دوسرے سے ملاقاتیں رہی ہیں حتی کہ ساتھ میں سفر بھی فرمایا ہے، حضرت صدر العلما کے رشتہ ثانی کے لیے جو حضرت علامہ حافظ وقاری حامد حسن اشرفی سنبھلی علیہ الرحمہ کے وہاں منعقد ہوا، حضور محدث اعظم ہی نے پیش کش کی تھی حتی کہ محفل نکاح میں بھی شریک رہے، یہ حرم ثانی بیعت بھی حضور محدث اعظم ہی سے تھیں- کئی بار حضرت صدر العلما کی دعوت پر محدث اعظم ہند میرٹھ تشریف لے گئے- جب دسمبر۱۹۶۱ء میں حضور محدث اعظم ہند کا وصال ہوا تھا تو آپ کے صاحبزادگان کو بذریعہ مکتوب جن دل گیر الفاظ میں تعزیت نامہ پیش کیا تھا اس کے بعض جملے یہ ہیں:

''میرے مخدوم زادہ! آج آپ کے سروں سے ایک شفیق باپ کا سایہ اٹھ گیا جو بجائے خود باعث رنج والم ہے، لیکن دنیائے سنیت کے ان ہزاروں اور لاکھوں سوگواروں کو بھی دیکھیں جن میں علما و مشائخ، دانش وراور عوام سب ہی شامل ہیں اور اپنے سینوں میں غم کی چنگاری لیے رضا برضائے الٰہی ہیں، فقیر آپ کو تلقین صبر وضبط کے سوااور دے ہی کیا سکتا ہے-'' اور پھر ۱۹۶۲ء میں حضور محدث اعظم ہند کے عرس چہلم میں حاضری کے لیے بطور خاص کچھوچھہ مقدسہ تشریف لائے-''

(صدرالعلما حیات اور کارنامے از مولانا محمد ایوب اشرفی، ص:۱۵۵)

اور بقول حضرت شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں یہ صدر العلما کا لقب بھی غالباً حضرت محدث اعظم ہند ہی کا دیا ہوا ہے- (ایضا)

بہر حال ان اقتباسات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدر العلما میرٹھی علیہ الرحمہ اور حضور محدث اعظم ہند میں گہرے مراسم تھے اور ہر ایک دوسرے کا لحاظ وخیال فرماتے تھے، حضرت میرٹھی صاحب علیہ الرحمہ تو حضرت محدث اعظم کا اس لیے بھی احترام فرماتے تھے کہ وہ مرشد گرامی شیخ المشائخ حضرت مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے نواسے اور چہیتے بھی تھے-

حافظ ملت اور محدث اعظم: حافظ ملت علامہ شاہ حافظ عبدالعزیز محدث مرادآبادی (متوفی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے مرید اور خلیفہ تھے اس لیے آپ کو محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ سے بھی بڑی عقیدت تھی کہ یہ حضور اشرفی میاں کے نواسے اور نور دیدہ تھے، حضرت اشرفی میاں کے بعد آپ ہی دارالعلوم اشرفیہ کے سرپرست تھے اس لیے بھی حافظ ملت آپ کو مانتے اور چاہتے تھے اور حضور محدث اعظم بھی ایک مردم شناس آدمی تھے- حافظ ملت کے علم وفضل اور تقویٰ سے متاثر تھے- چنانچہ ۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ کی ایک جنرل میٹنگ میں حضرت محدث اعظم ہند نے حافظ ملت قدس سرہ کے تعلق سے تحریر فرمایا:

''طے پایا کہ حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب جو پہلے نہ صرف صدر المدرسین تھے بلکہ بانیان مدرسہ میں سے ایک رکنِ اعظم

تھے بدستور سابق بحیثیت صدرالمدرسین مقرر کیے گئے-''

(حیات حافظ ملت ، از مولانا بدر القادری، ص:۶۷۶ ،المجمع الاسلامی مبارک پور)

مذکورہ تحریر سے بخوبی واضح ہے کہ حضرت محدث اعظم ہند کی نگاہ میں حافظ ملت کی بڑی قدر تھی ، وہ ان کو دارالعلوم اشرفیہ کا رکن رکین تصور کرتے تھے اگر چہ حافظ ملت ہمیشہ مدرس یا صدرالمدرسین ہی تھے-

حافظ ملت علیہ الرحمہ کو دارالعلوم اشرفیہ آئے اور تدریسی خدمات انجام دیتے جب کئی سال گزر گئے اور اس کا معیار بلند ہوگیا اور اس کی شہرت بھی پورے ہندوستان میں ہوگئی تو اس سے متاثر ہو کر حضور محدث اعظم نے ایک معائنے میں تحریر فرمایا:

''میری مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم اپنے تمام علمی شعبوں میں ترقی یافتہ مدارس میں امتیازی درجہ پیدا کر رہا ہے اور بعونہ تعالیٰ ابھی ترقیات کی تڑپ مدرسین وطلبہ میں موجود ہے اور ہر روز مہینوں کی رفتار سے بلندی کی طرف بڑھ رہا ہے-'' (۱۸/ جمادی الاولیٰ ،۱۳۶۵ھ)

(حیات حافظ ملت، ص ۷۰۷)

الحمدللہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ترقی کی جس تڑپ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ آج امتیازی شان کے ساتھ الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں نگاہوں کے سامنے ہے-

حافظ ملت علیہ الرحمہ حضور محدث اعظم کا کیسا اعزاز واحترام کرتے تھے اس کو بیان کرتے ہوئے مولانا بدرالقادری مصباحی اپنا مشاہدہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''دارالعلوم اشرفیہ گولہ بازار کی عمارت میں راقم الحروف (بدرالقادری) نے اپنے دور بے شعوری میں یہ منظر بچشم خود دیکھا ہے کہ ....امتحان سالانہ او رجلسہ دستار بندی کا موقع تھا-حضور محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ ایک میٹنگ پر جلوہ فرما ہیں ، حافظ ملت علیہ الرحمہ ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو ان کے اصرار کے باوجود پلنگ پر بیٹھنے کے بجائے فرش پر بیٹھ کر اپنا ہاتھ پلنگ کی پٹی پر رکھ لیتے ہیں اور دیر تک محدث اعظم ہند سے باتیں کرتے ہیں-''

(حیات حافظ ملت از مولانا بدرالقادری، ص:۷۵۸-۷۵۹)

حضور محدث اعظم کی بارگاہ میں حافظ ملت کا یہ ادب واحترام دونوں کے مقام ومرتبے کا پتہ دیتا ہے ،جس کی مثال اس زمانے میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے گی-

حافظ ملت علیہ الرحمہ محدث اعظم ہند سے جو عقیدت واحترام کا تعلق رکھتے تھے، وہ تو اپنی جگہ ہے شاہزادوں کا بھی احترام فرماتے چنانچہ ایک کانفرنس میں حضرت مدنی میاں صاحب تشریف فرما تھے اور حافظ ملت بھی کسی دوسرے کمرے میں تھے آپ کو معلوم ہوا کہ مدنی میاں ملنے آرہے ہیں تو حافظ ملت نے انہیں روک دیا اور خود ملنے کے لیے ان کے کمرے میں تشریف لے گئے- جب کہ مدنی میاں حافظ ملت کے شاگرد بھی تھے، غالبًا یہ کان پور کی آل انڈیا سنی کانفرنس کا واقعہ ہے-

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے لیل ونہار گردش کرتے رہتے ہیں ، بہار وخزاں کے سیکڑوں دور آتے جاتے ہیں تب کہیں کوئی باکمال ہستی وجود میں آتی ہے ، جو خاص فیضان کرم کی مورد اور رحمت خاص کی مرہون منت ہو کر دینائے اسلام میں ممتاز شخصیت کی مالک اور دین متین کی حافظ ومحافظ ہوتی ہے ،اس منزل پر پہنچنے اور اس منصب پر فائز ہونے کے لیے طویل زمانہ درکار رہے ،لیکن جب ان ذوات مقدسہ کا وقت پورا ہوجاتا ہے تو اساطین دین ایک لمحہ میں دنیا کو خیرباد کہہ کر داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہوجاتے ہیں-**العظمۃ للّٰہ والدوام والبقا للّٰہ تبارک وتقدس**-

ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک جلیل القدر شخصیت نے بھی داغ مفارقت دیا یعنی حامی سنت ماحی بدعت گلزار غوثیت ،زلالہ نجابت وسیادت ،شہنشاہ خطابت ، سرمایۂ اہل سنت ، آفتاب علم وفضل محدث اعظم ہند الحاج حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے ۲۵/دسمبر ۱۹۶۱ء یوم دوشنبہ بوقت ظہر اس دنیائے فانی سے دارالبقا کی طرف رحلت فرمائی -اناللہ وانا الیہ راجعون-**العین تدمع والقلب یحزن ومانقول الا ما یرضی بہ ربنا** -مولائے کریم حضرت مرحوم کو اپنے جوار رحمت خاص میں جگہ دے ،جنت الفردوس میں بلند مقام عطا

فرمائے- آپ کے اعزہ واحباب وجملہ پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل مرحمت فرمائے آمین-

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی وفات وہ سانحہ عظیم ہے جس نے دنیائے سنیت کو سوگ وار کر دیا، ہر سنی مجسمہ غم والم بنا ہوا ہے، در ودیوار پر تاریکی چھائی ہوئی ہے- بستیاں ویران اور شہر سونے معلوم ہوتے ہیں، گویا سنیت یتیم ہوگئی-

حضرت محدث اعظم ہند دنیائے سنیت میں ایک آفتاب کی حیثیت رکھتے تھے، ہر کمال کے جامع تھے، صوری ومعنوی ظاہری وباطنی تمام خوبیوں کے حامل تھے- علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ امتیاز شان رکھتے تھے، افہام وتفہیم میں آپ کا مقام انتہائی بلند تھا، قوت گویائی آپ کا حصہ تھا، باریک سے باریک بات پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ نہایت واضح اور روشن طریقے سے سمجھانا آپ کا معمول تھا- حضرت موصوف صاحب قلم وصاحب لسان تھے، قلم برداشتہ نہایت شستہ، موقر وجامع تحریر فرماتے تھے، ہر موضوع پر برجستہ بے مثیل تقریر فرماتے، بڑے بڑے شاندار خطبے دیتے تھے، دہلی اور لکھنؤ شہروں نے آپ کو شہنشاہ خطابت تسلیم کیا تھا، بڑے بڑے ماہر لسان آپ کی تقریر سے استفادہ کرتے تھے-

اس آفتاب حق وصداق سے بد دینی وبد مذہب لرزتے کانپتے تھے اور آپ کے نام سے تھراتے تھے، دیوبندیوں، نجدیوں کے بڑے بڑے علما کو آپ کے مقابلے کی تاب نہ تھی، جو بدمذہب بے دین آپ کے سامنے آیا ذلیل ہوا، یہ حق وصداقت کا آفتاب ہمیشہ غالب رہا، حمایت حق وحفاظت مذہب ہی آپ کا کام تھا اوائل عمر ہی سے اشاعت مذہب وتبلیغ دین میں مصروف ہوئے اور ساری عمر خدمت دین میں صرف کر دی، دین متین کی نہایت ممتاز وشاندار خدمت انجام دی-

اڑتالیس اڑتالیس گھنٹہ مسلسل بیدار رہتے پوری پوری رات تبلیغ دین واشاعت مذہب میں مصروف رہتے اکثر عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے- حضرت موصوف کی دینی خدمات کی تفصیل احاطہ تحریر سے باہر ہے آپ نے ایک ایک نشست میں پوری پوری رات گزاری ہے-

ضلع اعظم گڑھ قصبہ گھوسی میں مولوی عبدالرحیم لکھنوی دیوبندی سے مناظرہ تھا، بعد عشا مناظرہ شروع ہوا، حضرت محدث اعظم صبح تک ایک ہی نشست میں بیٹھے رہے پہلو نہیں بدلا، عشا کے وضو سے فجر ادا فرمائی اور مولوی عبدالرحیم کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ گھڑا پانی پی گیا اور دسوں مرتبہ پیشاب پھرا اور سر پکڑ پکڑ کر کہتا تھا میرا دماغ خراب ہوگیا، نہایت ذلت کے ساتھ اس کی شکست فاش ہوئی- گھوسی کا مجمع شاہد ہے-

حضرت موصوف کی دینی خدمات امتیازی شان رکھتی ہیں ایسی ہی برگزیدہ شخصیت کے لیے ارشاد ہے **موت العالم موت العالم** - ایک عالم دین کی وفات عالم کی موت ہے- حضرت محدث اعظم ہند قبلہ کی وفات کا دنیائے اسلام پر اتنا گہرا اثر معلوم ہوتا ہے کہ ایک آفتاب تھا جو غروب ہوگیا ایک سایہ کرم تھا جو مسلمانوں کے سر سے اٹھ گیا-

یوں تو ہندوستان کے طول وعرض میں سیکڑوں مدارس آپ کی رہنمائی وسرپرستی میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں مگر خصوصیت سے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور آپ کی خاص یادگار ہے- آپ کی سرپرستی میں یہ دارالعلوم پروان چڑھا منزل ارتقا پر پہنچا- امتیازی مقام حاصل کیا- حضرت مرحوم کو دارالعلوم اشرفیہ سے بہت ہی گہرا تعلق تھا خاص محبت تھی- نہایت ہی دلچسپی کے ساتھ اس کے تمام شعبوں پر نظر رکھتے، خاص توجہ فرماتے اس کی ہر بگڑی بناتے تھے، ہر الجھی بات سلجھاتے تھے، آپ کا سایہ کرم دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور سے اٹھنا دارالعلوم کے یتیم ہونے کے مرادف ہے- آپ کی رحلت سے دارالعلوم کا پورا اسٹاف متاثر ہے، غم زدہ ہے، اراکین ومدرسین وطلبہ غم میں اشک بار ہیں محزون ومغموم ہیں-

دعا ہے کہ مولائے قدیر، حضرت محدث اعظم کو ان کی زریں خدمات کی جزائے خیر عطا فرمائے اپنی رحمتوں کی بارش برسائے آپ کے مراتب علیا میں بے شمار بلندی بخشے آمین

آپ کی وفات کی خبر پاتے ہی دارالعلوم اشرفیہ میں تعطیل کر دی گئی اور پورے قصبہ مبارک پور میں مکمل ہڑتال ہوئی، دارالعلوم اور جامع مسجد میں قرآن خوانی ہوئی اور حضر موصوف کی روح پاک کو ایک ختم قرآن شریف کا ایصال ثواب کیا گیا، مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے- حضرت موصوف کی رفعت درجات کا ذریعہ قرار دے- آمین-

□□□

عبدالوہاب اشرفی

محدث اعظم ہند اپنے ارادت مندوں میں

جناب عبدالوہاب اشرفی مرحوم ومغفور نے جب یہ سنا کہ محدث اعظم ہند کے وصال کی پچاسویں برسی اور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں کی سجادگی کی گولڈن جبلی کے موقع پر گجرات میں انٹرنیشنل محدث اعظم کانفرنس ہونے جارہی ہے اوراس موقع پر ماہنامہ جام نور دہلی کا محدث اعظم ہند نمبر بھی شائع ہوگا تو اپنے چند واقعات جن کا تعلق ان کے مشاہدات سے تھا اپنے صاحب زادے مولانا غلام سید اشرفی سے قلم بند کرایا- دم تحریر وہ اپنی عمر ۹۳ سال کے اخیر دور علالت میں صاحب فراش تھے- اس حالت میں یہ تحریر وجود میں آئی اور ٹھیک اس کے ایک ہفتہ بعد وہ اپنے خالق حقیقی سے جاملے- عبدالوہاب اشرفی محدث اعظم ہند کے ان خاص الخاص مریدوں میں سے تھے جو فنافی الشیخ کی منزلوں سے ہمکنار ہوتے ہیں- اپنی پوری زندگی انہوں نے پیر اور پیر کے مشن کی اشاعت میں لگادی اور پورے خانوادۂ اشرفیہ بالخصوص خانوادۂ محدث اعظم کے ہر فرد پر کے دل عزیز رہے- محدث اعظم ہند نے اپنی حیات میں ''حلقۂ اشرفیہ،، قائم فرمایا تھا، اس تنظیم کے آپ جنرل سکریٹری رہے اور تادم اخیر محدث اعظم مشن گجرات کے منصبِ صدارت پر سرفراز رہے- خانقاہ اشرفیہ احمد آباد کا قیام اوراس کی جاروب کشی، نیز احمد آباد گجرات میں عرس محدث اعظم کے انعقاد کا سہرا بھی انہی کے سر ہے اور کچھوچھہ مقدسہ میں عرس محدث اعظم کے موقع پر مطبخی ذمہ داریاں اور مہمان نوازی بھی اپنی عمر کے اخیر دور صحت تک بڑی پابندی سے نبھاتے رہے- اپنے پیر سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ بروایت مولانا غلام سید اخیر اخیر میں اکثر آنکھیں بند کرکے دوزانو بیٹھے رہتے اور اگر ان سے پوچھا جاتا کہ آپ ایسے کیوں بیٹھے رہتے ہیں تو فرماتے کہ میرا تصور مت توڑو- میں تصور میں اپنے مرشد کی بارگاہ میں بیٹھا رہتا ہوں- مولیٰ تعالیٰ ہر مرید کو پیر کی اتنی ہی سچی عقیدت ومحبت عطا فرمائے اور مرحوم مغفور کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے- نواسۂ محدث اعظم مولانا سید قاسم اشرف کچھوچھوی کے ہم بے پناہ ممنون ہیں کہ ان کے توسط سے یہ مضمون ادارے کو موصول ہوسکا، جزاہ اللّٰہ عنا- (ادارہ)

۱۹۵۱ء میں قلادہ غلامی اپنے گلے میں ڈالنے کے بعد سے تادم اخیر میں نے پیرو مرشد مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ کی شان والا تبار اور آپ کے اخلاق کریمانہ کو ملاحظہ کیا اور ان کا اسیر ہوتا چلا گیا- اتنی بلندی پائی اور انجمن علما ومشائخ میں جس کی اتنی بلند شان ہو وہ ہم غریبوں اور فقیروں کے لیے اس قدر شفیق ومہربان ہو یہ آپ کی فقیرانہ اور قلندرانہ مزاج کا غماز ہے-

غربا پروری اور فقرا نوازی میں آپ کی مثال نہیں ملتی- میں نے بارہا آپ کو جید اور چوٹی کے ہم عصر علما اور دانشوروں کے درمیان دیکھا ہے مگر آپ صدر العلما کی حیثیت سے ایک فیصل اوران کے مسائل کو حل کرتے ہی نظر آئے- اسی طرح مشائخ اور پیرانِ عظام کی صفوں میں بھی آپ کی امتیازی شان صاف نظر آتی- دیگر خانقاہوں کے سجادگان کو ہمیشہ آپ کی بارگاہ میں زانوئے ادب تہ کیے ہوئے ہی پایا-

آپ کی اس شانِ جلالت وعظمت کے باوجود غربا پروری اور فقرا نوازی کا یہ عالم کہ پہلی مرتبہ جب احمد آباد تشریف لائے- ''خانقاہِ اشرفی'' والی جگہ اس وقت کرائے پر لے کر حضرت کا قیام کروایا گیا تھا- چونکہ میزبانی کا شرف مجھ غلام ہی کے حصے میں تھا اس لیے صبح ناشتے میں کچھ تکلفات سے کام لیا گیا اور ایک مہمان کے لیے جو رعایت کی جاتی تھی اس طرح صبح کا ناشتہ پیش کیا گیا- حضرت نے مجھے طلب فرما کر دریافت کیا کہ ''عبدالوہاب کیا تمہارے بچے بھی اسی انداز کا ناشتہ کرتے ہیں؟'' میں نے عرض کیا حضور ایسی بات نہیں ہے بلکہ حضور کی وجہ سے آپ کی کنیز نے یہ انتظام کیا ہوگا- ارشاد فرمایا ''ایک بات دھیان سے سنو: میں وہی کھاؤں گا جو بچے کھاتے ہیں، کسی طرح کی کوئی تکلف کی ضرورت نہیں- ہم مریدوں میں کھانے پینے کے لیے نہیں آتے بلکہ کچھ لمحات ان کے ساتھ گزار کر ان کی دل جوئی مقصد ہوتا ہے''- حضرت اپنے دورے میں معمول کے مطابق بعد نماز صبح تشریف رکھتے اور دن کے ظہر تک مریدوں سے ملاقات اور نشست کا سلسلہ رہتا-

دوپہر کھانے سے فراغت کے بعد نماز ظہر تا عصر- اور پھر عصر قیلولہ فرماتے مغرب تک نشست لگتی اور مریدین ومعتقدین اپنی حاجتیں اورضرورتیں پیش کرتے اور حضرت کی دعاؤں اور نظر کرم سے مستفیض ہوتے- مغرب تا عشا حضرت وظیفہ میں گزارتے اور اول وقت عشا ادا فرما کر کھانے سے فارغ ہوتے اور پھر تیاری کر کے اسٹیج کے لیے روانہ ہوجاتے- یہی حضرت کا معمول رہتا- اسی طرح کی ایک نشست میں نہ جانے کون سی کیفیت طاری تھی کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ لوگ ہمارے پاس آکر اپنے دکھ درد بیان کرتے ہیں اور پریشانیوں کا ایک سلسلہ بیان کرتے ہیں- ہماری آزادی کا رونا روتے ہیں- ارے یہ سب تو ہمارے در کے غلام کیا کرتے ہیں- کوئی ہم سے یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ حضور خدا کیسے ملے گا؟ اس تک رسائی کا طریقہ کیا ہے؟ مگر اسے شومیِ قسمت ہی کہیے کہ موجودہ افراد میں سے کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ اٹھ کر قدم تھام لیتا اور پوچھتا حضور بتایئے خدا کیسے ملے گا؟

کچھ پیر بھائیوں نے حضرت سے ایک مرتبہ میری تنگ دستی اور پریشانی کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی، اس پر پھر میری طلبی ہوئی- دریافت کرنے پر میں نے دعا کی درخواست کی- اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں ایک عمل کی تعلیم دے رہا ہوں اور اجازت بھی- یہ سورۂ اخلاص کا عمل ہے اسے تم بتائے ہوئے طریقے پر پڑھتے رہو میں گجرات کے دورے پر نکل رہا ہوں- ۱۵/روز بعد واپسی تک آپ کی حالت بدل جانی چاہیے- میں نے کہا ٹھیک ہے حضور- حضرت تو اپنے تقریری دورے پر روانہ ہوگئے، جب واپسی ہوئی مجھ سے دریافت کیا عبدالوہاب حالات کیسے ہیں؟ میں نے عرض کیا حضور کی دعاؤں کا خواست گار ہوں- فوراً حضرت نے فرمایا اس کا مطلب آپ نے وہ عمل کیا نہیں؟ میں نے کہا جی نہیں! فرمایا کیوں؟ میں نے کہا حضور میں مل مزدور انسان اور میری ڈیوٹی ایسی ہے کہ پورا دن صاحبوں سے جھوٹ بولتے اور کاریگروں کو گالیاں دیتے گزر جاتا ہے- آپ کے فرمان پر میرا ایمان! اللہ کے کلام کے زیر وزبر پر میرا ایمان! مگر میں اس خوف سے نہ پڑھ سکا کہ میری اپنی زبان کی خرابی کی وجہ سے وہ اثرات جو حضور فرمارہے ہیں کہیں ظاہر نہ ہوئے تو ایک طرف کلام الٰہی پر میرا ایمان متزلزل نہ ہوجائے اور دوسری طرف آپ کے فرمان پر یقین کمزور نہ پڑ جائے- بس اسی خدشے کی وجہ سے میں نے کوئی عمل نہیں کیا- حضور ہم غلاموں کو وظیفہ اور عمل کے چکر میں کہاں ڈال رہے ہیں، ہم جیسوں کے لیے تو حضور کی نگاہ کرم اور دعا ہی کافی ہے- یہ جواب سن کر حضور مسکرادیے اور فرمایا عبدالوہاب ٹھیک ہے، آج کے بعد میری دعا ہی تمہارے لیے کافی ہے-

یہ جملہ اگرچہ اس واقعہ کے پیشِ نظر حضرت نے فرمایا تھا جو اوپر رقم کیا گیا ہے- مگر اس کی معنویت تک میری کمزور نگاہیں نہ پہنچ سکیں کہ ’’آج کے بعد میری دعا ہی تمہارے لیے کافی ہے‘‘

سرکار کے آخری دورے میں ۱۹۶۱ء میں خانقاہ احمد آباد میں قیام کے دوران پیر بھائیوں نے جن میں عیسیٰ بھائی اشرفی، عمر بھائی اشرفی، لعل محمد اشرفی اور مولانا نثار رحمۃ اللہ علیھم قابلِ ذکر ہیں، حضرت کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کی کہ حضور عبدالوہاب بھائی کی سب لڑکیاں ہی ہیں اور نجومیوں اور قسمت دیکھنے والوں نے انہیں یہ یقین دلا دیا ہے کہ ان کی قسمت میں کوئی لڑکا نہیں ہے- حضور دعا فرمادیں کہ ایک لڑکا ہوجائے جو بعد میں چراغ تو جلا سکے- حضرت نے اسی وقت ہاتھ اٹھایا اور دعا مانگی- حضرت نے دعا فرمادی اور پھر کچھوچھا کے لیے روانہ ہوگئے- یہ حضرت کا آخری سفر تھا، مگر

فقیروں کی جھولی میں ہوتا ہے سب کچھ
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

کے تحت میرے پیر کی دعا رنگ لائی اور ۱۹۶۱ء میں ۱۶/رجب کو حضور کا وصال ہوا تھا اور ۱۹۶۴ء میں ۱۶/رجب کو اللہ نے میرے گھر ایک فرزند عطا کیا، جس کا نام حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ ہی کی نسبت سے ’’غلام سید‘‘ رکھا گیا-

مجھے حضرت کا وہ جملہ یاد آیا کہ عبدالوہاب ’’آج کے بعد تمہارے لیے میری دعا ہی کافی ہے‘‘ الحمدللہ! میں اسے خانوادۂ محدث اعظم ہند کا ایک ’’تعویذ‘‘ سمجھتا ہوں جو میرے گلے میں میرے پیر نے پہنایا ہے اور انہی بزرگوں کے قدموں کی برکتیں ہیں جو میرے اس بچے کے ساتھ ہمیشہ سایہ فگن ہیں اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہیں گی-

اس ناچیز غلام پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ غلام رسول نامی شخص نے حضور کو کھانے کی دعوت کی پیش کش کی، حضور نے اسے مجھ تک بھیج دیا کہ اگر گنجائش ہو تو دعوت لکھ لیں- مجھ سے اس شخص نے غلط

بیانی سے کام لیا کہ حضرت نے دعوت منظور فرمائی ہے آپ کو صرف وقت کے تعین کا حکم دیا ہے- میں نے از راہ تعمیل اسے وقت بتا دیا مگر بعد میں کچھ مریدوں کے بتانے پر حضرت نے مجھے طلب کر کے پوچھا کہ آپ نے اس شخص کی دعوت قبول کرلیا؟ میں نے کہا حضور قبول تو آپ نے فرمایا تھا مجھے تو صرف وقت بتانے کا حکم دیا گیا تھا- حضرت نے پوچھا کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کا دھندہ کیا ہے؟ میں نے کہا جی! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کا جوا اور سٹہ کا دھندہ ہے- تو پھر آپ نے ایسے دھندہ کرنے والے کے یہاں کی دعوت کیسے لے لی؟ میں نے کہا حضور جب اس نے کہا کہ حضرت دعوت منظور فرما چکے ہیں- تو ''بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید'' کے تحت میری کیا مجال کہ میں چوں چرا کروں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو آپ تک اسی لیے بھیجتے ہیں کہ ان کے حالات وکوائف سے آپ مقامی لوگ باخبر ہوتے ہیں تو اگر مناسب اور صحیح ہو تو قبول کرلینا چاہیے ورنہ دعوت مسترد کر دینی چاہیے کہ اب ہم ہر ہر مرید وعقیدت مند کے لیے یا اس کی دعوت پر مراقبہ تو کریں گے نہیں!

یہ ہے آپ کا تقوی اور پرہیز گارانہ عمل جس کی وجہ سے اس عقیدت مند کو اتنی ٹھیس لگی کہ اس نے حضرت کے دست حق پرست پر توبہ کی اور بیعت کر کے سارے حرام دھندوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی-

محدث اعظم کی شخصیت اور ان کی مثال ملنا یقیناً مشکل ہے- آپ کے اخلاق کریمانہ اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی کوئی ایک مرتبہ باریابی حاصل کرتا آپ کے دام محبت کا اسیر بن جاتا اور تن من دھن سے واری جاتا- کیا قدرتی کشش اور جاذبیت تھی محدث اعظم میں جن کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں-

علما ودانشوران میں صدر العلما، مشائخ وپیرانِ عظام میں سید المشائخ، خطبا اور مقرروں کی صف میں شہسوارِ سمند خطابت، فقہا اور مفتیانِ کرام کی صف میں سند الفقہا، محدثین کی صف میں رئیس المحدثین، آپ کی شانِ والا تبار کوئی کس طرح بیان کرے- احمد آباد میں ایک مرتبہ دورانِ قیام آپ نے خود اس واقعہ کو بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ملتان کے دورے پر تھا- ایک شہر میں پہنچا تو وہاں ایک بزرگ (جن کا تعلق ایک پٹھان قبیلے سے تھا) کی کرامت کا تذکرہ سنا کہ حضرتِ والا کی شان یہ ہے کہ وصال کے وقت آپ نے اپنے مریدوں عقیدت مندوں سے وعدہ فرمایا کہ تم لوگ غم زدہ مت ہونا- میرا وعدہ ہے کہ بعدِ وصال بھی جو شخص عقیدت ومحبت لے کر میری بارگاہ میں حاضر ہوگا میں اس سے مصافحہ کروں گا- یہ معمول کافی عرصہ تک جاری بھی رہا- لوگ جاتے اور قبر مبارک سے ہاتھ برآمد ہوتا، لوگ مصافحہ ودست بوسی کے شرف سے فیض یاب ہوتے- لیکن اسی دوران ایک مرید حالت نجاست میں پہنچ گیا اور دست بوسی کرنی چاہی- حضرت نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ آج سے تم لوگ اس فیض سے محروم کیے جاتے ہو، اب میں مصافحہ کے لیے ہاتھ اسی وقت نکالوں گا جب کوئی صحیح النسب سادات میں سے کوئی سید یہ خواہش کرے گا-

حضرت نے فرمایا کہ میرا قیام ایک دوسرے آستانے کے سجادہ نشین کے گھر پر ہی تھا جو از خود سادات ہی سے تھے- میں نے کہا حضرت اگر ایسی بات ہے تو آپ نے یہ پہل کیوں نہیں فرمائی؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضور یہ سچ ہے کہ ہم خانوادۂ سادات ہی سے ہیں- مگر خوف اس بات کا ہے کہ خدانخواستہ درمیان شجرہ میں کوئی غیر سید اگر داخل ہوگیا ہو تو بڑی خفت اور شرمندگی کا باعث ہوگا- اس پر محدث اعظم نے فرمایا الحمد اللہ ثم الحمد اللہ! فقیر سید محمد کو اپنے شجرہ پر پورا یقین ہے کہ میں حسنی اور حسینی سید ہوں- آپ اعلان فرما دیں کہ دو روز بعد ہم بارگاہ میں حاضر ہو کر دست بوسی کے شرف سے فیض یاب ہوں گے- یہ اعلان ہوتے ہی پورے شہر میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور دور دراز سے ہی لوگوں کا ایک ازدہام امنڈ پڑا- مزار مقدس کے چاروں طرف ایک میلہ سا لگ گیا- لوگوں نے اپنے اپنے کیمرے تک نصب کر دیے- وقت مقررہ پر محدث اعظم ہند روانہ ہوئے اور اپنے میزبان سجادہ صاحب سے فرمایا کہ اس ازدہام میں آپ میرے ساتھ رہیں- اس کے لیے ضروری ہے کہ فقیر کا بٹوہ آپ کے پاس ہو- بہر کیف سواری جس وقت پہنچی، نعرۂ تکبیر ورسالت سے پوری فضا گونج رہی تھی- حضرت نے فرمایا میں نے فاتحہ پڑھی اور پھر مواجہہ شریف کی طرف کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضور فقیر سید محمد کچھوچھوی حاضر خدمت ہے اور مصافحہ کا خواست گار ہے- اتنا کہنا تھا کہ قبر مبارک سے داہنا ہاتھ باہر نکلا میں نے اس دست کو اپنے ہاتھ میں لے کر چھو کر الٹ پلٹ کر دیکھا پھر جیسے ہی بوسہ لینا چاہا حضرت نے فوراً ہاتھ کھینچ لیا- میں پھر بائیں طرف حاضر ہو کر عرض کیا حضور بایاں ہاتھ بھی عنایت کریں- بایاں

ہاتھ بھی قبر مبارک سے نکلا میں نے پہلے جیسا ہی عمل کیا- دراصل میں چاہتا تھا کہ دوسرے لوگ بھی اچھی طرح زیارت کرلیں، مگر جیسے ہی بوسہ لینا چاہا، بزرگ نے جو دراصل پٹھان قبیلے سے تھے ہاتھ فوراً سمیٹ لیا- میں پائنتی حاضر ہوا اور کہا حضور قدموں کی بھی زیارت کرادیں، دونوں پنجے قبر مبارک سے باہر نکلے میں نے پھر وہی عمل کرنا چاہا- مگر انہوں فوراً اپنے پاؤں سمیٹ لیے- اس واقعہ کو دیکھ کر لوگ دہاڑیں اور چیخیں مار مار کر رو رہے تھے اور پورا ماحول روحانی وعرفانی بن گیا تھا- جیسے ہی میں واپس اپنے کمرے پر آیا میں نے فوری طور پر ذمہ داروں کو بھیج کر سارے کیمرہ والوں کو طلب کیا اور ان سے وہ رول لے لیا جس میں انہوں نے منظر کو قید کیا تھا- ان لوگوں کو ان کے رول کا پیسہ ادا کر کے روانہ کردیا اور تنبیہ کی کہ یہ ایک بزرگ کی زندہ کرامت تھی جو آپ لوگوں نے ملاحظہ کیا- اسے تماشہ نہیں بنانا ہے، بلکہ عبرت حاصل کرنا چاہیے اور یہ درس ہے کہ جب اولیا اللہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے تصرفات کا یہ عالم ہے تو فخر موجودات، اصل کائنات مدنی تاجدار کے تصرفات وحیات کا عالم کیا ہوگا؟

اسی طرح کا واقعہ پہلی مرتبہ آپ کی احمدآباد آمد پر محلّہ مرزاپور میں ظہور پذیر ہوا کہ دورانِ تقریر جب آپ کا موضوع ''حیات اولیاء اللہ'' تھا آپ نے کیفیت وجلال کے عالم میں تقریر کرتے کرتے ارشاد فرمایا کہ پلٹ کر دیکھو اولیاء اللہ زندہ ہیں یا نہیں؟ دوبارہ آپ نے اپنی گھن گرج آواز میں پھر فرمایا دیکھو دیکھتے کیوں نہیں؟ پورے مجمع نے پلٹ کر جو دیکھا تو جس مزار کی طرف آپ نے اشارہ کیا تھا پورا مزار تین مرتبہ جھولے کی طرح جھول گیا- لوگوں کی عجیب کیفیت ہوگئی- پورا مجمع نعرۂ تکبیر ورسالت کے ساتھ محدث اعظم ہند زندہ باد کے نعرے لگا تا رہا اور اس طرح بالمشاہدہ لوگوں نے حیاتِ اولیاء اللہ کو ملاحظہ کیا- بعد میں آپ کے حلقہ ارادت وبیعت میں داخل ہونے والوں کا تانتا سا لگ گیا تھا-

محدث اعظم ایک زندہ ولی اور اپنے رسول کے چہیتے فرزند، مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کی یادگار کا نام ہے اور یہ ان کی نگاہ ولایت ہی تو تھی کہ جانشیں کا انتخاب ایسا فرمایا اور ہم غلاموں کو ایسا جانشین عطا کیا جو صورۃً تو مدنی میاں کے روپ میں ہے مگر سیرۃً اور خصلۃً ہو بہو محدث اعظم ہند ہے-

شاید ہی کسی خانقاہ کو ایسا جانشین ملا ہو جس نے اس خانقاہ کے وابستگان کو ان کے پیر کی غیر موجودگی کا احساس نہ ہونے دیا ہو، مگر یہ ہم غلاموں کا مقدر ہے کہ پیر نے ایسا نائب وسجادہ عطا کیا جس نے ہم مریدوں کو اپنی یتیمی کا احساس تک نہ ہونے دیا-

اسی شفقت ومحبت سے نوازتے رہے جو محدث اعظم ہند کا خاصہ تھی اور کرم بالائے کرم کہ ترجمہ قرآن (معارف القرآن) کے بعد میرے پیر نے جس کی تفسیر شروع فرمائی مگر عمر نے وفا نہیں کی، آج اس جانشین نے اس تفسیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا جو بیڑہ اٹھا لیا ہے اور اب تک چار جلدوں یعنی ۱۲ پارے کی تفسیر سے آنکھیں منور ہو چکی ہیں انداز بیاں، طرز تحریر، نکتہ آفرینی اور ترجمہ کو تفسیر میں پرونے کا انداز، آیتوں کا ایک دوسری آیتوں سے ارتباط کا طریقہ دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلم شیخ الاسلام کا ہے مگر دماغ میرے پیر محدث اعظم ہی کا ہے- مولیٰ تعالیٰ میرے پیر کے جانشین کے علم میں برکت کے ساتھ آپ کی عمر کا رشتہ عمر خضر سے جوڑ دے اور اس خدمت جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور اہلِ سنت وجماعت کو آپ کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرماتا رہے- (آمین)□□□

ارشادات محدث

● اسلام وسیع روحانی نظام ہے جس نے خدا کی پرستش کو رکوع سجود میں محدود نہیں کیا-

● اسلام جاگنے کو چلنے پھرنے کو کھانے پینے کو بال بچوں کی پرورش کو مزدوری ومحنت کو خدمت خلق کو بزم ورزم کو سب کو عبادت بنا دیتا ہے-

● اسلام نے بتایا کہ عبادت بازاروں میں بھی ہوتی ہے ارکان صوم صلوۃ وحج وزکوۃ سے بھی ہوتی ہے اور قلم کی رفتار اور تلوار کی جھنکار سے بھی ہوتی ہے-

● دنیا میں ایک ذہنی انقلاب ہے اور قوموں کے کان ایسے پیغام کی تلاش میں ہیں جو انسانیت کو انسانی شرف بخشے- زمین کو گہوارہ امن وامان بنا دے جہاں روح برسر عمل ہو نفس کا وجود عدم برابر ہو یہی چیز ہے جس کا نام اسلام ہے-

● اسلام غیر متمدن کو تمدن کا علمبردار کردینے والا ہے

● بے امنوں کے گہوارہ کو دار الامن کردینے والا اسلام اور صرف اسلام ہے-

● پست تصورات کا عادی الٰہی قانون تک باریابی نہیں کرسکتا-

مولانا غلام شہزاد احمد مجددی☆

محدث اعظم ہند کا روحانی مقام

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اولادِ آدم پر جو عظیم احسانات فرمائے ہیں ان میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی ہدایت و اصلاح کے لیے ان ہی میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرما کر اپنی معرفت اور کتاب و حکمت کی تعلیم کا نورانی سلسلہ جاری فرمایا- اور جب مشیت ایزدی کے عین مطابق بعثت انبیا کا سلسلہ امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات پر ختم ہوا تو آپ ہی کی امت کے علما راسخین اور صوفیہ کاملین کو نیابت و وراثت انبیا کی منصب پر فائز فرما کر فیضان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلسل کو دوام اور ہمیشگی عطا فرما دی-

حدیث شریف میں ہے: **ان العلماء ورثة الانبیاء** (ترمذی- ۲/۹۷)(۱/۶۸ سنن دارمی) بے شک علما انبیا کے وارث ہیں-

یہ وراثت ان اہل کمال کے حصہ میں آئی جنہیں قسام ازل نے علوم ظاہری و باطنی سے وافر فیوضات عطا فرما کر معرفت و حقیقت کے زیور سے مزین فرما دیا-

ویعلمھم الکتب والحکمة ویزکیھم کی وراثت سے کامل اور وافر حصہ پانے والے جلیل القدر اور نادر روزگار افراد امت میں سے ایک حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہ‘ الاقدس بھی ہیں- آپ کی ذات گرامی میں خالق لم یزل نے بے شمار خوبیاں اور اوصاف حمیدہ ودیعت فرما رکھے تھے- آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت کے علمی، عملی، ادبی، سیاسی، انتظامی اور روحانی پہلوؤں کی کچھ عکاسی آپ کے ان مشہور و معروف القابات سے بھی ہوتی ہے- جو پاک و ہند اور بعض دیگر ممالک میں زبان زد خلائق ہیں-

لیکن ہم اپنی توجہ زیادہ تر آپ کی شخصیت کے روحانی اور صوفیانہ پہلو پر مرکوز رکھتے ہوئے آگے بڑھیں گے-

حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت کو اگر ائمہ تصوف اور اہل روحانیت کے متعین کردہ میعار پر جانچنے کی کوشش کی جائے تو ایک صوفی باصفا اور مرد کامل کو درکار جملہ لوازمات اور کمالات آپ کی ہستی میں مجتمع دکھائی دیتے ہیں-

قرآن وسنت کے علوم و معارف پر آپ کی گہری نظر، ودقائق فقہ وکلام میں غیر معمولی تبحر اور حالات کی نبض پر ہاتھ رکھنے کی مرشدانہ صلاحیت کو اگر ملحوظ رکھتے ہوئے گروہ صوفیہ کے سردار، سید الطائفہ ہی نہیں سید الطائفتین حضرت ابوالقاسم الجنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر نگاہ ڈالی جائے کہ:

من لم یحفظ القرآن، ولم یکتب الحدیث، لایقتدی به فی هذ الامر، لان علمنا مقید بالکتاب والسنة-

(طبقات الاولیاء صفحه، ۱۱۱، الامام ابن الملقن)

جس نے قرآن یاد نہیں کیا اور حدیث نہیں لکھی- اس (طریقت کے) معاملے میں اس کی اقتدا نہیں کی جائے کیونکہ ہمارا علم (تصوف) کتاب وسنت سے وابستہ ہے-

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کو صحیح النسب سید اور رفیع النسبت شیخ طریقت ہونے کا شرف اور فخر حاصل تھا- خداداد نعمتوں اور قدرتی عطیات و روحانی ماحول بچپن ہی سے میسر تھا- تعلیم کے ساتھ ساتھ بہترین تربیت کے اسباب بھی ہمہ وقت میسر تھے-

جس عظیم ماں کی گود میں آپ پروان چڑھے وہ خود رابعہ زمانہ اور شبیہ غوث اعظم حضرت پیر سید علی حسین اشرفی علیہ الرحمہ کی پروردہ تھیں-

والد گرامی حضرت سید شاہ نذر اشرف اشرفی علیہ الرحمہ ایک باکمال روحانی اور علمی شخصیت کے مالک تھے- حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کی وساطت سے حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ کے روحانی کو بحر بیکراں سے بیک وقت فیض یاب ہونے والی اس روحِ سعید نے بیک وقت اپنے نانا جان اعلی حضرت پیر سید علی حسین اشرفی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے ماموں جان اور مرشد طریقت حضرت سید شاہ احمد اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ سے طریقت و روحانیت کا فیض حاصل کر کے روحانی مدارج طے کیے-

آپ کی ولادت کے حوالے سے کئی بشارتیں کتب سوانح اور

☆Darul Akhlas,Lahore(Pakistan)

تذکرہ جات میں مذکورہ ہیں- آپ کے نانا محترم اعلی حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کو جب اطلاع ملی کہ صاحبزادی کے ہاں خوشی ہونے والی ہے تو آپ مراقب ہوگئے- بعد فراغت مراقبہ پر خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالی اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ایک ایسا بیٹا عطا فرمائے گا جس پر میں دین ودنیا میں فخر کروں گا-

آپ کی والدہ محترمہ نے پیدائش کی رات دیکھا کہ کوئی بزرگ ان کے ہاتھ میں کتاب حدیث اور قرآن عظیم دے کر مبارک باد دے رہے ہیں- طریقت وتصوف کی دنیا میں مرشد کامل اور شیخ طریقت کی اہمیت اور حیثیت ہمیشہ مسلم رہی ہے-

مولوی ہرگز نہ شود مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نشد

ایک خدارسیدہ اور صاحب معرفت پیر ہی اپنے مرید کو وصول وحصول کے مراحل طے کروا سکتا ہے- عروج ونزول اور فنا وبقا جیسے مقامات واحوال کی تکمیل وتحصیل کے لیے کامل واکمل مرشد کا دامن ہاتھ میں ہونا ضروریات طریقت میں سے ہے-

عارف رومی فرماتے ہیں:

کہ کشد ایں نفس راجز ظل پیر
دامن ایں نفس کش راسخت گیر

حضرت محدث اعظم کچھوچھوی کو یہ سعادت حاصل رہی ہے کہ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ سے اکتساب فیض کیا-

اعلی حضرت اشرفی جنہیں اعلی حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ دیکھ کر یہ شعر پڑھتے تھے:

اشرفی اے رخت آئینہ حسن خوباں
اے نظر کردہ پروردہ سہ محبوباں

''اے اشرفی تیرہ چہرہ بزرگوں (محبوبوں) کے حسن کا آئینہ ہے اور تو تین محبوبوں کی نگاہوں کا فیض یافتہ ہے''-

سلسلہ اشرفیہ کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں عالم طریقت وروحانیت کے تین محبوبوں کا مشترکہ فیض جاری وساری ہے-

حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہی اور حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی محبوب رحمہم اللہ تعالیٰ اتنے محبوب ترین ولیوں کی نگاہ کرم کا یہ ثمرہ تھا کہ حضرت محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ مقبول خالق وخلق ہوکر مرجع خلائق بن گئے-

حضرت محدث اعظم اپنے ماموں حضرت سید احمد اشرف الجیلانی کے دستہ حق پر بیعت ہوکر مرید وخلیفہ ہوئے- یوں حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ کی ہستی سے ایک اضافی مناسبت اور میسر آئی کہ حضرت جنید کے مرشد پاک حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ بھی ان کے ماموں تھے-

حضرت محدث کچھوچھوی تعلیم وتعلم اور تربیت روحانی کے مدارج ومراحل طے کرنے کے بعد مسند ارشاد پر فائز ہوئے تو حمایت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ احسن سرانجام دیا- صوری ومعنوی محاسن سے بھرپور یہ پیکر رشد جب میدان عمل میں نکلا تو مخلوق خدا نے علمی وروحانی استفادہ کیا، علما وعوام یکساں فیضیاب ہوئے، ایک عالم نے علوم ومعارف کے اس چشمۂ صافی سے اپنی روحانی سیرابی کا سامان حاصل کیا-

حضرت محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے سلف صالحین کے طریق پر چلتے ہوئے تبلیغ دین کو اپنا مقصد حیات قرار دیا- پیرزادہ، سجادہ نشین، صحیح النسب سید اور عالی مرتبت مدرس ومعلم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو محض حجرہ نشینی اور حدود خانقاہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہر کڑے وقت میں خانقاہ سے باہر نکل کر رسم شبیری ادا کر کے دکھائی-

آپ نے خانوادہ اشرفی کی روایات کے مطابق علم وعمل اور اخلاص کو یک جا کر کے دکھایا- مواعظ وتقاریر اور تصنیف وتحریر کے علاوہ اشغال سلوک تصوف کو بھی ساتھ ساتھ جاری وساری رکھا- علما وارثین کی پیروی میں تعلیم کتاب، تلقین حکمت اور تزکیہ نفس کو اپنا مقصود حیات قرار دے کر ہزارہا نفوس امارہ کو منازل اطمینان تک پہنچایا-

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ایک مکتوب شریف (۲۶۸ جلد اول) میں فرماتے ہیں کہ وہ علما جو صرف مسائل واحکام کا علم رکھتے ہیں انبیا کے وارث کامل نہیں ہیں- علما وارثین نبوت وہ ہیں جنہوں نے وراثت انبیا سے کامل حصہ پایا ہے-

یعنی علوم احکام کے ساتھ علم اسرار سے بھی بہرہ ور ہوئے ہیں- علوم ظاہری وباطنی کے جامع ہیں-

صوفیہ کرام کا اجماعی اور متفقہ فیصلہ ہے کہ،

العارفون باللہ افضل من اھل الاصول والفروع

(الفتوحات الالٰہیہ نمبر ۴۴۹)

یعنی العارفون باللہ خیر من العارفین باحکام اللہ-

یعنی اللہ کی معرفت رکھنے والے احکام و مسائل کا علم رکھنے والوں سے افضل ہیں- حضرت محدث اعظم کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ علوم ظاہری و باطن کا بحر ذخار بھی تھے- اور ظاہری حسن و جمال میں بھی لاثانی تھے- آپ کے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ایسا ہی چہرہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے-

حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا روو اذ کر الله (جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے)

حضرت محدث کچھوچھوی کے مقبول خاص و عام ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ کے چہرے کی نورانیت، شخصی وجاہت، رعب علمی اور وضع قطع لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی- خانقاہی مراکز کی یہ شان ہی ہے کہ علم کے ساتھ عمل اور تزکیہ نفس کو لازمی قرار دیا گیا تھا کیونکہ صرف علم خواہ دینی ہو یا دنیاوی وہ انسان میں غرور تکبر پیدا کرتا ہے-

محدث اعظم ہند کے لقب سے سرفراز ہونے والے اس درویش نے راہ حق میں ہر طرح کی تکلیفیں اور آزمائشیں گوارا رکھیں- کچھوچھہ کے ایک کچے مکان میں بھی مقیم رہ کر دکھایا اور تبلیغ دین کے لیے شب و روز سفر کی کلفتیں بھی اٹھا کر دکھائیں- اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سال بھر میں صرف رمضان المبارک ہی گھر میں گزرتا تھا بقیہ تمام وقت مسلسل دینی امور اور تحریکی مشاغل میں صرف ہوا کرتا تھا-

آپ نے اکابر صوفیہ کی طرح سفر و سیاحت کے ذریعے شریعت مطہرہ کے فیوض کو عوام الناس تک پہنچانے کا اہتمام کیا- عصری تقاضوں کے مطابق مناظرے بھی کیے اور احقاق حق و ابطال باطل کا فریضہ سر انجام دیا- بتقاضائے حدیث شریف "**الدین النصیحة**" "دین خیر خواہی ہے" جذبہ اصلاح و تبلیغ دین آپ پر اتنا غالب تھا کہ اپنے شہرہ آفاق خطبات میں جا بجا اس بات کی تلقین کرتے ہیں-

بطور تبرک چند جملے ملاحظہ فرمائیے:

"مشائخ عظام و علمائے کرام!" "ہم وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارا ہر فرد مبلغ ہو، ہماری پرانی تاریخ یہی تو تھی کہ بادشاہ مبلغ، رعایا مبلغ، علما مبلغ، پیر مبلغ، مرید مبلغ، سوداگر مبلغ، مزدور مبلغ کوئی ہے جو رسول پاک ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر کے مبلغ نہ بنا ہو کوئی ہے یا کوئی مثال ہے کہ صحابہ کرام میں سے کوئی دولت ایمان کے بعد مبلغ نہ بنا ہو- تبلیغ تو اسلام کا اصل سرمایہ ہے، تبلیغ تو اسلام کا دوسرا نام ہے- رسول پاک نے اپنے وفاداروں کو حکم فرمایا: "**بلغوا عنی ولو اٰیة**"-"

مزید فرماتے ہیں: "میرا جد اعلی جیلان میں پیدا ہوا اور گھر چھوڑ کر بغداد چلا گیا، میرے ہندوستان کا بادشاہ سنجر میں پیدا ہوا، ہندوستان چلا آیا، اجمیر میں قیام فرما ہوا، میرا سلطان سمنان میں پیدا ہوا، بادشاہ مطلق العنان بنا اور سلطانی ترک کر کے ہندوستان کچھوچھہ شریف چلا آیا- میں غوث کی بارگاہ میں سر نیاز جھکا کر، میں خواجہ کی خواجگی کے حضور وفاداری کا حلف اٹھا کر میں اپنے سلطان سمناں کی سرکار میں عقیدت کا نذرانہ پیش کر کے کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف تبلیغ دین کے لیے تھا- تبلیغ ہماری اور صرف ہماری دولت تھی مگر آہ! یہ امر اہم بے نظمی کی نذر ہو گئے ہیں-"

حضرت محدث کچھوچھوی کی فکر روشن اور بصیرت و فراست کا مزید نظارہ کیجیے- فرماتے ہیں: "حضرات! آپ پر روشن ہے کہ سینوں کی ساری کمزوریاں اس صحیح تعلیم کی کمی کا نتیجہ ہیں- علم درست طور پر حاصل ہو جائے تو خود معلوم ہو جائے گا کہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام نہیں ہے کہ کچھ عقائد اور خیالات و اوہام پر اکتفا کر کے اس کا نام دین رکھ دیا جائے-"

یہ اسلام کا وسیع روحانی نظام ہے جس نے خدا کی پرستش کو رکوع و سجود میں محدود نہیں کیا اور نہ مسجد ہی کو ان کے لیے خاص کیا بلکہ اسلام سونے، جاگنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، اہل و عیال کی نگرانی کو صنعت و حرفت، تجارت، مزدوری، محنت، خلق خدا کی خدمت، بزم و رزم سب کو عنادت بناتا ہے- اسلام نے بتایا ہے کہ عبادت بازاروں میں بھی ہوتی ہے اور کارزاروں میں بھی، ارکان صوم و صلاۃ، حج و زکوٰۃ سے بھی ہوتی ہے، قلم کی رفتار اور تلوار کی جھنکار سے بھی ہوتی ہے-

الغرض آپ کے خطبات میں علمی، روحانی اور انتظامی ہر طرح کی رہنمائی ایک طالب صادق کو میسر آتی ہے-

ایک رہبر قوم کی حیثیت سے آپ فرماتے ہیں-

دار القضا، دار الافتا سب کو مرکزی شان سے چلانا ہے، خانقاہوں کو آراستہ کرنا ہے، ان میں عملی تعلیم و تبلیغ کی روح پھونکنی ہے، "**المشائخ کلهم کنفس واحدة**" کر کے دکھانا ہے-

بقیہ صفحہ 105 پر ملاحظہ کریں

پروفیسر سید محمد کبیر احمد مظہر

محدث اعظم ہند کا ایک سفر

یہ بات شعبان ۱۳۷۴ھ اپریل ۱۹۵۵ء کے اوائل کی ہے کہ حضرت محدث اعظم گجرات (پاکستان) تشریف لائے- ان کے میزبان گجرات کی شیخ برادری کے ایک معزز شخص شیخ منظور حسین صاحب تھے، جو بقید حیات ہیں اور آج کل خواجگان ٹرسٹ ہسپتال کے امین ہیں اور وہاں کی شیخ برادری کے بزرگ شمار ہوتے ہیں- ان کے والد صاحب شیخ محمد حسین شوریٰ بلدیہ گجرات کے چیئر مین رہے تھے اور سماجی بہبود اور رفاہ عامہ کے کاموں میں حصہ لینے والے ممتاز آدمی تھے-

چوک پاکستان گجرات کی وہ مسجد جو بعد میں مفتی احمد یار خاں نعیمی کے درس قرآن کا مرکز بنی اور ان کے نام سے مشہور ہوئی، اس وقت تعمیر تھی، حضرت محدث اعظم نے اسی مسجد میں معراجِ نبوی کے موضوع پر خطاب کیا- حاضرین مجلس میں عوام الناس کے علاوہ اس دور کے تمام ممتاز علما و مشائخ بھی موجود تھے- مثلاً

۱-حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقش بندی
۲-حضرت پیر ولایت شاہ نقش بندی
۳-حضرت پیر نیک عالم شاہ صاحب مراڑیاں والے
۴-حضرت مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری
۵-حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی
۶-حضرت مولانا حکیم محمد مختار اشرفی نعیمی
۷-مولانا سید فضل شاہ صاحب خطیب باری والی مسجد پیرا

نماز عشا کے بعد یہ خطاب شروع ہوا اور آدھی رات تک جاری رہا- حضرت محدث اعظم کی شخصی اور علمی وجاہت اور زور خطابت نے وہ رنگ باندھا کہ عوام و خواص پر سرور و کیف کا عالم طاری تھا- تحسین و آفریں کے کلمات ہر زبان سے بے ساختہ نکل رہے تھے-

اس دور کی ایک ممتاز علمی اور عرفانی شخصیت حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقش بندی مجددی توکلی (۱۳۱۲ھ/ ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء-۱۸۹۵ء) بھی اس محفل میں شریک تھے- انھوں نے کیمبرج یونیورسٹی لندن سے دین عیسائیت میں پی ایچ ڈی کی تھی - وہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور اور ایف سی کالج لاہور کے ہونہار طالب علم رہے تھے- وہ ایس مرکیڈ وہیڈ ماسٹر ایم اے او ہائی اسکول امرتسر اور سر ہندی مارٹن پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے ممتاز شاگرد تھے اور انتیس سال (۱۹۱۷ء-۱۹۴۶ء) تک سی ایم زمیندارہ اسکول گجرات میں انگریزی زبان کے استاد رہے تھے- وہ علوم دینیہ میں بحر العلوم مولانا محمد عالم آسی امرتسری کے ممتاز شاگرد تھے اور صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی سے بھی سند حدیث رکھتے تھے- طریقت میں ان کا انتساب نقش بندی مجددی سلسلے کی ایک برگزیدہ شخصیت حضرت مولانا مفتی محبوب عالم نقش بندی توکلی (۱۸۵۰ء-۱۹۱۷ء) سے تھا، جو ریاست رامپور میں (۱۸۷۰ء-۱۸۸۴ء) دس سال نائب مفتی اعظم کے منصب جلیل پر فائز رہے تھے- انہوں نے ممتاز زمانہ عالم دین مولانا فتح محمد جالندھری کے ترجمہ قرآن فتح الحمید پر اس کے تاج کمپنی کی طرف سے طبع ہونے سے پہلے ۱۹۱۵ء میں نظر ثانی کی تھی- حضرت مترجم ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور تاثیر روحانی سے متاثر ہو کر ان سے اخذ طریقت کے طالب بھی ہوئے تھے اور خلافت پائی تھی-

حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقش بندی جن کا ذکر پہلے ہوا ہے خواجگان نقش بندی کے نسب کے صحیح امین ہونے کی بنا پر علما و مشائخ زمانہ کے درمیان نہایت ممتاز اور محترم تھے- اہل دین کی ممتاز مجالس ان کے بغیر سونی سمجھی جاتی تھیں، جبکہ ایسی مجالس میں کامل خاموشی اور سکوت تام کا ہونا آپ کی صحبت کامل کے واضح اثر کی بنا پر تھا- ان کی ذات والا صفات اہل علم اور اہل عرفان کا ایک مرکز اور محور تھی- ان کا ذوق نہایت ستھرا اور معیار نہایت بلند تھا- ان کی نگاہوں میں اہل علم کا جگہ پانا کوئی معمولی بات نہ تھی، لیکن حضرت محدث اعظم کے اس خطاب کے دوران آپ پر ایک کیف و سرور کا عالم طاری تھا، آپ ہلکے ہلکے انداز میں سر کو جنبش دے رہے تھے اور لبوں سے آہستہ آہستہ آواز سے واہ واہ اور سبحان اللہ کے کلمات بے ساختہ اور مسلسل ادا کر رہے تھے- اس مجلس میں گجرات کی دوسری بڑی روحانی شخصیت حضرت پیر ولایت علی شاہ کی

تھی- حضرت محدث اعظم نے واقعہ معراج کو بڑے تفصیلی انداز سے بیان کیا- مسجد اقصیٰ تک کا سفر اور پھر آسمانوں کی سیر مزید براں مرصع، مقفیٰ اور مسجع الفاظ وعبارات کے جواہر اوران واقعات اسریٰ ومعراج کی تعبیر وآرائش یوں کر رہے تھے کہ حاضرین وسامعین کو سارے واقعات ان کی اپنی آنکھوں کے سامنے واقع ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے اور اسلوب کی پر محبت غایت، جاذب پاکیزگی اور شستگی کی بنا پر یوں لگتا تھا جیسے کوثر وتسنیم کے چشموں کے دھارے بہہ رہے ہوں- نثر میں شاعری کے نمونے ادا ہو رہے تھے- فصاحت وبلاغت کے دریا رواں اور اذہان وقلوب خوب سیراب ہو رہے تھے اور کیوں نہ ہوتے سامنے منبر اسلام پر علم وعرفان، زہد وتقویٰ اور ایمان وایقان کا ایک نورانی پیکر جلوہ افروز تھا اور دنیا کبھی اس پیکر نورانی کو دیکھتی تھی اور کبھی ان کے زبان وبیان کے حسن وجمال کے آب رواں کو، جبکہ یہ دونوں تجلیات شرکائے مجلس کے دیدہ ودل کو منور کر رہے تھے-

اسرا اور معراج کے واقعات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس واقعہ پر وارد اعتراضات اور مشکلات کو فلسفہ اور سائنس کی توجیہات سے واضح کیا جا رہا تھا- یہ موضوع ہر چند کہ اصطلاحی انداز میں مشکل تھا مگر حضرت محدث اعظم اس آسان لہجے میں بیان کر رہے تھے اور روز مرہ کے عمومی دلائل سے یوں بدیہی استنتاج کر رہے تھے کہ عوام وخواص خوب محظوظ ہو رہے تھے- اہل گجرات اس رات علم وفضل اور عرفان وحقائق کے اس خم خانہ سے یوں سیراب ہوئے کہ عرصہ تک یہ خمار ان کے ذہن وقلب پر چھایا رہا- حقیقت یہ ہے کہ اتنی سنجیدہ اور باوقار علمی اور عرفانی محفل اہل گجرات نے کم ہی دیکھی تھی-

رات کو حضرت محدث اعظم نے شیخ منظور حسین صاحب کے ہاں قیام کیا- اس سفر میں آپ کے ہمراہ مولانا غلام علی اوکاڑوی بھی تھے، میزبان نے پوچھا حضرت کھانے اور ناشتے میں کون سی چیز پسند فرمائیں گے؟ جواب ملا:

”شیخ صاحب سب کچھ پسند ہے اور کوئی پرہیز نہیں- صرف یہ لحاظ رکھنا کہ میں ایک انسان ہوں-“

یہ ایسا بلیغ جواب تھا جو میزبان نے پہلے کسی اور عالم دین سے نہیں سنا تھا- ان کے نزدیک علما بسیار خور تھے اور مرغن کھانوں کے بغیر خوش نہیں ہوتے تھے- مہمان نے مزید وضاحت کی-

”شیخ صاحب جیسا سادہ کھانا آپ خود کھاتے ہیں ویسا ہی میرے لیے بھی لانا-“

صبح دم میزبان کے ایک دوست، جو پولس انسپکٹر تھے، نے میزبان کی وساطت سے حضرت محدث اعظم کی خدمت میں گزارش کی کہ اس کی شادی کو پانچ سال ہوگئے ہیں مگر وہ نرینہ اولاد سے محروم ہے- آپ نے فرمایا:

”فکر کی ضرورت نہیں ہے خدا کے خزانے میں کوئی کمی نہیں-“

آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

”انسپکٹر صاحب! آپ صرف اتنا کیجیے کہ اپنی حلال کی کمائی سے ایک سفید کلغی دار مرغ خرید کر لے آیئے-“

اگلے دن صبح سویرے ہی انسپکٹر صاحب اپنی اس تنخواہ سے جو انہیں اس مہینے نئی نئی ملی تھی ایک سفید کلغی دار مرغ لے کر حاضر ہوگئے- حضرت محدث اعظم نے باوضو ہوکر اپنے دستِ خاص سے اس مرغ کو ذبح کیا پھر اس کا دل نکالا اور دل کو زعفران لگا کر چینی کے پیالے میں کوٹا- پھر اس سے ایک تعویذ رقم کیا اور اس کی پانچ عدد نقول تیار کیں- راقم کو اس تعویذ کی نقل محترمی ڈاکٹر سید محمد مظاہر اشرف الجیلانی کے ذریعے سے ملی ہے- اور یہ تعویذ ان کی خاندانی بیاض میں موجود ہے-

حضرت محدث اعظم نے اس مرغ کا گوشت تھانہ دار کو دے دیا اور کہا کہ اسے کوئی عورت نہیں کھا سکتی اگر چکھے گی تو بانجھ ہو جائے گی- البتہ مرد کھا سکتا ہے- یہ واقعہ ۱۹۵۵ء کا ہے-

پھر حضرت محدث اعظم نے نقل کیے ہوئے پانچوں تعویذ انسپکٹر صاحب کو دیے اور استعمال کرنے کی ہدایات دیں- اس کے بعد انسپکٹر صاحب نے نذرانہ پیش کیا تو آپ نے نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا- آپ نے سختی سے منع کر رکھا تھا-

”یہ میرا نجی دورہ ہے نہ کوئی استقبال وغیرہ ہو اور نہ ہی کوئی شخص کسی قسم کا کوئی نذرانہ پیش کرے-“

بعد میں اپریل ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۶ء کے ابتدائی ایام میں حضرت محدث اعظم دوسری مرتبہ گجرات تشریف لائے- شیخ صاحب مذکور کے ہاں ہی قیام فرمایا- وہ انسپکٹر صاحب اپنی اہلیہ جس کی گود میں ایک چندے آفتاب بیٹا تھا کہ ہمراہ سلام کرنے کے لیے حاضر ہوئے- آپ نے بچے کا نام محمد رکھا- انسپکٹر نے بتایا کہ ہم نے صرف ایک تعویذ

استعمال کیا تھا اور چار تعویذ باقی بچے ہوئے ہیں ان کا کیا کیا جائے کہ شیخ صاحب مذکور نے ان کو روک دیا اور الگ لے جا کر کہا کہ تعویذوں میں کچھ نہیں ہوتا۔ یہ صرف اولیا اللہ کی موج ہوتی ہے۔ اگر محدث صاحب نے ان باقی بچے ہوئے تعویذوں کو استعمال کرنے سے روک دیا تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ یہ تعویذ ان کا عطیہ ہیں۔ لہذا تم ان تعویذات میں سے ہر ایک تعویذ کو ایک ایک کر کے آئندہ چار سالوں میں حضرت کی بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق استعمال کرو۔ انسپکٹر صاحب نے ایسا ہی کیا۔ ہر سال خدا نے انہیں ایک بیٹا عطا فرمایا۔ اس واقعے کا اور حضرت محدث اعظم کی پاکیزہ سیرت اور صحبت کا ان پر شدید اثر ہوا۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے پولس کی نوکری چھوڑ دی کہ اس کی روزی مشکوک تھی۔ پابند شریعت ہو گئے اور نماز پنج گانہ ادا کرنے لگے۔ انسپکٹر صاحب حضرت محدث اعظم کے باقاعدہ مرید نہیں ہوئے اور نہ ہی آپ نے انہیں مرید ہونے کا کوئی حکم دیا۔ لیکن آپ کی تھوڑی سے صحبت اور عنایت نے انسپکٹر صاحب کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔

۱۹۵۶ء میں جب حضرت محدث اعظم گجرات تشریف لائے تو شیخ منظور حسین صاحب نے اپنے گھر ان کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا، جس میں مقامی علما اور مشائخ نے بھی شرکت کی تھی۔ مہمانوں کو کھانے کے بعد آئس کریم بھی پیش کی گئی جس کا رواج اس زمانے میں بہت کم تھا، اس سے مہمان بہت محظوظ ہوئے۔ حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقش بندی جن کا اجمالی تعارف پہلے پیش کیا گیا ہے، آئس کریم وغیرہ استعمال نہیں فرماتے تھے اور نازک مزاج ہونے کی وجہ سے زیادہ ٹھنڈی اور زیادہ گرم اشیا سے پرہیز بھی کرتے تھے لیکن اس دعوت میں حضرت محدث اعظم کے طیب خاطر انہوں نے بھی آئس کریم کھالی۔ حضرت مذکور اس کے بعد اپنی علمی اور نجی مجالس میں بھی حضرت محدث اعظم کی تعریف کیا کرتے تھے۔ حضرت محدث اعظم نے گجرات میں ایک دو روزہ قیام کے دوران ہلکے پھلکے انداز سے حکمت و دانش کی بہت باتیں کیں اور اپنے جواہر خطابت کے کئی واقعات بھی سنائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ:

”حضرت محدث اعظم جب پہلی مرتبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تشریف لے گئے تو وہاں عید میلاد النبی کی مناسبت سے اسوۂ حسنہ کے موضوع پر ان کا ایک خطاب تھا۔ جب آپ خطاب کے لیے مائک کے سامنے آئے تو طلبہ نے حسب عادت اس خیال سے ہوٹنگ شروع کر دی کہ روشن دماغ انگریز پڑھنے والے جدید تہذیب و تمدن سے آشنا یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے پرانی وضع کے ایک مدرسہ جاتی مولوی کا بیان کسی خاص اہمیت کا حامل نہ ہوگا لیکن جب حضرت محدث اعظم نے اپنی خوبصورت اور بلند آواز میں عربی خطبہ کی عبارت پڑھی تو چاروں طرف ایک سکوت چھا گیا اور جب موضوع سے متعلق زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت کے چشمے رواں ہوئے تو چشم فلک نے دیکھا کہ تھوڑی دیر پہلے ہوٹنگ کرنے والے طلبہ بے اختیار اپنے زانوں پر ہاتھ مارتے اور واہ واہ کہتے تھے۔ جب آپ کا خطاب ختم ہوا تو وہ تمام طلبہ اپنے رویے پر سخت نادم تھے اور برملا اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ ہم نے کسی مدرسہ جاتی مولوی سے کسی بھی موضوع خصوصاً اسوہ حسنہ پر ایسی مربوط اور مدلل تقریر نہیں سنی۔“

حضرت محدث اعظم کے بارے میں یہ چند سطور لکھنے کی مناسبت میرے لیے ایک جذباتی پہلو بھی رکھتی ہے۔ وہ یہ کہ گجرات میں ان کا تشریف لانا میرے شیخ طریقت حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقش بندی سے ملاقات کا باعث ہوا۔ ان دونوں ہستیوں میں چند مناسبتیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی مناسبت یہ ہے کہ دونوں قریبی معاصر ہیں۔ حضرت محدث اعظم ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے جبکہ حضرت قطب الارشاد ۱۲ رجب ۱۳۱۲ھ مطابق ۹ جنوری ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے تھے۔ حضرت محدث اعظم ۱۶ رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء کو درد قلب (انجائنا) کے عارضہ میں وصال فرما گئے۔ جبکہ حضرت قطب الارشاد کا وصال ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو ہوا۔

ان دونوں شخصیات کا تعلق علمی اور عرفانی دنیا کے ساتھ قوی اور مضبوط تھا۔ دونوں تحریک پاکستان اور مسلکِ اہل سنت و جماعت کے بنیادی مددگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ دونوں میں زہد و تقویٰ امتیازی شان کے ساتھ موجود تھا اور دونوں میں وقار، سنجیدگی اور اخلاص کا ایک خزانہ پوشیدہ تھا، جس سے ایک جہاں سیراب ہوا۔ اب ایسی صورتیں دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں، خدا جانے کہ ایسی صورتیں اب کس دیس میں بستی ہیں۔

□□□

تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف کی جدید مطبوعات

۱-اختلافی مسائل پر تاریخی فتوی سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی	صفحات:-80 ترجمہ و تخریج: مولانا اسید الحق قادری	قیمت:-30
۲-اکمال فی بحث شد الرحال (فارسی) سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی	صفحات:-56 ترجمہ و تخریج: مولانا اسید الحق قادری	قیمت:-20
۳-فصل الخطاب سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی	صفحات:-48 تسہیل و تخریج: مولانا اسید الحق قادری	قیمت:-20
۴-حرز معظم (فارسی) سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی	صفحات:-56 ترجمہ و تخریج: مولانا اسید الحق قادری	قیمت:-20
۵-مولود منظوم (مع انتخاب نعت ومناقبس) سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی	صفحات:-180 ترتیب: مولانا اسید الحق قادری	قیمت:-50
۶-رد روافض (فارسی) تاج الفحول مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی	صفحات:ـ116 ترجمہ و ترتیب: مولانا اسید الحق قادری	قیمت:ـ40
۶-شارحة الصدور مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی	صفحات:ـ96 تخریج و تحقیق: مولانا مجاہد رضا قادری	قیمت:ـ30
۷-الدرر السنية شیخ احمد بن زینی دحلان مکی	صفحات:- 76 ترجمہ:ـ مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی	قیمت:-25
۸-مختصر سیرت خیر البشر مولانا محمد عبد الہادی قادری بدایونی	صفحات:-68	قیمت:-30
۹-احوال ومقامات مولانا محمد عبد الہادی قادری بدایونی	صفحات:-110 ترتیب و تلخیص: مولانا اسید الحق قادری بدایونی	قیمت:-40
۱۰-خمیازۂ حیات (مجموعۂ کلام) مولانا محمد عبد الہادی قادری بدایونی	صفحات:-200	قیمت:-80
۱۱-باقیات ہادی مولانا محمد عبد الہادی قادری بدایونی	صفحات:-212 ترتیب: مولانا اسید الحق قادری بدایونی	قیمت:-70
۱۲-نگارشار محب احمد مولانا محبّ احمد قادری بدایونی	صفحات:-140 ترتیب: مولانا اسید الحق قادری	قیمت:-40
۱۳-عظمت غوث اعظم مولانا محبّ احمد قادری بدایونی	صفحات:-44 تخریج و تحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری وجیہی	قیمت:-20
۱۴-مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری ترتیب: مولانا اسید الحق قادری	صفحات:-128	قیمت:-30

خدمات وافکار

ماہنامہ ''اشرفی'' اوراس کے اداریے: ایک تجزیہ	ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی
محدث اعظم ہند: خطابت کا ایک منفرد عنوان	مولانا سید رکن الدین اصدق
محدث اعظم ہند اور الجامعۃ الاشرفیہ	مولانا مبارک حسین مصباحی
محدث اعظم ہند: خدمت لوح وقلم	ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
''فرش پہ عرش'' بیک نظر	پروفیسر طلحہ رضوی برق
محدث اعظم ہند: ایک شاعر، ایک ثنا خواں	پروفیسر عبد الحمید بیدار
محدث اعظم ہند: ایک داعی، مبلغ اور مناظر	مفتی آل مصطفیٰ مصباحی
محدث اعظم ہند کی محدثانہ بصیرت	مفتی رضاء الحق اشرفی
محدث اعظم ہند اور تحریک پاکستان	علامہ عبد الحکیم شرف قادری

ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی☆

ماہنامہ ”اشرفی“ اور اس کے اداریے: ایک تجزیہ

ماھنامہ جام نور دہلی محدث اعظم ہند کے حوالے سے ان کی حیات، افکار اور کارناموں پر مشتمل ایک تاریخی نمبر نکالنے جارہا ہے- مدیر ماہنامہ نے فون پر اپنی حق رفاقت کا خراج وصول کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ کو ”ماہنامہ اشرفی“ کے اداریوں سے متعلق کسی نہ کسی حیثیت سے لکھنا ہے- مدیر ماہنامہ کا حکم تھا اس لیے بہر حال لکھنا تو تھا، مگر عنوان کے متعلق مناسب مواد ندارد- ماہنامہ اشرفی کی تمام فائلیں ابتدا سے لے کر آخر تک مجھے دستیاب نہیں ہے- کچھ شماروں کے منتخب اوراق کی فوٹو اسٹیٹ مجھے مدیر جام نور نے عنایت فرمائی، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف)　۱-اجمادی الثانی ۱۳۴۱ھ
۲-شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ
۳-شمارہ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ/ اگست ۱۹۲۳ء

(ب)　۱-محرم الحرام ۱۳۴۳ھ/نومبر ۱۹۲۴ء
۲- جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ/ مارچ ۱۹۲۵ء
۳- جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ/اپریل ۱۹۲۵ء

(ج)　۱-ستمبر/ اکتوبر ۱۹۲۵ء
۲-نومبر/ دسمبر ۱۹۲۵ء

(د)　۱-ستمبر ۱۹۲۶ء

(ہ)　۱-محرم الحرام ۱۳۴۶ھ/ جولائی ۱۹۲۷ء

مذکورہ بالا تفصیلات سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ ”ماہنامہ اشرفی“ کے کس قدر منتشر اوراق میرے پیش نظر ہیں- بعض فوٹو اسٹیٹ میں سنہ ہجری ہے تو سنہ عیسوی نہیں بعض اس کے برعکس بھی ہیں- جب تک ”اشرفی“ کے تمام شماروں کے اداریے میرے سامنے نہ ہوں تو بغیر مطالعہ یہ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں ماہنامہ اشرفی کے اداریے کے متعلق کوئی حتمی رائے بشکل تحریر اپنے قارئین کے سامنے پیش کروں یا اس کی پالیسی، اثرات اور عزائم کے متعلق کوئی تحقیقی بات کہہ سکوں- چند اداریے، جو میرے پیش نظر ہیں ان میں بھی کچھ اداریوں کے فوٹو اسٹیٹ نامکمل ہیں- مواد کی عدم دستیابی، نیز ذاتی مصروفیت کے باوجود مضمون بھی لکھنا ہے، اس لیے میرے سامنے ”جو کچھ ہے اور جیسا کچھ ہے“ کہ اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین تک کچھ باتیں اس حوالے سے پہنچا رہا ہوں-

ماہ نامہ اشرفی مطبع اشرفی آستانہ حضرت کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں چھپ کر شائع ہوتا تھا- یہ رسالہ ماہ بماہ مخدوم سمناں شائع ہوتا تھا مگر بعض اداریوں کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تسلسل میں تعطل بھی ہوتا تھا- رسالہ کی اشاعت کی غرض وغایت بتاتے ہوئے اس کے سرنامے پر مندرجہ ذیل عبارت تحریر ہوتی تھی:

”مذہب مقدس اسلام وعقائد حقہ اہل سنت و جماعت وحضرات صوفیہ کرام کا مذہبی، علمی، اخلاقی، تاریخی، ادبی، صوفیانہ، مضامین عالیہ کا بہترین مجموعہ ماہواری رسالہ“-

(اشرفی، ماہنامہ کچھوچھہ، فیض آباد، شمارہ ۵، شوال ۱۳۴۱ھ/ جون ۱۹۲۳ء، ٹائٹل پیج)

لیکن اسی مذکورہ سال کے ماہ اگست کے سرنامے کی اس عبارت میں تبدیلی ہوئی ہے اور یوں لکھا گیا ہے:

”مذہب مقدس اسلام وعقائد حقہ اہل سنت و جماعت وحضرات صوفیہ کرام کا سچا خادم، مذہبی، اخلاقی، تاریخی، ادبی، صوفیانہ مضامین عالیہ کا بہترین مجموعہ ماہ وار رسالہ“-

(اشرفی، ماہنامہ کچھوچھہ، فیض آباد، شمارہ ۵، ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ/ اگست ۱۹۲۳ء، ٹائٹل پیج)

ماہنامہ اشرفی اپنے ادارتی بورڈ کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات فراہم کرتا ہے:

”مدیر رسالہ ومالک مطبع حضرت مولانا الحاج سید محمد صاحب قبلہ اشرفی جیلانی محدث کچھوچھوی“-

”باہتمام ناچیز نائب مدیر سید شمس الدین اشرفی جیلانی“

کچھ شماروں پر ”باجازت مدیر رسالہ ومالک مطبع حضرت مولانا الحاج السید الشاہ سید محمد صاحب قبلہ اشرفی جیلانی محدث کچھوچھوی“

☆Naushadchishti@gmail.com:Mob:09412562751

بھی لکھا ہوا ہے اور ''نائب مدیر'' کا نام نہیں تحریر ہے، صرف ''نائب مدیر'' لکھا ہوا ہے-

دستیاب رسالہ کے مختلف اداریوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ رسالہ ماہ بماہ تسلسل کے ساتھ نہیں نکل پاتا تھا- مدیران رسالہ اس کے تعطل کی وجہ سے اکثر فکر مند رہتے تھے- ستمبر، اکتوبر ۱۹۲۵ء کے شمارے کے اداریے سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''اشرفی آج کامل دو ہفتہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوتا ہے- یہ تو گزشتہ رسالے میں عرض کر دیا تھا کہ رسالہ کی اشاعت بتاخیر ہوگی- معاف فرمائیے گا- مگر ہمارے کثیر احباب جو اشرفی سے وابستگی رکھتے ہیں اس کو عذر لنگ سے بھی بدتر سمجھتے ہیں اور شکایت پر شکایت کر ہی دیتے ہیں جو ہمارے سر آنکھوں پر ہے، بلکہ ہم ان دوستوں کے شکر گزار ہیں جنھوں نے اشرفی کو مونس و رفیق وغیرہ سے سراہا ہے لیکن مجھے پھر بھی کہنا پڑتا ہے کہ اشرفی کی توسیع اشاعت میں آپ نے کتنا حصہ لیا؟ اور اگر کچھ نہیں تو (پھر) آپ ہی فرمائیے کہ بے قاعدگیوں کا الزام دفتر پر ہے یا ہمارے معزز ناظرین پر- کہیں ایسا تو نہیں کہ محبان اشرفی خریدار کے اضافہ کو رقابت کی نظر سے دیکھتے ہوں کہ ان کا محبوب انہیں تک محدود ہو کر رہ جائے- بہر حال خطاوار ہوں اور کفارہ میں دو مہینہ کا رسالہ ایک ساتھ حاضر ہے قبول فرمائیے''-

(اشرفی، ماہنامہ، شمارہ ستمبر/اکتوبر ۱۹۲۳ء، ص:۱)

ان اداریوں کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسالے کے اداریے کے لیے کوئی ایک مخصوص نام یا عنوان متعین نہیں ہے- ۱۹۲۵ء کے شماروں کے اداریے ''اشتات'' کے عنوان سے لکھے گئے ہیں- ۱۹۲۶ء کے شماروں کے اداریے ''شذرات'' کے عنوان سے لکھے گئے ہیں، اگست ۱۹۳۲ء کے اداریے کا عنوان ہے ''اشرفی جھنڈا ملکانہ میں'' محرم الحرام ۱۳۲۳ھ/۱۹۲۴ء کے اداریے کا عنوان ہے ''چند باتیں'' جسے رسالے کے مینیجر نے سپرد قلم کیا ہے- جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ کے شمارے کا اداریہ مدیر نے ''خطبۃ الوداع'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے- اس الوداعی خطبے کا ایک ایک لفظ دل چسپی کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہے- اس اداریے میں پہلے تو رسالہ اشرفی کا تعارف کراتے ہوئے ''کون اشرفی؟'' کے عنوان سے لکھا پھر ''خدمات'' کے عنوان سے اس رسالہ کے کارناموں کا چرچا کیا اور ''مصائب'' کے عنوان سے درد دل کا اظہار کرتے ہوئے مدیر لکھتے ہیں:

''اشرفی کے لیے ۱۹۲۴ء کا آغاز ہی کچھ اس انداز کا تھا جس کا انجام اچھا نظر نہیں آتا تھا- دسمبر ۱۹۲۳ء ہی سے بڑا شور و غل مچایا گیا مگر جنوری ۱۹۲۴ء میں چند کرم فرماؤں کے سوا کسی نے بھی اپنا چندہ سالانہ نہیں بھیجا- اشرفی سب کے نام جاری رہا اور جنوری، فروری، مارچ تین مہینہ کامل خریداروں کے پاس جاتا رہا- اس عرصہ میں خریداروں کا سکوت جب مالی زیر باری کا پیش خیمہ ہو گیا تو اپریل کا اشرفی بذریعہ وی پی حاضر کیا گیا اور اس وقت مہربانوں کا یہ کرم ملاحظہ ہو کہ وی پی کو نصف سے زائد دوستوں نے واپس کر دیا اور دفتر کو بے وقت مجروح کر دیا اور گزشتہ تین مہینے کے رسالے جو وصول کر لیے تھے اس کو باوجود پے در پے عرض کرنے کے واپس تک نہ کیا اور شرعی مواخذہ قبول کر لیا-'' (اشرفی، ماہنامہ، شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ، ص:۲)

رسالہ اشرفی کے دستیاب مختلف اداریوں کی ورق گردانی سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ یہ ماہ نامہ اپنے ابتدائی دور سے ہی مالی مشکلات سے دوچار رہا، اکثر و بیشتر اس کے اداریے اسی موضوع پہ لکھے گئے ہیں اور بار بار چندہ یا تعاون کی اپیل کے باوجود قارئین کی عدم التفات کی مرثیہ خوانی کی گئی ہے- خطبۃ الوداع کا ایک اور اقتباس پڑھیے:

''اگر آپ نے اپنا چندہ سالانہ اس رسالہ کی وصولی پر دس دن کے اندر روانہ فرما دیا تو سمجھیے کہ اشرفی ۱۹۲۵ء میں بھی جاری رہا اور اگر آپ نے گزشتہ سال کے نامہربانوں کی تقلید کی تو ہم آج ہی آپ سے رخصت ہوتے ہیں- شما بخیر و ما بسلامت، مہینہ بھر کی تحریری ملاقات بھی گئی- مطبع اشرفی آپ کا دعا گو، مدیر اشرفی آپ کا خیر خواہ، منیجر اشرفی آپ کا یار گران، مجلّہ اشرفی آپ سے وداعی مصافحہ کرتا ہے اور یہ خطبہ الوداع اپنے معافی نامہ اور آپ کی عنایتوں کی یادگاریں چھوڑے جاتا ہے- السلام علیکم- مدیر غفرلہ-'' (نفس مصدر، ص:۳)

نومبر، دسمبر ۱۹۲۵ء کے شمارے کے اداریے کا مندرجہ ذیل اقتباس بھی اسی بات کی عکاسی کرتا ہے، مدیر اعلیٰ لکھتے ہیں:

''آپ کو یاد ہوگا کہ اشرفی کی ابتدا جنوری ۱۹۲۳ء میں ہوئی ہے اور اس سال ہمیشہ جنوری سے شروع ہوتا رہا ہے لیکن گوناگوں اسباب کی بنا پر ہم اشرفی کا چوتھا سال جنوری ۱۹۲۶ء سے شروع نہ کر سکے- بلکہ بڑی مشکل سے ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ میں اشرفی کا تیسرا سال

ختم کر سکے ہیں- لہذا آئندہ اشرفی کا سال شوال المکرّم سے شروع ہوگا اور ہم اشرفی جلد۴ نمبر۱ ماہ شوال ۱۳۴۴ھ میں نظر ناظرین کریں گے- ان شاءاللہ‘‘- (اشرفی، ماہنامہ شمار نومبر، دسمبر ۱۹۲۵ء ص:۱)

نوٹ: مولانا ذاکر حسین اشرفی راج محلی صاحب اپنی مرتب کردہ کتاب ’’حیات محدث اعظم ہند‘‘ میں ماہنامہ اشرفی کے متعلق لکھتے ہیں:

’’۱۳۳۹ھ بمطابق ماہ جنوری ۱۹۲۲ء میں کچھوچھہ شریف سے ماہنامہ اشرفی جاری فرمایا اور شدھی، قادیانی اور وہابی تحریکات کی بیخ کنی کی‘‘ (حیات محدث اعظم ہند، مرتب، ذاکر حسین اشرفی، مولانا، باراول، ۱۹۹۶ء، ناشر الاشرف اکیڈمی، راج محل، بہار، ص:۱۲)

میرے خیال میں مولانا ذاکر حسین اشرفی راج محلی صاحب کی یہ تحریر ماہنامہ اشرفی کی مذکورہ داخلی شہادت سے متعارض ہے اور حقیقت یہی ہے کہ ماہنامہ اشرفی کی سال ابتدا جنوری ۱۹۲۳ء ہے-

جولائی ۱۹۲۷ء کے شمارے کے اداریے کا عنوان ہے ’’اشرفی کا پانچواں سال‘‘ مدیر اعلیٰ اس اداریے میں لکھتے ہیں:

’’اشرفی نے دنیا میں ۱۹۲۳ء میں قدم رکھا اور آج چار سال تک باوجود گوناگوں حالات کے زندہ رہا- سچ پوچھیے تو یہ آستانہ اشرفیہ کی مسیحا دم نسبت کی برکت تھی ورنہ قطع نظر ان مالی نقصانات کے جن کی داستان طویل سراپا ماتم ہے‘‘- (اشرفی، ماہنامہ، شمارہ جولائی ۱۹۲۷ء ص:۱)

۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۷ء کے جو مختلف اداریے میرے پیش نظر ہیں ان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ رسالہ اشرفی اگرچہ مالی واقتصادی مسائل سے ہمیشہ الجھا رہا مگر اس کے باوجود اس نے ملت اسلامیہ کی مناسب رہنمائی اور فکری بیداری میں اپنے اداریوں کے ذریعہ سرگرم کردار ادا کیا- حالات اور ضرورت کے پیش نظر اس نے خالصتاً اہل سنت کی رہنمائی سواد اعظم کے درمیان رائج ان کی اپنی قدیم اصطلاح میں کی- اپنی قدیم شناخت ’’اہل سنت وجماعت‘‘ کو برقرار رکھنے اور اس کی بقا کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کی-

میرے پیش نظر اشرفی کے بعض اداریوں میں حالات حاضرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے- بعض شمارے تاخیر سے نکلنے کے باوجود بھی اس کے اداریے میں وقت کے سلگتے مسائل پر بھرپور نظر ڈالی گئی ہے- گزشتہ حوالوں سے جیسا کہ قارئین کو معلوم ہوا کہ رسالہ اشرفی کا سال اجرا جنوری ۱۹۲۳ء ہے، یہ دور مسلمانان برصغیر کے لیے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور اقتصادی اعتبار سے بہت ہی ہنگامہ خیزی کا دور تھا- نہ صرف برصغیر بلکہ تمام عالم اسلام نہ صرف سیاسی اور جغرافیائی حدود کے اعتبار سے انقلاب زمانہ کا شکار ہو رہا تھا بلکہ ان کی اپنی قدیم شناخت کو اسلام دشمن خفیہ طاقتوں نے چیلنج کر دیا تھا- برصغیر میں وہابیت غیر مقلدیت قادیانیت کا تو مسئلہ اپنی جگہ تھا ہی مسلمانان ہند کو مرتد بنانے کا ایک اور فتنہ آریہ سماج کے شدھی اور سنگٹھن تحریک نے شروع کر دی تھی- اس پر مستزاد یہ تھا کہ فرنگی حکمرانوں کی ایما پر عیسائی مشینریاں تمام طرح کے مکروفریب کو بروے کار لاتے ہوئے مسلمانوں کو لقمہ تر سمجھ کر مرتد بنا رہی تھیں- مختلف جہتوں سے قلعہ اسلام اور عقائد اہل سنت پر خشت باری جاری تھا- رسالہ اشرفی حقیقی اسلام کے عقائد ومعمولات کی خدمات کرنا ہی اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا- اس لیے وہ اپنے پیشانی پر جلی حروف میں لکھتا تھا:

’’مذہب مقدس اسلام وعقائد حقہ اہل سنت وجماعت وحضرات صوفیہ کرام کا سچا خادم‘‘-

شمارہ اگست ۱۹۲۳ء کے اداریے کا عنوان ہے ’’اشرفی جھنڈا ملکانہ میں‘‘ کے عنوان سے ہی موضوع کی اہمیت کا پتہ چل جاتا ہے- برطانوی ہند کے فرنگی حکمراں جب مسلمانوں کو عیسائی مبلغین کے ذریعہ خاطر خواہ تعداد میں تمام تر مکروفریب اور لالچ کے باوجود مرتد نہ بنا سکے تو انہوں نے بہت غوروفکر کے بعد ہندوؤں میں سے ایک جنگجو جماعت آریہ سماج بنا کر مسلمانوں کے خلاف اس جماعت کی پشت پناہی کی- اپریل ۱۸۷۵ء میں بمبئ میں قائم آریہ سماج نے ملک کے مختلف علاقوں میں اپنے دفاتر کھول کر ہندوستانی سماج میں اسلام اور مسلمان دشمنی کا زہر گھول دیا- اکثر ہندوستانی نژاد لوگوں نے ہی صوفیہ اسلام کی تبلیغ سے متاثر ہو کر یہاں اسلام قبول کیا تھا ان ہی کی اکثریت آج بھی ہے- ان ہی مسلمانوں کو دوبارہ دائرہ اسلام سے نکال کر ہندو مذہب میں داخل کرنا آریہ سماج کا نصب العین تھا- اس کے لیے اس جماعت نے اپنا ذیلی ادارہ ’’شدھی‘‘ اور سنگٹھن کے نام سے بنایا- شدھی تحریک کا کام جنگی پیمانے پر بزور طاقت وہتھیار مسلمانوں سے قتل وقتال کرنا تھا- قتل وخوں ریزی کے مواقع برپا کرنا، مسلمانوں کو ہراساں کر کے ان کو مغلوب الحال بنائے رکھنا تھا-

آزادی سے قبل کا ’’صوبہ متحدہ‘‘ موجودہ ’’یوپی‘‘ کا شہر متھرا اور اس کے مضافات سے متصل صوبہ راج پوتانہ (راجستھان) کے خطہ ملکانہ

کے رہنے والے وہ راج پوت خاندان جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا انہیں ملکانہ راج پوت کہتے ہیں، آریہ سماج کی بغل بچہ تنظیم ''شدھی تحریک'' نے جب اس علاقے میں ارتداد کا فتنہ پھیلایا تو مسلم تنظیموں نے بھی اس فتنہ ارتداد کا بہت منظّم اور ڈٹ کر مقابلہ کیا- اسی فتنۂ ارتداد کے دفاع کے پس منظر میں تحریر شدہ اداریے کا کچھ اقتباس ملاحظہ کریں:

''روزانہ، ہفتہ وارنہ، ماہوار، اخبارات ورسائل اور خود اشرفی کی گزشتہ اشاعت کے ذریعہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں یہ خبر پھیل چکی ہے کہ اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ حضور سید الشاہ ابو احمد المدعو محمد علی حسین صاحب قبلہ اشرفی جیلانی سجادہ نشین آستانہ کچھوچھہ شریف ملکانہ کے علاقۂ ارتداد کی خبروں کو سن کر بے چین ہوگئے اور مجاہدانہ طریق پر اشرفی جھنڈا بلند فرما کر اس علاقہ میں متوسلان سلسلہ عالیہ اشرفیہ کو دعوت دیتے ہوئے تشریف لے گئے ہیں- جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی سرکردگی میں مسلمانان آگرہ نے جیسا پر جوش استقبال کیا اور جیسی شاہانہ سواری آگرہ کے عام گزرگاہوں پر حضور کی نکلی ہے اس نے مشرکین ہند کے دلوں کو ہلا دیا ہے اور رعب وجلالت نے ان کے قلوب پر قبضہ کرلیا-
.... جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ حضرت شیخ المشائخ کا وعظ ہوا جس کے سننے کو ملکانہ کے راج پوت ٹوٹے پڑتے تھے- اس جلسہ میں لوگوں کی محویت جیسی کچھ تھی اس کا لطف حاضرین ہی کو معلوم ہے- مسئلہ ارتداد پر روشنی ڈالنے کے بعد جہاد کی دعوت دی گئی اور اسلامی خون میں صدیقی جوش کی لہر پیدا کی گئی- اس وعظ کا ملکانہ میں بڑا چرچا ہے-''

(اشرفی، ماہنامہ، شمارہ ذی الحجہ، ۱۳۴۱ھ ص:۱،۲)

ملکانہ کے علاقے میں فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لیے علمائے اہل سنت نے بڑی جاں فشانی سے کام لیا، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں باوجود اپنے ضعف ونقاہت اور اپنی پیرانہ سالی کے دین اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کو شدھی کے مکروفریب سے بچانے کے لیے ملکانہ کے دور دراز علاقوں میں نہ صرف سفر کیا بلکہ وعظ ونصیحت سے بھی کام لیا- انسداد شدھی کے لیے مسلمانوں کے درمیان سر توڑ کوشش کرنے والوں میں علمائے اہل سنت کی ایک طویل فہرست سے جماعت رضائے مصطفیٰ کے پرچم تلے یہ کام بحسن وخوبی منظّم انداز میں کیا گیا- نمایاں طور پر اس میدان میں خدمات انجام دینے والے علمائے کرام کے متعلق اداریہ نگار نے لکھا کہ:

''اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ کے ورود ملکانہ سے پہلے آپ کے خلفا سے حضرت استاذ العلما مولانا سید نعیم الدین صاحب جلالی اشرفی وجناب مولانا سید غلام قطب الدین صاحب برہم چاری مودودی اشرفی وجناب مولانا سید ابوالبرکات سید احمد اشرفی مفتی آگرہ وجناب مولانا قاضی احسان الحق صاحب المخاطب بہ منت اللہ اشرفی، مفتی شہر بہرائچ وغیرہم دامت برکاتہم العالیہ علاقہ ارتداد میں جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی رکنیت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کام کررہے تھے لیکن لیڈروں کے فتنے اس درجہ ظالمانہ روش پر استعمال کیے جارہے تھے کہ کسی دردمند مسلمان کا کو گھر پر بیٹھے رہنے کا موقع نہ تھا-

چنانچہ حضرت شیخ المشائخ کے اسلامی قلب میں تاب نہ رہی اور خود بہ نفس نفیس حضور نے میدان جہاد میں قدم رکھ دیا- حضور شیخ المشائخ کا یہ جہاد اسلامی دنیا کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے جس نے ملکانہ کی بساط کو بالکل پلٹ دیا ہے اور جس طرح کل تک مشرکین ہند فتنۂ ارتداد کے لیے سارے ہندوستان کو تاک رہے تھے اسی طرح آج جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی نگاہ تمام ہندوستانی اسلامی دنیا پر پڑتی ہے اور اس کے کام کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے- ضلع علی گڑھ سے لے کر ضلع ایٹہ تک اس کے کارکن پھیلے ہوئے ارتداد کے دفاعی تدابیر میں مشغول ہوگئے ہیں اور وہ دن قریب ہے جب کہ جماعت کے اراکین تمام ممالک متحدہ میں جہاد کرتے ہوئے نظر آئیں-'' (نفس مصد، ص:۲)

یہ فتنہ کیوں اٹھا؟ شدھی وسنگھٹن تحریک کے پس پشت کون سے محرکات تھے؟ فرنگی حکم رانوں کے اغراض ومقاصد کیا تھے؟ آریہ سماج نے مسلمانوں کے ساتھ یہ رویہ کیوں اپنایا؟ یہ تمام اسباب وضاحت طلب ہیں- اشرفی کے مدیر اعلیٰ اس اداریے میں بعض وجوہات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مشرکین ہند کی نگاہ میں ہندوستان کی اسلامی دنیا کا نقشہ اس زمانے میں اپنے خراب رنگ وروپ میں نمودار ہوا ہے جس نے ان کو اس فتنہ کی ہمت دلائی ہے- وہ دیکھتے ہیں کہ ''مسلمانان ہند'' اپنی خلافت اور اسلامی دفاعی قوت کے سوگوار ہیں، ان کا جسم ہندوستان میں ہے لیکن ان کی روح انگورہ میں اعلیٰ حضرت غازی مصطفیٰ کمال پاشا نصرہ اللہ تعالیٰ نصرا عزیزا کی فرش قدم ہے- ان کی فوج انگورہ کی غم خواری میں مشغول اور قربانی کے لیے تیار ہے- ان کے نوجوان

اس لشکر کے نظم وترتیب کی طرف متوجہ ہیں اور ان کے حقیقی سردار ''مشائخ ہند'' اپنی خانقاہوں میں خلافت کے لیے دعا گو ہیں اور وہ عموماً ضعیف العمر ہیں جن میں نرمی ضرور ہوگی۔

پھر کفرستان ہند میں انہوں نے حوصلہ پرور یہ منظر بھی دیکھا کہ کتنے مدعیان اسلام اور کلمہ گو ہیں جو کہنے کو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر وہ شیطان کے غلام اور دیو کے بندے اور نفس امارہ کے فرماں بردار ہیں۔ وہ اپنی نئی نئی ایجادوں سے اپنی ارتداد پسندی کو روشن کر چکے ہیں۔

پھر وہ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو مسلمان ہیں ان میں والیان ملک اور رؤسا اسلام کی پر درد صدا سننے سے مستغنی ہیں۔ ملازمت پیشہ بھی اس سے بے پرواہ ہورہے ہیں، وکلا بھی عدیم الفرصت ہیں، تجارت پیشہ بھی اس کے لیے فارغ نہیں ہیں۔ غربا کو پیٹ پالنے سے وقت نہیں بچتا۔

غرض ہندوستان میں اسلام ایک بے یارو مددگار ہے جو چٹکی بجاتے فنا ہوسکتا ہے لہٰذا پہلے تو ایک عام تحریک کے سلسلہ میں اسلام کے سامنے مذہبی مساوات پیدا کرنے کی کوشش کی اور رامائن اور مقدس قرآن کو یک جا رکھا اور مسجد ومندر کا تقدس برابر قرار دیا۔ مسجد کی خاک پاک اور بتوں چڑھاوے کے قشقہ میں امتیاز اٹھا دیا اور تسبیح وزنار کو ایک ہی سلسلہ میں شمار کیا اور جب عوام کی معاذ اللہ نیاز مندیوں کا مشاہدہ کرلیا تو صبر نہ ہوسکا اور اپنے سوامی شردھا نند کی لیڈری میں مشرک گیدڑوں نے مسلم شیر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔'' (نفس مصدر، ص:۴-۵)

اداریے میں مدیر اعلیٰ نے مذکورہ جن محرکات کی نشاندہی کی ہے ان میں ''تاریخیت'' ہے۔ مذکورہ عہد پر نگاہ رکھنے والے مورخین مدیر نے اتفاق کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فرنگی حکومت شدھی کے علم برداروں کو مسلمانوں سے ٹکرانے ان کو تباہ وبرباد کرنے ان کو مرتد بنانے کے لیے انہی وجوہات کی بنا پر آریہ سماجیوں کی مدد کررہی تھی۔ لیکن جب بے سروسامانی کے عالم میں بھی مسلمانانِ ہند تحفظ تقدیس الوہیت اور تحفظ ناموس رسالت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر برصغیر کی فضا فرقہ ورانہ تصادم کے زلزلے سے لرز اٹھی۔ نفرت وتصادم کے اس ماحول سے برصغیر کے ہندو مسلمان دونوں کو نقصان پہنچا اور تیسرا فریق، انگریز اپنی حکومت کو کچھ وقت کے لیے مزید مستحکم کرلیا۔ شدھی اور سنگٹھن کا جواب دینے کے لیے جب مسلمان کھڑے ہوئے تو اس کی منظر کشی مدیر نے ان الفاظ میں کی:

''مشرکین ہند کے یہ نگاہ سرسری طور پر نہ تھی بلکہ گہری تھی مگر وہ قدرت کے فیصلہ اور آنے والے واقعات سے بے خبر تھے۔ چناں چہ اب وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ خلافت کے حقیقی غم خوار اور اسلامی دفاعی قوت کے سچی جاں نثار فوج اور نوجوان مسلمان کا واقعی لشکر جس کا دوسرا نام ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' ہے اور جس کو عرصہ سے دنیا ضلالت شکن اور ارتداد فگن کا خطاب دے چکی ہے۔ وہ لشکر ظفر پیکر غازی اعظم کے فاتحانہ شوکت کو دیکھ کر ادھر سے مطمئن ہوکر ملکانہ کے میدان جہاد پر ٹوٹ پڑا ہے۔ اور پنجاب وممالک متحدہ سے اس وقت تک بارہ (۱۲) کمک اس کے لیے پہنچ چکی ہے۔ جن کے مقابل قدیم ارتداد پسندوں سے بھی ''مشرکین ہند'' کو کوئی معتد بہ نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ رؤسا بھی اب غافل نہیں رہے اور جیسا کہ جماعت مبارکہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ علی گڑھ کے شیروانی رؤسا نے جن میں ''اشرفی'' کے سرپرست عالی جناب خان بہادر نواب محمد ابوبکر خاں صاحب رئیس اعظم دادوں بھی شامل ہیں اسلام کے لیے کمر بستہ اور تیار ہوچکے ہیں اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے حقیقی سردار مشائخ کرام اپنی اپنی خانقاہوں سے نکل پڑے ہیں اور ان کی کبرسنی وضعیف العمری نے ان کو خدمت اسلام سے باز نہیں رکھا۔'' (نفس مصدر، ص:٦)

مسلمانوں کو مدیر اشرفی تحریک شدھی وسنگٹھن کی انسداد وانہدام کے لیے بہت پرجوش انداز میں ترغیب دلاتے ہیں۔ تحفظ اسلام وایمان کے لیے مسلمانوں کے دلوں پہ دستک دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمانو! اب کسی چیز کا انتظار نہیں رہا چلو اور آگرہ محلّہ رکاب گنج دفتر جماعت رضائے مصطفیٰ میں پہنچ کر اشرفی جھنڈا کے نیچے اسلام پر فدا ہوجاؤ اور چندہ بنام سید ایوب علی صاحب نائب ناظم جماعت رضائے مصطفیٰ ناظم جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی روانہ کرو۔

کیا صوبہ جات بنگال وبہار وممالک متحدہ وپنجاب ومدارس وبمبئی وغیرہ میں کوئی ہے جن کے کان میں ہماری آواز پہنچی ہو۔ جس نے اسلام کی نازک حالت کو دیکھا ہو اور جس نے عملی دنیا میں اپنے کو مسلمان ثابت کر دکھایا ہو، بمبئی کی بعض اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں اشرفیوں میں کوئی حرکت پیدا ہوئی ہے، مگر وہ گویا کالعدم ہے اور وقت ہے کہ اسلامی ہند یک بارگی جوش کے ساتھ میدان جہاد میں کود پڑے۔''
(نفس مصدر، ص:٦)

اسی شمارہ میں اداریے کے علاوہ مدیر اعلیٰ اشرفی نے ایک نوٹ تحریر کیا ہے جو میری ناقص رائے میں اداریے کا ہی تکملہ ہے- مدیر اعلیٰ کی وہ تحریر کئی جہتوں سے لائق توجہ ہے اور عصر حاضر میں مخصوص حالات کے پیش نظر رہنما خطوط بھی-

عام حالات اور مخصوص حالات میں لیے گئے فیصلوں میں فرق ہوتا اور ہونا بھی چاہیے، کیوں کہ عام حالات میں قیادت کی پالیسی مختلف ہے، مگر ہنگامی حالات میں لیا جانے والا فیصلہ ہمیشہ عام حالات کے فیصلے سے مختلف ہوتا ہے- جو قوم اس فرق کو ملحوظ نہیں رکھتی وہ ہمیشہ انتشار و اضطراب کی شکار ہی رہتی ہے- مفاد عامہ کا دفاع اور تحفظ اپنے ذاتی یا انفرادی مفاد کے تحفظ سے بڑھ کر ہے- اس پس منظر میں مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفی سید محمد کچھوچھوی المعروف محدث اعظم ہند ''علاقہ ارتداد کے بعض چشم دید حالات'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''مورخہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۷/ اگست ۱۹۲۳ء کو میں طلبیدہ فرنگی محل لکھنؤ گیا اور وہاں سے ۸/ اگست کو جناب قطب الدین عبد الولی صاحب آگرہ روانہ ہوا تاکہ مبلغین اسلام کے مساعی جمیلہ کو مشاہدہ کروں-''

ہم لوگوں نے پہلے اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ سجادہ نشیں صاحب قبلہ آستانہ کچھوچھہ شریف کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور بعض خاص معروضات خدمت اقدس میں پیش کیے جن کے ہم قاصد تھے اور جن کا لگاؤ اسی دفع فتنۂ ارتداد و خیر خواہی اسلام سے تھا دو گھنٹہ کے اندر ہم اپنے اس فرض سے سبک دوش ہو گئے اور اس کے بعد دفتر رضائے مصطفیٰ بریلی میں گئے اور ''انجمن نمائندگان تبلیغ'' و ''جمعیۃ العلما'' کے بعض اراکین سے ملے- یہی تینوں دفتر ہیں جن میں اراکین وفود مبلغین اپنے تجربہ و حسن ظن کی بنا پر شامل ہو جاتے ہیں- یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس سلسلۂ تبلیغ میں باوجود اختلاف اسما اتحاد و عمل و مقصد کا پورا پورا اثر ہے اور قدیمی ''فرقہ بندی'' کا کوئی شائبہ بھی نظر نہیں آتا- ہر ایک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تبلیغ کر رہا ہے اور اختلافی مسائل زبان پر نہیں لاتا-

کہا جاتا ہے کہ ''انجمن نمائندگان تبلیغ'' کے مبلغوں کا صرف اسراف کی حد کو پہنچا ہوا ہے اور جمعیۃ العلما کے دفتری مصارف بہت بڑھے چڑھے ہیں، لیکن اگر تم یہ دیکھو کہ لاکھ و کروڑ کے اڑانے پر جن لوگوں کو مرتد کیا گیا ہے وہ چند ہزار کے خرچ ہونے پر مسلمان ہو گئے تو یہ نکتہ چینی کبھی پسندیدہ نہ ہوگی-

اگر قادیانی گروہ کا اپنا مذہبی فتنہ اس علاقے میں نہ ہوتا تو ''مختلف الخیال لوگوں کا اتحاد عمل'' عجیب دل کش منظر پیش کرتا، لیکن قادیانیوں نے تو ایک طرف لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو ناقص قرار دیا ہے جب تک کہ معاذ اللہ غلام احمد (کو) نبی اللہ نہ کہا جائے دوسری طرف اپنی جانب کھینچنے کے لیے نیلام کی بولی شروع کر دی ہے کہ جو اس طرح مسلمان ہوگا اس کو اتنا روپیہ دیا جائے گا ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر جمعیت تبلیغ نے کفریہ غلام احمد نبی اللہ میں اختلاف مجبوراً ظاہر کیا اور نیلامی بولی سے آریوں نے دام زیادہ لگایا- اسی اختلاف و نیلام نے آریوں کو نفع پہنچایا جن کا تمام تر یار صرف قادیانیوں پر ہے''-

(ص: ۱۳، نفس مصدر، ٹائٹل پیج)

مذکورہ بالا تکملہ اداریہ کے اقتباس پر نظر ڈالیے تو آپ قارئین کو اندازہ ہوگا کہ ہنگامی حالات میں کیسے فیصلے لیے جاتے ہیں اور کن امور پہ کس سے اتحاد کیا جاتا ہے اور کن امور کے پیش نظر کن لوگوں سے اختلاف ہر حال میں برقرار رکھا جاتا ہے- اس اقتباس میں قائدین اہل سنت کے اجتماعی فیصلے کی جو رپورٹ پیش کی گئی ہے وہ ہر دور میں قابل عمل ہے- فتنۂ ارتداد کی سرکوبی کے لیے میدان عمل میں ''جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی'' انجمن نمائندگان تبلیغ اور جمعیۃ العلما تینوں مل کر کام کر رہے ہیں- جب کہ قادیانیوں سے تینوں نے اختلاف کیا ہے مگر ان تینوں کا آپسی اتحاد ہے- اسی لیے مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفی محدث اعظم نے اس مذکورہ اقتباس میں لکھا کہ:

''اگر قادیانی گروہ کا اپنا مذہبی فتنہ اس علاقہ میں نہ ہوتا تو مختلف الخیال لوگوں کا ''اتحاد عمل'' عجیب دل کش منظر پیش کرتا''-

ہنگامی حالات میں ''مختلف الخیال لوگوں کا اتحاد عمل'' ہو سکتا ہے- امت مسلمہ کے مفاد عامہ کے پیش نظر ہمیشہ سے قائدین اہل سنت کا یہ متفقہ فیصلہ رہا ہے اور وہ حضرات اس فیصلہ پر عمل پیرا بھی رہے ہیں- ہاں اپنے ذاتی مفاد کے تحفظ کے لیے ''پیغام حق'' یا ''راہ عمل'' بنانے والوں کا ردعمل چاہے جو کچھ ہو مگر اسلاف اکابرین کا ''طرز عمل'' یہی رہا ہے- اسی مذکورہ حوالہ جاتی تحریر کا ایک اور اقتباس دیکھیے:

''جماعت رضائے مصطفیٰ کو ایک بڑا فخر یہ حاصل ہے کہ مشائخ طریقت اس کی تائید میں ہیں- چناں چہ اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ دامت

برکاتہم العالیہ وعالی جناب پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ محدث علی پوری مدظلہ العالی اسی جماعت کی سرپرستی فرمارہے ہیں- درحقیقت مشائخ کرام کے قدم عرب سے باہر اسی تبلیغ اسلام کے لیے نکلے تھے اور یہ ایک واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام انہیں بزرگوں کا حصہ ہے- حضرت پیر صاحب کے متعدد وفود جن کے اراکین کا شمار اسی (۸۰) کو پہنچ چکا ہے، جس خوبی سے تبلیغی کام میں مشغول ہیں اور جس بے مثل ایثار سے کام لے رہے ہیں اس نے اسلاف کی یاد تازہ کردی ہے''-

(نفس مصدر، ٹائٹل پیج)

ماہنامہ اشرفی ماضی قریب میں جس جماعت کا آرگن تھا اور جس جماعت کے عقائد ونظریات کی ترجمانی کررہا تھا اس جماعت کو اہل سنت وجماعت ہی کہا جاتا تھا- اہل سنت وجماعت میں تمام خانقاہیں اور تمام راسخ العقیدہ علما اور مشائخ شامل تھے اور اجتماعی اعتبار سے اکثریت کی رائے کے مطابق جماعت کی سیاہ وسفید کا فیصلہ ہوتا تھا اور اس کے مستقبل کے لائحہ عمل کو طے کیا جاتا تھا- عام اور مخصوص حالات کے فرق کو ملحوظ رکھ کر قائدین کی اکثریت جو فیصلہ کرتی تھی وہی جماعت اہل سنت کے لیے متفقہ طور پر پالیسی ہوتی تھی مگر آج ایسا نہیں ہے اسی لیے روز بروز جماعتی حیثیت سے ہماری افرادی قوت گھٹتی جارہی ہے-

مدیر ماہنامہ نے صرف خانقاہ اشرفیہ کے بزرگ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کی مساعی جمیلہ کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ اس دور کے ایک اور عظیم خانقاہی بزرگ اور مرد مجاہد حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نقش بندی محدث علی پوری کا ذکر بہت شاندار الفاظ میں کیا ہے- مدیر ماہنامہ اشرفی نے حضرت سید پیر صاحب قبلہ کا اپنی تحریر میں جس والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے اور ان کے تبلیغی کارناموں کا ذکر کیا ہے اور ان کے وفود کے جدوجہد کا تفصیلی نقشہ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے، وہ قابل تحسین ہے- آپ نے تبلیغی جدوجہد کے متعلق رپورٹ کو یک رخی نہیں پیش کیا بلکہ تمام افراد کی کارکردگی کا ذکر خیر کرکے سب کے کاموں سے متعارف کرایا ہے اور سب کو ایک دوسرے سے قریب کیا ہے-

میرے نزدیک یہی وہ طرز عمل ہے جو ایک دوسرے کو جوڑتا ہے، خانقاہوں کو خانقاہوں سے ملاتا ہے، افراد کو افراد سے وابستہ کرتا ہے اور تعلقات کو مضبوط بناتا ہے-

محرم الحرام ۱۳۴۳ھ کا اداریہ مدیر نے ''چند باتیں'' کے عنوان سے لکھا ہے- اس اداریے کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں-

''اشرفی جلد ۲ نمبر ۷ کی تیاری کے بعد ہی ہم کو معلوم ہوا کہ لوائے اشرفی کے بیرق دار بھائی طالب اللہ شاہ صاحب اشرفی علی گڑھی کی غیر معمولی سرگرمی علاقہ ارتداد میں اب تک قائم ہے اور آپ نے چند دن ہوئے ایک آریہ خاندان کو مشرف باسلام کیا جس کے متعلق جماعت رضائے مصطفیٰ کی رپورٹ درج ذیل ہے-

مرکز وفود اسلام جماعت رضائے مصطفیٰ کی مساعی جمیلہ، ایک آریہ خاندان کا قبول اسلام، ۶ مرتدین کی واپسی، ۵۰ چوٹیاں کاٹی گئیں-

جناب مولوی طالب اللہ شاہ صاحب مبلغ مرکز وفود اسلام جماعت رضائے مصطفیٰ موضع رائٹ ضلع علی گڑھ سے اطلاع دیتے ہیں کہ الحمدللہ اس نواح میں روزہ ونماز کا خوب چرچا ہے- جن لوگوں نے کبھی روزہ نہیں رکھا تھا اور احکام شریعت سے ناواقف تھے ان لوگوں نے بھی رمضان المبارک میں پابندی کے ساتھ روزہ رکھے- ۱۷/ شوال المکرّم کو ایک آریہ مع اپنے کل خاندان کے مشرف باسلام ہوا جن کی کل تعداد دس (۱۰) اشخاص ہے- حسب ذیل اسلامی نام رکھے گئے-

نور محمد، یار محمد، فتح محمد، مختار محمد، شفیع محمد، غلام محمد، مسماۃ کا نام نور بیگم، لڑکا نام مختار بیگم، انوری بیگم-

۶/ مرتدین جو طمع زر سے مرتد کیے گئے تھے وہ پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے مجمع عام میں جب ان لوگوں کو کلمہ پڑھایا گیا تو لوگوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیے- اس حالت سے متاثر ہوکر پانچ راج پوتوں نے جو عرصہ سے چوٹیاں رکھے ہوئے تھے اپنی چوٹیاں کٹوائیں-

قاضی محمد احسان الحق نعیمی مفتی بہرائچ ناظم مرکز وفود اسلام جماعت رضائے مصطفیٰ رکاب گنج، آگرہ''-

(اشرفی، ماہنامہ، شمارہ، محرم الحرام، ۱۳۴۳ھ/ نومبر ۱۹۲۴ء، ص ۲)

اس رپورٹ پر مدیر ماہنامہ اشرفی بہت دل چسپ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس سے زیادہ اشرفی جھنڈا کی روشن کرامت کا یہ واقعہ ہے کہ ممدوح کے والد ماجد جناب مظہر اللہ شاہ صاحب اشرفی نے حسب دستور قدیم حضور غوث العالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس مبارک ماہ گزشتہ میں کیا- محفل سماع سے چند آریہ جو ہمیشہ مسلمانوں سے مناظرہ کرتے اور شدھی کے فتنے کو پھیلاتے تھے بطور مضحکہ آگئے- محفل میں آتے ہی

ان پر عجیب وغریب رنگ طاری ہوا- شاہ صاحب بھی کیف میں تھے اور مجلس خوب گرم تھی- اس محفل کا خاتمہ اس واقعہ پر ہوا کہ وہ سارے کفار بخوشی خاطر از خود کلمہ پڑھنے لگے اور شاہ صاحب کے ہاتھوں پر مسلمان ہوگئے- سچ ہے کہ ’’کرامات الاولیاء حق‘‘-

(اشرفی، ماہنامہ، شمارہ، محرم الحرام، ۱۳۴۳ھ/نومبر ۱۹۲۴ء، ص ۲، ۳)

مدیر ماہنامہ اشرفی نے انسداد شدھی میں مختلف ذرائع کی افادیت کو واضح کرتے ہوئے محفل سماع کی افادیت سے اپنے قارئین کو روشناس کرادیا ہے- جمادی الاولی ۱۴۴۳ھ کا اداریہ مدیر نے دو جزیہ لکھا ہے- اداریے کے پہلا حصے کا عنوان ہے ’’خطبہ الوداع‘‘ اس کا ذکر میں گزشتہ اوراق میں کرچکا ہوں- دوسرے جز کا عنوان ہے- ’’مقامات مقدسہ کی توہین اور مسلمانوں کی بے کسی عالم اسلام سے ایک اپیل-‘‘ مدیر اعلیٰ نے عالم اسلام سے اس عنوان کے تحت تین ورق پر مشتمل ایک پردرد اپیل کی ہے- اس کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ مدیر اعلیٰ ملت اسلامیہ کے مسائل میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں- حالات حاضرہ پہ ان کی نظر ہے اور اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں پہ نگاہ رکھتے ہیں- اپیل کا ابتدائی حصہ ملاحظہ کریں:

’’چند سال سے زمانہ کے رفتار کی کجی اسلامی دنیا کے حق میں اس درجہ بڑھتی جاتی ہے جس کا کسی زمانہ میں تصور بھی دماغ مسلم پر بار تھا- جنگ عظیم میں ترکوں کی ناگزیر شرکت کے بعد سے مسلمانوں کو رات دن کا کوئی حصہ ایسا نہ ملا کہ وہ چین کی نیند سو رہتے- اس میں شبہ نہیں کہ صیادان یوروپ کے پرانے وسیع اور مضبوط جال کو غازی اعظم مصطفیٰ کمال پاشا کی تلوار کی نوک اور غازی عصمت پاشا کے زریں قلم نے توڑ کر تار عنکبوت کی طرح ہوا میں اڑا دیا، مگر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حکومت انگورہ کی کامل حریت واقتدار کے باوجود بھی عالم اسلامی کا اضطراب بالکل نہیں گیا اور جزیرۃ العرب مقدس کی یاد شب و روز قلب مسلم میں چٹکیاں لیتی رہیں- ترکوں کا مظاہرہ ارض مقدس سے استغنا اور یوروپ کا دم بدم اس میں اثر بڑھنا یہ وہ واقعہ ہے جس کو جان کر کسی مسلمان کا دل کسی پہلو پر بھی سکون نہیں پاسکتا ہے، ایک آتش کدہ ہے جس میں سچا مسلمان کروٹیں بدلتا ہے اور کسی انداز سے اس کو راحت نہیں ملتی-‘‘ (اشرفی، ماہنامہ، شمارہ، جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ، ص: ۳)

قلبی رنج وکرب کا اپنی تحریر میں اظہار کرتے ہوئے مدیر اعلیٰ مزید لکھتے ہیں کہ:

’’ہائے بے کسی کہ عراق وفلسطین میں صلیبی نشان اڑایا جا رہا ہے اور کوئی فاروق اعظم کا نام لیوا ایسا نہیں ہے جو اس نجاست سے بیت المقدس کو پاک وصاف کردے- اللہ! اللہ! جزیرۃ العرب میں غیر مسلم کا پہلا با اقتدار نجس قدم جب پہنچا تو صحابہ کرام کی مقدس روحیں اپنی قبروں میں کس قدر بے تاب ہوئی ہوں گی جنہوں نے اس زمین کو اپنے پاک خون سے دھویا تھا- منھ دکھانے کی بات نہیں ہے کہ جس زمین کربلا پر اشقیا فساق کا اقتدار ملیا میٹ کیا گیا تھا، وہاں کفر کے قدم جم جائیں- یہ وہ غم ہے جو عالم اسلامی کو تباہ کر رہا ہے اور یہ داغ ہے جو بازوے مسلم پر برابر ملامت کرتا ہے- یوں تو جزیرۃ العرب کا ایک ایک چپہ اسلام کا مقدس محل ہے مگر اس کے تقدس کی بنیاد جس حصہ کی عظمت سے شروع ہوتی ہے اس کا نام حجاز ہے اور حجاز میں مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ سے شروع ہوتی ہے اس کا نام حجاز ہے اور حجاز میں مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ **زادھما اللہ شرفا و تعظیما** کی حرمت ان سب کا مقدمہ ہے-‘‘

(نفس مصدر، ص: ۳، ۴)

ترکوں کے سیاسی زوال سے تمام عالم اسلام کو کیا نقصان پہنچا اس کے متعلق مدیر اعلیٰ کا مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ کریں:

’’حجاز میں بھی ترکوں کی بے سروسامانی ومظلومیت کے واقعات ایسے نہیں تھے جو مسلمانوں کو ہمیشہ کے رلانے کے لیے کافی نہ ہوں مگر ترکوں کی تباہی وبے کسی پر عام مسلمانوں کا ابتلا ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ وقت آگیا ہے کہ اب عالم اسلامی پر سخت جانی بھی عذاب ہوگئی ہے اور اب ان کو خبروں کے سننے سے زیادہ قبر کی زمین پسند ہے- مسلمانوں کی بدبختی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ آج ترکوں کا فسانہ غم ایک داستان کہنہ ہوگیا اور وہی دن اچھے معلوم ہونے لگے جو ۱۳۴۳ھ سے پہلے تھے-‘‘ (نفس مصدر، ص: ۴)

رسالہ اشرفی اپنے دیگر مضامین کے ساتھ ہی اپنے اداریے کا انداز بھی جداگانہ رکھتا تھا- جہاں اس رسالے میں اخلاق وتصوف، بزرگان خاندان اشرفیہ کا ذکر ہوتا رہتا تھا وہیں اس کے اداریے میں حالات حاضرہ کے متعلق جائزے بھی پیش کیے جاتے تھے جیسا کہ میں نے کئی حوالہ جاتی اقتباس گزشتہ اوراق میں پیش کیے- آیئے اب ’’اشتات‘‘ کے عنوان سے لکھے شمارہ ستمبر/اکتوبر ۱۹۲۵ء کے اداریے کا جائزہ لیں- اس اداریے کا ایک اقتباس اس سے پہلے رسالہ اشرفی کے

تعارف میں آپ پڑھ چکے ہیں- سیاسی پس منظر میں لکھے گئے تحریری اداریے کے کچھ اقتباس ملاحظہ کریں- ۱۹۲۵ء کی سیاسی سرگرمیاں کس طرح حجاز مقدس کو متاثر کر رہی تھیں اور عالم اسلام اس سے کیوں فکرمند تھا، اس کی کچھ وضاحت ان تحریروں سے ہوتی ہے اور اس دور کے ماہ ستمبر، اکتوبر کا شمارہ ۲ ماہ کی تاخیر سے منظر عام پر آیا، اس کی وضاحت کرتے ہوئے مدیر اعلیٰ تحریر فرماتے ہیں:

’’اس دو مہینے کے عرصہ میں عالم اسلامی میں کیا کچھ ہو گیا اور کیسی کیسی قیامت خیز تصویریں کھینچ کھینچ کر مٹتی رہیں، مسلمانان ہند کا مذہبی امن کن کن خطرات میں گھرا رہا، جزیرۃ العرب کے تقدس پر کیسے کیسے ناپاک حملے ہوئے- غرض اسلامی دنیا کا زمین و آسمان بدل گیا اور ہم کو اس کا موقع نہ ملا کہ آپ سے اپنے خیالات عرض کرتے اور اشرفی بھائیوں کے سامنے راہ عمل پیش کرتے- اب آج ہم صرف اسی قدر کہتے ہیں جس کو حال و مستقبل سے کوئی لگاؤ ہے اور جس میں گزشتہ کا چنداں لحاظ نہیں ہے-

خدا برا کرے شدھی، سنگٹھن، پروپیگنڈا، پالیسی، ڈپلومیسی کا جب سے یہ الفاظ آریوں نے وضع کیے توپ، بندوق سے زیادہ امن عامہ ان لفظوں کی بدولت خطرہ میں پڑ گیا اور زہریلی گیس سے زیادہ یہ کلمات مہلک ثابت ہوئے- ہندوستان میں دیکھیے تو کانگریس کی چول ہلا دینے والی سوراجیہ کے منصوبوں کو ملیا میٹ دینے والی اگر کوئی ہے تو یہی مسماۃ شدھی ہے جس کے نوزائیدہ بچہ کا نام سنگٹھن ہے اور اب پروپیگنڈا کے نام سے آریہ اس قسم کی مفروضہ کہانیاں چھاپنے لگے ہیں کہ فلانہ ہندو لڑکی کو ایک مسلمان لے کر بھاگ گیا- تحقیقات کیجیے تو اصلیت سے کوئی لگاؤ ہی نہیں ہے حقیقت تو یہ ہے کہ بدمعاش لڑکی اپنے ہم مذہب آشنا کے ساتھ بھاگ گئی تو ناک رکھنے کو مسلمان پر الزام رکھ دیا- غرض اتنی ہی کہ دنیا کے سامنے مسلمانوں کو خطرناک صورت میں بدنام کیا جائے اور دیہاتی مسلمانوں کو اس بہانے سے اسلام سے متنفر کیا جائے اور حکومت کو مسلمانوں کے خلاف ورغلایا جائے-‘‘

(اشرفی، ماہنامہ، شمارہ، ستمبر/اکتوبر ۱۹۲۵ء ص:۱، ۲)

مدیر اعلیٰ ماہنامہ اشرفی نے شدھی، سنگٹھن، پروپیگنڈا، پالیسی، ڈپلومیسی، جیسے وضع کردہ اصطلاح جو آریہ سماجیوں نے ایک خاص پس منظر میں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کو پالیسی بنائی تھی اس کی وضاحت بالکل صحیح کی ہے، آج بھی آریہ سماج اپنی اسی پالیسی کی بنیاد پر اسلام دشمنی کا کام جاری رکھے ہوئے ہے- یہ اداریہ تقریباً ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے- اس طویل اداریے میں مدیر نے بہت کام کی باتیں کی ہیں- لیکن سب کا احاطہ کرنا یہاں مشکل ہے- اسی سال کا اگلا شمارہ نومبر دسمبر کا اداریہ بھی تقریباً ۸ صفحات کا ہے، اس میں بطور خاص حجاز مقدس کے سیاسی حالات کو اپنے اداریے کا موضوع بنایا ہے- مقامات مقدسہ حرمین شریفین کے حوالے سے حجاز مقدس دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے نہ صرف باعث احترام ہے بلکہ بہت حساس بھی ہے، حجاز مقدس میں ہونے والی سیاسی تبدیلی کو اپنا موضوع بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’بیرون ہند حجاز کے قیامت خیز انقلاب اور اہل حرمین کے ناگفتہ بہ مصائب کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ جس وقت آپ اس مضمون کو ملاحظہ فرماتے ہوں گے خدا جانے اس وقت تک حالات نے کیا صورت بدلی ہوگی اور حجاز مقدس کے امن و تقدس پر نجدی خطرات و مہالک کے کہاں تک شرمناک اور ناجائز حملے ہو چکے ہوں گے- اس واقعہ نے عالم اسلامی میں ایک سنسنی پھیلا دی ہے کہ غدار ابن سعود نے باوجود اپنے پے در پے وعدوں کے حجاز میں وہ حکومت نہ کرے گا اور موتمر اسلامی حکومت حجاز کی آزادانہ تشکیل کرے گی پھر بھی اپنی ملوکیت مجاز کا اس نے اعلان کر دیا اور اس طرح اس مجسمہ نفاق نے دنیاے اسلام سے وہ غداری کی ہے جو مثال سابق سے بے نیاز ہے-

حدیث شریف میں منافق کی جو علامتیں ارشاد ہوئی ہیں یعنی **اذا حدث کذب** جب بات کرے تو جھوٹ بولے **واذا اوتمن خان** اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے **واذا وعد خلف** اور جب وعدے کرے تو اس کو پورا نہ کرے- ان تمام قبائح کا مجسمہ ابن سعود ثابت ہوا کہ جو اعلان کیا وہ جھوٹا اور حجاز کا امین بنایا گیا تو خیانت کی اور موتمر اسلامی کا وعدہ کیا تو پورا نہ کیا-

اب حجاز کی بے امنی کی اس سے زیادہ مثال کیا ہوگی کہ ہندوستان کے غربا اسلام کا ایک وفد جو چار نحیف و کمزور اور نہتے افراد پر شامل تھا، جب حالات حجاز کے معائنہ کے لیے گیا تو ظالم ابن سعود نے وفد کی اعلیٰ تحقیقات سے اپنا راز سربستہ فاش ہوتے دیکھ کر بربریت و درندگی کو اس طرح نمایاں کیا کہ ان غریب الوطن خدام حرمین کو قید کر لیا اور اسی بے کسی و بے بسی کی حالت میں تین دن قید میں رکھ کر مصری جہاز پر وفد کو

مصر روانہ کردیا-

اس خبر نے عالم اسلام کے مذہبی جذبات کو سخت صدمہ پہنچایا اور چندافراد کے سوا جن کا مذہب ابن سعود پرستی ہے، تمام دنیاے اسلام نے طے کرلیا کہ جن مسلمانوں کو مطمح نظر حق وحق پرستی ہے وہ ہرگز حج کا ارادہ اس وقت تک نہ کریں گے جب تک کہ ان کے ایمانیات کے احترام وتحفظ کی قابل وثوق ضمانت نہ لے لی جائے- جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ جب تک ابن سعود جیسا ایمان کا ڈاکو حجاز میں موجود ہے اور بلاشبہ اگر مسلمانان عالم نے اس عظیم الشان خطرہ کے سبب جس نے فرضیت حج کو ساقط کردیا ہے- سفر حج کو ملتوی کردیا تو غدار ابن سعود کو حجاز کی خشک پہاڑیوں اور غیر ذی ذرع وادیوں کی حکومت کا مزہ مل جائے اور دن میں تارے نظر آنے لگیں گے- اسی مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر باوجود بدامنیوں اور دین پر حملوں کے کوئی فرد مسلم کسی بلغمی بہادرر کے شوروغل سے مرعوب ہوکر حجاز کا سفر کرے گا تو وہ احترام حرمین کے خلاف ایک سنگین جرم کرے گا جس کا داغ کروڑہا سمندوں سے دھوکر نہ مٹا سکے گا-'' (اشرفی، ماہنامہ، شمارہ، نومبر، دسمبر ۱۹۲۵ء ص: ۳، ۴)

یہ اداریہ کل ۸ صفحات پہ مشتمل ہے- اس اداریے میں جنگ یمن ونجد اور مسئلہ فلسطین ودمشق کے علاوہ موصل، مصر کے حالات اور واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے- اس اداریے میں قومی اور بین الاقوامی مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے- واضح رہے کہ یہ گفتگو اس وقت کے ذرائع ابلاغ سے حاصل شدہ اطلاع کو نگاہ میں رکھ کے کی گئی ہے- اس دور میں آج کی طرح پل بھر میں خبروں کی ترسیل ممکن نہیں تھی، ذرائع ابلاغ کی ترقی کا یہ عالم نہیں تھا جو آج ہے- مدیر اعلیٰ محدث اعظم ہند نے اپنے اس اداریے میں مسلمانان اہل سنت کو یہ مشورہ دیا ہے کہ سفر حج کو ملتوی کردیا جائے کیوں کہ اب وہاں نجدی سعودی حکومت قابض ہوگئی ہے- سفر حج کرنے والا احترام حرمین کے خلاف ایک سنگین جرم کرے گا-

محدث اعظم ہند کے علاوہ دیگر اور مفتیان کرام نے بھی التواے حج کا فتویٰ دیا تھا- میں نے اس دور کے کچھ فتاویٰ کا مطالعہ کیا ہے مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ اکثریت نے اس فرمان کو قبول نہیں کیا- مقامات مقدسہ آج بھی نجدی سعودی تحویل میں ہیں- سعودی فرماں رواؤں نے حجاز مقدس کا نام بدل کر مملکت سعودی عربیہ کردیا مگر اس کے باوجود بعض حضرت فرض حج کی ادائے گی کے بعد بھی ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے ہیں- مجھے ایسا لگتا ہے کہ ایسے لوگ کم سے کم اپنے بزرگوں کی روح کو ضرور تکلیف پہنچا رہے ہوں گے-

ستمبر ۱۹۲۶ء کے شمارے کا اداریہ ''شذرات'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے مگر اسی شمارے ہیں مدیر اعلیٰ نے اپنے ایک فرزند سید محمد مکی کے انتقال پرملال کی خبر بھی شائع کی ہے- ایک تین سالہ بیٹے کی موت کے غم سے دل بوجھل ہے مگر اداریہ نویسی کی پرانی شان بان میں کوئی کمی نہیں- بین الاقوامی سیاست کے پس منظر میں مدیر اعلیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر جناب رپورٹر صاحب بالقابہ سچے ہیں تو فرانس نے ریفی قومیت کا خاتمہ کردیا اور ایک جماعت افراد غیر معمولی طور پر احاطہ غلامی میں مقید ہوگئی ہاں یہ ضرور ہے کہ شیر کٹھرے میں بھی ہیبت ناک نظر آتا ہے اور جب موقع ملتا ہے تو توڑ مروڑ کر جنگل کی راہ لے آتا ہے- اسی لیے شیر دل عبدالکریم کی کافی نگرانی کی جاری ہے- خدا کرے کہ فرانس کی انصاف پسند جماعت حق شناسی سے کام لے کر مسئلہ ریف کا مستقبل قابل اطمینا کردے''- (اشرفی، ماہنامہ، شمارہ، ستمبر، ۱۹۲۶ء، ص: ۱)

مذکورہ اداریہ ۵ صفحات پر مشتمل ہے- اسی اداریے کا ایک ٹکڑا مزید ملاحظہ کریں: ''مصری اخبارات میں یہ خوف ناک خبر آرہی ہے کہ نجدی بربریت ومظالم سن کر بالآخر عرب میں ایک انارکسٹ جماعت پیدا ہوگئی ہے جس نے جان دینے پر حلف اٹھالیا ہے- یہ جماعت مسلح ہے اور رنگ روٹ کے لیے سامان مہیا کررہی ہے- جب با قاعدہ فوج مرتب ہوگی تو چن چن کر ایک ایک نجدی سرغنہ کو ختم کردے گی اور مطمئن ہوکر جان دے دے گی-

ایسی جماعت ہمیشہ ہر ملک میں خطرناک سمجھی گئی ہے اور چوں کہ اس جاں بازی پر آمادگی مذہبی جذبات کے ہیجان کا نتیجہ ہے لہذا اس کے دل ہلا دینے والے کارنامے زلزلہ انداز ہوں گے- حق سبحانہ وتعالیٰ حجاز واہل حجاز پر رحم فرمائے-'' (نفس مصدر، ص: ۴)

کسی بھی طرح کی انتہا پسندی درست نہیں ہے- انتہا پسندی کو اسلام نے کبھی بھی بنظر تحسین نہ دیکھا ہے- صوفیہ نے اسے ہمیشہ ناپسند کیا اسی لیے محدث اعظم ہند نے مذکورہ اقتباس میں انارکسٹ جماعت سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے- مذکورہ اداریے کا ایک اقتباس اور دیکھیے- مدیر اعلیٰ مسلمانانِ ہند کی پریشانیوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''اسلامی ہند کی مشکلات میں وہ واقعات بھی ہیں جو شدھی،

سنگٹھن کی امن سوز تحریکات کا نتیجہ ہیں، جس کی ایجاد اگر چہ آریہ جماعت نے کی تھی لیکن اب تمام مشرکین ہند اس کی پرورش کر رہے ہیں- اہل وطن کا درندانہ تعصب اور وحشیانہ بربریت کلکتہ سے نکل کر تمام اضلاع ہند کی فضا مکدر ہو چکی ہے اور گاؤں گاؤں میں خوں ریزی کا بہانہ تلاش کیا جا رہا ہے- اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی پراگندگی وتشتت کی یہ قدرتی سزا ہے کہ وہ ہر جگہ لوٹے جائیں اور اسلامی گلہ کی ایک ایک منتشر بکری خونخوار بھیڑیا چن لے لیکن اس مصائب کی اوٹ میں جو آفتاب تاباں ہے وہ مسلمانوں کی بیداری اور اپنے فرائض کا احساس ہے- تنظیم وتبلیغ ان دونوں مدافعانہ ہتھیار سے اگر قوم مسلم مسلح ہو جائے تو اس جنگ کا خاتمہ جلد ہو جائے اور ہندوستان کے گھر گھر میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دھوم مچ جائے، کون نہیں جانتا کہ اسلام فتح مندی وبلندی کا ایک قدرتی فیصلہ ہے-'' (نفس مصدر، ص:۴)

ہندوستانی مسلمان مشکلات ومصائب سے کیسے نجات پا سکتے ہیں، اس کے لیے مدیر نے بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ جب تک قوم مسلم منظّم نہیں ہوگی اور ہر ایک مذکورہ مشکلات سے دوچار رہے گا- مدیر کا یہ مشورہ ایک اٹل حقیت ہے- ماہنامہ اشرفی محرم الحرام ۱۳۴۶ء رجولائی ۱۹۲۷ء شمارہ پیش نظر ہے اداریہ کا عنوان ''اشرفی کا پانچواں سال'' یہ اداریہ صرف تین صفحہ پر مشتمل ہے- رسالہ اشرفی کی خدمات کے متعلق مدیر نے لکھا ہے کہ:

''بہرحال ''اشرفی'' زندہ رہا اور سب سے اہم کام اس نے یہ کیا کہ اخلاق وعمل کے مذاق کی پستی کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا- غیر مفید مناظرہ بازی، تخیل، بے نتیجہ قصص، جس کو ہمارے زمانے میں سرمایہ رسل بنا لیا گیا ہے اور جس نے قوم کی ذہنیت کو تباہ کر رکھا ہے-'' اشرفی'' نے اس بارے میں مذاق عوام سے قطعاً بے نیازی برتی اور گزشتہ چار سال کے اندر اپنے ناظرین کو اس سطح پر کھڑا کر دیا جہاں حقائق واصلاحات کی نورافزا تجلیاں ضیابار ہیں''-

(اشرفی، ماہنامہ شمارہ محرم الحرام، ۱۳۴۶ھ رجولائی ۱۹۲۷ء، ص:۲)

جولائی ۱۹۲۷ء کے شمارہ کے علاوہ میرے پیش نظر اور کوئی شمارہ اس سال کا یا اس کے بعد کا نہیں ہے لہذا مذکورہ اقتباس پر تبصرہ کرتے ہوئے میں اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ قومی مذاق یہ کسی بھی قوم کے تہذیب وتمدن اور ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے- خودرائی، ضمیر فروشی، تخیل پسندی، مناظرہ بازی کی سرگرمیوں میں ملوث کوئی قوم من حیث الجماعت کبھی بھی ترقی کی دوڑ میں کسی دوسری مہذب قوم سے برابری نہیں کر سکتی ہے، آج مسلم قوم انہیں خصلتوں کی حامل ہے لہذا ترقی کے اس تیز رفتار عہد میں وہ دنیا کی دیگر قوموں کے سامنے سرنگوں ہے- آج مسلم قوم بظاہر آزاد ہے لیکن درپردہ مغربی تہذیب کا غلام اور ان سے مرعوب ہے- موجودہ صدی میں ہونے والی نت نئی ایجاد میں ان کا کوئی کردار نہیں ہے-

اسی کے ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ محدث اعظم نے ۱۹۲۷ء میں جن رذیل خصلتوں سے قوم کو اجتناب برتنے کا حکم دیا اور اپنے اداریے کے ذریعے رسالہ اشرفی کے قارئین کے مذاق کو ستھرا کرنے اور ان قباحتوں سے بچانے کی کوشش کی، مگر افسوس کہ آج امت کا ایک بڑا طبقہ ان خصلتوں سے اپنے آپ کو بچا نہیں پایا ہے- آج بھی اس جماعت کی اکثریت غیر مفید مناظرہ بازی میں ملوث ہے- ہر دن کسی نہ کسی کے خلاف پمفلٹ بازی کا بازار گرم ہے- خودرائی اور ضمیر فروشی کا یہ عالم ہے کہ کب کوئی اپنی تحریر سے پلٹ جائے یا آج جس کی حمایت کر رہا ہے کل بھی اس کے ساتھ ہوگا یا نہیں خدا ہی بہتر جانے- تخیل میں زندگی گزارنا اور زمینی حقائق سے منھ موڑ لینا اس قوم کی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا- گاؤں کا گاؤں غیر اہل سنت نظریات وافکار کو اپنا کر اہل سنت سے ناطہ توڑ لے- عقیدہ اہل سنت سے انحراف کرنے والے کل تک چند لوگ تھے جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا آج ان کی تعداد لاکھوں میں ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ۸۰، یا ۹۰ فی صد کی زعم پرستی میں مبتلا رکھنا تخیل پسندی نہیں تو اور کیا ہے-

جام نور ابتدا ہی سے اسی فریضے کو انجام دینے کی کوشش کر رہا ہے مگر جس طرح محدث اعظم اپنے دور میں بعض لوگوں کے آنکھوں میں کھٹکتے تھے آج جام نور بھی اسی طرح کچھ لوگوں کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے- حالاں کہ وقت نے جیسے محدث اعظم کو اپنے دور میں سرخرو کیا ٹھیک ویسے ہی مستقبل کا مورخ جب تاریخ لکھے گا تو جام نور کی بصیرت کو داد وتحسین سے نوازے گا- یاد رکھیے جو وقت کے اشارے کو نہیں پہچانتا وقت بھی اس کی پہچان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیتا ہے-

کچھ ظل الٰہی بھی خطا کار ہیں ورنہ
بے وجہ حکومت میں بغاوت نہیں ہوتی

◆ ◆ ◆

مولانا سید رکن الدین اصدق☆

محدث اعظم ہند: خطابت کا ایک منفرد عنوان

خطابت جملہ فنون میں سے ایک قیمتی فن ہے- اس میں کسب کو دخل کم ہے اور وہب کی حکمرانی زیادہ ہے- ایک کامیاب خطیب کے لیے اگر استعداد، قابلیت، مطالعہ کی وُسعت، تاریخ پر نظر، عالمی منظر نامے پر نگاہ ضروری ہے اور ان سب کا تعلق کسب سے ہے تو دوسری طرف زبان کی سلامت، بیان کی قدرت، تعبیرات وتمثیلات پر ملکہ اور آواز میں زور وکشش بھی ضروری ہے- اور یہ سارے اوصاف وہی ہیں جو ہر کسی کو میسر نہیں آتے، جس ذات کے اندر وہب وکسب دونوں طرح کی خوبیاں جمع ہو جاتی ہیں وہی کامیاب خطیب گردانا جاتا ہے-

میری گفتگو عوام وخواص کے دلوں میں جگہ بنانے والے معیاری خطیب سے متعلق ہے بازاری خطیب میری مراد نہیں، اب تو فنی تقریریں ناپید ہوتی جاتی ہیں ہنسنے ہنسانے اور کھیلنے کھلانے کا دور ہے، علمی گہرائی وگیرائی نہیں- الفاظ و جملے درست نہیں، تذکیر وتانیث پر گرفت نہیں، وقت اور حالات پر نظر نہیں، معلومات افزا اور تاریخی کتابوں سے ملاقات نہیں، بس قصہ گوئی اور لطیفہ بازی خلاصۂ تقریر ہے اور ان پڑھ عوام میں جھوٹی شہرت اور مالی منفعت مزاج ومقصود بن گیا ہے-

دانشوروں کے نزدیک خطابت کا معیار کیا ہے اسے معلوم کرنے کے لیے ذیل میں پیش کی جانے والی حکایت چشم خوں ناب سے پڑھیے- ایک بار ایک اہم مجلس میں ملک کے ایک نامور مقرر کی تقریر ہو رہی تھی اسٹیج پر میرے علاوہ مولانا سید کلیم اشرف جائسی، پنڈوہ شریف کے سجادہ نشیں اور پروفیسر غلام محی الدین صدر شعبۂ اردو کلکتہ یونیورسٹی بھی موجود تھے- انہوں نے اپنے مزاج سے ہٹ کر اس دن کچھ کام کی باتیں بھی کیں دورانِ تقریر میرا نام لے کر تین بار فرمایا کہ ذمہ دار علما کی موجودگی میں پوری ذمہ داری سے بول رہا ہوں-

اختتام جلسہ کے بعد حضرت کلیم میاں اپنی قیام گاہ تشریف لے گئے اور ہم تینوں ایک ساتھ دستر خوان پر بیٹھے- کھانا کھلانے کے دوران نوجوانوں نے داد تحسین وصول کرنے کی غرض سے پروفیسر صاحب کو مخاطب کر کے پوچھا کہ فلاں حضرت کی تقریر کیسی ہوئی؟ پروفیسر صاحب منہ دیکھی بات کرنے کے قائل نہ تھے- اس لیے ٹال گئے- نوجوان، کلکتہ کے ایک نامور دانشور سے آفرین وشاباش کی امید باندھے ہوئے تھے اس لیے دوبارہ اصرار کیا اب ٹالنے کی گنجائش نہ تھی، اس لیے پروفیسر صاحب نے فرمایا تقریر نہیں تھی وہ بکواس تھی-

پروفیسر صاحب کے اس جواب پر میں حیران رہ گیا، اس دن مجھے اندازہ ہوا کہ اہل علم کے نزدیک خطابت کا معیار کیا ہے؟ اور وہ کیسی گفتگو کو تقریر کا درجہ دیتے ہیں- اب تو سجادہ نشینوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ غیر مسلموں کی شرادکی مجلسوں میں شریک ہو کر ان کی روح کے لیے شانتی کی دعائیں کرتے ہیں-

ضمیر فروشی کی بھی آخر کچھ حد ہوتی ہے- خدا جانے وہ کس قرآن اور کون سی حدیث سے بول رہے تھے- پروفیسر صاحب موصوف کی اس صاف بیانی سے ہمارے علما کو درس عبرت حاصل کرنا چاہیے جو منہ دیکھی تعریف میں زمین وآسمان کا قلابہ ملایا کرتے ہیں جسے ان کا اپنا ضمیر بھی قبول نہیں کرتا- اپنے باپ دادا کے دائرہ علم وعمل کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں مگر جب لکھنے اور بولنے پر آتے ہیں تو حضرت رازی وغزالی کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں جو دیانت کے سراسر خلاف ہے- اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے فریب نفس سے بچائے-

خطابت، نہ صرف یہ کہ سامعین کے دلوں میں خدا ترسی، تقویٰ شعاری اور عبادت گزاری کا جذبۂ صادق بیدار کرنے کا سامان ہے، بلکہ پڑھنے پڑھانے کی منزل سے گزر جانے والوں کے لیے وقتی درس گاہ بھی ہے- اہل علم کی معلوماتی تقریریں بلاشبہ تعلیم بالغاں کا بہترین ذریعہ ہیں- اخلاق وایثار، خرد وکلاں کی پہچان، حقوق وفرائض کی ادائیگی، اسلام وسنیت کی خدمات، یہ سارے اسباق دین پرور علما اپنی چند گھنٹوں کی تقریروں میں پڑھا دیتے ہیں-

ذرائع حصول کے اعتبار سے علم کی تین قسمیں ہیں: (۱) علم الکتاب (۲) علم السیاحت (۳) علم الصحبت

صوفیہ کی خانقاہیں، علما کی مجلسیں اور خطبا کی تقریریں، علم الصحبت

☆Mohtamim:Madrasa Asdaqia Makhdoom Sharaf,Pakki Talab,Bihar Sharif,Distt.Nalanda

کے قیمتی وسائل ہیں- ان میں سے کسی ایک کے ساتھ معتد بہ مدت تک زندگی گزارنے والا علم سے کورا اور تہذیب سے نا آشنا نہیں رہ سکتا- فارسی کا مقولہ مشہور ہے، ''تخم تاثیر، صحبت اثر''، میں نے دادا علیہ الرحمہ کے صحبت یافتہ ایسے مریدوں کو دیکھا ہے جو کتابی علم نہ رکھتے تھے مگر علما پر سبقت لے جاتے تھے- علمائے کرام کی پہلے اسی انداز کی خطابت ہوتی تھی کہ جلسہ گاہ میں بیٹھ کر شب گزار دینے والا ایک ہفتے کا قیمتی درس پا کر مجلس سے اٹھتا تھا اور دوسروں تک اپنی حاصل کردہ معلومات کو پہنچانے کی کوشش کرتا تھا-

(۲) اسلامی خطابت کا آغاز ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے ہی ہو گیا تھا، آپ کی سحر بیانی اور قادر الکلامی بے مثل و بے مثال تھی- سوئی ہوئی قوموں کو جگانے اور راہ بھولی ہوئی آدمیت کو ایمان و یقین کے اجالے میں لانے کے لیے خطابت کی جادوگری سے بڑھ کر کوئی حربہ کارگر نہیں- مردہ قوم عرب کے اندر زندگی کی رمق پیدا کرنے اور کفر کی تاریکی میں گم انسانی قالب میں اسلام کی روشنی پہنچانے کے لیے سرکار دوعالم ﷺ کو زبان و بیان کا سہارا لینا پڑا- بعثت کے بعد قوم قریش سے آپ نے جو پہلا خطاب فرمایا تھا، اس کے الفاظ آج بھی رگ و پے میں سرایت کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں- ملاحظہ ہو، خطبہ نبوی کے چند فکر انگیز جملے:

''ان الرائد لا یکذب اھلہ واللہ لو کذبت الناس جمیعاً ما کذبتکم ولو غررت الناس جمیعاً ماغررتکم واللہ الذی لاالہ الا ھو ، انی رسول اللہ الیکم خاصة والیٰ الناس کافة واللہ لتموتن کما تنامون ولتبعثن کما تستیقظون ولتحاسبن بما تعملون ولتجزون باحسان احسانا وبالسوء وسوا وانما لجنة ابداً او لنار ابداً،، (جمھرۃ الخطب، ص:۵)

ترجمہ: قافلے کا دیدبان اپنے ساتھیوں کو کبھی غلط اطلاع نہیں دیا کرتا- خدا کی قسم! اگر میں اور سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر آمادہ بھی ہو جاتا، تب بھی تم سے غلط بات ہرگز نہ کہتا- اگر میں دوسرے تمام لوگوں کو ہلاکت سے دوچار کرنے پر راضی ہو جاتا، تب بھی تم کو خطرہ میں کبھی مبتلا نہ کرتا- اس خدا کی قسم! جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، میں تمہاری طرف خصوصیت کے ساتھ اور تمام انسانوں کی طرف جامع طور سے خدا کا مقرر کردہ رسول ہوں- بخدا تم کو لازماً مرنا ہے- جیسے تم سو جاتے ہو اور پھر تم کو یقیناً جی اٹھنا ہے، جس طرح تم نیند سے بیدار ہوتے ہو، تم سے لازماً تمہارے کاموں کا حساب لیا جائے گا اور تمہیں بھلے، برے کا بدلہ ضرور ملنا ہے- پھر یا تو ہمیشگی کی جنت ہوگی، یا ہمیشہ کے لیے دوزخ-''

سرکار دوجہاں کی شان خطابت معلوم کرنے کے لیے نمونے کی یہ چند سطریں بہت کافی ہیں- اس میں انمول خطابت کی ہر صنف موجود ہے- فصاحت و بلاغت کی شگفتگی بھی، تعبیر و تمثیل کی ندرت بھی اور ترغیب و ترہیب کی دھمک بھی- الفاظ نہایت موزوں، فقرے بہت شستہ اور رواں، انداز بیاں ایسا پیارا کہ ازلی شقی بھی سعادت کی دہلیز پر آ کھڑا ہو- اسی لیے تو سنگ خارا جس طرح آپ کے قدموں کے نیچے موم ہو جایا کرتا تھا پتھر دل آپ کی گفتگو سن کر موم ہو جاتا تھا-

سرکار رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور اصحاب رسول رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خطابت کے تذکرے کتب و تواریخ میں بکثرت ملتے ہیں- بالخصوص حضرت علی مرتضی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کی خطابت ضرب المثل تھی- لیکن جری و بے باک لوگ ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہتے ہیں- مسجد کوفہ میں نماز عصر کے بعد آپ کی موجودگی میں ایک شخص تقریر کے لیے کھڑا ہو گیا- مولیٰ علی نے پوچھا، تو ناسخ و منسوخ جانتا ہے، اس نے کہا، نہیں آپ نے ڈانٹ کر فرمایا، بیٹھ جا، تجھے تقریر کرنے کا حق نہیں ہے- اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اصحاب رسول کے نزدیک خطابت کا معیار کیا تھا اور کیسے لوگ اس کے اہل مانے جاتے تھے-

بعد کے زمانوں میں علمائے محققین اور صوفیہ کاملین نے بھی اصلاح امت اور ہدایت خلق کی خاطر خطابت کی راہ اپنائی- اس راہ سے گریز کرنے والے بعض اہل اللہ کو اشارۂ غیبی کے ذریعہ بزور اس خدمت پر مامور بھی کیا گیا- جیسا کہ تذکرۃُ الاولیا میں حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا ہے- ان خاصانِ خدا کی فہرست میں غوث الاعظم سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا نام پاک بھی شامل ہے، جنہیں رب تبارک و تعالیٰ نے زبان کی لکنت دور کر کے خطابت کی مسند پر بیٹھایا-

علامہ ابو علی فارمدی کا نام علمائے محققین میں آتا ہے- آپ نیشاپور کی جامع مسجد میں تقریر فرما رہے تھے عنوان تھا'' علمائے امت انبیا کے وارث ہیں،، کسی نے سوال کر دیا، کیسے علما انبیا کے وارث کہے جائیں گے؟ اسی وقت حضرت محمد بن اسلم طوسی قدس سرہٗ مسجد میں داخل

ہوئے- آپ کا شمار کاملین میں ہوتا تھا- علامہ فارمدی نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: امت کے ان جیسے علما انبیا کے وارث کہلاتے ہیں-
(تذکرۃ الاولیا، ص: ۱۹۱)

(۲) یہ سوال اس بات کا مظہر ہے کہ اس زمانے کے عوام بھی ہر مولوی صورت شخص کو وارث انبیا گردانتے پر راضی نہ تھے اور حضرت علامہ فارمدی علیہ الرحمہ کے جواب نے واضح کر دیا کہ علم و عمل کی میزان پر کھرے اترنے والے علما ہی وارث انبیا قرار دیے جانے کے مستحق ہیں- آج صرف و نحو کی چند کتابیں پڑھ کر عملی زندگی سے کوسوں دور رہنے والا مولوی خود کو وارث انبیا بتانے میں ذرا بھی نہیں جھجھکتا اور علماے ربانیین کی مدح میں جتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں انہیں اپنے اوپر چسپاں کرنے میں کچھ بھی حجاب محسوس نہیں کرتا-

علما میں دو گروہ کا سراغ ہر زمانے میں ملتا رہا ہے- ایک علماے حق یعنی دیندار علما، دوسرے علماے سوٗ یعنی دنیا دار علما - علماے حق کا وعظ ہدایت خلق کے لیے ہوتا تھا اور علماے سو کا وعظ عزت و جاہ کی خاطر- تاریخ الخلفا میں ہے کہ ایک شخص دمشق کی جامع مسجد میں تقریر کر رہا تھا اور اپنی حدیثوں کی روایت مشہور محدث حضرت یحییٰ بن معین سے منسوب کرتا تھا، تقریر کے بعد ایک سادہ لباس بزرگ اس کے قریب آئے اور پوچھا کہ آپ نے یحییٰ بن معین کو دیکھا ہے- اس نے کہا ہاں! آپ نے پوچھا کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ اس نے جواب دیا، بے شک پہچانتا ہوں- آپ نے فرمایا، یحییٰ بن معین تو میں ہی ہوں، یہ سنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتے ہوئے چلتا بنا کہ بہت سے یحییٰ بن معین ہیں- آج بھی دنیاداری کے اسیر علما مالی منفعت کی چاہ میں دروغ بیانی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں-

میرے عنفوان شباب تک ایسے علما و خطبا جماعت اہلِ سنت پر ظل افگن تھے، جن کی شان خطابت کا ملک میں اگر ڈنکا بج رہا تھا تو دنیا ان کے علم و تقویٰ کا بھی لوہا مان رہی تھی اور غیر منقسم ہندوستان کے عوام و خواص پر پوری آب و تاب کے ساتھ ان کا فیضان جلوہ بار تھا- محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی اور ممتاز العلما حضرت مولانا عبد الحفیظ مفتیِ آگرہ کا شمار بھی ان ہی شخصیات میں سر فہرست ہوتا ہے- یہ سوادِ اعظم اہل سنت کے ایسے نامور خطبا تھے کہ لوگوں کے دلوں پر ان کی خطابت کا نقش آج بھی باقی ہے-

مبارک پور کے باشندگانِ میں حافظ ملت کے فیض سے علمی شد بد پیدا ہو چکی تھی اور دار العلوم اشرفیہ کی برکت سے علما کی تقریریں سمجھنے کا شعور بیدار ہو چکا تھا - ایک بار گولہ بازار مبارک پور میں عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا- خطاب کے لیے ایک بزرگ اور دو مشاہیر مدعو کیے گئے- اکابر میں حضور محدث اعظم ہند تھے اور مشاہیر میں خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی اور سحبان الہند علامہ ابو الوفا فصیحی تھے- اراکین جلسہ نے بطور عنوان آیت کریمہ **وماهو على الغيب بضنين** چٹ پر لکھ کر انعقاد جلسہ سے کچھ پہلے خاموشی کے ساتھ تینوں کو پیش کر دیا-

بعد عشا پوری آب و تاب کے ساتھ جلسہ شروع ہوا- جہاں ایسی فلک پیما شخصیتوں کی آمد ہو وہاں مجمع کا کیا پوچھنا- وہ بھی مبارک پور میں- سب سے پہلے حضرت علامہ نظامی رونق اسٹیج ہوئے، طلاقت لسانی میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا اور علم غیب نبوی آپ کا خاص عنوان تھا، ایسی تقریر کی کہ مجمع پر سحر طاری ہو گیا- دوسر نمبر پر حضرت علامہ فصیحی کرسی خطابت پر رونق افروز ہوئے- آپ کی بلاغت کلامی کی دور دور تک دھوم تھی، مذکورہ آیت کریمہ کو عنوان سخن بنا کر جو شعلہ بار تقریر کی تو مجمع پر مدہوشی طاری ہو گئی-

آخر میں حضور محدث اعظم ہند جلوہ بار ہوئے- آپ کا کیا کہنا- جیسا علم، ویسا تقویٰ، جیسی پر کشش صورت، ویسا پر اثر انداز، خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا: یہ مبارک پور والے بڑے پر کٹے ہیں- علما کا علم ناپنے کے لیے تینوں کو ایک ہی عنوان کا پابند کیا اور سب کو ایک دوسرے کے عنوان سے بے خبر رکھا- بہر حال میں بھی اسی عنوان کا پابند ہوں- یوں سمجھو کہ مولانا مشتاق نظامی نے علم غیب نبوی پر ایک نفیس متن لکھ دیا جس کی خوبی سے تم سب لطف اندوز ہو چکے- اس کے بعد مولانا ابو الوفا فصیحی نے اس متن کی عمدہ شرح کر ڈالی، جس کی اثر انگیزی سے تم لوگ آگاہ ہو چکے، اب صرف حاشیہ کا کام باقی رہ گیا ہے- فقیر کی تقریر کو ان دونوں تقریروں میں حاشیہ تصور کر لو-

اس کے بعد آپ نے ان تمام آیات و احادیث پر جو ان دونوں مقررین نے اپنی اپنی تقریروں میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کی تھی، ایسے ایسے نکتے اور باریکیاں بیان فرمائیں کہ کیا علما اور کیا عوام، سب محو حیرت اور سکتے کے عالم میں تھے- کاش! اس دن کی تقریر قلم بند کر کے کتابی شکل میں محفوظ کی جاتی تو آج ایک انمول علمی ذخیرہ ہمارے

ہاتھوں میں ہوتا- علامہ شاہ محمود احمد قادری رفاقتی مدفیوضہ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ آپ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ اکثر اپنے پیش رو مقرر کی تلاوت کردہ آیت کو ہی عنوان سخن بناتے اور آپ کی پوری تقریر اپنے پیش رو مقرر سے ہٹ کر بالکل نئے نکات ومضامین پر مشتمل ہوتی -اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بے بہا معلومات کا خزانہ ہر وقت آپ کے سینے میں موجزن تھا-

میں نے اپنے ابتدائی کلمات میں ایک کامیاب خطیب کے لیے جن اوصاف کا ذکر کیا ہے، حضور محدث اعظم ہند کی ذات ستودہ صفات میں وہ سارے محاسن جمع ہو گئے تھے-مزید برآں نیت کا اخلاص اور دل کی پرہیزگاری راکب بدوش تھی اس لیے آپ کی تقریر کا دائرہ صرف گھن گرج تک محدود نہ تھا بلکہ باتیں آپ کی دل کے نہاں خانوں تک اترتی جاتی تھیں-اسے معلوم کرنے کے لیے حضرت صدر الشریعہ کا وہ مکتوب بہت کافی ہے، جوانہوں نے گھوسی مناظرے کے موقع پر آپ کو تحریر فرمایا تھا:

’’حضور والا کو معلوم ہو کہ گھوسی مناظرہ کی تاریخیں طے ہو چکی ہیں اور مناظر سے رابطہ کرلیا گیا ہے- مناظرے کے بعد حق راستے کی نشاندہی کی حاجت پیش آئے گی اور باطل جماعتوں کی گمرہی اور بے دینی سے عوام کو خبردار کرنے کے لیے تقریروں کی ضرورت پڑے گی اور اس کام کے لیے جناب والا سے بڑھ کر دوسرا موزوں نہیں ہے-لہذا تاریخ مقررہ پر گھوسی تشریف لا کر ممنون فرمائیں-‘‘

مولانا شاہ محمود احمد قادری چشتی نے گجرات کی ایک ملاقات میں فرمایا کہ ’’روداد مناظرہ گھوسی‘‘ میں بہ شمول مکتوب حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ ساری تفصیلات موجود ہیں- حضرت علامہ مدنی میاں مدظلہ کو اس کی دوبارہ اشاعت کرانی چاہیے-اس وقت کتاب مذکور میرے پیش نظر نہیں ہے اس لیے الفاظ من وعن نقل کرنے سے معذور ہوں- بہرحال اتنی بات طے شدہ ہے کہ حضرت صدر الشریعہ کے نزدیک محدث اعظم ہند کی تقریر کی اثر انگیزی اور اثر پذیری مسلم تھی اور آپ کے دوسرے معاصرین بھی صدر الشریعہ کے ہمدوش تھے-

مولانا شاہ عبدالحلیم اشرفی مفتی ناگ پور جوادری ضلع سیتامڑھی کے رہنے والے ہیں اور محدث اعظم ہند سے شرف بیعت رکھتے ہیں، نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ ۱۹۵۸ء میں پوکھریرا ضلع سیتامڑھی میں عظیم الشان جلسہ تھا-محدث اعظم کی تشریف آوری ہوئی تھی-اس سال خشک سالی ایسی تھی کہ پرندے مر رہے تھے- آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر کے کرسی خطابت پر بیٹھایا گیا -رب تعالیٰ اور اس کی شان غفاری پر ایسی رقت انگیز تقریر فرمائی کہ مجمع پر سکوت طاری تھا اور لوگوں کی آنکھیں نم تھیں-

آخر میں جب آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو آسمان پر اچانک ابر کے ٹکڑے نمودار ہوئے اور بارش کے قطرے گرنے لگے- مجمع میں افراتفری مچی- آپ نے ڈانٹ کر فرمایا - سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو- یہ بارانِ رحمت ہیں، دعا کے لیے ہاتھ اٹھا رہا اور رحمت کا بادل برستا رہا- یہ کیسی دل ربا تقریر تھی جس کی اثر انگیزی سامعین کے قلوب کی گہرائی تک ہی نہیں اتری، رضائے الٰہی کی دہلیز تک بھی پہنچی- بندگانِ خدا کے دلوں نے ہی اسے نہیں قبول کیا، بلکہ رب بے نیاز کا درِ اجابت بھی کھل گیا-

محدث اعظم، خطابت کا ایک منفرد عنوان ہی نہ تھے بے شمار خوبیوں کے مالک تھے- جن دنوں مبارک پور میں ہنگامی حالات پیدا ہو گئے تھے اور شیعہ سنی میں رسہ کشی چل رہی تھی، حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنی قیام گاہ پر مجھ سے فرمایا کہ جس زمانے میں محدث اعظم ہند دار العلوم اشرفیہ کے سرپرست تھے ان دنوں بھی اشرفیہ کافی مشکلات سے دوچار ہو گیا تھا، مگر محدث اعظم صرف محدث وفقیہ ہی نہ تھے، معاملہ فہمی میں شاہجہاں کا دماغ رکھتے تھے اور مشکل سے مشکل قضیہ کا حل چٹکیوں میں تلاش کر لیتے تھے- چنانچہ آپ کے حسن تدبر اور باریک بینی سے اشرفیہ کا زبردست بحران آن کی آن میں دفع ہو گیا-

آج قائدین کی کوتاہ نظری اور معاملات کی نزاکت تک عدم رسائی کے نتیجے میں طرح طرح کے فتنے جنم لے رہے ہیں اور جماعت کا شیرازہ منتشر ہو رہا ہے- اغیار ہمارے نشیمن پر کمندیں ڈال رہے ہیں اور ہم آپس ہی میں دست جیب وگریباں ہیں- باہمی نزاع کے نتیجے میں اپنے قلم رو پر نظر رکھنے کی بھی ہمیں فرصت نہیں ہے- آج کی اس مشکل گھڑی میں ہمیں اپنے اسلاف کی یاد ستاتی ہے- ان کی عقدہ کشائی کا خیال ہمیں بے چین کرتا ہے اور دل بے تاب یہ کہہ کر تسکین کا ہاتھ سینے پر رکھ لیتا ہے:

مدت کے بعد ہوتے ہیں، پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

* * *

مولانا مبارک حسین مصباحی☆

محدثِ اعظم ہند اور الجامعۃ الاشرفیہ

۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں اہلِ مبارک پور نے مدرسہ مصباح العلوم (واقع دینا بابا کی مسجد) کی بنا ڈالی۔ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۸ء میں مسجد گولہ بازار میں مدرسہ مصباح العلوم ہی کے نام سے اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، جب پیر عبد اللطیف اور حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی علیہما الرحمہ کی مبارک پور میں آمد و رفت شروع ہوئی تو نگر پالیکا مبارک پور سے متصل یہی ادارہ ”مدرسہ اشرفیہ لطیفیہ مصباح العلوم“ کے نام سے منتقل ہوگیا۔ یہ تیسرا مرحلہ ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں طے ہوا۔ مستقل عمارت نہ ہونے کی وجہ سے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا یہی ادارہ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء میں اپنی مستقل عمارت محلّہ پرانی بستی میں قیام پذیر ہوگیا۔ اس مرحلے میں ادارہ کا نام ”مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم“ طے پایا۔ اسی مدرسہ میں ۲۹؍شوال ۱۳۵۲ھ/ ۱۴؍جنوری ۱۹۳۴ء میں حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی بحیثیت صدر المدرسین تشریف لائے۔ اس ادارے کی حیثیت ایک معمولی مدرسہ یا مکتب کی تھی، حضرت حافظِ ملت کی آمد کے بعد مدرسہ میں حیرت انگیز تعلیمی انقلاب آیا اور اسی کے ساتھ مبارک پور اور قرب و جوار میں دعوت و تبلیغ اور تردید و مناظرہ کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اہلِ سنت میں بہار آ گئی۔ اہلِ مبارک پور کی توجہات بھی مدرسہ کی جانب بڑھنے لگیں۔ ملک بھر سے طلبہ کی آمد شروع ہوگئی، جب مدرسہ کی عمارت تنگ ہوگئی تو آپ نے نئی عمارت کے لیے گولہ بازار میں ایک وسیع زمین حاصل کی اور نئی عمارت کی تعمیر کے لیے مبارک پور میں چندہ شروع ہوا۔ اہل مبارک پور کا یہ مخلصانہ تعاون مدرسہ کی تعمیری ضرورت کے پیش نظر تھا۔ دیوبندی مکتب کے مولویوں نے واویلا مچایا کہ سلسلہ اشرفیہ کے مریدوں پر ناجائز دباؤ ڈال کر مدرسہ کے لیے چندہ حاصل کیا گیا، بالکل غلط ہے۔ حضرت محدث اعظم ہند کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا محبوب احمد اشرفی مبارک پوری لکھتے ہیں:

”مسلمانانِ مبارک پور کو یاد ہے، فقیر کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب قبلہ کے تشریف لانے سے چھ مہینے بعد چندہ شروع ہو کر ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ کے اخیر میں ختم ہوگیا۔ اس سال قطعاً حضرت شاہ علی حسین صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت محدث صاحب قبلہ مدظلہ العالی مبارک پور تشریف نہیں لائے۔ پھر ان کی طرف اس چندہ کی نسبت کرنا اور یہ کہنا کہ مدرسہ کے نام پر ہزاروں روپیہ سادہ لوح مریدوں کی جیبوں سے نکالا گیا، کیسی شرم ناک حرکت ہے۔“

(مقدمہ العذاب الشدید، ص:۵۲)

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے مدرسہ کی توسیع کے لیے نئی عمارت کے سنگ بنیاد کے لیے اپنے اکابر علما اور مشائخ کو مدعو کیا، اس اہم تقریب اور اجلاسِ عام کے لیے جمعۃ المبارکہ ۱۲؍شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۸؍جنوری ۱۹۳۵ء کی تاریخ طے پائی۔ حضرت حافظ ملت کی دعوت پر رسم سنگ بنیاد میں شرکت کے لیے بطور خاص درج ذیل مشائخ عظام کی تشریف آوری ہوئی:

(۱) قطب الارشاد حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ (م:۱۱؍رجب ۱۳۵۵ھ)

(۲) صدر الشریعہ حضرت علامہ شاہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ (م:۲؍ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ)

(۳) محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید شاہ محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ (م:۱۶؍رجب ۱۳۸۱ھ)

دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی جدید عمارت کے سنگ بنیاد کا دل کش منظر ایک چشم دید شاہد کی حیثیت سے مولانا محمد احمد اشرفی مبارک پوری نے تحریر کیا جو حسب ذیل ہے:

”مدرسہ اہلِ سنت مصباح العلوم کی دینی خدمات نے شوال ۱۳۵۳ھ (۱۹۳۵ء) کا وہ وقت بھی دکھایا جو تاریخ مبارک پور میں خصوصیت رکھتا ہے کہ مدرسہ ہذا کے سالانہ جلسہ اور جدید عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب میں حضرت مولانا شاہ علی حسین صاحب قبلہ قدس سرہ و حضرت محدث صاحب قبلہ مدظلہ و حضرت صدر الشریعہ صاحب قبلہ دامت برکاتہ وغیرہ علمائے کرام نے سرزمین مبارک پور کو اپنے ورودِ

☆Chief Editor,Ashrafia monthly,Mubarak Pur,Distt Azam Garh(U.P)

مسعود سے زینت بخشی، اس موقع پر مدرسہ مصباح العلوم کی جدید عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا، جمعہ کا مبارک دن ہے- گیارہ بجے علمائے کرام تشریف لاتے ہیں- مسلمانانِ مبارک پور نے ان پیشوایان اسلام کا شاندار استقبال کیا- بعد نمازِ جمعہ حضرت محدث صاحب قبلہ مد ظلہ نے تقریر فرمائی، رسمِ بنیاد ادا کرنے کا اعلان ہوا- وہ منظر جس کے پیش نظر ہے، وہی مسلمانانِ مبارک پور کی خوشی و مسرت کا اندازہ کر سکتا ہے کہ کس ذوق و شوق سے مسلمانوں کے پرے کے پرے اس سعادت میں حصہ لینے حاضر ہوئے تھے- اللہ اکبر! بنیاد کے موقع پر اتنا ہجوم کہ راستہ نکلنا دشوار- علمائے کرام کے مبارک ہاتھوں کی برکتیں حاصل کرنے کے لیے یہ دشواری تمام ان حضرات کو بنیاد تک پہنچنے کی تکلیف دی گئی- بنیاد کی گہرائی قد آدم تھی- اول ان بزرگانِ دین نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا اور مدرسہ کے قیام و استحکام کی دعا فرمائی- اس کے بعد مسلمانان مبارک پور نے یہ سعادت حاصل کی-‘‘ (مقدمہ العذاب الشدید، ص:۲۵، ۲۶)

دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم کی جدید عمارت کے سنگ بنیاد کے بعد حضرت حافظ ملت اور انتظامیہ کی گزارش پر شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمہ نے مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کی سرپرستی قبول فرمائی- تاریخ اشرفیہ کے مصنف مولانا بدر القادری رقم طراز ہیں:

’’۱۳۵۳ھ سے اخیر عمر تک آپ (حضرت اشرفی میاں) نے دار العلوم اشرفیہ کی سرپرستی فرمائی- اس ادارے کی تمام خدمات آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہیں-‘‘ (اشرفیہ کا ماضی اور حال، ص:۱۰۶)

۱۳۵۵ھ میں شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی علیہ الرحمہ کا وصال ہوا- آپ کے بعد دار العلوم اشرفیہ کے سرپرست محدث اعظم ہند حضرت سید شاہ محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ ہوئے- آپ کی سرپرستی کا کل عرصہ ۱۳۵۵ھ تا ۱۳۸۱ھ ہے- یعنی قریب ۲۶/ سال- عرصۂ سرپرستی کی تائید حضرت مولانا بدر القادری کے درج ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے- ’’محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد صاحب علیہ الرحمہ اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے بعد اشرفیہ کے سرپرست رہے-‘‘
(اشرفیہ کا ماضی اور حال، ص:۱۰۹)

حضرت محدث اعظم ہند صرف نام کے سرپرست نہیں تھے بلکہ دار العلوم اشرفیہ کے ہر مشکل وقت میں مشکل کشائی فرماتے تھے- درمیان سال میں بھی کوئی ضرورت درپیش ہوتی تو آپ اپنے اسفار ترک فرما کر مبارک پور تشریف لے آتے، کمیٹی طلب فرماتے اور تدبیر وحکمت سے الجھی گتھیاں سلجھاتے- حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ دار العلوم کے تعلیمی اور تربیتی نظام سے انتہائی مطمئن اور متاثر تھے- یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے دو صاحب زادگان شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی میاں مدظلہ العالی اور غازی ملت حضرت سید محمد ہاشمی میاں مدظلہ العالی کو حضرت حافظ ملت کی تربیت میں بھیجا- حضرت شیخ الاسلام نے اعدادیہ سے دورۂ حدیث تک کی مکمل تعلیم دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں مکمل فرمائی- جناب محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی رقم طراز ہیں:

’’چودہ سال کی عمر میں والد بزرگوار نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل کرا دیا- یہاں آپ نے درسِ نظامی کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو کی بے شمار کتابیں پڑھیں اور استاذ حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پورا پورا اکتساب فیض کیا-‘‘
(مقدمہ تفسیر اشرفی، ص:۵۶)

محمد مسعود احمد سہروردی صاحب مزید لکھتے ہیں:

’’ابھی آپ کی طالب علمی ہی کا زمانہ تھا کہ ۱۶/ رجب ۱۳۸۱ھ کو والد ماجد نے اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا- اتنے بڑے سانحہ کے باوجود صبر و رضا کے پیکرِ اخلاص نے آغوشِ مادر میں ایک مرتبہ پھر پناہ لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنے کو سنبھالا بلکہ پورے خانوادۂ محدث اعظم ہند کی سرپرستی کو بخیر و خوبی انجام دیا- والد بزرگوار کے چہلم پر ان کی جانشینی کا تاج زیب تن کرنے کے باوجود آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور لوٹے اور جنوری ۱۹۶۳ء میں وہاں سے فراغت پر سند حاصل کی-‘‘ (مقدمہ تفسیر اشرفی، ص:۵۷)

خاندانِ اشرفیہ بسکھاری کچھوچھہ شریف کے اکثر مشاہیر علما اور مشائخ نے بھی دار العلوم اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی اور فراغت کے بعد دین وملت کی عظیم خدمات انجام دیں اور آج بھی نمایاں کارنامے انجام دے رہے ہیں- چند نام اس طرح ہیں: اشرف المشائخ حضرت سید مجتبیٰ اشرف، اشرف العلما حضرت سید حامد اشرف، شیخ اعظم حضرت سید اظہار اشرف، خطیب الہند حضرت سید کمیل اشرف، حضرت مولانا سید موصوف اشرف، حضرت مولانا حکیم سید احمد حسین کوثر، مولانا سید احمد

اشرفی، مولانا سید ملیح اشرف، پیر طریقت حضرت مولانا سید تنویر اشرف، سید فہیم اشرف، مولانا سید جلال الدین اشرف، مولانا سید احمد اشرف-

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں باضابطہ ممتحن کی حیثیت سے بھی تشریف لاتے تھے- تلمیذ حافظ ملت حضرت مولانا محبوب اشرفی مرحوم کا بیان ہے کہ ”سرکار محدث اعظم ہند قدس سرہ کو درس وتدریس کا کام چھوڑے ہوئے چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر جب دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یا دوسرے مدارس کے طلبہ کا امتحان لیتے تو معلوم ہوتا کہ مسندِ تدریس کے بادشاہ ہیں، معقولات کی وہ کتابیں جو اس وقت دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ کے علاوہ چند ہی دوسرے مدارس میں داخلِ نصاب تھیں، امتحان لینے کے لیے جب حضرت اقدس محدث اعظم ہند کے سامنے وہ کتابیں آتیں تو معلوم ہوتا کہ سارے علوم وفنون حضرت علیہ الرحمہ کے لیے مسخر ہیں- دورے کا امتحان لیتے تو معلوم ہوتا کہ صحاح ستہ کے حافظ ہیں، حالاں کہ تقریباً چالیس سال سے امتحانات لینے کے علاوہ کبھی درسی کتابوں کو ہاتھ لگانے کی نوبت نہیں آتی تھی اور نہ اس کے لیے موقع ملتا تھا- (حیات محدث اعظم ہند، ص:۴۱)

حضرت محدث اعظم ہند اپنے علمی وقار اور شخصی جاہ وجلال کے باوجود انتہائی باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے- ادبی طنز ومزاح ان کی فطرت کا حصہ تھا،، ان کی محفل فنی دقیقہ سنجیوں کے باوجود علمی لطائف سے لالہ زار بنی رہتی- یہی منظر ان کی امتحان گاہ میں بھی چھایا رہتا- یہ روایت میں نے اس عہد کے متعدد طلبہ جواب اکابر علما میں شامل ہیں سے سنی ہے کہ دار العلوم اشرفیہ میں اس دور میں کمیٹی کے ذمہ دار حضرات بھی امتحان گاہ میں پہنچتے تھے- کمیٹی کے افراد اگرچہ غیر عالم ہوتے، لیکن سوال و جواب سن کر کسی قدر طلبہ کی صلاحیتوں کا اندازہ ضرور لگا لیتے تھے- ایک مرتبہ حضرت محدث اعظم ہند نحو کی مشہور کتاب ”شرح جامی“ کا امتحان لے رہے تھے- طالب علم نے کسی سوال کے جواب میں تقریر مکمل الٹی کر دی، اب اگر محدث اعظم ہند اس جواب کو غلط بتاتے تو منتظمہ کے دلوں میں غلط تاثر پیدا ہوتا، اس لیے آپ نے جواب سن کر بھر پور فرحت وانبساط کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا: ماشاءاللہ، سبحان اللہ- آپ نے تو تمام نحویوں کی تقریروں کو الٹ کر رکھ دیا، حضرت محدث اعظم ہند کے اظہارِ تاثر نے ایک جانب طالب علم پر یہ واضح کر دیا کہ تمھاری تقریر غلط ہے اور دوسری جانب کمیٹی کے افراد بھی خوش ہو گئے کہ واقعی ہمارے طالب علم بڑی محنت سے پڑھتے ہیں- بڑے بڑے نحویوں کی تقریریں الٹ دیتے ہیں-

حضرت محدث اعظم ہند کے امتحان لینے کے حوالے سے حضرت علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ نے ایک چشم دید واقعہ رقم فرمایا ہے، جسے ہم موضوع کی مناسبت سے ذیل میں نقل کرتے ہیں:

”جن دنوں میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں صدر مدرس تھا، حضرت اقدس محدث اعظم علیہ الرحمہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں تفسیر بیضاوی شریف کا امتحان لے رہے تھے، میں بھی حاضر تھا، ذی استعداد طلبہ کی عبارت خوانی اور مطلب خیز ترجموں سے حضرت بے حد مسرور ہو رہے تھے- اوراق الٹے تو ناگہاں اس شعر پر نظر پڑی ؂

ولما رأيت النسر عز ابن داية
وعشش في وكريه جاش له صدري

اپنی گرج دار آواز میں ایک طالب علم سے فرمایا کہ اس شعر کا ترجمہ کرو- طالب علم نے ترجمہ کیا اور جب میں نے دیکھ لیا گدھ کو کہ وہ کوے پر غالب ہو گیا اور اس کے دونوں گھونسلوں میں آشیانہ بنا لیا تو اس وجہ سے میرے سینے نے جوش مارا- پھر شعر کا مطلب پوچھا- طالب علم نے بہترین تشریح کی اور بتایا کہ کوے سے مراد کالے بال اور گدھ سے مراد سفید بال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کالے بال سفید ہو گئے- پھر فرمایا، کس مدرس سے یہ کتاب پڑھی ہے- طلبہ نے میری طرف اشارہ کیا- پھر میری طرف مخاطب ہو کر خود ایک مرتبہ ترنم کے ساتھ یہ شعر پڑھا اور ایک سرد آہ کھینچ کر اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور طلبہ سے فرمایا کہ میری داڑھی کو دیکھو سب کوے اڑ چکے ہیں اور گدھوں نے ان کے گھونسلوں میں قبضہ جما لیا ہے- مولانا اعظمی کی طرف دیکھتے ہو، ان کے تو سر اور داڑھی میں کوا ہی کوا ہے ایک گدھ کا گزر تک نہیں- پھر بالوں کی سفیدی پر فارسی اور اردو کے چند نمونے پیش فرما کر یہ دوہا بھی ارشاد فرمایا ؂

اجلی اجلی سبھی بھلی، اجلی بھلی نہ کھیش
دشمن دبے نہ کامن روئے، نہ آدر کرے نریش“

(حیاتِ محدثِ اعظم ہند، ص:۴۲، ۴۳)

۱۰؍ شعبان ۱۳۶۹ھ میں حضرت محدث اعظم ہند نے اپنے

امتحانی معائینے میں تحریر کیا ہے:

”آج ۱۰؍شعبان مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم کے درجۂ اعلیٰ کے ان طلبہ کا امتحان لیا گیا جو تفسیر و حدیث کی آخری تعلیم حاصل کر چکے تھے- صحیح عبارت خوانی اور صحیح ترجمہ اور صحیح مطلب بتانے میں طلبہ نے بے حد خوش کیا- اوران مقامات کا سوال کیا گیا، جس کو پہلے سے متعین نہیں کیا گیا تھا- کتاب کے باہر کی باتیں امتحانِ ذکاوت کے لیے پوچھی گئیں- اور یہ نہ گھبرائے اور ہر سوال کا جواب مدرسانہ انداز میں دیتے رہے- اوراس تجربہ کی بنیاد پر جو ملک کے مدارس عربیہ کا رکھتا ہوں اور جا بجا امتحان کی خدمت مجھ سے لی جاتی ہے، میں بغیر کسی مبالغہ کے کہتا ہوں کہ اس مدرسہ کے کم زور طالب علم کا درجہ دوسرے مدارس کے قابلِ فخر طلبہ سے بڑھا ہوا پایا- یہ مدرسین کرام کی انتھک کوششوں کا، معاونین مدرسہ کی پاک نیتوں کا ثمرہ ہے- (فجز اہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء)“

(از: سید محمد اشرفی جیلانی - ۱۰؍شعبان ۱۳۶۹ھ)

حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ بلند پایہ خطیب و مناظر تھے- دینی اور ملی قیادت میں بھی آپ نے یادگار کارنامے انجام دیے- تقسیم وطن سے قبل ہندوستانی مسلمان سخت سیاسی اور ملی انتشار سے دو چار تھے- یہ وہ وقت تھا کہ غیر منقسم ہندوستانی مسلمانوں کی کل تعداد ۱۰؍کروڑ تھی اوران میں اہل سنت و جماعت کی تعداد ۹؍کروڑ تھی- باقی ایک کروڑ میں دیوبندی، قادیانی، رافضی اور نیچری تھے- آزادی ہند کے موقع پر کانگریس سب سے بڑی سیاسی قوت تھی- مسلمانوں نے آنکھیں بند کر کے کانگریس کا ساتھ دیا- بلکہ گاندھی جی کی حمایت و اعانت میں اس حد تک بڑھے کہ طاقِ حرم مین بھی کانگریس کی شمع روشن کرنے لگے، مگر جب بعد میں مسلم قائدین کو ناکامی اور محرومی میسر آئی اور جب سر عام اپنے دین و مذہب کے آشیانوں کے اجڑنے کا منظر دیکھا تو مسلم لیگ کی قیادت میں جمع ہونے لگے، جس کی قیادت قائد اعظم محمد علی جناح کر رہے تھے-

حساس اور باشعور علماے اہل سنت نے مسلم اکثریت اہل سنت کی قیادت و رہ نمائی کے لیے آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنا ڈالی، جس کی قیادت حضرت محدث اعظم ہند اور حضرت صدر الافاضل علامہ محمد نعیم الدین مرادآبادی فرما رہے تھے- دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اہل سنت و جماعت کا نامور مرکزی ادارہ تھا، جس کی باگ ڈور حضرت حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی کے ہاتھوں میں تھی- آپ نے بھی آگے بڑھ کر اپنے اکابر علما اور مشائخ کا تعاون کیا اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے ایک ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے آل انڈیا سنی کانفرنس جامعہ نعیمیہ مرادآباد، آل انڈیا سنی کانفرنس کانپور اور آل انڈیا سنی کانفرنس ممبئی وغیرہ میں شرکت کی- بلکہ ضلع اعظم گڑھ میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی شاخ بنا کر اس کے ڈھائی ہزار باضابطہ ممبر بنائے- آل انڈیا سنی کانفرنس اہل سنت و جماعت کا ایک مضبوط قومی اور سیاسی پلیٹ فارم تھا- جب کہ مسلم لیگ میں ساری قیادت بدعقیدہ لیڈروں کے ہاتھوں میں تھی، مگر افسوس جب الیکشن کا زمانہ آیا تو سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کی حمایت شروع کر دی- حافظ ملت نے سنی کانفرنس کے ذمہ داروں کو اپنے ایک مضمون سے اس کے سیاسی اور دینی نقصان سے باخبر کیا کہ اس طرح سنی کانفرنس مسلم لیگ میں ضم ہو جائے گی اور نتیجے کے طور پر ووٹ اور بھیڑ اہل سنت کی ہوگی اور قیادت و سربراہی بد مذہبوں کی- حافظ ملت فرماتے تھے کہ مسلم لیگ کی قیادت میں حاصل ہونے والے پاکستان میں کبھی بھی نظامِ مصطفیٰ کا قیام نہیں ہو سکتا-

حضرت حافظ ملت نے ان تمام سیاسی اور دینی وجوہات کو بیان کرتے ہوئے آل انڈیا سنی کانفرنس کی رکنیت اور ضلعی صدارت سے استعفا دے دیا- حافظ ملت نے یہ استعفا حضرت محدث اعظم ہند اور حضرت صدر الافاضل کے نام بمضمون واحد ارسال کیا تھا-

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ ایک سیاسی اور دینی مسئلہ پر سخت نظریاتی اختلاف کے باوجود حضرت حافظ ملت نے استعفا دیا، ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیا- اور بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ اختلاف کے باوجود نہ باہم کسی قسم کی شکر رنجی ہوئی اور نہ دار العلوم اشرفیہ کے نظم و نسق میں کوئی رخنہ پڑا- شدید نظریاتی اختلاف کے باوجود حافظ ملت بحیثیت صدر المدرسین دار العلوم اشرفیہ میں خدمت انجام دیتے رہے- باوجودے کہ حضرت محدث اعظم ہند دار العلوم کے با اختیار سرپرست تھے- اب ذیل میں بنام محدث اعظم ہند حضرت حافظ ملت کے استعفا کا متن پڑھیے:

سیدی و سندی حضرت محدث صاحب قبلہ دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اس دورِ فتن میں سنی کانفرنس کی نئی زندگی سے روحانی مسرت

تھی- بڑی امید تھی کہ یہ خالص دینی مذہبی جماعت کانگریس، لیگ، احرار وغیرہ سب سے بے تعلق اور علاحدہ رہ کر اہل سنت کی تنظیم کرے گی اور تمام بے دینوں، بد مذہبوں سے مسلمانانِ اہل سنت کو علاحدہ اور محفوظ رکھتے ہوئے ان کی صحیح رہ نمائی فرمائے گی- اس لیے یہ خادم اپنے عقیدت مندانہ جذبات کے ساتھ سنی کانفرنس کی خدمت کے لیے تیار ہوا- حسب الحکم حضور والا مبارک پور میں ضلع سنی کانفرنس قائم کی، اطراف میں اس کی شاخیں پھیلائیں- نہایت جد و جہد سے کام ہوا- چناں چہ ڈھائی ہزار سنی مسلمان باضابطہ اس کے ممبر بنائے- مگر جب سے ہندوستان میں الیکشن کا دور شروع ہوا، کارکنانِ سنی کانفرنس نے لیگ کی حمایت شروع کر دی- منفرداً و مجتمعاً ہر طرح لیگ کی تائید کرتے رہے- بڑے بڑے عمائد کانفرنس نے پوری طاقت سے لیگ کا ورک کیا- چناں چہ ان کی محنتوں کا نتیجہ یہ شائع ہوا کہ لیگ کی نوے فی صد کامیابی کا سہرا سنی کانفرنس کے سر ہے- کارکنانِ سنی کانفرنس کی اس لیگ نوازی سے خادم متاثر ضرور تھا، تاہم اس کی تاویل کرتا تھا اور اس کو ان حضرات کی شخصی اور مقامی خصوصیت پر محمول کرتا تھا- یہ خیال کرتا تھا کہ سنی کانفرنس کا مقصد لیگ کی تائید نہیں ہے- اس لیے امید ہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے اجلاس میں اس کی تلافی ہو جائے گی، مگر بنارس کے اجلاس کا دعوت نامہ آیا تو اس میں بھی مقاصد سنی کانفرنس میں پاکستان اور لیگ شامل ہے- اگرچہ پاکستان کی تفسیر بایں الفاظ ہے ”آئین شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر ایک آزاد با اختیار حکومت کا مطالبہ“ لیکن سنی کانفرنس کی طرف سے یہ الفاظ پاکستان کے لیے صرف دعائیہ ہو سکتے ہیں- بطور مطالبہ ہرگز نہیں- اس لیے کہ پاکستان لیگ کا مطالبہ ہے جو تمام مسلمانوں کی واحد نمائندگی کی مدعی ہے- اور سنی کانفرنس نے اپنی تائید سے لیگ کے اس دعوے کو حکومتِ برطانیہ سے منوا دیا ہے- لہٰذا اگر سنی کانفرنس کی تائید و حمایت سے بالفرض پاکستان ملا بھی تو لیگ کو ملے گا اور وہ لیگی پاکستان ہوگا، جس کی تشریح مسٹر جناح نے بارہا کی ہے کہ پاکستان میں حکومتِ الٰہیہ ہرگز قائم نہیں ہو سکتی، پاکستان ایک جمہوری اسٹیٹ ہوگا جس میں غیر مسلموں کا بھی حکومت میں حصہ ہوگا- لیگی اخبار تنویر ۱۲/ اپریل میں ہے- قائد اعظم نے کہا ہے کہ پاکستان میں کٹھ ملاؤں کی حکومت نہیں ہوگی- لہٰذا اب پاکستان کی وہ تفسیر جو سنی کانفرنس کر رہی ہے، کیا معنی رکھتی ہے- اگر کوئی معنی ہو سکتا ہے تو یہ کہ اس تفسیر سے مسلمان متاثر ہو کر حمایتِ پاکستان میں زیادہ سے زیادہ قربانیاں پیش کریں اور بس-

اس طرح لیگ کی تائید میں دینی امور کی قید، اس قید کی عملی حقیقت آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشاہیر علماے کرام کے متفقہ فیصلہ سے ظاہر ہو جاتی ہے- الیکشن کے لیے فیصلہ یہ تھا (مسلم لیگ جس سنی مسلمان کو بھی اٹھائے سنی کانفرنس کے اراکین و ممبران اس کی تائید کر سکتے ہیں) اس فیصلہ میں لیگی نمائندگی کی تائید مقید ہی تھی کہ اگر لیگ نے سنی نمائندہ کو منتخب کیا ہے تو اس کی سنی کانفرنس کے اراکین و ممبران تائید کریں گے- مگر عملاً یہ قید بالکل ہی نظر انداز کر دی گئی- اور غیر سنی نمائندوں کی بڑی قوت کے ساتھ تائید کی گئی- بڑے بڑے عمائد سنی کانفرنس یہ جانتے ہوئے کہ یہ نمائندہ ہرگز سنی نہیں ہے، اس کا ورک کیا اور نہایت ہی عرق ریزی سے اس کی تائید کی- لہٰذا عمائدین سنی کانفرنس کے اس عمل نے ثابت کر دیا کہ سنی کانفرنس کے متفقہ فیصلہ میں سنی کی قید احترازی نہ تھی، تو اب لیگ کی تائید میں یہ دینی امور کی قید علیٰ ہٰذا القیاس- نیز لیگیوں نے جب تقریراً و تحریراً شور مچایا اور عوام سنیوں کو دھوکا دیا کہ سنی کانفرنس چوں کہ لیگ کی تائید کرتی ہے لہٰذا سنی مسلمان لیگ کو کامیاب بنائیں تو میں نے ایک مختصر مضمون بہ عنوان ”غلط فہمی کا ازالہ“ الفقیہ میں بھیجا، جس کا حاصل یہی تھا کہ سنی کانفرنس نے صرف سنی نمائندے کی تائید طے کی ہے- سنی کانفرنس مطلقاً لیگ کی موئد نہیں تو اولاً اس مضمون کو بے اثر کرنے کے لیے اسے گم نام چھاپا، پھر سنی کانفرنس اس بے اثری کو بھی برداشت نہ کر سکی بلکہ اٹاوہ سنی کانفرنس سے اس کی بڑی مبسوط تردید شائع ہوئی- اس پر مرکز کے سکوت نے اور واضح کر دیا کہ فیصلہ میں سنی کی قید احترازی نہ تھی- ایسی صورت میں عملاً لیگ کی تائید مطلق ہی رہ جاتی ہے- اور عملی طور پر ان قیود کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا-

پھر ان باریکیوں کو عوام بے چارے کیا سمجھیں- ان کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ سنی کانفرنس کے مشاہیر علماے کرام کا متفقہ فیصلہ لیگ کی تائید میں شائع ہو گیا تو پھر کیا تھا جھک پڑے، جس کے زہریلے نتائج مذہب پر اس قدر اثر انداز ہوئے کہ تصلب فی الدین کا خاتمہ ہو گیا- اور ان کی خوش عقیدگی لیگ سے اس قدر بڑھی کہ خواہ قادیانی ہو یا رافضی، دیوبندی ہو یا خارجی، اگر وہ لیگی ہے تو سنی مسلمان اس کی تعظیم و

توقیر کے لیے تیار ہیں- مبارک پور کے سنی اپنی مذہبی خصوصیت میں ممتاز تھے، مگر لیگ کی خوش عقیدگی نے ان سے مرتد اشرف علی تھانوی کے خلیفہ ظفر احمد تھانوی کا استقبال کرایا، اس کا لکچر سنوایا، اس کے پیچھے نماز پڑھوائی- اس کے پیر کے موزے دھلوائے، غرض کہ بڑی دھوم سے اس کی تعظیم وتکریم کرائی- اس کی صفائی میں کہتے ہیں کہ ہم مذہباً ظفر احمد تھانوی کو نہیں مانتے، صرف سیاسی رہ نما ہونے کی حیثیت سے مانتے ہیں- اگر مسلمانانِ مبارک پور پر لیگ کا بھوت نہ سوار ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے- یہ ہیں لیگ کی تائید کے زہریلے نتائج-

لہٰذا جب کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس میں بھی لیگ کی تائید ہو رہی ہے- تو اب میرے نزدیک نہ کسی تاویل کی گنجائش، نہ اس کی تلافی کی امید باقی، اس لیے سنی کانفرنس کی خدمت سے معذور ہو کر نہایت ہی افسوس کے ساتھ اس تحریر کو بطور استعفا پیش کرتا ہوں اور نہایت ہی ادب سے مخلصانہ عرض کرتا ہوں کہ اگر سنی کانفرنس نے لیگ سے اپنی علاحدگی اور بے زاری کا اعلان کر دیا تو میں بسر وچشم اس خدمت کے لیے حاضر ہوں-

بہ عالی خدمت حضرت صدر الافاضل صاحب قبلہ دامت برکاتہم بمضمون واحد، سلام مسنون عرض ہے- فقط

عبدالعزیز عفی عنہ/ ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۶۵ھ

اس عہد کے علما بیان فرماتے ہیں کہ استعفا کے بعد جب پہلی بار حضرت محدث اعظم ہند مبارک پور تشریف لائے، تو حضور حافظ ملت اپنے احباب اور اساتذۂ دار العلوم کو لے کر استقبال کے لیے بڑی ارجنٹی پہنچے- اس مقام پر حضرت محدث اعظم ہند کے مریدین بھی استقبال کے لیے موجود تھے- جب محدث اعظم ہند تشریف لائے تو انھوں نے حسبِ سابق حضرت حافظ ملت سے معانقہ کیا اور انتہائی پر مسرت ماحول میں اپنے ساتھ رکشہ پر بٹھا لیا- قافلہ جب آگے بڑھا تو کچھ اشرفی مریدوں نے سنی کانفرنس زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے لگانا شروع کر دیے- نعرے سن کر حضرت محدث اعظم ہند نے سخت برہمی کا اظہار فرمایا اور مریدین کو سخت وسست کہہ کر خاموش کر دیا- اس کے بعد کئی دن تک حضرت محدث اعظم ہند مبارک پور میں رہے، دار العلوم کے تعلیمی اور انتظامی امور کا جائزہ لیا، لیکن ایک بات بھی ایسی نہیں ہوئی جس سے باہم کسی کو تکلیف پہنچے- یہ حضرت محدث اعظم ہند کی اعلیٰ ظرفی، دور اندیشی اور بلند اخلاقی تھی- اگر پیرانِ طریقت اسی طرح بیدار مغزی، دور اندیشی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کریں تو اہل سنت کے بہت سے اختلافات کو ختم کیا جا سکتا ہے اور اہل سنت ایک متحدہ قوت بن کر غیر اہل سنت کو ہر محاذ پر شکست دے سکتے ہیں- مگر اب ہمارے یہاں دیکھ کر کم اور سن کر زیادہ فیصلے لیے جاتے ہیں اور عام طور پر پیرانِ طریقت اپنے مریدین اور کم سواد علما کی چاپلوسیوں سے آگے بڑھ کر سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے- الامان والحفیظ-

افسوس علم وتدبر کا یہ کوہِ گراں ۲۴/ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا اور عین آپ کے وصال پر دار العلوم اشرفیہ کا ایک زریں دور بھی ختم ہو گیا- حضرت محدث اعظم ہند کے عہد سرپرستی میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور نے بڑی اہم دینی اور علمی خدمات انجام دیں- تاریخ اشرفیہ میں آپ کی اعلیٰ سرپرستی اور اشرفیہ نوازی کا ان لفظوں میں اعتراف کیا گیا ہے:

”اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے بعد آپ کو سب سے زیادہ ہر دل عزیزی اور مقبولیت نصیب ہوئی- آپ نے کرسیِ سرپرستی قبول فرمانے کے بعد سے آخری دم تک اشرفیہ کو عروج وارتقا کی منزلیں طے کرنے کا موقع دیا-“ (اشرفیہ کا ماضی اور حال)

آپ کے وصال پر ملال پر دار العلوم اشرفیہ میں ایصالِ ثواب کیا گیا اور اشرفیہ کی روداد میں حسب ذیل تعزیتی تحریر نوٹ کی گئی-

”**مصائب شتّیٰ جمعت فی مصیبة**“ آہ دار العلوم کے لیے کتنا جاں گداز ہے یہ لمحہ کہ اپنے شفیق سرپرست سے محروم ہو گیا- بہر حال اس یاس وناامیدی کے عالم میں ہمارے حوصلوں کے لیے یہ سہارا کافی ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کا روحانی فیض اپنے دار العلوم کو کبھی محروم نہ چھوڑے گا-“

(روداد ۱۳۸۰ھ تا ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۱ء)

اس تعزیتی قرار داد کے بعد حضرت حافظ ملت قدس سرہ العزیز نے غم واندوہ سے لبریز ایک تعزیتی تحریر سپرد قلم فرمائی، جو اس وقت کے رسائل وجرائد میں شائع ہوئی- مضمون کا تقاضا ہے کہ اس اہم تاریخی تحریر کو ہم یہاں بھی پیش کر دیں- جلالة العلم حضور حافظ ملت اپنے ممدوح کی عظمتوں کا اعتراف اور اپنے غموں کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے، لیل و نہار گردش کرتے رہتے ہیں، بہار و خزاں کے سیکڑوں دور آتے جاتے رہتے ہیں، تب کہیں جا کر کوئی با کمال ہستی، ممتاز شخصیت وجود میں آتی ہے جو خاص فیضان کرم کی مورد اور رحمت خاص کی مرہون منت ہو کر دنیاے اسلام میں ممتاز شخصیت کی مالک اور دین متین کی حافظ و محافظ ہوتی ہے- اس منزل پر پہنچنے اور اس منصب پر فائز ہونے کے لیے طویل زمانہ درکار ہے- لیکن جب ان ذوات مقدسہ کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو وہ اساطین دین ایک لمحہ میں دنیا کو خیر باد کہہ کر داغِ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتے ہیں: **العظمة للّٰه والدوام والبقاء للّٰه و تقدس.**

ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک جلیل القدر شخصیت نے ابھی داغ مفارقت دیا یعنی حامی سنت، ماحی بدعت، گلزار غوثیت، زلالہ نجابت و سیادت، شہنشاہِ خطابت، سرمایۂ اہل سنت، آفتابِ علم و فضل الحاج حضرت علامہ سید شاہ محمد صاحب قبلہ محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۲۵/ دسمبر ۶۱ھ یومِ دوشنبہ بوقت ظہر اس دنیاے فانی سے دار البقا کی طرف رحلت فرمائی -: ان للّٰہ وانا الیہ راجعون- **العین تدمع والقلب یحزن و ما نقول الا ما یرضیٰ بہٖ ربنا.** مولاے کریم حضرت مرحوم کو اپنے جوار رحمت خاص میں جگہ دے، جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، آپ کے اعزہ، احباب و جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل مرحمت فرمائے- آمین-

حضرت محدث صاحب قبلہ کی وفات وہ سانحۂ عظیم ہے جس نے دنیاے سنیت کو سوگوار کر دیا، ماتم کدہ بنا دیا- ہر سنی مجسمۂ غم و الم بنا ہوا ہے، در و دیوار پر اداسی چھائی ہوئی ہے، بستیاں ویران اور شہر سونے معلوم ہوتے ہیں، گویا دنیاے سنیت یتیم ہو گئی-

حضرت محدث صاحب قبلہ دنیاے سنیت میں ایک آفتاب کی حیثیت رکھتے تھے، ہر کمال کے جامع تھے، صوری و معنوی، ظاہری و باطنی تمام خوبیوں کے حامل تھے- علومِ عقلیہ و نقلیہ میں آپ امتیازی شان رکھتے تھے- افہام و تفہیم میں آپ کا پایہ انتہائی بلند تھا، قوت گویائی آپ کا حصہ تھا- باریک سے باریک بات، پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ نہایت واضح اور روشن طریقہ سے سمجھانا آپ کا معمول تھا - حضرت موصوف صاحب قلم و صاحب لسان تھے- قلم برداشتہ نہایت شستہ موقر و جامع تحریر فرماتے تھے- ہر موضوع پر برجستہ بے مثال تقریر فرماتے، بڑے بڑے شان دار خطبے دیتے تھے- دہلی اور لکھنؤ جیسے شہروں نے آپ کو شہنشاہِ خطابت تسلیم کیا تھا- بڑے بڑے ماہر لسان آپ کی تقریر سے استفادہ کرتے تھے-

اس آفتابِ حق و صداقت سے بد دین و بد مذہب لرزتے کانپتے تھے اور آپ کے نام سے تھراتے تھے، دیوبندیوں، نجدیوں کے بڑے بڑے علما کو آپ کے مقابلے کی تاب نہ تھی- جو بد مذہب بے دین آپ کے سامنے آیا، ذلیل ہوا- یہ حق صداقت کا آفتاب ہمیشہ غالب رہا- حمایت حق و حفاظت مذہب ہی آپ کا کام تھا - اوائل عمر ہی سے اشاعت مذہب و تبلیغ دین میں مصروف ہوئے اور ساری عمر خدمتِ دین میں صرف کر دی- دین متین کی نہایت ممتاز و شان دار خدمت انجام دی-

اڑتالیس اڑتالیس گھنٹہ مسلسل بیدار رہتے، پوری پوری رات تبلیغ دین و اشاعت مذہب میں مصروف رہتے، اکثر عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے- حضرت موصوف کی دینی خدمات کی تفصیل احاطۂ تحریر سے باہر ہے- آپ نے ایک ایک نشست میں پوری پوری رات گزاری ہے-

ضلع اعظم گڑھ قصبہ گھوسی میں مولوی عبد الرحیم لکھنوی دیوبندی سے مناظرہ تھا، بعد نمازِ عشا مناظرہ شروع ہوا، حضرت محدث صاحب قبلہ صبح تک ایک ہی نشست سے بیٹھے رہے، پہلو نہیں بدلا، عشا کے وضو سے نمازِ فجر ادا فرمائی اور مولوی عبد الرحیم کی بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ گھڑوں پانی پی گیا اور دسوں مرتبہ پیشاب پھرا اور سر پکڑ پکڑ کر کہتا تھا میرا دماغ خراب ہو گیا، نہایت ذلت کے ساتھ اس کو شکست فاش ہوئی، گھوسی کا مجمع شاہد ہے-

حضرت موصوف کی دینی خدمات امتیازی شان رکھتی ہیں- ایسی ہی برگزیدہ شخصیت کے لیے ارشاد ہے، **موتُ العَالِم موتُ العالَم.** ایک عالم دین کی وفات عالم کی موت ہے- حضرت محدث صاحب قبلہ کی وفات کا دنیاے اسلام پر اتنا گہرا اثر معلوم ہوتا ہے کہ ایک آفتاب تھا جو غروب ہو گیا، ایک سایۂ کرم تھا جو مسلمانوں کے سر سے اٹھ گیا-

یوں تو ہندوستان کے طول و عرض میں سیکڑوں مدارس آپ کی رہ

نمائی وسر پرستی میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں، مگر خصوصیت سے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور آپ کی خاص یادگار ہے- آپ کی سرپرستی میں یہ دار العلوم پروان چڑھا، منزلِ ارتقا پر پہنچا، امتیازی مقام حاصل کیا -حضرت مرحوم کا درالعلوم اشرفیہ سے بہت گہرا تعلق تھا، خاص محبت تھی- نہایت ہی دلچسپی کے ساتھ اس کے تمام شعبوں پر نظر رکھتے، خاص توجہ فرماتے، اس کی ہر بگڑی بناتے تھے، ہر الجھی بات سلجھاتے تھے- آپ کا سایۂ کرم دار العلوم اشرفیہ سے اٹھنا دار العلوم کے یتیم ہونے کے مرادف ہے- آپ کی رحلت سے دار العلوم کا پورا اسٹاف متاثر ہے، غم زدہ ہے، اراکین مدرسہ وطلبہ غم میں اشک بار ہیں، محزون ومغموم ہیں- دعا ہے کہ مولائے قدیر حضرت محدث صاحب قبلہ کو ان زریں خدمات کی جزاے خیر عطا فرمائے، اپنی رحمتوں کی بارش برسائے، آپ کے مراتب علیا میں بے شمار بلندی بخشے، آمین-

آپ کی وفات کی خبر پاتے ہی دار العلوم اشرفیہ میں تعطیل کر دی گئی اور پورے قصبہ مبارک پور میں مکمل ہڑتال ہوئی- دار العلوم اور جامع مسجد میں قرآن خوانی ہوئی، حضرت موصوف کی روحِ پاک کو ایک سو ختم قرآن شریف کا ایصالِ ثواب کیا گیا، مولا تعالیٰ قبول فرمائے، حضرت موصوف کی رفعت درجات کا ذریعہ قرار دے- آمین-

□□□

فرمودات محدث

● مسلمان کی صورت کو مسلمان کیا جائے اور مسلمان کی سیرت کو بھی مسلمان کیا جائے-

● حفظان صحت کا نظام لازم ہے- ورنہ کمزور افراد کی نسل بھی کمزور ہوگی جو تباہی کی راہ ہے-

●محتاجی جرائم کی ماں ہے اور میں کہتا ہوں تندرستی نہ ہونا محتاجی کا باپ ہے-

● علماے حق نہ کسی مغرور کے دبائے دبتے ہیں نہ کسی شکی وہمی سے الجھتے ہیں-

● علماے حق کسی بدزبان بے لگام کو پرکاہ کے برابر سمجھتے ہیں وہ صرف اپنے خدا سے ڈرتے ہیں- حق گو ہیں، حق پرست ہیں اور صرف حق کا اقتدار چاہتے ہیں-

● انکار کا داغ صرف انسان پر ہے-

بقیہ: محدث اعظم ہند کا روحانی مقام

ایسی بڑی اور بلند فکر کسی بڑے اور بلند مرتبہ ہی کی ہو سکتی ہے- حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی ذات گرامی ملت اسلامیہ کی آبرو اور علماء اہل سنت کی پشت پناہی تھی ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت میں گزرا- اس راہ میں انہوں نے سختیاں بھی جھیلیں، نشیب وفراز بھی دیکھے- اپنے اور بیگانوں کے جمود وتعطل کا مشاہدہ کیا لیکن ان میں سے کوئی معاملہ بھی آپ کے تبلیغی مشن پر اثر انداز نہ ہو سکا- یہ قلندرانہ جرأت وعمل اور فقیہانہ فکر ونظر اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب مقصد حیات رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگے- حضرت محدث اعظم ہند کا مقصد حیات اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ ”**لااله الا الله**“ کی ترویج ہو اور ”**محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم**“ کا زمانے میں بول بالا ہو-

حضرت اکثر فرمایا کرتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کیے بغیر ”لا الہ الا اللہ“ کی معرفت کا حصول ممکن نہیں- چنانچہ حضرت کی اصطلاح میں اسلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اور سچی وفاداری کا دوسرا نام ہے-

موت آئے تو دربارِ نبی ﷺ پر سید
ورنہ تھوڑی سی زمین ہوشہ سمناں کے قریب

حضرت محدث علیہ الرحمہ نے ساری زندگی مشنری جذبے کے تحت بسر کی اور عشق رسول ﷺ کے عملی مظاہر سے امت کو روشناس کرایا-

مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے کہا گیا یہ شعر غالباً ان کی مکمل فکری آئینہ داری اور عکاسی کرتا معلوم ہوتا ہے-

مدینہ کا کچھ کام کرنا ہے سید
مدینے سے میں اس لیے جا رہا ہوں

سلسلہ قادریہ اور چشتیہ سے روحانی وابستگی کے علاوہ آپ کو طریقت کے چودہ سلاسل میں اجازت وخلافت حاصل تھی-

سلسلۂ اشرفیہ کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ بانی سلسلہ حضرت سلطان اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمہ کو براہ راست حضرت خواجہ بہاء الدین سید محمد نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حصول فیض اور استفادہ روحانی کا شرف حاصل ہے- یوں نسبت نقشبندیہ بھی اس سلسلہ انوار وتجلیات میں رچی بسی ہوئی ہے-□□□

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی☆

محدث اعظم ہند اور خدمت لوح و قلم

خانوادۂ اشرفیہ کے چشم و چراغ محدث اعظم ہند حضرت علامہ مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں- آپ کی شخصیت جہاں دین وسنیت اور دنیاے علم وفضیلت ومعرفت میں ایسی ہی معتبر ومستند اور منور ومعطر ہے جیسے آسمان پر ماہتاب اور گلشن میں گلاب!

حضرت محدث اعظم ہند بیک وقت فقیہ ومفتی، محدث ومفسر، خطیب ومناظر ادیب وشاعر، مترجم ومصنف، مرشد و ہادی اور قائد ورہنما تھے- دینی تبلیغی دوروں اور دوسری تقدیسی مصروفیات کے با وصف آپ نے پرورش لوح وقلم کا بھی اہم فریضہ انجام دیا-

محدث اعظم ہند کی خطابت اور زبان حق ترجمان نے جہاں باطل کے نشیمنوں کو خاکستر کر کے رکھ دیا وہیں مسلمانوں کے دلوں میں رسول کائنات علیہ السلام کے عشق ومحبت، اصحاب وعترت نیز بزرگان دین کی عقیدت ونیاز کیشی اور ان کے ادب واخلاص کی شمعیں روشن کر دیں- اسی طرح آپ کے قلم حق رقم نے بھی احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا- آپ کے قلم سے نکلی ہوئی سیاہی کے ہر ہر بوند نے علم وحکمت ومعرفت اور صداقت وحقانیت کے ایسے گلہائے رنگارنگ کھلائے ہیں کہ مسلمانوں کے عقائد وایمان کے چمنستان کو ایک نئی عطر بیزی اور شادابی عطا ہوئی ہے- آپ کی ہر تصنیف میں تحقیق و تدقیق کا دریا موجزن ہے- آپ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا علم وتحقیق اور وضاحت کا حق ادا کر دیا اور ایسا کہ نہ موافق کو افزائش کی گنجائش اور نہ مخالفین کے لیے اعتراض ومخالفت کا کوئی گوشہ ہی چھوڑا-

محدث اعظم ہند نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں اپنی علمی وتحقیقی یادگاریں چھوڑی ہیں- آپ کے سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کے جائزے کے مطابق زبان اردو میں آپ کی تصنیفات وتالیفات سو سے زیادہ ہیں- ان پر آپ کے مضامین ومقالات مستزاد!

قلم کی عظمت شان اور پرورش لوح وقلم کے اعتبار سے آپ کے تین کارنامے تو عظیم الشان ہیں-

(۱) **ترجمۂ قرآن: معارف القرآن**: حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قرآن ''معارف القرآن'' کی تکمیل کے بعد تفسیر کا کام بھی شروع کیا تھا لیکن چند پاروں کی تفسیر لکھ پائے تھے کہ وقت رحلت آ گیا-

مدیر ماہنامہ المیز ان، ممبئی مولانا سید محمد جیلانی محامد، محدث اعظم ہند کے ترجمہ قرآن کی بابت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی نورہ اللہ مرقدہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''معارف القرآن کو دیکھ کر امام احمد رضا نے فرمایا تھا کہ شہزادے! تم نے اردو میں قرآن لکھا ہے-''

(ماہنامہ المیز ان، ممبئی، امام احمد رضا نمبر ۱۹۸۶ء)

(۲) **فتاوی**: حضرت محدث اعظم ہند کو مجدد اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے فتوی نویسی میں شرف تلمذ تھا- آپ نے ایک لاکھ سے زیادہ نہایت جامع، فاضلانہ اور محققانہ فتاویٰ لکھے- اگر آپ کے فتاویٰ کا یہ ذخیرہ محفوظ رہتا تو ہزاروں صفحات پر مشتمل کئی ضخیم جلدیں بن جاتیں-

(۳) **صحافت**: حضرت محدث اعظم ہند نے صحافت کے میدان میں بھی اپنے علم وقلم، فراست وبصیرت اور صحافیانہ مہارت کے جوہر دکھائے- آپ نے ۱۹۲۳ء میں کچھوچھہ مقدسہ سے ''اشرفی ماہنامہ'' جاری فرمایا جس میں زیادہ تر مقالات ومضامین آپ ہی کے شامل ہیں آپ نے صحافت کے ذریعہ بھی خدمت دین متین اور اصلاح قوم وملت کی قابل قدر خدمات انجام دیں-

ماہنامہ ''اشرفی'' کا ہر شمارہ علم وعرفان کا ایک گراں مایہ گنجینہ ہے اگر آپ کے مضامین ومقالات کو باعتبار عنوان الگ الگ مرتب کر لیا جائے تو کئی گراں مایہ اور وقیع کتابیں تیار ہو جائیں-

(۴) **شان ادبیت کے نمونے**: حضرت محدث اعظم ہند کی تصنیفات جہاں علم ومعارف کا سرچشمہ ہیں اور ان میں تحقیق وتدقیق کی

and dministrator\De

☆104,Jasoli,Bareilly(U.P)

موجیں اُٹھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں وہیں جہاں موقع ملا، آپ نے نثری جمال وجلال اور شان ادبیت کے جلوے بھی دکھائے ہیں بالخصوص اپنے مقالات میں-

ناگ پور میں ۱۳۷۹ھ کے جشن ولادت امام احمد رضا کے موقع پر آپ نے اپنے صدارتی خطبہ کے ذریعہ جو تحقیقی اور مشاہداتی مقالہ پیش فرمایا تھا، اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(الف) یہ شوال کا مہینہ ہے اور یہ اپنی عظیم خصوصیت کی وجہ سے مستحق ہے کہ ہم اس ماہ کا نام اہل سنت و جماعت کا مہینہ رکھیں کیوں کہ اس مہینہ میں ہندوستان میں اس قدم کا ظہور ہوا جس کی بلندی نہ صرف ہند بلکہ عرب وعجم کے تمام دینی وروحانی اراکین دین متین واساطین حق مبین کے جھکے ہوئے سروں نے قبول کیا اور اس قدم کے نشانات کو بھی معظم ومکرم رکھا-'' (امام احمد رضا، مجدد اعظم مشمولہ ماہنامہ المیز ان، ممبئ، امام احمد رضا نمبر، ص:۲۴۱)

(ب) ''بہر حال ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اس مہینے کی یادگار منانے کے لیے یک جا ہوئے ہیں جس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب، علم کا جبل شامخ، اور علم صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریاے ناپیدا کنار، اہل سنت کا امام واجب الاحترام، اس صدی کا باجماع عرب وعجم مجدد تصدیق حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم وکرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر، دولت فقہ و درایت میں امیر المؤمنین اور سلطنت قرآن وحدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین، اعلیٰ حضرت علی الاطلاق، امام اہل سنت فی الآفاق، مجدد مأۃ حاضرہ، موید ملت طاہرہ، اعلم العلماء عند العلماء قطب الارشاد علی لسان الاولیا، ومولانا وفی جمیع الکمالات اولانا، فانی فی اللہ والباقی باللہ، عاشق کامل رسول اللہ، مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدم اول اول اس خاکدان گیتی میں جلوہ فرما ہوئے-''

(ایضا، ص:۲۴۳)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات شخصیت نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں: اقتباس (الف) سلاست و روانی کے جلو میں تحریری بانکپن کا مظہر ہے-

اقتباس (ب) میں محدث اعظم ہند نے اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا کے لیے جو القاب وآداب وضع کیے ہیں ان میں اصلیت بھی ہے نیز حسن تراکیب اور استعارہ سازی کا عمدہ رجحان پایا جاتا ہے- محدث اعظم نے اس اقتباس میں خطابیہ اسلوب کے پردے میں انشا پردازی کا جلوہ دکھایا ہے-

یہاں محدث اعظم ہند کی چند تصنیفات وتالیفات کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

(۱) **معارف القرآن** : حضرت محدث اعظم ہند کا یہ ترجمۂ قرآن ''معارف القرآن'' جانشین محدث اعظم ہند حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کی مساعی سے اردو، ہندی اور گجراتی تینوں زبانوں میں ایک ساتھ چھپ کر ۱۴۰۵ھ/مطابق ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا-

(۲) **تفسیر قرآن حکیم**: حضرت محدث اعظم ہند نے ترجمہ قرآن کی تکمیل (۱۳۶۶ھ) کے بعد قرآن حکیم کی تفسیر کا کام شروع کیا تھا لیکن صرف تین پاروں ہی کی تفسیر کا کام مکمل کر پائے تھے کہ واصل الی الحق ہوگئے-

(۳) **قہر قہار برروئے ناہنجار**: یہ رسالہ مناظرہ بھاگل پور سے فرار ہونے والے وہابی مولوی غنیمت حسین مونگیری کے دس سوالوں کے جواب میں لکھا گیا تھا- زیر نظر رسالہ میں وہابیہ دیابنہ اوران کی ذریات کی بدمذہبی پر روشنی ڈالی گئی ہے- یہ رسالہ ۱۳۳۹ھ میں شائع ہوا-

(۴) **اتمام حجت بر جند منکر نبوت**: یہ رسالہ ملا محمد علی کان پوری سابق ناظم ندوہ، اور دوسرے وہابی، دیو بندی، ملاؤں کے رد میں لکھا گیا تھا- تقریباً ۸۴ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ کلکتہ سے ۱۹۲۵ء میں چھپ کر نایاب ہوگیا-

(۵) **التحقیق البارع فی حقوق الشارع**: یہ گراں قدر تصنیف، نبیوں اور رسولوں کے سید وسردار وخاتم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریعی حیثیت پر مشتمل ہے اور بلا شبہ ایک علمی وتحقیقی شاہکار ہے- زیر نظر رسالۂ مبارکہ اراکین انجمن اہل سنت جون پور نے ۱۳۵۷ھ میں شائع کیا تھا-

(۶) **بصارۃ العین فی ان وقت العصر بعد المثلین** : فقہ حنفی میں سیدنا محدث اعظم ہند کا یہ بہت ہی وقیع رسالہ ہے- زیر نظر رسالہ میں

آپ نے بد مذہب مولوی، قاضی رحمت اللہ راندیری کے رسالہ ''کحل البقر'' اور مولوی کفایت اللہ دہلوی کے ان فتاویٰ کا بلیغ رد ہے جوانہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی المولیٰ عنہ کے ارشادات کی مخالفت میں لکھے تھے۔ حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ امام اعظم کا قول معتمد اور نہ کٹنے والا ہے۔ اور فقہ وحدیث کی رو سے قطعاً درست ہے اور سچ یہی ہے کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل تک ہے اور اس کے بعد نماز عصر کا وقت ہے۔

زیر نظر رسالہ سے محدث اعظم کی شان فقاہت اور محدثانہ مقام ومرتبہ خوب اجاگر ہے۔

زیر نظر تصنیف کئی سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے جناب محمد لعل خان صاحب مدراسی علیہ الرحمہ نے ۱۳۲۶ھ میں کلکتہ سے شائع کرایا تھا۔

(۷) **الاجازۃ بالدعا بعد صلوٰۃ الجنازہ:** نماز جنازہ کے بعد دعا کے تعلق سے حضرت محدث اعظم سے ایک استفتا کیا گیا تھا۔ اسی کے جواب میں آپ نے یہ کتاب لکھی تھی۔ زیر نظر تصنیف میں حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فن حدیث کے جوہر دکھائے ہیں کہ مخالفین کی بولتی بند کر دی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۶ء میں منشی لعل محمد صاحب اشرفی نے کلکتہ سے شائع کرائی تھی۔

(۸) **دافع الاستسفاع عن جواز الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ بالاجماع معروف بہ احسن التحقیقات فی جواز الدعا للاموات:** یہ کتاب نماز جنازہ کے بعد دعا کے متعلق ہے یہ سیدی حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ کی فقہیات پر ایک شاہکار ہے۔ آپ نے جواز دعا کے اثبات میں دلائل و براہین اور تحقیق علمیہ کے جوہر دکھا کر بد مذہبوں اور مخالفین کی جہالت وسفاہت آشکار کر دی ہے۔ بڑے سائز کے نوے صفحات پر مشتمل اس کتاب کی اشاعت ۱۳۳۷ھ میں کلکتہ سے ہوئی تھی۔

(۹) **تقویٰ القلوب:** زیر نظر تصنیف حضرت سید غلام بھیک نیرنگ انبالوی مرحوم (متوفی ۱۴۰۸ھ) کے ایک استفتا کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ زیر نظر تصنیف رسول کائنات علیہ التحیۃ والثناء کے آثار مبارکہ، ان کے موے پاک، تاریخی مساجد، مزارات اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ کے ادب واحترام اور تعظیم سے متعلق ہے۔ حضرت محدث اعظم نے اس معرکہ آرا تصنیف میں تاریخ وحدیث و سیر کی تمام علمی، تاریخی و تحقیقی مباحث کو شرح وبسط کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔

زیر نظر تصنیف محدث اعظم نے حجاز مقدس پر نجدی افواج کے قبضے، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور امہات المومنین کے مزارات کے انہدام، حرم کعبہ کی بے حرمتی کی دل خراش داستان کی تفصیلات اور نجدی سعودی مظالم اور اسلام دشمنی کے مؤیدین مفتی کفایت اللہ شاہجہان پوری، سلیمان ندوی، عبدالحئ لکھنوی وغیرہ کی تحریرات کا بلیغ رد فرمایا ہے۔

زیر نظر تصنیف سے حضرت علیہ الرحمہ کے محدثانہ مقام ومرتبہ کی بلندی کے ساتھ ساتھ آپ کی مورخانہ شان بھی ظاہر ہوتی ہے۔ زیر نظر تصنیف بڑے سائز میں ۱۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۹۲۵ء میں شائع ہو کر نایاب ہو چکی ہے۔

(۱۰) **کما قال اقول فی رد اھل الضلال والجھول:** اس رسالہ میں محدث اعظم ہند نے مولوی مہدی حسن شاہجہان پوری ثم راندیری اور ان کے استاذ مفتی کفایت اللہ دہلوی کی تحریروں کے اغلاط کی نشاندہی کرتے ہوئے رد بلیغ فرمایا ہے۔ اسی ضمن میں آپ نے بعض وہابی اماموں، خطیبوں کی بھی خبر لی ہے۔ آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خود راندیری کی تحریر اس پر حجت اور اس کے خلاف خود اس کی شہادت ہے۔

زیر نظر تصنیف بڑے سائز میں ۶۵ر صفحات پر مشتمل ہے جو کلکتہ سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہو کر نایاب ہو گئی ہے۔

(۱۱) **مرقومات بے مثال:** زیر نظر تصنیف میں حضرت محدث اعظم ہند نے ''مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد'' کے جواز پر تحقیق علمیہ کے دریا بہا دیے ہیں۔ آپ نے دلائل و براہین سے واضح کر دیا ہے کہ حضور جان نور، اصل تکوین عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عشاق کا کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرنا باعث خیر و برکت ہے اور ایمان کی کاملیت اور تازگی کی دلیل ہے۔ ۱۳۳۶ھ میں یہ کتاب چھپی تھی۔ اب نایاب ہے۔

(۱۲) **تحقیق التقلید:** تقلید ایک فطری امر ہے۔ دین ہو یا دنیا کسی بھی حال میں تقلید سے چارہ کار نہیں۔ اس کتاب مستطاب میں حضرت محدث اعظم ہند نے قرآن، حدیث اور فقہ وفتاویٰ کے حوالہ جات پیش کر کے اس موضوع میں علم وتحقیق کا دریا بہا دیا ہے اور غیر مقلدین کا

زبردست ردفرما کران کے لیے فرار کا ہر راستہ بند کر دیا ہے- یہ معرکہ آرا کتاب ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوئی اور اب نایاب ہے-

(۱۳) **حیات غوث العالم**: حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اپنے مورث اعلیٰ، محبوب یزدانی، غوث العالم حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۸۰۸ھ) کی سیرت وسوانح لکھی تھی- اس کی قسطیں ماہنامہ ''اشرفی'' میں چھپتی رہیں، بعدہ انہیں یک جا کر کے کتابی شکل دے دی گئی جو کچھوچھہ شریف سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی-

(۱۴) **نوک تیر**: مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی) کے وہابیوں نے اہل حق، اہل سنت و جماعت کے خلاف ایک گمراہ کن اشتہار شائع کیا تھا اسی کے جواب میں آپ نے یہ کتاب رقم فرمائی تھی جو صدہا مسائل پر دلائل و براہین سے مزین ہے- یہ کتاب ۱۳۲۴ھ میں چھپی تھی- اب نایاب ہے-

(۱۵) **خدا کی رحمت**: اہل سنت و جماعت کے عقائد اور وہابیہ دیوبندیہ کے عقائد لکھ کر وہابیوں کی گمراہی سند اور حوالوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے- ۱۹۲۴ء میں چھپ کر یہ کتاب نایاب ہوگئی ہے-

(۱۶) **روداد مناظرہ کچھوچھہ شریف**: مولوی اشرف علی تھانوی کے رسالہ ''حفظ الایمان'' کی کفری عبارات پر آستانہ عالیہ کچھوچھہ مقدسہ میں ایک مناظرہ ہوا تھا- مولوی غنیمت حسین مونگیری وہابیہ کی جانب سے مناظر تھے- مگر تاب مقابلہ نہ لا کر فرار ہو گئے تھے- بعد میں وہابیہ کی طرف سے مولوی عبدالشکور کاکوروی مناظر کی حیثیت سے آئے- انہوں نے وہابی فطرت سے کام لے کر اصل بحث کے بدلنے کی ناکام کوششیں کیں اور کیے گئے بانوے سوالوں سے عاجز ہو کر شکست خوردہ ہوئے- یہ کتاب پورے مناظرہ کی مکمل روداد ہے- یہ کتاب اسی زمانہ میں طبع ہو کر مقبول عام ہوگئی تھی-

(۱۷) **فرش پر عرش**: یہ حضرت محدث اعظم کی شعری تصنیف ہے، یعنی آپ کے لکھی ہوئی حمد، نعت، سلام اور منقبت کا مجموعہ ہے- آپ کے تمام کلام کو آپ کے ایک مرید صادق حاجی عبدالرزاق اشرفی نے یک جا کر کے ۱۹۵۵ء میں بنام ''عرش پر فرش'' شائع کیا تھا- اسی کا دوسرا ایڈیشن رضوی کتاب گھر، دہلی نے شائع کیا تھا- اس مجموعہ میں فارسی نعتیں اور منقبتیں بھی ہیں- آپ سید تخلص فرماتے تھے-

اپنی شاعری کی بابت محدث اعظم خود لکھتے ہیں:

> ''جب کبھی خود بخود دل ابھرا اور اس کی آواز سمجھ میں آ گئی تو اس کو قلم بند کر لیا کہ جب نظر پڑے گی دل ہی دل میں لطف اندوز ہولوں گا-'' (سچ جانیے، مشمولہ ''فرش پر عرش'')

حضرت محدث اعظم ہند کی شاعری داخلی حسن اور شیفتگی کے اظہار کے باوصف فنی وادبی حسن سے آراستہ ہے، تشبیہات واستعارات، صنائع لفظی ومعنوی کی جلوہ ریزیاں بھی ہیں اور محاورات کا برجستہ استعمال بھی!

(۱۸) **حقا کہ بنائے لاالہ است حسین**: یہ رسالہ سبط رسول، شہید کربلا حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آلام ومصائب، ایثار وقربانی، عزیمت اور شجاعت وحوصلہ پر خصوصیت کے ساتھ مبنی ہے- یہ رسالہ تین بار چھپ چکا ہے-

چند مطبوعہ مگر نایاب کتب ورسائل کے اسما یہ ہیں:

(۱۹) مقصدالابرار
(۲۰) شیخ العالم
(۲۱) پیران پیر
(۲۲) سلطان المشائخ
(۲۳) سوانح غوث اعظم
(۲۴) سلطان العارفین
(۲۵) الفتویٰ علی جواز التکبیر
(۲۶) میلاد اشرفی
(۲۷) مکالمۃ جمعہ (روداد مناظرہ بنارس)
(۲۸) وصایا شریف امام اعظم
(۲۹) عید معراج
(۳۰) فتنہ عظیم اور اس کا دفیعہ
(۳۱) جزیرۃ العرب وآریہ ناریہ
(۳۲) سیرۃ الخلفا
(۳۳) معظم الابواب فی بیان طریق الزیارۃ وایصال ثواب
(۳۴) کتاب الصلوٰۃ
(۳۵) منافقین اسلام کا آغاز وارتقا
(۳۶) فتاوی اشرفیہ (زیر تدوین)

❑❑❑

پروفیسر سید طلحہ رضوی برق☆

''فرش پر عرش'': بیک نظر

بیانِ شوق چہ حاجت کہ حال آتش دل
تواں شناخت ز سوزے کہ در سخن باشد

پچاس سال گزر گئے، ۱۹۶۰ء کے نومبر کی کوئی تاریخ تھی، میں پٹنہ لا کالج کے اولڈ ہاسٹل میں رہتا تھا- عصر و مغرب کے درمیان حضرت ابی و شیخی علامہ قتیل دانا پوری تشریف لائے اور فرمایا کہ طلحہ میاں ہاسٹل کے سپرنٹنڈنٹ سے آج رات یہاں سے غیر حاضری کی اجازت لے لو- حضرت محدث اعظم تشریف لائے ہوئے ہیں اور بعد نماز عشا محلّہ شاہ گنج کے سالانہ جلسے میں ان کی تقریر ہوگی- اسے نعمت غیر مترقبہ جانو، نہ معلوم پھر تمہیں ان کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملے یا نہیں-

میں حضرت والد ماجد کے ساتھ ہولیا اور مغرب کی نماز حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین صاحب علیہ الرحمہ کے دولت خانہ ظفر منزل شاہ گنج میں سیدی محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی امامت میں پڑھی- وہاں حضرت مخدومی سے واقعی میری پہلی اور آخری ملاقات ہی رہی- والد بزرگوار نے مجھے ان سے ملایا اور میرے لیے دعاؤں کی درخواست کی- حضور محترم نے مجھے اپنے بائیں پہلو میں بٹھایا اور دیر تک بڑے لطف و محبت سے مشفقانہ باتیں کیں-

عشا بعد جلسہ شروع ہوا اور گیارہ بجے حضرت محدث اعظم کی تقریر، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ آپ کا بیان دلوں کو حلاوت ایمان بخشتا رہا- آج بھی وہ منظر نگاہوں میں پھرتا ہے اور وہ آواز ذہن میں گونجتی ہے- تخلیق کائنات و قدرت کاملہ خداوندی پر گفتگو تھی، دل میں اترنے اور اتارنے والا انداز بیان، سبحان اللہ! فرمایا:

''دیکھو ایک ہی مٹی ہے، ایک ہی پانی اور ایک ہی ہوا، ایک بیج بوتے ہو تو نیشکر اگتا ہے، رس سے بھرا اور وہیں پر ایک اور تخم ڈالتے ہو تو زہر ہلاہل کی طرح تلخ لونگیا مرچ کا پودا اگتا ہے- قربان جایئے اس کی قدرت کے، جس وقت جہاں جو چاہے کرے- **ان اللّٰہ علی کل شئی قدیر**''

آہ! کہاں گئیں وہ سراپا نور شخصیتیں؟ اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں-

آپ کا نام نامی اسم گرامی سید محمد تھا اور سید تخلص فرماتے تھے- سمناں شریف کے شاہ زادگان سے تھے اور کچھوچھہ مقدسہ میں آباد اس عرفانی و نورانی خانوادہ کی شمع ضیا بار جس نے نہ جانے کتنے دلوں کو ایمان کا اجالا دیا اور انہیں کفر و ضلالت کے اندھیرے سے نکالا-

کسی انسان کے لیے موزوں طبع ہونا بھی اللہ کی بڑی عطا ہے- طبیعت کی موزونی ہی کیف و سرور، بیخودی و سرمستی، خوف و رجا اور امید و یاس میں فکر و خیال کو اس ہیجان و وجدان سے دوچار کرتی ہے جس سے ادراک و شعور مضامین نو کے آبدار موتی رولنے لگیں- وسعت علم تو اس سونے پر سہاگا ہے-

حضرت محدث اعظم تو قرآن کے عالم اور احادیث کے فاضل تھے اور یہ موج کوثر اس سرچشمے سے چلی تھی جو **علم آدم الاسماء کلھا** اور **علمک مالم تکن تعلم** سے پھوٹا تھا- یہ شخصیت تو ان نفوس قدسیہ میں شمار تھی جن کے لیے عام لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا- انہیں سہل نہ جانو، یہ گنبد نیلوفر برسوں چرخ کھاتا ہے تب خاک کے پردے سے ایسی آب و تاب والے انسان ظاہر ہوتے ہیں- یہ سید السادات آل رسول ان کی نسبت سے ہیں جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے:

وما علمنٰہ الشعر وماینبغی لہ ان ھو الا ذکر وقرآن مبین - یعنی اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر اور نہ یہ ان کے شایانِ شان ہے- نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے-

پھر سورہ الشعرا کی آخری آیتیں روشن ہیں- **والشعرا یتبعھم الغاؤن الم تر انھم فی کل وادیھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون** - اس استثنا کے ساتھ **الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وذکروااللّٰہ کثیرا** -

روحانی شخصیتیں تو قدرت کے ہاتھوں سجائی اور بنائی ہوئی ہوتی ہیں کہ یہ تو حضرت آدم صفی اللہ کا ورثہ ہے ''**فاذا سوّیتہ ونفخت فیہ**

☆Danish Kada,Shah Toli,Dana Pur cantt,Patna(Bihar)

من روحی-

موزونیت، نفاست، لطافت، فصاحت و بلاغت تو اس روحانیت کا فیض ہے جو حضور سید محمد جیسا پیکر بن جاتی ہے- بہرحال حضرت سید محمد کچھوچھوی بھی ایک انسان تھے- ایسے انسان جنہیں دیکھ کر زمانہ کہہ اٹھے:

خطا ہم کریں اور پشیمان وہ
اک انسان ہم ہیں اک انسان وہ

یہ احساس و گداختگی کی وہ منزل ہے جس کی ترجمانی امیر مینائی نے بھی کی تھی:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہی تو انسانیت کا ماحصل ہے جس کا درس دینے محسن انسانیت تشریف لائے اور اپنا وارث انہیں قرار دیا- جن میں محدث اعظم بھی شمار ہیں اور بے حد نمایاں-

ہاں! تو شاعری حضرت سید نے بھی کی اور سردارانہ کی- اللہ کی حمد لکھی، اس کا ذکر کیا اور سید الانبیا کی مدحت و توصیف میں سخن سرا ہوئے، درود پڑھ پڑھ کے جو ہم پر فرض ہے پھر من حیث محدث معدن حدیث کے جواہر پارے لٹائے، اس دل ربایانہ انداز سے کہ پھر کوئی نہ صرف ''اہل قرآن،، رہ جائے نہ کوئی صرف ''اہلِ حدیث،،- رحمت عالمین کی زبان ترجمان القرآن نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ کچھ لوگ پڑھیں گے اور قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا- کیا کہا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تو ''ذوالخویسرہ،، کے متبعین بھی آج تک پڑھتے ہیں- دل کا کالا قال قال سے بھی صاف نہیں ہوتا- الغرض حضرت محدث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی موزونیت طبع اور صلاحیت شعری کو **یا ایھا النبی بلغ ما انزل الیک** کی عملی تفسیر کے لیے وقف کر دیا ورنہ علوم کے نہ جانے کتنے دروازے ان کے قدم رنجا فرمانے کے منتظر تھے-

'فرش پر عرش' آپ کے انتاج فکری و لمعات شعری کا مجموعہ ہے- اہلِ نظر تو خط کا مضمون بھانپ جاتے ہیں لفافہ دیکھ کر، یہ تو کھلا عنوان ہے ''فرش پر عرش''- اس گاگر میں جو ساگر بھرا ہے اگر انڈیل دیا جائے تو دنیا سے ہوش و خرد تہ و بالا ہونے لگے- نہ جانے وہ کیسے دن ہوں گے جن چھ دنوں میں تخلیق کائنات کے بعد رب تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا-

عرش کا تصور محال، رحمت مجسم جس خطہ پاک پر نزول اجلال فرمائے وہ **روضة من رياض الجنة** اب اس کے بعد آپ اپنے علم و دانست کو صحیح سمت میں بے مہار چھوڑ دیں جو صدیوں کی وادیاں پھلانگتی ہفت خواں طے کرتی چودھویں صدی میں آجائے جس میں ایک عبقری شخصیت اسلامی مجدد مائۃ حاضرہ کے نام سے معروف ہوئی- اس نیر علمی کی شعاؤں کی تصویر جمیل بن گئی- اسی حضرت والا اور جناب اعلیٰ سے کسب فیض شعری کرتے ہوئے حضور محدث اعظم ہند بھی فرش پر عرش کے آئینہ دار ہوئے-

حضرت سید کی شاعری پر ادبا و فضلا نے خوب خوب خامہ فرسائی کی ہے، حاجی عبدالمجید تنلکیر، پروفیسر محمد حسین آسی، حضرت برکات احمد نیاز سیالوی، جناب مظفر وارثی اور ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی زید مجدہم نے حق ادا کر دیا ہے- ان بزرگوں کی بلند پایہ تحریروں کے ہوتے یہ فقیر حقیر مزید کچھ لکھنے کی جرأت نہیں رکھتا- مگر یہ کہ اس دربارِ عالی وقار کے درِ دولت سے اپنا کشکول نیاز مندی خالی نہ رہے- اس حرص میں ان کے کچھ وہ اشعار جو راست ذہن و دل میں پیوست ہوتے گئے نقل کر رہا ہوں-

مرزا غالب اپنے شعروں کے انتخاب سے رسوا ہوئے تھے، میں سیدی کے شعروں کا انتخاب کر کے مفتخر ہو رہا ہوں- زبان و بیان کے لمعاتِ نظر افروز سے آپ بھی محظوظ ہوں:

نام ہی نام ہے جو کچھ ہے حقیقت کے سوا
راستہ کوئی نہیں ان کی شریعت کے سوا
کچھ نہیں ہے مری اس ہستی بے بود کی بود
خوابِ غفلت کے سوا وہم کی علت کے سوا
سچ تو یہ ہے یہی سب کچھ ہے کہ کچھ بھی نہ رہے
طلب و طالب و مطلوب کی وحدت کے سوا
وہ چشمے جو بہے تھے گھاٹیوں سے دست اقدس کے
شرف میں سامنے ان کے نہ کوثر ہے نہ زم زم ہے
بک گئے جس کے ہاتھ بک ہی گئے   یہ نہیں ہے تو رسم بیعت کیا
ان کے دیدار کا بہانہ ہے   اور پھر خلد کیا ہے جنت کیا
کھولا ترے حجاب نے اور میرے اضطراب نے
حسن کا سب کیا دھرا عشق کا سب لیا دیا
طوافِ خانۂ آں کعبۂ دیں کے کنم الاّ
فدا سازم بنام پاک او دنیا و مافیہا

علی الاعلان می گویم نہ ترسم مفتی وافتا
جبینِ دل بسوے کربلا سجدہ کند سجدہ

یہ کس غارت گرہوش وخرد کا ہے کرم سید
مرامے نوش ہو کر میکدہ بردوش ہوجانا

یہاں کے لاکھوں ذرے عرش اعظم سے بھی افضل ہیں
تعالیٰ اللہ اے عز و وقار گنبد خضرا

بود در مکہ چو سید بہ مدینہ رخ کرد
کعبہ ہم گفت کہ ایں خلد بداماں شدنی ست

آتشیں رخ پہ تیرے خال، کرامت ہے کوئی
کیسے بارود کا دانہ یہ رہا سہ کر آنچ

موتیوں کے مول تلوایا مجھے میزان میں
میری پیشانی نے دوقطرے پسینہ چھوڑ کر

پڑ گئے انگور زخم دل میں اے مژگانِ یار
چھیڑ دے للہ پھر تیروں کا گچھا چھوڑ کر

ساعتِ اوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ پر
فرش خاموش تھا اور عرش علیٰ بھی خاموش

آوارہ کوچہ یار تو ہے رسوائے سر بازار تو ہے
ناکام محبت بھی ہم سے سچ پوچھو تو ناکام نہیں

بدنامیِ عشق میں عزت ہے رسوائی نشانِ سیادت ہے
میں رند خراباتی نہ بنوں تو سید میرا نام نہیں

جستجو فرش کو ہے عرش ہے جویا جس کا
ہاں اسی جلوہ گہ ناز کو پایا دل میں

عشق بازوں کی جبیں سائی کا حصہ یہ ہے
ہر نمازی کا نہیں بچھتا مصلّیٰ دل میں

میری نادانی، کم علمی و بے سوادی یہ کہنے کو اکساتی ہے کہ سرسری ہی سہی ان منتخبہ اشعار سے ہر شعر پر ایک طویل تشریحی مضمون سپرد قلم کیا جاسکتا ہے- ان شعروں کے مرکوزے میں شریعت وطریقت کا ایک سمندر موجیں لے رہا ہے-

قطرہ میں دریا دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

□□□

جام نور کی مقبولیت کا تاریخی سنگ میل

جام نور کی اشاعت پاکستان سے

جام نور عصر حاضر کا وہ منفرد رسالہ بن چکا ہے جو بہ یک وقت ہند و پاک سے شائع ہو رہا ہے- یہ بات ایک طرف جام نور کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اشاریہ ہے تو دوسری طرف اس بات کا ثبوت کہ اگر موجودہ دور میں مذہبی صحافت عصری تقاضوں سے ہم آہنگ اور سنجیدہ و علمی لب و لہجے میں ہو تو نہ صرف وہ وسیع حلقے میں پڑھی جائے گی بلکہ اس کے دور رس اثرات بھی مرتب ہوں گے- پچھلے ایک دو سالوں میں ہند و پاک کے رشتے خراب ہونے کی وجہ سے رسل ورسائل کے امور بہت پیچیدہ اور گراں ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے جام نور پاکستان نہیں پہنچ پا رہا تھا، اس پر اہل پاکستان کی شکایت بڑھ کر پاکستان میں اس کی اشاعت کے لیے رضامندی میں تبدیل ہوگئی- الحمدللہ! مئی ۲۰۱۰ء سے جام نور باقاعدہ وہاں سے چھپ رہا ہے- جام نور اکیسویں صدی کا پہلا رسالہ ہے جو بہ یک وقت ہند و پاک سے شائع ہو کر دونوں ملکوں میں آسانی سے تقسیم ہو رہا ہے-

پاکستان میں ماہنامہ جام نور کی ایجنسی، ممبر شپ اور اشتہارات کے لیے رابطہ کریں

مولانا حافظ سرور مصطفیٰ اعظمی
مکتبہ رضویہ، آرام باغ روڈ، گاڑی کھاتا، کراچی (پاکستان)
Mobile:03002212590

پروفیسر سید عبدالحمید بیدار☆

محدث اعظم ہند: ایک شاعر، ایک ثنا خواں

شعر و ادب کا ایسا خزانہ جس کا تعلق لطف زبان سے نہیں بلکہ روحانیت اور باطنی دنیا سے ہو تو اس قسم کی شاعری کو صرف اظہار کا وسیلہ نہیں قرار دیا جا سکتا کیوں کہ ایسی شاعری دل کی دنیا روشن کرنے والی ہوتی ہے۔ بزرگان دین اور مشائخ کے علاوہ صوفیہ کرام نے شعر گوئی کو صرف تفنن طبع کے لیے استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس کے توسط سے خدا کی قربت کے ساتھ ساتھ راہ خدا میں تیز گامی حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ غرض اللہ کے نیک بندوں کا یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ جس قسم کا اظہار کرتے ہیں اس اظہار میں بھی خدا اور رسول کی نصرت پیش نظر ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسی شاعری دنیا کی لغویات اور عیش و طرب سے بے نیاز ہو کر دل کے تاریک گوشوں کو منور کرنے کا سبب بنتی ہے۔ تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو ہندوستان میں داخل ہونے والے تمام صوفیہ نے خدا کی حمد اور اس کے رسول کی مدحت کے لیے شاعری کو ایک اہم اور متبرک ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جس کا سلسلہ دورِ حاضر تک دراز ہوتا چلا آرہا ہے۔ ’’فرش پر عرش‘‘ ایسی ہی پاک اور متبرک خیالات کی شاعری ہے منظر عام پر آچکی ہے۔ محدث اعظم ہند حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ وہ روحانی کلام ہے، جو دنیا کو سیراب کرنے اور دین کی راہ میں یقین کرنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ نعتیہ شعر گوئی اور غزلیہ شاعری کے توسط سے عارفانہ خیالات کی پیش کشی کا وہ دھارا جو تصوف کے زیر اثر پروان چڑھتا رہا، اسی کیفیتی فضا کو عصر حاضر کے ذہنوں تک پہنچانے کے لیے سید محمد اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ نے اپنے خیالات کی دنیا کو زبان اور اظہار کی اعلیٰ صفات سے ہم آہنگ کر کے شعر و شاعری کی ایسی محفل سجائی جس میں غزل کے بانکپن اور حمد و نعت کی معطر فضا اپنا اثر دکھاتی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی المتخلص سیّد کا کلام جہاں انسان کو راہ راست کی ترغیب دیتا ہے وہیں زبان و بیان کی اعلیٰ خصوصیات کے ساتھ ساتھ نغمگی اور الفاظ کی دل بستگی کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ حضرت علامہ نے اپنے شعری مجموعہ ’’فرش پر عرش‘‘ کے ذریعے الفاظ کی روحانی موسیقیت اور معنی کی نغمگی کے ایسے ایوان سجائے ہیں کہ جن کے مطالعہ کے بعد حضرت علامہ کی زبان پر دست رس اور لفظوں کے درو بست پر کامل ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت محدث اعظم سیّد کی شاعری کا کمال یہی ہے کہ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعہ عمل اور جدو جہد کا پیغام دیا ہے جس کی بین مثال اس شعر سے فراہم ہوتی ہے۔

مسیحا کی مسیحائی نہ داناؤں کے درماں میں
حیاتِ جاوداں کا راز ہے شمشیر عریاں میں

مسلسل جدو جہد اور عمل کی ترغیب دینے والے شاعر کی حیثیت سے حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی سیّد نہ صرف رہبانیت کی نفی کرتے ہیں بلکہ ان کے کلام کا حاصل یہی ہے کہ وہ انسان کو مسلسل جدو جہد کا پیغام دیتے ہیں۔ شاید اسی لیے وہ اپنے شعر کے ذریعے زندگی کی حقیقت کو آشکارا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

نام ہی نام ہے جو کچھ ہے حقیقت کے سوا
راستہ کوئی نہیں ان کی شریعت کے سوا

غزل کے رنگ میں اس قدر پیارے اشعار کسی صوفی عارف باللہ اور خطیب کی زبان سے ادا ہوتے ہیں تو بلاشبہ یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہوتا کہ ایسا صوفی انسان زندگی کو خانقاہوں کے کمروں سے نکال کر میدان کارساز کی سختیوں میں زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ’’فرش پر عرش‘‘ کی شاعری میں اسی انداز کی نمائندگی محسوس کی جا سکتی ہے۔ حضرت علامہ نے غزل کے رنگ اور مزاج کو محسوس کرتے ہوئے ایسی صوفیانہ غزلیں لکھیں ہیں جن میں رنگ تغزل کے ساتھ ساتھ صوفیانہ رنگ کی بھرپور نمائندگی ملتی ہے، جس کی مثال علامہ کے اس شعر سے دی جا سکتی ہے۔

ان مست نگاہوں نے وہ چیز پلائی ہے
جو تقویٰ کا تقویٰ ہے مئے نوشی کی مئے نوشی

☆Head:Department of Urdu,Usmania University,Hyderabad(A.P)

غزل کی شاعری میں شمع اور پروانے کے عشق کی ازلی داستان روایت سے پر ہے اور اردو کے بیشتر شعرا نے شمع اور پروانے کے روایتی عشق کو شاعرانہ انداز میں باندھا ہے لیکن حضرت سید اشرفی کا پاک اور مطہر انداز ملاحظہ کرنے کے لیے اس شعر کی ہمہ گیری کی طرف بھی غور کیجیے کہ شاعر کس طرح نئے خیالات کے ذریعے شعری دنیا کی ساکھ میں اضافہ کرتا ہے۔

تم شمع سے بھی سیکھو پروانوں سے بھی سیکھو
خاموشی میں گویائی گویائی میں خاموشی

غزل کے لب و لہجہ کو اختیار کرتے ہوئے سید محمد اشرفی سید کچھوچھوی نے ایسے ایسے راز کھولے ہیں جن میں زندگی کی گہرائی و گیرائی ہی نہیں بلکہ شاعر کے تجربے کی خصوصیات بھی نمایاں ہوتی ہیں اور ایسے موقع پر سہل ممتنع میں کسی پتے کی بات کو اجاگر کرنا دشوار ہو جاتا ہے لیکن حضرت علامہ نے اس مرحلے میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحروں میں لکھی ہوئی ان کی غزلوں سے چند منتخب اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں ضیافت طبع کے تمام امکانات روشن ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

عشق کا پھر آپ دعویٰ کیجیے   پہلے پتھر کا کلیجہ کیجیے

جس سلامت اور روانی کے ساتھ لفظوں کو کیفیاتی دنیا میں قید کر کے شاعرانہ حسن کاری کا مظاہرہ کرنے میں حضرت علامہ نے کامیابی حاصل کی ہے اس کی مثال ملنا سخت دشوار ہے اور اسی انداز کا ایک سیدھا سادہ شعر ملاحظہ کریں۔

میرے نالے نہ میری آہ میں ہے   جو اثر آپ کی نگاہ میں ہے

مجازی اور حقیقی عشق کی داستانوں کا سلسلہ اردو غزل کا قیمتی ورثہ ہے لیکن صوفیانہ مزاج کے شاعروں میں ایک عجیب انداز کی استغنائی کیفیت محسوس کی جاسکتی ہے جس کا اظہار حضرت علامہ کے اس شعر سے ہوتا ہے۔

دیارِ عشق کا قانون بھی انوکھا ہے   اسی کو راہ ملی اس گلی میں جو بھٹکا

حضرت علامہ نے عصری مسائل کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے اور یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیانہ مزاج سے فطری وابستگی کے باوجود بھی حضرت سید کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے اپنے کلام کے ذریعے روحانی فضا ہموار کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے، اس لیے ''فرش پر عرش'' کی شاعری کو حمد و نعت و منقبت کی شاعری ہی نہیں بلکہ انسانی دلوں کی اجڑی دنیا کو بسانے والی شاعری کی حیثیت سے اہم مقام و مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس قسم کی شاعری کا مطالعہ نہ صرف ذہن کو پاک و صاف رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ دل و دماغ کی کیفیت کو بدل دینے کی صلاحیت سے بھی مالا مال کرتا ہے۔ اسی اہم خصوصیت کی وجہ سے شعری مجموعہ ''فرش پر عرش'' کا مطالعہ کیا جانا چاہیے اور توقع ہے کہ اردو کے شاعر و ادیب حضرت علامہ سید محمد اشرفی کچھوچھوی کے کلام کے مطالعے کے بعد اپنی دل کی دنیا کو سنوارنے کا ذریعہ تلاش کریں گے۔

متصوفانہ خیالات کی فراوانی حضرت علامہ سید اشرفی کے کلام کا خاصہ ہے۔ ان کی پرورش جس خانوادے میں ہوئی اس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ایسے خیالات کو شعری وصف کی حیثیت سے واضح کریں جن کے ذریعے دل کی دنیا آباد ہونے کے مواقع فراہم ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت محدث اعظم سید کے شعری مجموعے کا عنوان ''فرش پر عرش'' ہی بہ ذات خود صوفیانہ خیالات کی تشریح کی دلیل بن جاتا ہے جس کے ذریعے ذات خداوندی اور اس کی کرشمہ سازی کے وہ تمام عوامل نمایاں ہو جاتے ہیں کہ جن کے ذکر کے ساتھ ایمان کی تازگی اور کیف پرور ماحول کی نشاندہی ہونے لگتی ہے۔

رشد و ہدایت کے باب میں تصوف ایک عنوان ہے جس کے ذریعے علم و عرفان کے خزانے لٹائے جاتے ہیں۔ اس متصوفانہ مزاج کی نمائندگی حضرت محدث اعظم کے شعری مجموعہ میں داخل پہلی غزل کے اشعار سے ہی واضح ہو جاتی ہے۔ آپ علیہ الرحمہ نے جس سرفرازی کے ساتھ یہ شعر لکھا ہے اس کی عرفانی کیفیت کو سمجھنا ایک صوفی ہی کا مسلک ہو سکتا ہے۔

حضرت علامہ کا متصوفانہ شعر ملاحظہ ہو:

غیر ممکن ہے کہ ظاہر ہو مظاہر سے جدا
کثرتِ جلوہ نہیں جلوۂ وحدت کے سوا

ایک اور شعر میں حضرت نے دل کی دنیا کی روشنی کے لیے جس اہم نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے بلیغ انداز میں صوفیانہ روش کو اظہار کا ذریعہ بنایا ہے اس کی دل بستگی ملاحظہ ہو:

وہی دریا ہی تو ہے موج کہو تم کہ حباب
یعنی اعجاز و کرامت نہیں قدرت کے سوا

مختصر سی بحر میں حضرت نے متصوفانہ خیالات کی موثر نمائندگی فرمائی ہے اور پیر طریقت اور مرید کی نمائندگی کی کیفیت کو اظہار کا وسیلہ بناتے ہوئے اپنے انداز کا منفرد شعر پیش کیا ہے جس میں الفاظ کی فراوانی کے ساتھ اظہار کی دل بستگی اور بیعت کی حقیقت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

بک گئے جس کے ہاتھ بک ہی گئے   یہ نہیں ہے تو رسم بیعت کیا
ایک کر دے نہ طالب و مطلوب   کوئی کہہ دے کہ وہ طریقت کیا
غیر پر بھی نگاہ جاتی ہے   معرفت کیا ہے پھر بصیرت کیا

صوفیانہ مزاج کو اپنے اظہار کا وسیلہ بناتے ہوئے حضرت علامہ نے جس انداز کی شاعری کے جوہر دکھائے ہیں ان میں لفظوں کا تلاطم اور جوش روانی کے ساتھ ساتھ دلی کیفیت کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا دل عشق خدا اور محبت رسول سے اس حد تک لبریز تھا کہ اس کے نتیجہ میں شاعری کی زبان سے اس قسم کا شعر لفظوں میں ڈھل سکتا ہے:

خدائی میں خدا کے جب پیامی کا پیام آیا
تو جھوما عرش اعظم وجد میں بیت الحرام آیا

تطہیرِ خیالات کی فراوانی اور عشق کی سر مستی و سرشاری کے نتیجے میں جب الفاظ شعر میں ڈھلنے لگتے ہیں تو ایسا شعر صوفیانہ مزاج کی نمائندگی میں نہ صرف کامیاب ہو جاتا ہے بلکہ راز خداوندی سے بھی آشنائی کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے- اس کیفیت کو علامہ نے اپنے صوفیانہ مزاج کے ذریعے جس طرح شعر میں پرو دیا ہے وہ اپنی انفرادی کیفیت کی آپ مثال ہے، اس کے لیے دو شعر ملاحظہ ہوں:

بھلا دیر و حرم کی گتھیاں سلجھیں تو کیا سلجھیں
کہ جو کچھ راز ہے وہ راز کا روپوش ہو جانا
دیار یار کا دستور بھی کتنا نرالا ہے
یہاں بے ہوش ہونا ہے سراپا ہوش ہو جانا

یا پھر حضرت سید اشرفی عشق کی سرشاری سے وابستہ ہو کر یہ کہہ اٹھتے ہیں:

دیارِ عشق کا قانون ہی انوکھا ہے   اسی کو راہ ملی اس گلی میں جو بھٹکا

بحر طویل میں بھی سید کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی غزلوں کا رنگ صوفیانہ مزاج کی نشاندہی کرتا ہے- توکلت علی اللہ کی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں:

مجھے چھوڑ دے آج کل کا زمانہ نہ دکھلائے اپنے کرم کا خزانہ
نہ پینے کو پانی نہ کھانے کو دانہ اسی کو بڑی مہربانی کہوں گا

''فرش پر عرش'' کی شاعری اس بات کا بین ثبوت ہے کہ بلاشبہ اس میں شاعری کی تمام اصناف کو بہ روئے کار لاتے ہوئے ہر صنف کی شاعری کا اعادہ کیا ہے- غزل کی اہمیت میں نعت گوئی اور رنگ تغزل کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ رباعی، مثنوی نگاری، قصیدہ، مخمس اور مسدس کے علاوہ نئے لب و لہجہ کی بیکرانی بھی حضرت محدث اعظم کے کلام کی زینت بنی ہوئی ہے-

تصوف کے نکات اور صوفیانہ خیالات کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ وارفتگی کا عمل بھی حضرت کے کلام کا موثر حصہ ہے- حضرت کے کلام کا کمال یہی ہے کہ بے ساختہ وارفتگی کا اظہار ان کے کلام کی خوبی ہے- اس خصوص میں ذیل میں چند غزلیہ اشعار منقبت کے رنگ میں ملاحظہ ہوں:

نہایت عاقبت اندیش اک فرزانہ آتا ہے
ترے دربار میں اشرف ترا دیوانہ آتا ہے
شہید راہ تسلیم و رضا کو حق ہے جینے کا
کہ وہ ہرگز نہیں مرتے جنہیں مرجانا آتا ہے
مقام عشق ہے قانون کی زد سے بہت بالا
یہاں ہر آنے والا عقل سے بیگانہ آتا ہے

معرفت کے جن رازوں کو اشعار میں بیان کرتے ہوئے غزل کی نغمگی میں سمویا گیا ہے اس سے خود رنگ تغزل کی جلوہ نمائی واضح ہو جاتی ہے- حضرت علامہ کچھوچھوی نے غزل کے تغزل کو بروئے کار لاتے ہوئے رواں لفظیات کے ساتھ ایسا ماحول تیار کیا ہے کہ جس کی وجہ سے غزل کا حسن بھی دوبالا ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ معرفت کے پیامات بھی نمایاں ہونے لگتے ہیں- سید کچھوچھوی کی ایک غزل میں رواں تغزل کا انداز ملاحظہ ہو:

کسی خنجر کی نہ تلوار کی ہے   کاٹ جو ابروئے خم دار کی ہے
گل و غنچہ کی حقیقت کیا ہے   سب کرامت دہن یار کی ہے

تھام کر دامن رحمت مچلا   بات کیا ان کے گنہ گار کی ہے

مختصر بحر میں تغزل کے تمام محرکات کو وابستہ کرنے کا حسن حضرت سید محمد اشرفی کی امتیازی شان ہے اور سادہ لفظوں میں مختصر بحر کو نمایاں کرتے ہوئے جس قسم کے تغزل کو سید صاحب نے اپنی شاعری میں جگہ دی ہے اس کا کمال یہی ہے کہ یہ تغزل دل کو گرفتہ کرنے کے ساتھ روح کو متاثر کرنے کا بھی سامان مہیا کرتا ہے۔

مختصر بحر میں تغزل کی کرشمہ سازی بہت دشوار ہوتی ہے جیسا کہ ابھی ایک مختصر غزل کے چند شعر پیش کیے گئے، ایک اور غزل کے ایسے چند اشعار پیش ہیں جن میں مختصر بحر کے علاوہ الفاظ کے دروبست اس قدر ہنگامہ خیز ہیں کہ ہر شعر دل میں اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ چنانچہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اب تو دیر وحرم میں بازی ہے   تو کہاں آہ پاک بازی ہے
بت کریں بندۂ خدا پر ظلم   میرے مولیٰ کی بے نیازی ہے
نفس کو جس نے قتل کر ڈالا   لقب اس کا شہید وغازی ہے
آپ کی ہر غزل میں اے سید   ساز ہندی ہے لے حجازی ہے

غزل کا مقصد خود تغزل کی بھر پور نمائندگی کرتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ تغزل کے دوران بھی حضرت سید محمد اشرفی سید نے توازن کے پرتو کو برقرار رکھا ہے۔ نعت گوئی کے دوران بھی سلاست وروانی کے ایسے پیکر ابھرتے ہیں کہ ہر شعر پر زبان سے واہ نکلتی ہے۔ چنانچہ یہ نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیں۔

مدینے کی زمیں بھی کیا زمیں معلوم ہوتی ہے
لیے آغوش میں خلد بریں معلوم ہوتی ہے
تعالیٰ اللہ اے ارض مدینہ تیرا کیا کہنا
بلندی عرش کی زیر زمیں معلوم ہوتی ہے

خدا جانے کہ سودا دل میں ہے یا درد ہے دل میں
مگر اک چوٹ سی مجھ کو کہیں معلوم ہوتی ہے

نعت گوئی کے دوران بھی روانی کو برقرار رکھتے ہوئے سید کچھوچھوی نے تغزل کی چاشنی کو برقرار رکھا ہے۔ اس کے علاوہ مسدس اور مخمس کی ہیئت میں بھی حضرت کے کلام میں سادگی میں پرکاری کا اثر دکھائی دیتا ہے جس کے نتیجہ میں نظمیہ انداز بھی شعر گوئی کے حسن سے مالا مال ہے۔ مخمس کی ہیئت میں نعتیہ اشعار کے توسط سے جذبات کی روانی کا انداز ملاحظہ ہو:

زینت بزم کائنات ذات جمیل کا وجود
رحمت خاص کبریا ان کے قدم کا ہے ورود
دید جمال مصطفیٰ حضرت حق کا ہے شہود
اپنے نبی پہ آیئے جھوم کے بھیجئے درود
صل علیٰ نبینا صل علی محمد

شور تھا آمنہ کے گھر وقت ظہور مرحبا
جان کی جان مرحبا دل کے سرور مرحبا
کعبے سے آتی تھی صدا اے میرے نور مرحبا
خانۂ دل میں آیئے میرے حضور مرحبا
صل علی نبینا صل علی محمد

ان اشعار میں عشق کی فراوانی اور وارفتگی کا ایسا بہاؤ امنڈتا نظر آتا ہے جو بلاشبہ کسی اہل دل کی کیفیت کا اعلیٰ عملی نمونہ ہے۔ اس سے انداز ہوتا ہے کہ ایسے اشعار اسی وقت قلم سے نمودار ہوتے ہیں جب کہ دلی کیفیت حالت وجد میں ہو اور زبان تو خاموش ہو مگر اظہار باطن کی نمائندگی پر کمر بستہ ہو جائے۔

''فرش پر عرش'' کی شاعری میں یہ وصف سب سے اہم ہے کہ شاعری لفظوں کی بندش کا نام نہیں بلکہ دل کی نمائندگی کی دلیل بنتی ہے اور حضرت کے کلام میں اس کیفیت کی جا بجا بہتات پائی جاتی ہے۔

پیر طریقت سید محمد اشرفی قبلہ نے مسدس کی ہیئت میں بھی اشعار پیش کیے ہیں اور مخمس میں بھی، ان کی مخمس کی نمائندہ نظم ''بگڑی بنانے میں کیوں دیر لگی خواجہ'' نہ صرف ان کی معرکہ آرا شاعری کی دلیل ہے بلکہ یہ پتہ بھی دیتی ہے کہ جب وارفتگی شعر میں ڈھلتی ہے تو ایسی شاعری جنم لیتی ہے۔

مخمس کے انداز کو اختیار کرتے ہوئے ترکیب بند اور ترجیع بند کو اپنی شاعری میں شامل کرنے کا جو فطری انداز محمد اشرفی سید کچھوچھوی کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے وہ فنی طور پر حضرت والا کی دست رس کی عمدہ مثال ہے۔ ان کی شاعری میں اور فارسی نظموں میں بھی ترکیب بند اور ترجیع بند کا انداز نمایاں ہوتا ہے۔ جس طرز سے اردو شاعری کے ذریعے حضرت محدث علیہ الرحمہ نے جس انداز کی موثر

نمائندگی کی ہے نعتیہ اظہار کے لیے حضرت سید کی نظم کی خصوصیات نمایاں ہو جاتی ہیں-

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بے لوث محبت کے تقاضے کو شاعری میں اظہار کے حوالے سے اگر کوئی تلاش کرنا چاہے تو ''فرش پر عرش'' میں موجود ان نظمیہ تاثرات کو پڑھ لے تو بلا شبہ حب نبوی کی تڑپ دل کو مسحور کرنے والا ذریعہ بن جائے گی- اس خصوصیت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ازل کی صبح کے مہر مبیں تشریف لاتے ہیں
شبستان ابد کے مہ جبیں تشریف لاتے ہیں
نگاہ کبریا کے نازنیں تشریف لاتے ہیں
ظہور شان رب العالمین تشریف لاتے ہیں
جناب رحمۃ للعالمیں تشریف لاتے ہیں
سنوارے آج زلف عنبریں تشریف لاتے ہیں
تبسم لب پہ آنکھیں سرمگیں تشریف لاتے ہیں
جلو میں لے کر سب دنیا و دیں تشریف لاتے ہیں
لیے ہاتھوں میں فردوس بریں تشریف لاتے ہیں
جناب رحمۃ للعالمین تشریف لاتے ہیں

اس نظم میں پیکر محمد ﷺ کے جس نکتۂ ناز کو نظم کیا گیا ہے اس کی اہمیت اور فضیلت کے راز صرف اہل اللہ کے دلوں ہی پر کھل سکتے ہیں- مخمس کے انداز میں لکھی گئی یہ نظم شروع سے آخر تک حب نبوی سے معمور اور شاعری کی دلی کیفیت کی آئینہ دار ہے- اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے لفظوں کے ذریعے نہ صرف محبت کی دنیا آباد کی ہے بلکہ وابستگی اور وارفتگی کو اس بام عروج پر پہنچا دیا ہے جہاں جبریل امین کے پر مبارک کو بھی جلنے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے- اس قسم کی کیفیاتی فضا کو نعتیہ انداز میں بیان کرنا درحقیقت جوئے شیر لانے سے کم نہیں اور خاص بات یہ ہے کہ اس مرحلے میں بھی حضرت علامہ پوری طرح کامیاب ہیں جب کہ پند و نصیحت و موعظت کی ذمہ داری لیے ہوئے سارے عالم میں حقانیت کا پرچار کرنے والے اس اللہ والے اہل دل کو نہ جانے اتنا وقت کیسا ملتا تھا کہ اپنے پاکیزہ خیالات کو شعری سانچے میں ڈھال کر اور انہیں نظم کی ہیت میں پیش کرنے کی سہولت مل جاتی- بلا شبہ اسے خداداد صلاحیت کا پیش خیمہ قرار دیا جانا چاہیے کیوں کہ فن عروض اور فنی محاسن کے علاوہ اظہار کی برجستگی کلام میں اسی وقت جلوہ گر ہوتی ہے جب کہ رحمت خداوندی کسی کو نطق کی صلاحیت سے مالا مال کرتی ہے- غرض حضرت کا نعتیہ کلام ہو یا غزل میں چھپے ہوئے رمز و کنایہ ان تمام میں وحدانیت اور حقانیت کا پرچار نمایاں ہے اور حضرت نے اپنے کلام کے ذریعے پاک و شفاف خیالات پیش کر کے دل کو سکون اور عقل و خرد کو راحت پہنچانے کا کام انجام دیا ہے، جس سے نہ صرف سماعت کو سکون اور دل کو راحت حاصل ہوتی ہے بلکہ انسان کا وجد میں آ جانا بھی ممکنات میں سے ہے- شعریت کی جس دنیا کو حضرت والا نے اپنے کلام میں سمویا ہے وہ بلا شبہ اظہار کی باریکی اور زبان کی لطافت ایسی دین ہے جس کی مثال بہت کم خطیبوں کے کلام میں نظر آتی ہے- عام طور پر خطابت سے وابستہ ہو کر انسان شعر گوئی کی طرف توجہ دیتا ہے تو اس کے کلام میں مخاطبت کے القاب اور وضاحت کے الفاظ شامل ہو جانے کی وجہ سے شاعری اپنی تاثیر سے محروم ہو جاتی ہے، لیکن حضرت سید محمد اشرفی جیلانی کے کلام کے تاثر سے اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ کلام اپنے وقت کے ایک محدث، علامہ اور خطیب کی دلی کیفیات کا آئینہ دار ہے- چوں کہ خطابت میں گھن گرج اور ہزاروں کے مجمع کو اپنا ہم نوا بنانے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جب کہ شاعری میں نرم و نازک لہجے کے ذریعے وہ جب کلام پیش کرتے ہیں تو ان کی فطرت کی دو متضاد خصوصیات کی نشاندہی ہوتی ہے-

غرض کلام میں نزاکت و لطافت اور نفاست و خطابت میں بلند آہنگی کے حسین امتزاج سے ''فرش پر عرش'' کی شاعری مالا مال ہے اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس شاعری کے متعلق بہرہ ور ہونے والی ہر ہستی کے دل میں وہ اوصاف جاگزیں ہو جائیں گے جن سے متصف حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ کی شاعری مالا مال ہے اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علامہ نے اپنے کلام کے ذریعے جو پیام دیا ہے وہ عالم گیر سطح پر قوم کے شعرا کے لیے مشعل راہ سخن ہے-

حضرت علامہ کی شاعری کا دور دو مختلف تحریکوں سے وابستہ ہے جس میں رومانی ادب کے ساتھ ساتھ ترقی پسند ادب کی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں- اختر شیرانی نے شعر و ادب کی رومانی کیفیات کو اپنے

کلام میں جگہ دی تو ترقی پسند شاعروں کے بہت بڑے گروہ نے اشترا کی خیالات کی بنیاد رکھی اور شاعری کو اظہار کے ذریعہ سے نکال کر نعرہ بازی تک پہنچا دیا- بلاشبہ اردو شاعری کو رومانی تحریک اور ترقی پسند تحریک سے بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا لیکن ان دونوں تحریکوں کے زمانے کو حضرت علامہ سید اشرفی کچھوچھوی نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ان تحریکوں کی نمائندگی کرنے والے شعرا کے عہد میں موجود تھے لیکن علامہ اشرفی نے نہ تو رومانیت کے رنگ کو اپنی شاعری میں شامل کیا اور نہ ہی ترقی پسند لب ولہجہ کی حمایت کی- بیشتر ترقی پسندوں نے مذہب بیزاری کی عادت وروایت کو اختیار کر لیا تھا- اسی لیے حضرت محدث اشرفی سید کی شاعری میں اس انداز کی شاعری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا-

غرض حضرت سید کچھوچھوی کے دور میں دو اہم تحریکوں نے اردو شاعری کو متاثر کیا اور دونوں تحریکوں نے اپنے عہد کی نمائندہ تحریک کا درجہ حاصل کر لیا تھا لیکن ان دنیاوی تحریکوں اور ان سے وابستہ شعرا کے کلام میں بہر حال افراط وتفریط کا عمل نمایاں ہے جس سے اجتناب ایک مذہب پرست انسان کا وتیرہ قرار دیا جائے گا- اسی لیے علامہ سید کچھوچھوی نے ان دونوں تحریکوں سے نہ خود کو وابستہ کیا اور نہ ان سے استفادہ کا رویہ اختیار کیا-

بہر حال حضرت محدث سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی اپنی ذات میں اہم تحریک کا وصف رکھتے تھے- جن کا بنیادی مقصد ہی شعار اسلام کو فروغ دینا رہا ہو ان کے کلام میں اس تحریک کے عنصر کو تلاش کرنا بلاشبہ تلاش بے جا ہی قرار دیا جائے گا- ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ہر دور میں مثبت روایات سے شاعر استفادہ کرتا ہے - چناں چہ حضرت سید محمد اشرفی علیہ الرحمہ کے دور میں حسرت موہانی کے تغزل، فانی بدایونی کی یاسیات، یگانہ چنگیزی کی انانیت، جگر کی شاعری کی دل فریبی، فراق کی وسعت نظری اور بے شمار ترقی پسند شاعروں کی احتجاجی نظم گوئی اپنا اثر دکھا رہی تھی- لیکن حضرت علامہ اشرفی نے ان تحریکوں کے اس رویہ کو اپنی شاعری میں داخل نہیں کیا بلکہ اپنے ایک علاحدہ رنگ اور وارفتگی کو برقرار رکھتے ہوئے شاعری کی زبان کو ایسا سجایا ہے کہ بلاشبہ ان کی شاعری میں نہ تو یاسیت اور انانیت کا عنصر دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی اشتراکیت کی اجتماعی سطح کا انداز نمایاں ہوتا ہے بلکہ شاعری کے متوازن رویہ کو اپنا شعار بناتے ہوئے غزلیہ اور نظمیہ شاعری کا ایسا ایوان حضرت والا نے سجایا ہے جس میں پاکیزگی اور خداترسی اپنا اثر دکھاتی ہے- چناں چہ حضرت علامہ کے شعری مجموعہ ’’فرش پر عرش‘‘ میں ان عوامل کا دخل ہر جگہ دکھائی دے گا اور انداز ہوگا کہ حضرت علامہ نے جذب ومستی اور بے خیالی کو اپنے کلام سے دور رکھا اور حمد ونعت ومنقبت کے علاوہ مخمس، مسدس اور ترکیب بند اور ترجیع بند کے دوران ایمان اور ایقان کی سچائی کو وارفتگی کے ساتھ اس انداز سے بیان کیا ہے کہ ساری شاعری خدا پر جان قربان کرنے اور دلوں کی محبت میں پیش پیش رہنے کا نمونہ بن جاتی ہے- یہی وجہ ہے کہ عشق سے مملو مطلوب انسان کی کرشمہ سازی کو اپنی شاعری میں داخل کر کے حضرت علامہ اس گوشہ بیان کی تاثیر بن جاتے ہیں جو خدا کے قائل اور رسول کی استقامت سے مالا مال ایسے عقیدے کو جنم دیتا ہے جو نظام مصطفوی سے بہرہ ور ہو کر قرب خداوندی کا سامان فراہم کرتا ہے- یہی عوامل اپنے دور کے تمام شاعروں سے جداگانہ حضرت علامہ اشرفی کی شاعری کا وسیلہ بنتے ہیں- بلاشبہ حضرت سید اشرفی نے ڈاکٹر محمد اقبال کی طرح فلسفیانہ شاعری نہیں کی اور اس عہد کے دوسرے نظم گو شعرا جیسے جوش ملیح آبادی اور فیض ومخدوم کی نظموں کی طرح انقلابی رجحان کو اپنی شاعری میں جگہ نہیں دی لیکن مذہب اسلام نے خود جب نئے انقلابات کی تلقین کی ہو تو اس کے ماننے والے کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی اور انقلاب اور نعرہ کے توسط سے اپنے کلام کی برتری ظاہر کرے-

غرض سید محمد اشرفی کا کلام اپنے عہد کے دیگر شعرا سے مختلف اور اخلاقی اور مذہبی انداز کی نمائندگی کرتے ہوئے روحانی فیوض وبرکات کی نشان دہی کرتا ہے جس میں انسان کو وجد میں لا کر بے خود کرنے کی صلاحیت موجود نہیں بلکہ عقل وخرد کے استعمال سے ذات خداوندی کو سمجھنے اور انسان کی ذات میں موجود بے شمار صلاحیتوں کو محسوس کرنے کا پیام اگر کسی کے کلام میں ملتا ہے تو وہ حضرت محدث اعظم سید محمد اشرفی جیلانی سید کچھوچھوی کی شاعری ہے جسے بلاشبہ فرش پر عرش کا سامان مہیا کرنے والی شاعری قرار دیا جائے اور اس قسم کی شاعری سے بلاشبہ دل کی دنیا سنورتی اور اظہار کی طاقت میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، اس لیے اس قسم کی شاعری کا ہر گوشے سے استقبال کیا جانا چاہیے-

□□□

مفتی آل مصطفیٰ مصباحی☆

محدث اعظم ہند ایک داعی، مبلغ اور مناظر

قرآن کریم کا مترجم ومفسر، حدیث رسول کا شارح، اسلام و سنیت کا مبلغ، ناموس رسالت کا محافظ، شریعت مصطفویہ کا حامی و ناصر، مذہب حنفی کا ناشر، مسلک اہل سنت کا پاسبان، مخدومی مشن وفکر رضا کا مروّج، جسے علما، فقہا، مشائخ، عوام و دانشور نام سے کم اور لقب سے زیادہ جانتے پہچانتے تھے، نام سید محمد تھا، لقب محدث اعظم ہند اور تخلص سید، وہ مخدوم ملت سے بھی معروف تھے، مولیٰ عزوجل نے انہیں بہت سی ایسی خوبیوں سے نوازا تھا جن کا کسی ایک ذات میں جمع ہونا رفعت و بلندی کی ضمانت ہوتی ہے، وہ بیک وقت محدث، مفسر، فقیہ، مفتی، خطیب، مبلغ، مناظر، شاعر، مصنف، داعی سبھی کچھ تھے، غیر معمولی سیاسی بصیرت کے حامل تھے، جلیل القدر عالم و عامل تھے، مختصر یہ کہ وہ علم وفضل کے وارث وامین اور شریعت وطریقت کے سنگم تھے اور کیوں نہ ہو کہ محدث اعظم ہند علم وتفقہ میں مجدد اعظم امام احمد رضا کے تلمیذ رشید، حدیث وآثار میں محدث سورتی کے جانشین اور قلب ونظر کی طہارت و پاکیزگی اور تصوف واخلاق میں اعلی حضرت اشرفی میاں علیہم الرحمہ کی روحانیت کے عکس جمیل تھے، یوں تو ان کے گوشہ حیات کے جملہ ابواب ہی لائق تحسین وتقلید ہیں، لیکن وہ درخشاں باب جس نے اہل سنت کے اکابرین وعمائدین کے دلوں میں ان کی محبت والفت کا چراغ روشن کر رکھا تھا، وہ ہے ان کا داعیانہ، مبلغانہ اور احقاق حق وابطال باطل کے لیے مناظرانہ کردار، وہ جاگتے تھے تو دین وسنیت کا درد لے کر، سوتے تھے تو اسی درد وکرب میں، ان کے دینی وملی تصورات وخیالات ان کی گراں قدر خطابت، ان کی تبلیغ، ان کا مناظرہ، ان کا داعیانہ کردار، ان کی بصیرت افروز سیاسی حکمت عملی، اور ملت کی شیرازہ بندی، تصدیق و اذعان میں بدلتی رہی، قوم وملت کے الجھے ہوئے مسائل کو اپنی حکمت و تدبر سے حل فرمانے کی وجہ سے وہ بہ اتفاق علما ''جماعت کا حکم'' مانے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ کو وصال محدث اعظم کا غم ہمیشہ ستاتا رہا، وہ فرمایا کرتے تھے ''ملت کے الجھے ہوئے مسائل کو اپنے ناخون تدبیر سے حل کرنے والی ذات اب ہم میں نہ رہی''۔

ایک ایک لمحہ تبلیغ دین کے لیے وقف:-اللہ عزوجل نے آپ میں بے پناہ خوبیاں عطا فرمائی تھی، ان کی زندگی کے قیمتی لمحات دین و سنیت کی دعوت وتبلیغ اور احقاق حق کے لیے صرف ہوتے تھے، پورے غیر منقسم ہندوستان کے علما و مشائخ اہل سنت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور متحد ہو کر اپنی تبلیغی ودعوتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی تحریک کے طور پر حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگ علما نے کئی مرکزی جگہوں پر سنی کانفرنس منعقد کیں، محدث اعظم ہند نے اپنے بے مثال خطبہ صدارت سے لوگوں کے اذہان وقلوب میں تبلیغی و دعوتی خدمت کا جذبہ بیدار کیا، سنی کانفرنس کے خطبہ صدارت کا یہ حصہ آج بھی مردہ ذہن وقلب میں روح پھونکے کے لیے کافی ہے:

''مشائخ عظام وعلماے اعلام! ہم وہ دن دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارا ہر فرد مبلغ ہو، ہماری پرانی تاریخ یہی تو تھی کہ بادشاہ مبلغ، رعایا مبلغ، پیر مبلغ، مرید مبلغ، سوداگر مبلغ، مزدور مبلغ، کوئی ہے جو رسول پاک کے دست اقدس پر اسلام قبول کر کے مبلغ نہ بنا ہو، کوئی مثال ہے کہ صحابہ کرام سے دولت ایمان پانے والا مبلغ نہ ہوا، تبلیغ تو اسلام کا اصلی سرمایہ ہے، تبلیغ تو اسلام کا دوسرا نام ہے، یہودیت میں سازش کے سوا کیا رکھا تھا، نصرانیوں کا منتر ۳/۱ و ۱/۳، کان کے سوا میدان میں کہنے والا کب تھا، مشرکین کے اوہام وتخیلات میں تبلیغ کی روح کیسے آتی، سب کے سب اپنے دین کے نام کو اپنی پرائیوٹ جائداد کی طرح چھپائے رکھتے تھے، کہ تبلیغ کا شہسوار اسلام میدان میں آ گیا اور تبلیغ کے سورج کو چمکا دیا، صداقت کی روشنی کو پھیلا دیا، ہدایت کی تڑپ دل میں پیدا کر دی، رشد وارشاد کا دروازہ کھول دیا، جن وانس کو اپنے دائرہ میں لے لیا اللہ تعالی نے اپنے رسول کو مامور فرمایا کہ ''**بلغ ما انزل الیک**'' رسول پاک نے اپنے وفاداروں کو حکم دیا کہ ''**بلغوا عنی و لو بکلمة**'' میرا جد اعلیٰ جیلان میں پیدا ہوا، اور گھر کو چھوڑ کر بغداد چلا گیا، میرا ہندوستان کا بادشاہ چشت میں پیدا ہوا اور اجمیر چلا آیا، میرا سلطان

☆Jamia Amjadia Razvia,Ghosi,Distt.Mau(U.P)

سمنان چھوڑ کر کچھوچھہ چلا آیا، میں غوث کی بارگاہ میں سر نیاز جھکا کر، میں خواجہ کی خواجگی کے حضور وفاداری کا حلف اٹھا کر، میں اپنے سلطان کی سرکار میں عقیدت کا نذرانہ لے کر کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف تبلیغ دین کے لیے تھا، تبلیغ ہماری اور صرف ہماری دولت تھی مگر یہ امر اہم بے نظمی کی نذر رہوا۔"

(خطبہ صدارت سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء)

محدث اعظم نے اسی سلسلہ خطابت میں فرمایا:

"خانقاہوں کو نشر علم کا ادارہ بنا دیا جائے، میلاد شریف کی محفلوں کو بزم تبلیغ کر دیا جائے، اعراس بزرگان دین میں سنی کانفرنس کی روح ڈالی جائے، مسلمان کی صورت کو مسلمان کیا جائے، اور مسلمان کی سیرت کو مسلمان کیا جائے، مسلمان کی روح کو بھی بلند کیا جائے۔ .... حضرات! وقت آ گیا ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد کو پلٹایا جائے اور سارے نظام شریعت کو اسلامی دنیا کا نصب العین بنا دیا جائے یہ کام بہت زیادہ سرمایہ نہیں مانگتا، اپنا پلیٹ فارم، اور اپنا ہر کام ایسا ہے کہ غریب سنیوں کی برائے نام کمائی بھی اس کے لیے نا کافی ہے، سنیوں کے پاس اوقاف اس قدر ہیں، جن کو درست کر کے برطانوی اصول پر نہیں بلکہ اسلامی اصول پر خرچ کیا جائے تو ایک سلطنت کا نظام چل سکتا ہے............ اے صد ہزار احترام و عظمت کے پیکر بزرگو! کام بہت ہے، ہماری بیماریاں حد سے زیادہ ہیں، ہماری کمزوریاں لا انتہا ہیں، اور آپ کو ہمارے لیے بہت دکھ اٹھانا ہے آپ تبلیغی نظام سے بسم اللہ فرمائیں، مبلغین پیدا کریں میدان تبلیغ میں بھیج دیں اور ایک سال کے اندر سارے ملک کے سنیوں کی مردم شماری کر لیں"۔

(خطبہ صدارت بنارس)

محدث اعظم اپنے خطاب نایاب میں بد مذہبوں کے خطرناک عزائم اور ان کے فتنوں سے عوام اہل سنت کو باخبر کرتے ہیں۔ رد وہابیہ کا وہ حصہ جو آپ کو اعلیٰ حضرت سید علی حسین اشرفی میاں، سید احمد اشرف اشرفی جیلانی اور استاذ محترم مجدد اعظم امام احمد رضا علیہم الرحمہ سے وافر مقدار میں ملا تھا، وہ ہمیشہ بدعقیدگی کے خرمن پر بجلی بن کر گرتا رہا، احقاق حق و ابطال باطل کے لیے آریہ سماج والوں، قادیانیوں اور وہابیوں، دیوبندیوں سے مناظرہ و مباحثہ کے علاوہ سیکڑوں داعیانہ خطاب آپ نے بد مذہبوں کے رد میں فرمائے، حتی کہ اپنے صدارتی اور توسیعی خطاب میں بھی بدعقیدگی کے فتنوں کی طرف توجہ مبذول کرائی، ان کے خطبہ صدارت کا یہ اقتباس آج بھی اسی شان و شوکت کے ساتھ دعوت فکر دے رہا ہے:

"غضب یہ ہے کہ یہ سارے منظّم فتنے اور تمام مہلک خطرے آپ کے سامنے ہیں، آپ کو دیکھتے ہوئے سنیوں کا جینا دشوار ہو رہا ہے، آپ کی آنکھوں کے سامنے سنیوں پر گھیرا ڈال دیا گیا ہے، اور آپ کی موجودگی میں آپ کے رسول کی امت دن دہاڑے لوٹی جاتی ہے، سنیوں کی آنکھوں سے آنکھیں ملا کر ان کے سبوح و قدوس خدا جس کے سرادقات جاہ و جلال تک کسی عیب کی رسائی نہیں، اس کو بالامکان جھوٹا کیا جا رہا ہے، سنیوں کو ایذا دینے کے لیے فضیلت علم میں شیطان کو رسول پر بڑھایا جا رہا ہے، رسول پاک کے علم کو پاگلوں، چوپایوں کی طرح قرار دیا جاتا ہے، آج ختم نبوت کا انکار ہے تو کل کوئی مدعی نبوت نکل پڑا ہے، بے دین مشرک پرست خود ہیں اور ہم دین داروں کو بدعتی مشرک کہتے ہیں، دین فروشی، ملت فروشی وہ خود کریں اور سنیوں کو ملت فروش بتائیں، نام لیں مدح اہل بیت کا اور تبرا بکیں اصحاب پر، دعوت دیں مدح صحابہ کی اور کام کریں قدح اہل بیت کا، یہ تو دین پر بم باری ہے"۔

(خطبہ صدارت سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء)

محدث اعظم کا دعوتی و تبلیغی خطاب واقعی خطاب نایاب ہوتا تھا انہیں خطابت کا ملکہ حاصل تھا، جب چاہتے جس موضوع پر چاہتے گھنٹوں پر مغز خطاب فرماتے، اختلافی موضوع ہوتا تو اہل سنت و جماعت کے موقف پر دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے، ایک موقع پر بھاگل پور بہار میں وکیلوں، ججوں اور ارباب فکر و دانش کی ایک بڑی مجلس میں آپ نے سنی، دیوبندی اختلاف کا جائزہ پیش کرتے ہوئے جب حفظ الایمان، براہین قاطعہ، تحذیر الناس، تقویت الایمان، صراط مستقیم، اور رسالہ یک روزہ کے خلاف اسلامی مندرجات کا محاسبہ کیا اور قانونی دفعات کے آئینہ میں ان ناپاک عبارتوں کے لکھنے والوں پر تعزیرات ہند کے دفعات لگانا شروع کیے تو مجلس میں موجود جج، وکلا، بیرسٹر عش عش کر اٹھے، ماہرین قانون نے تبصرہ کیا کہ برمحل اتنے دفعات اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رفیع میں ان گستاخانہ عبارتوں پر لگانا حضور محدث اعظم ہند ہی کا حصہ ہے، ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ محدث اعظم تعزیرات ہند کے حافظ اور کامیاب جج ہیں، ان دانشوروں نے کہا کہ آج ہمیں معلوم ہوا کہ علما میں ایسے حضرات بھی ہیں، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ تعزیرات ہند کی رو سے وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں سے بڑا مجرم کوئی نہیں-

(المیز ان کا محدث اعظم نمبر، ص:۸۴، مولانا محبوب اشرفی)

محدث اعظم ہند ہوں یا دیگرا کابرین علما ان حضرات کے دلوں میں اسلام وسنیت کے تئیں خلوص تھا، محبت تھی، اس لیے یہ حضرات آپس میں شیر وشکر رہتے، دعوتی وتبلیغی کاموں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے، ایک دوسرے کا احترام کرتے، جس کا آج کے زمانہ میں سخت فقدان ہے، ہر اہل، نا اہل، اپنی جگہ قیادت کا زعم لیے بیٹھا ہے، جماعت کی سرپرستی اور قیادت کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا، عوام اہل سنت کی کشتی بھنور میں ہے، آج کوئی نا خدا نہیں، خانقاہوں میں باہم تال میل اور محبت والفت ناپید ہے، علما میں اتحاد واتفاق نہیں، مگر ہمارے اکابرین ہرگز ایسے نہ تھے، ان میں باہم بڑی محبت تھی، یگانگت تھی، شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ نے حضرت صدر الشریعہ سے متعلق ایک تعارفی مضمون میں ایسا ہی اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان فرمایا ہے-فرماتے ہیں:

”مبارک پور اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں ابتدا ہی سے حضرت صدر الشریعہ اور حضرت محدث اعظم ضرور شریک ہوتے تھے اس لیے کہ یہ دونوں حضرات اشرفیہ کے سرپرست تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت محدث اعظم ہند شام کو ساڑھے پانچ بجے تشریف لائے اور کہیں بہت دور سے آرہے تھے، اس لیے تھکے ہوئے تھے بعد نماز عشا کھانے پر حضرت صدر الشریعہ سے فرمایا کہ حضرت میں بہت تھکا ماندہ ہوں تقریر نہیں کرسکتا، آج آپ بھرپور تقریر فرمائیں، حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا کہ مجھے تقریر کرنی نہیں آتی، یہاں کے لوگ آپ کی تقریر کے مشتاق ہیں، آپ خطیب ہیں، میں تھوڑی دیر بیان کروں گا، پھر آپ کو تقریر کرنی ہوگی، حضرت محدث اعظم ہند نے اپنی تکان کا عذر دہرایا اور ارشاد فرمایا: حضرت دل کھول کر تقریر فرماویں، پھر کسی کو ہوش ہی نہ رہے گا جو میری تقریر کا نام لے، حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا کہ دیکھا جائے گا، جلسہ کے وقت حضرت محدث اعظم ہند نے فرمایا کہ میں اگر چہ بہت تھکا ہوا ہوں، سونے کے لیے مضطرب ہوں، مگر جلسہ میں ضرور چلوں گا، آج صدر الشریعہ کی تقریر سننی ہے، دونوں اکابر ساتھ ساتھ جلسہ گاہ میں تشریف لائے، دو کرسیاں رکھ دی گئیں، اور پھر حضرت صدر الشریعہ نے تقریر شروع فرمائی، تمہید کے بعد فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے ”**قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثله مددا**“ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ”کلمات ربی“ سے مراد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا ہے“-

(مقالات شارح بخاری ص ۹۳ و ماہنامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر)

واقعہ کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”مجھے وہ منظر اچھی طرح ذہن نشین ہے، اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ نے دو گھنٹے تقریر فرمائی ہزاروں ہزار کا مجمع ہمہ تن گوش تھا اور خود حضرت محدث اعظم ہند اس محویت سے سن رہے تھے کہ کرسی پر پہلو بھی نہ بدلا اور ٹکٹکی باندھے حضرت صدر الشریعہ کو دیکھتے رہے، اس وقت نہ واہ واہ کا رواج تھا، نہ سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے کا، اور نہ نعرہ تکبیر و رسالت کا، وقار واطمینان کے ساتھ لوگ علما کی تقریر سنتے تھے- پھر بھی حضرت محدث اعظم ہند بار بار ہلکی آواز میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے جاتے تھے، اگرچہ ان کی ہلکی آواز پورے مجمع میں گونج اٹھتی تھی:

اولئک ساداتی فجئنا بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

کاش وہ دن پھر لوٹ آتے اور موجودہ اکابر ملت اس یگانگت، محبت، خلوص کے ساتھ شانہ بشانہ نظر آتے- دوسرے دن حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اسی آیت کریمہ **قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی** کو اپنی تقریر کا عنوان بنایا، اس نکتہ کو لے کر کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا ”کلمات ربی“ کیسے ہے، دو گھنٹے انتہائی پرمغز، دل آویز، ایمان افروز، پورے خطیبانہ آن بان کے ساتھ تقریر فرمائی، جس کی لذت سے آج بھی روح سرشار ہے، حضرت محدث اعظم ہند نے اس شراب علم کو دوآتشہ بنا کر پورے مجمع کو مست و بےخود بنا دیا-

اولئک ساداتی فجئنا بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

مختلف علوم وفنون میں یہ لوگ ہمارے پیشوا ہیں، اے جریران کے مثل لا، جب ہم سب کو کسی مجمع میں اکٹھا کرے تو''-

(ماہ نامہ اشرفیہ کا صدر الشریعہ نمبر ومقالات شارح بخاری ص۹۴و۹۳)

محدث اعظم اور مناظرہ:- اصولیین نے مناظرہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے''توجہ المتخاصمین فی النسبة بین الشیئین اظهاراً للصواب''(مناظرۂ رشیدیہ، ص۹)

مناظرہ اصطلاحی اعتبار سے مجادلہ اور مکابرہ کا قسیم ہے اور ہر ایک اپنے مفہوم وحقیقت کے اعتبار سے دوسرے سے مختلف- اگر بحث و تمحیص میں فریقین کا مقصد ومطمحِ نظر اظہار حق کی بجائے مجادلہ یا مکابرہ ہو تو مناظرہ کی اصولی حیثیت بدل جاتی ہے اور پھر مناظرہ مناظرہ نہ رہ کر مجادلہ یا مکابرہ کہلاتا ہے، جو ارباب علم و دانش کے نزدیک نا قابل قبول ہوتا ہے، اس مختصر سے ضابطہ کو مدنظر رکھ کر جب ہم حضرت محدث اعظم ہند کے تحریری وتقریری مناظروں کی روداد کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کا مناظرہ درحقیقت مناظرہ ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جو موضوع مناظرہ طے پاتا، آپ اسی پر پوری گفتگو کرتے، اپنے دعوے کو نہایت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ دلائل و براہین سے اس طرح مزین فرماتے کہ مدمقابل مناظر آپ کے روبرو طفل مکتب نظر آتا- حضور محدث اعظم ہند کے مناظرے کی پوری تفصیل تو معلوم نہ ہوسکی، البتہ روداد مناظرہ گھوسی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بہت سے عظیم اور وقیع مناظرے میں شریک ہوئے، کہیں بحیثیت مناظر اور کہیں بحیثیت معاون- آپ نے ایک عظیم مناظرہ تو خود کچھوچھہ شریف میں وہابیوں کے سرغنہ اور دیوبندیوں کے آقا مولوی عبدالشکور ایڈیٹر''النجم'' سے کیا، اس کی روداد اسی زمانے میں شائع ہوکر منظر عام پر آچکی تھی، جس میں محدث اعظم ہند کے ۹۴/مطالبات تھے، جن میں سے ایک کا جواب بھی مولوی عبدالشکور سے نہ بن پڑا- گھوسی میں مناظرہ کرنے کے بعد جلسہ عام میں ردّ وہابیہ پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:

''دوسرا مناظرہ مولوی عبدالشکور سے خود مجھ سے ہوا- اور بعونہ تعالیٰ میرے ۹۴/مطالبات کے جواب سے وہ بالکل عاجز رہے، میں نے اس کی مطبوعہ روداد میں اعلان کردیا تھا کہ مولوی عبدالشکور مع اعوان وانصار کے میرے مطالبات کا گھر بیٹھ کر سال بھر کی مدت میں جواب دیں، مگر بعونہ تعالیٰ وہ سالہا سال سے اب تک عاجز رہے اور ایک مطالبہ کا بھی جواب نہ دے سکے''- (مناظرہ سنی ووہابیہ ص۸۱)

مناظرۂ گھوسی:- ''گھوسی'' قدیم ضلع اعظم گڑھ اور حال ضلع مئو شمال مشرقی یوپی کا ایک مردم خیز خطہ ہے، جہاں یہ مناظرہ ہوا-

محدث اعظم ہند کا مناظرہ گھوسی مشہور ومعروف مناظرہ ہے، بلکہ اپنی نوعیت کا یہ منفرد مناظرہ معلوم ہوتا ہے، اس میں مولوی عبدالشکور کاکوروی کے بھائی مولوی عبدالرحیم دیوبندیوں کی طرف سے مناظر مقرر تھے، یوں تو یہ مناظرہ اکابرین دیوبند کی کفری عبارات پر ہونا تھا، چنانچہ حضرت محدث اعظم ہند نے مناظرے کے آغاز سے کچھ پہلے یہ تحریر لکھ کر بھیج دی تھی ''عبارات حفظ الایمان و براہین قاطعہ وتحذیر الناس پر علمائے حرمین محترمین نے بلکہ علمائے ہند نے بھی تکفیر کا فتویٰ دیا ہے اور میں بھی فتوے تکفیر کا حامی ہوں، مجھ میں اور آپ میں اختلاف ہے، کیا آپ اس میں مناظرہ فرماسکتے ہیں'' (روداد مناظرہ ص۹۱)، مگر دیوبندی مناظر ومعاونین اس میں اپنی ہزیمت وشکست اور رسوائی کے کھلے آثار دیکھ رہے تھے، اس لیے وہ کسی طرح ''تکفیر'' کو موضوع مناظرہ منتخب کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور حضرت محدث اعظم ہند کے پاس جواباً اور مجبوراً یہ تحریر بھیج دی-

''چونکہ فاضل محترم نے تعین موضوع کا اختیار مجھ کو دیا ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضور سرورعالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جمیع ما کان و ما یکون کا علم غیب حاصل ہونا اگر فاضل محترم کا عقیدہ ہو تو موضوع بحث قرار دیا جائے، اور اگر یہ عقیدہ نہیں ہے تو میرے اور جناب مولانا سید محمد صاحب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں''-

(مناظرہ سنی ووہابیہ، ص۹۲)

چونکہ مولوی عبدالرحیم اور ان کے اعوان وانصار مناظرہ کے لیے قطعی تیار نہ تھے، اس لیے حضرت محدث اعظم ہند نے دیوبندی مناظر کو کھلی چھوٹ دی تھی، تاکہ کسی طرح وہ مناظرہ کے لیے تیار ہوجائیں-

المختصر: جب مولوی عبدالرحیم اور ان کے حامیین اپنے اکابرین کے جرم کفر کی تاویل سے عاجز و قاصر رہے، تو ''علم غیب'' ما کان وما یکون'' موضوع مناظرہ طے پایا، مگر اس موضوع پر بھی حضرت محدث اعظم ہند کی علمی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ دیوبندی مناظر طفل مکتب نظر آتا تھا، اور سب سے عجیب وغریب بات یہ تھی کہ حضرت محدث اعظم

ہند علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جس جس شق پر گفتگو کرتے جاتے تھے، دیوبندی مناظر اپنے مکتب فکر کے عقیدہ کے خلاف اسے تسلیم کرتا جاتا تھا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کے اطلاق میں صرف لفظ ''ما کان وما یکون'' کے استعمال سے انھیں وحشت تھی، اس مناظرہ میں دیوبندی مکتب فکر کے مناظر اور ان کے معاونین کی ہزیمت ورسوائی اور مناظرہ چھوڑ کر شرمناک اور حیاسوز فرار کی داستان تو بڑی لمبی ہے، سر دست اس مناظرہ گھوسی کے چند علمی وفنی اقتباسات پیش کرتا ہوں، جن سے حضرت محدث اعظم کی خداداد ذہانت وصلاحیت، علمی وفنی مہارت، حدیث وفقہ اور عقائد واصول میں ان کی گہری بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے-

حضور محدث اعظم ہند نے دربارۂ علم غیب اپنا دعویٰ ان الفاظ میں بیان فرمایا:

''میرے نزدیک حضور سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتیں بتائی تھیں، مطلع فرمایا تھا اور کس قدر عطا فرمایا تھا، اس کے بیان کے لیے مقام نعت میں تمام ایسے صیغے اور الفاظ استعمال کرنا جن کا قرآن کریم یا حدیث شریف میں استعمال موجود ہے، اور جن میں سے لفظ ''ما کان وما یکون'' بھی ہے جائز ہے، حق ہے اور حق کا منکر گمراہ ہے'' (مناظرہ سنی ووہابیہ ص۹۴، ۱۳۳)

مذکورہ بالا دعویٰ کے دو جز ہیں- (۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب پر مطلع فرمایا ہے (۲) دوسرا جز یہ ہے کہ حضور کو ''ما کان وما یکون'' کا عالم کہنا یا ایسے تمام صیغے استعمال کرنا جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں، جائز وحق ہے- جز اول کے متعلق دیوبندی مناظر نے تو صاف صاف اقرار کرلیا، البتہ جز ثانی کے بارے میں یہ کہا:

''ما کان وما یکون'' یہ دو ایسے لفظ ہیں کہ اگر ان کی طرف اضافت کل کردیا جائے تو قضیہ موجبہ کلیہ اور اگر اضافت بعض کردیا جائے تو قضیہ موجبہ جزئیہ بنتا ہے''-(ص۹۹)

اس پر حضور محدث اعظم ہند کی علمی ومنطقی اور اصولی گرفت ملاحظہ ہو: ''اگر **ماکان ومایکون** کو یوں کہا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض ما کان ومایکون کا علم حاصل تھا تو فاضل مخاطب کو میرے عقیدے کے اس دوسرے جز سے بھی اختلاف نہ رہ جائے گا اور اسی لیے لفظ موجبہ کلیہ لفظ جمیع، لفظ کل پر بہت زور دیا گیا ہے- اول تو **ماکان ومایکون** کوئی قضیہ نہیں ہے، بے شک قضیہ ہے اور **علمت ماکان ومایکون** قضیہ موجبہ کلیہ ہونے کے لیے محتاجِ لفظِ جمیع یا لفظِ کل نہیں ہے، موجبہ کلیہ کا سور زبان عرب میں محض ''جمیع'' اور ''کل'' ہی نہیں ہے، پہلے جناب اصول الشاشی یا نور الانوار، اصول فقہ کی ان ابتدائی دو کتابوں کا مطالعہ فرمالیتے، اور علمائے شریعت نے موجبہ کلیہ کے جو سور بتائے ہیں، ان پر مطلع ہوجاتے تو خود فرمادیتے کہ اس قضیہ کا موجبہ کلیہ ہونا کسی لفظ کا محتاج نہیں ہے اور جب اس قضیہ کا مہملہ یا موجبہ جزئیہ ہونا آپ کسی دلیل قاطع سے ثابت نہیں کرسکتے تو آپ کو ایسی بحث شروع کرنے کا حق نہیں ہے، مختصراً میں پھر کہتا ہوں کہ جو صیغہ قرآن وحدیث میں وارد ہے، میں بہ سلسلۂ بیانِ علم غیب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ان کا استعمال جائز سمجھتا ہوں، اگر آپ یوں فرمادیں کہ **ماکان ومایکون** کا لفظ حدیث میں نہیں آیا یا آیا تو مگر متعین ہے کہ بعض **ماکان ومایکون** ہی کے لیے آیا ہے تو میں اس مسئلے میں آپ سے مناظرہ کرکے تصفیہ کرنے کے لیے تیار ہوں اور اگر آپ ثابت نہیں کرسکتے تو پھر لفظ کل یا لفظ جمیع کا یہ اہتمام عبث ہے-''

(مناظرۂ سنی ووہابیہ گھوسی ص۱۰۰، ۱۰۱)

پھر لفظ ''مَنْ'' اور لفظ ''مَا'' پر جو فقہی اصول کی روشنی میں آپ نے گفتگو فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے-

مناظر اہل سنت فرماتے ہیں:

''ما'' اور ''من'' کی اصل عموم ہے، ''ما'' کا معنی اردو زبان میں ''جو کچھ'' اور ''مَنْ'' کا معنی ''جو شخص'' کے ہیں، چنانچہ کتب اصول میں اس کی تصریح یوں موجود ہے، ''**من وما یحتملان العموم والخصوص واصلھما العموم یعنی فی اصل الوضع للعموم ویستعملان فی الخصوص بعارض القرائن**'' یعنی ''مَنْ'' اور ''مَا'' عموم وخصوص دونوں کے حامل ہیں اور اصل ان دونوں کی عموم ہے اور خصوص میں ان کا استعمال قرینہ کی وجہ سے ہوتا ہے، جس کو بلفظ دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''مَنْ'' جس کا ترجمہ اردو میں ''جس'' ''جو شخص'' اور ''مَا'' جس کا ترجمہ ''جو کچھ'' ہے، اپنی اصل وضع کے اعتبار سے عموم کے لیے ہیں یعنی ''ہر شخص'' اور ''سب کچھ'' کے معنی میں- اور اس کا مفاد موجبہ کلیہ ہے نہ کہ موجبہ جزئیہ- لہٰذا ''**علمتُ**

ماکان ومایکون ''قضیہ موجبہ کلیہ ہونے کے لیے لفظ جمیع یا کل کا محتاج نہیں- جب مَا اور مَنْ کی اصل وضع عموم ہے تو جو کسی جگہ ما و من میں خصوص کا مدعی ہو، اس کے ذمہ ہے کہ قرائن خصوص یعنی'' کچھ نہ کچھ'' بدلائل قطعیہ بیان کرے، ورنہ ہر لفظ کے وہی معنیٰ مراد لیے جاتے ہیں جو معنیٰ اس کی اصل ہے- (مناظرۂ سنی و وہابیہ ص ۱۰۱، ۱۰۸)

لفظ ''ما'' کے ساتھ ''کان ویکون'' کی تخصیص سے یہ ''ما'' حدیث پاک میں عام مخصوص منہ البعض ہوگا یا نہیں؟ اگر عام مخصوص منہ البعض ہوجائے تو ظاہر ہے کہ علمِ ماکان ومایکون پر دلالت کرنے والی حدیث پاک معنی مراد پر قطعی نہ رہے گی، ظنی ہوجائے گی، آپ نے اس شبہ کا ازالہ جس محققانہ انداز میں فرمایا ہے، وہ بھی دیدنی ہے، تفصیل تو آپ زیرنظر روداد میں پڑھیں گے، یہاں اس بحث کی تلخیص پیش کرکے اہل سنت کے فاضل مناظر کے علمی جاہ وجلال کی ایک جھلک دکھانا چاہتے ہیں، فاضل مناظر محدث اعظم ہند فرماتے ہیں:

''لفظ ''ما'' عام ہے اور یہ اپنی اصل وضع میں صرف کائنات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، افراد واجبات وممتنعات ومعدومات کا بھی ذکر اگر زبان عرب میں کیا جائے تو لفظ ''ما'' اس کے لیے بھی استعمال کرنا جائز ہے، چنانچہ کلام عرب میں وارد ہے **الواجب ما الخ الممتنع ما الخ المعدوم ما الخ** حدیث پاک ''**علمتُ ماکان ومایکون**'' میں خصوص استعمال ملاحظہ ہو، کہ وہ ''ما'' جو نہ صرف کائنات وحادثات کے افراد کو بیان کرنے کے لیے بنایا گیا ہو، بلکہ اس سے کہیں زیادہ عام ہو لفظ ''ماکان ومایکون'' نے اس میں خصوص پیدا کردیا، یعنی یوں فرمایا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جس سے علم کا علاقہ ہوسکتا ہے، میرا علم اس کے اندر ان سب کو محیط نہیں ہے، ہاں جو کچھ عالمِ کونْ میں ہوگیا اور جو کچھ ہوگا تمام معلومات غیر متناہیہ میں سے صرف اس قدر (کائنات بھر) کو میں نے جان لیا- لیکن ''ما'' کی عموم وضع میں کائنات کی تخصیص سے یہ عام مخصوص منہ البعض نہ ہوگا، عام مخصوص منہ البعض جب ہو کہ عموم وضع میں نہیں- بلکہ عموم استعمال میں خصوص پیدا ہو اور حدیث پاک میں ایسا نہیں- کتنی آیتیں ہیں کہ مَا ومَنْ اپنے عموم وضع پر مستعمل نہیں، لیکن جس خصوص میں استعمال ہے اس کا ایک فرد بھی خارج نہیں- ''**وَاللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ**'' (اور اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے) دیکھیے ''مَا'' کے ساتھ قید مشیت موجود ہے تو کیا اللہ جو چاہے اس کے بعض افراد معاذ اللہ نہیں کرسکتا؟ قرآن کریم میں ہے ''**فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد**'' یہاں بھی ''ما'' کو ارادہ کے ساتھ مقید فرمایا، آیت کریمہ ہے **لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض** (اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) آپ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین کی چیزیں کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور کچھ نہیں، قرآن مجید میں ہے، ''**یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ**'' (اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے) قرآن حکیم میں ہے ''**یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَام**'' کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی ناقص ہے، اس وقت ہم بھی جان لیں گے کہ جو اللہ کو جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے اس کا کرنے والا نہیں مانتا، وہ **علمت ماکان ومایکون** میں عام مخصوص منہ البعض کہہ کر اگر ''علم ماکان ومایکون'' نہیں مانتا تو معذور ہے''- (مختصراً، ص ۱۱۵، ۱۲۸)

ان بحثوں اور آیتوں سے استشہاد کا منشا یہ ہے کہ حدیث پاک **علمت ماکان ومایکون** اصول کے اعتبار سے عام مخصوص منہ البعض نہیں، کیونکہ ان مذکورہ آیتوں میں جن میں لفظ ''ما'' موجود ہے اس سے پہلے لفظ ''جمیع'' یا لفظ ''کل'' ہرگز نہیں ہے اور کسی آیت میں بھی ''ما'' اپنے اس عموم وضع وتعبیر پر نہیں ہے، اور ہر آیت میں اعتقادیات کی تعلیم ہے، غرض ہر وہ چیز جو حدیث پاک ''علمت ماکان ومایکون'' میں ہے وہ ان آیات مذکورہ میں بھی ہے، ٹھیک ٹھیک ان آیتوں اور حدیث کے الفاظ کا ایک ہی حال ہے تو کیا دیوبندی مکتب فکر کے حامیوں میں یہ تاب ہے کہ جن وجوہ کی بنا پر حدیث پاک کو ظنی کہہ کر باب عقائد میں ناقابل اعتبار ٹھہراتے ہیں اسی طرح ان آیتوں کو بھی ناقابل اعتبار بتائیں، لہٰذا ثابت کہ حدیث پاک اپنے مفہوم میں قطعی الدلالۃ ہے-

دیوبندی مناظر ان بحثوں سے ایسا حواس باختہ ہوا کہ بار بار پانی طلب کرنے لگا، جب کوئی جواب نہ بن سکا تو یہ کہہ کر اپنی پریشانی دور کرنی چاہی کہ جن امور کا تعلق عقائد سے ہے ان کا دلائل قطعیہ سے ثابت ہونا ضروری ہے، اس پر مناظر اہل سنت حضرت محدث اعظم ہند نے جو متکلمانہ گفتگو فرمائی ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے-

دیوبندی مناظر کو اسی طرح سمجھایا ہے جیسے کوئی اپنے کم فہم طالب علم کو سمجھاتا ہے، وہ اقتباس ملاحظہ ہو:

”درحقیقت آپ کو شرح عقائد کے اس جملہ سے غلط فہمی ہوگئی ہے کہ ”لاعبرۃ“ بالظن فی باب الاعتقادیات“ میں چاہتا ہوں کہ اسی بنیاد کا جواب دے دوں اور طول کلام سے بچوں، کوئی شبہ نہیں کہ عقائد اور وہ عقائد جس کے انکار پر تکفیر کی جائے، ان کا ثبوت دلیل قطعی سے ہونا ضروری ہے، خواہ وہ آیت قرآنیہ ہو یا حدیث متواتر جو مفید قطع و یقین ہوتے ہیں، لیکن آپ سمجھ لیجیے کہ ایسے بھی عقائد ہیں جن کے انکار پر تکفیر نہیں کی گئی ہے اور کتب عقائد میں باب عقائد میں ان کا ذکر ہے اور وہ کسی نص قطعی کے خلاف بھی نہیں ہیں، مثلاً شب معراج حضور کا آسمانی سفر فرمانا، شرح عقائد نسفی اٹھا کر دیکھیے نہ اس کو آیت قرآنیہ سے ثابت کیا ہے، نہ حدیث متواتر سے، بلکہ اس کی تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ حدیث مشہور سے ثابت ہے اور میں آپ سے پھر کہتا ہوں کہ اصول الشاشی، نور الانوار کو پھر اٹھا کر دیکھیے کہ حدیث مشہور مفید قطعیت نہیں ہے، اور پھر اگر میں آپ سے عقائد کی فہرست جو شرح عقائد میں ہے طلب کروں جس میں عقائد متعلق کا بعد الخلافۃ و در بارۂ جواز لعن بر یزید وغیرہا کتنے عقائد ہیں کہ دلیل قطعی سے جن کا ثبوت نہیں، بلکہ بعض عقائد ایسے ہیں کہ علما کا اختلاف ان میں چلا آ رہا ہے، بہرحال واضح ہوگیا کہ جن عقائد کے انکار پر تکفیر لازم آتی ہے وہی عقائد ایسے ہیں کہ ظنیات پر ان کا مدار نہیں، لیکن یہ بڑی جرأت کی بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ فرمائیں اور ہم تک وہ ارشاد پہنچے، اس میں کسی دلیل قطعی کا انکار نہ ہو تو ظنی کہہ کر اس سے انکار کر دیا جائے، بیشک آحاد اگرچہ درجۂ صحت پر پہنچے ہوں، باب عقائد میں مضمحل ہو جاتے ہیں، اگر منافی دلیل قطعی ہوں“۔

(ص ۱۱۶، ۱۱۷ مناظرہ سنی و وہابیہ)

محدث اعظم ہند نے تحریر و قلم کے ذریعہ بھی داعیانہ، مبلغانہ و مناظرانہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، آپ نے اردو زبان میں قرآن کریم کا سلیس ترجمہ کیا، کئی پارے کی تفسیر رقم فرمائی کہ آپ کا وصال ہوگیا، (باقی پاروں کی تفسیر کو پورا کرنے کی ذمہ داری ان کے صاحب زادہ و جانشین رئیس المحققین علامہ مفتی سید محمد مدنی اشرفی جیلانی نے لے رکھی ہے، جو اس کام میں دل کی گہرائی سے لگے ہوئے ہیں) آپ نے متعدد موضوعات پر کتابیں لکھیں، رسائل تحریر کیے، سعودی حکمراں ابن سعود نے جب حرمین شریفین میں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ان پر سخت و شدید مظالم ڈھائے اور ہندوستان کے وہابیوں و دیوبندیوں نے سعودی حق نمک ادا کرتے ہوئے اس ظلم و زیادتی کو جائز ٹھہرایا اور مسلمانان عالم کے نزدیک ابن سعود کی بگڑی ہوئی ساکھ بحال کرنے کی غرض سے مضامین لکھے، کتابیں لکھیں تو محدث اعظم علیہ الرحمہ نے تحریک کے ذریعہ بھی سعودی حکمراں ابن سعود کی ظلم و زیادتی کی سخت مذمت کی قراردادیں پاس کیں، ارباب حکومت کو تجاویز بھیجیں، سعودی طرف دار وہابیائی تحریر کے جواب میں قلم برق بار استعمال کیا، آج بھی محدث اعظم ہند کی جوابی و سوالاتی تحریر ”تقوی القلوب“ جس کا پورا نام **و من یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب** ہے، کے جواب سے پوری وہابی، دیوبندی برادری عاجز کی، قارئین کے لیے سخت حیرت کی بات ہوگی کہ جب بات ابن سعود یا ابن عبدالوہاب نجدی جیسے وہابی آقاوں کی آتی ہے تو تاریخی و زمینی حقائق کو مسخ کرتے ہوئے ایسے مفروضے باآسانی تیار کر لیے جاتے ہیں، جن سے ان آقاوں کی توصیف و ثنا ہو، اس میں کمی واقع نہ ہو، مگر جب بات اللہ عزوجل کے محبوب سارے جگ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آتی ہے تو یہاں مدح و ثنا پر مشتمل تاریخی اور زمینی و روایتی حقائق پر پردہ ڈال کر ایسی گفتگو کی جاتی ہے اور ایسا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے کہ جس سے ذات رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اوصاف و کمالات میں نقص و کمی واقع ہو، یہ طرز فکر نبی کریم علیہ السلام کے دامن سے وابستہ کسی سچے امتی کا ہو ہی نہیں سکتا۔

ایسے خیال و فکر والوں کا محدث اعظم ہند نے سخت محاسبہ کیا، محدث اعظم ہند نے تحریری طور پر جو دین و سنیت کی خدمت کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، ان کو دعوت و تبلیغ اور مناظرے کے کاموں سے خدا جانے کب تصنیف و تالیف کے لیے فرصت ملتی تھی۔ وہ کچھوچھہ شریف سے ”ماہنامہ اشرفی“ بھی نکالتے تھے، جس کے لیے مضامین تحریر کرتے، دوسروں کے مضامین کی ترتیب، پھر اس کی اشاعت فرماتے، یہ اس دور کی بات ہے جب کتابوں اور رسالوں کی اشاعت آسان کام نہ تھا، آپ نے شدھی تحریک کے خاتمہ کے لیے بھی شب و روز سفر کیا، اور قریہ قریہ، دیہات دیہات جا کر مسلمانوں کو شدھی تحریک کے فتنہ سے باخبر کیا اور اسلام کی حقانیت کو اپنی شان خطابت سے واضح کیا، اور

شدھی کے ناپاک اثرات کو مٹانے کی سعی پیہم فرمائی، یہ سب حضرت محدث اعظم ہند کے ایسے داعیانہ و مبلغانہ کردار ہیں جنہیں اہل سنت رہتی دنیا تک فراموش نہیں کر سکتے۔

مولانا محمد محبوب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت کے ساتھ بہت سے جلسوں میں شریک ہوتے، اور محدث اعظم ہند کے شب و روز کے حالات سے آگاہ تھے، وہ فرماتے ہیں:

''پوری شب کا آرام تو کبھی میسر ہی نہیں آیا، اس لیے اکثر فرمایا کرتے تھے، عالم یا تو صرف رات کا مقرر ہو یا صرف دن کا پیر ہو تو آرام پا سکتا ہے اور جو شخص رات کا مقرر اور دن کا پیر ہو تو اس کو کہاں آرام مل سکتا ہے، چنانچہ حضرت قبلہ گاہی کا یہی حال تھا کہ جہاں تشریف لے جاتے دن بھر مریدین و معتقدین اور حاجت مندوں کا ہجوم رہتا اور شب میں جلسوں کی شرکت، جلسوں کے اختتام کے بعد بھی پروانے گھیرے رہتے اور آرام کے لیے بہت ہی کم وقت ملتا تھا، کبھی کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ پوری شب علمی مذاکرے اور اللہ والوں اور اولیائے کرام کے تذکرے میں گذر جاتی تھیں، اور آرام کا موقع نہیں ملتا تھا اور عشا کے وضو سے نماز فجر ادا فرماتے تھے، ایک مرتبہ یہی بات حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے مئو کے اسٹیشن پر فرمائی تھی، حضرت مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب اعظمی بھی موجود تھے، حضرت صدر الشریعہ نے تکالیف سفر کے ذکر پر فرمایا کہ مسلسل سفر کرنا اور دن رات جاگنا اور بیان کرنا، حضرت محدث اعظم ہی کا کام ہے اور درحقیقت یہ ان کی کرامت ہے، عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے''۔

(المیزان کا محدث اعظم نمبر، ص:۸۵)

درج بالا اقتباسات کی روشنی میں حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی داعیانہ، مبلغانہ اور مناظرانہ پہلو کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، یہ تو محض مشتے نمونہ از خروارے ہے، تفصیل کا موقع میسر ہوتا تو ہم ان کے داعیانہ و مناظرانہ مہارت کے مزید دلائل و شواہد پیش کرتے، سر دست اتنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے، متعلقہ موضوع پر ان کی تصنیف کردہ کتابیں، رسائل اور مناظرہ کی روداد سے ان کی مناظرانہ عظمت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

□□□

بقیہ: محدث اعظم ہند کی محدثانہ بصیرت

حدیث نبش قبور کے معنی ظاہر ہیں اور وہ کفار کی قبروں کو کھود کر پھینک کر برابر کر دینے کا جواز ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر کفار کی قبریں خواہ انبیا علیہم السلام کی قبریں ہوں یا مسلمانوں کی ان کو کھود کر برابر کر دینا ناجائز ہے کیونکہ اس میں ان کی توہین ہے لہذا احرام ہے کیونکہ مسلمان کی عزت مردہ ہو یا زندہ کبھی زائل نہیں ہوتی۔ کیا جناب استاد اب بھی کہیں گے کہ معاذ اللہ حضرت عمر نے حضرت دانیال نبی کی قبر اور حضرت علی نے مسلمانوں اور صحابہ کرام کی قبریں کھود کر برابر کر دی تھیں اور پھر امید رکھیں گے کہ مسلمانوں بالخصوص حنفیوں سے اپنی بات منوالیں۔ حضرت علی کا قبورِ مسلمین کے ساتھ طرز عمل دیکھنا ہو تو خاتون جنت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء کا برتاؤ دیکھو کہ صحبت مولی کا کیا اثر ہوا تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے **كانت فاطمة تاتي قبر حمزة ترممه و تصلحه** حضرت فاطمہ حضرت امیر حمزہ کی قبر پر آیا کرتیں (تو کھود کر پھینک نہ دیتیں بلکہ) اس کی مرمت اور درستگی فرماتی رہتیں کیا اس سے بڑھ کر قبور مسلمین کی بلندی و احترام کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے؟ اور اس کو کیا عرض کروں کہ اس ''حدیث تسویہ'' میں بھی قبہ و عمارت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور بنے ہوئے قبوں کا گرانا تو ہرگز ہرگز کسی آیہ و حدیث میں اشارۃً بھی مذکور نہیں ہے''۔

(تقوی القلوب، ص:۷۰تا۷۴)

محدث اعظم ہند کی چند کتابیں راقم کے مطالعہ سے گزریں۔ مثلاً تقوی القلوب، نوک تیر بر جگر بے پیر، قہر قہار بر روئے ناہنجار، اتمام حجت، مناظرۂ گھوسی، مناظرۂ کچھوچھہ۔ ان میں سے بعض کتب مولانا سیف خالد اشرفی کے توسط سے مجھے پہنچیں۔ ان کتابوں میں محدث اعظم کی محدثانہ بصیرت کے عنوان پر اتنا مواد موجود ہے کہ ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے میں نے صرف ''تقوی القلوب'' سے اقتباسات لیے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ محدث اعظم کی تمام کتابوں کی جدید انداز میں تسہیل، تخریج، تحقیق کے ساتھ اشاعت ہو، تاکہ علم و فضل کے اس روشن ستارے سے دنیائے علم و فن کو روشنی حاصل ہوتی رہے۔ □□□

مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی☆

محدث اعظم ہند کی محدثانہ بصیرت

علم حدیث اس لحاظ سے تمام علوم سے افضل ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کی تشریح وتفسیر ہے- حاملینِ حدیث کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی -آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ اس بندے کو ہرا بھرا رکھے جس نے میری بات (حدیث) سن کر اسے محفوظ رکھا اور دوسروں تک پہنچایا-

(ترمذی کتاب العلم حدیث نمبر ۲۶۵۶، ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۰۵۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی -"اے اللہ ہمارے خلفاء پر رحم فرما - ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ ہیں جو میری احادیث کی روایت کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے ہیں (ارشاد الساری، ج:۱، ص:۱۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے-"بے شک قیامت کے دن وہ شخص سب سے زیادہ میرے قریب ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھنے والا ہے-" حدیث مذکور کے متعلق محدث ابن حبان نے یہ لکھا "حدیث مذکور میں اس بات کا صحیح بیان ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب "اصحاب الحدیث" (محدثین) ہوں گے - کیوں کہ اس امت میں محدثین سے زیادہ آپ پر درود پڑھنے والا کوئی گروہ نہیں- یہی بات محدث ابونعیم نے بھی کہی ہے-

(صحیح ابن حبان، ج:۳، ص:۱۹۲، حدیث نمبر:۹۱۱)

تبلیغِ احادیث کے حوالے سے محدثین کے دو گروہ ہیں: (۱) نقل وروایت والے (۲) فقہ ودرایت والے- ہر گروہ کا منصب اور ذمہ داری بھی الگ الگ ہے- وہ محدثین جن کا منصب نقل وروایت حدیث ہے، ان کی ذمہ داری فقط اتنی ہے کہ روایت حدیث سے متعلق امور کی چھان بین کریں- راویان حدیث کی ثقاہت وعدم ثقاہت، سند کا اتصال وانقطاع، صحت وضعف وغیرہ کی تحقیق کرکے باعتبار سند احادیث کے مراتب متعین کریں- ایسے محدثین کی اہمیت وفضیلت بھی مسلم ہے لیکن وہ محدثین جنہوں نے احادیث کو ان کی فقہی ودرایتی حیثیت سے اپنا موضوع بنایا ہے وہ پہلے طبقے کے محدثین سے دو چند فضیلت رکھتے ہیں - یہ فضیلت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ظاہر ہے: **فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو منه افقه**- بعض حامل فقہ (حدیث) فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حاملین فقہ اپنے سے بڑے فقیہ تک اپنی فقہ کو پہنچانے والے ہوتے ہیں- (مجمع الزوائد ۱/۱۳۸) "اللہ جس کو خیر عطا فرمانا چاہتا ہے اسے دین کی فقہ (دینی احکام کا علم) عطا فرماتا ہے (صحیح بخاری کتاب العلم حدیث نمبر ۷۱) "ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے" (سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۲۶۸۱)- "دو خصلتیں کسی منافق کے اندر جمع نہیں ہوتیں- حسنِ خلق اور فقہِ دین (ترمذی حدیث ۲۶۸۴) "دین کا فقیہ آدمی کتنا اچھا ہے، جب کوئی اس کے پاس شرعی حاجت لے کر پہنچتا ہے تو اس کو فائدہ پہنچاتا ہے اور اگر اس سے بے نیازی اختیار کی جاتی ہے تو وہ اپنے آپ کو (مخلوق) سے بے نیاز کر لیتا ہے (شعب الایمان حدیث ۱۵۹۱) محدثین کے دوسرے گروہ کو فقہا کہا جاتا ہے- جتنے فقہاء کرام گزرے سب کے سب محدث بھی تھے کہ ہر فقیہ کا محدث ہونا ضروری اور ہر محدث کا فقیہ ہونا ضروری نہیں- فقیہ محدث کی فضیلت کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جس حدیث کو فقہا کے مابین قبولیت عامہ حاصل ہو وہ حدیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہے جو غیر فقیہ محدثین کے درمیان مقبول ہو- امام سیوطی نے تدریب الراوی میں ابن عباس کے حوالے سے لکھا: **الحديث الذى يتدا وله الفقهاء خير من الحديث الذى يتداوله الشيوخ**- امام زرکشی کے حوالے سے لکھا: **اما الفقهاء فاسم المحدث عندهم لا يطلق اِلّاعلى من حفظ سند الحديث و علم عدالة رجاله و جرحها دون المقتصر على السماع**-"

فقیہ محدثین میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی متوفی ۱۵۰ھ، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم متوفی ۱۸۲ھ، امام محمد ابن حسن بن فر

☆Head Mufti:Darul Uloom Imam Ahmed Raza,Yaqoot Pura,Hyderabad(A.P_

قد الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ، امام مالک بن انس بن مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ امام ابوجعفر احمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ کے نام کو ممتاز حیثیت حاصل ہے -ان ائمہ محدثین کو ''فقہا'' اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے ''روایت احادیث'' کو اپنا خاص منصب نہیں بنایا بلکہ ''درایت وفقہ الحدیث، کو اپنا خاص مشغلہ بنایا اور امت مسلمہ کی آسانی کے لیے احادیث کریمہ سے شرعی احکام کے استخراج واستنباط میں اپنی عمریں گزاردیں-

انہیں محدثین کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کر کے چودھویں صدی ہجری کے افقِ علم حدیث پر طلوع ہونے والے ستاروں میں علامہ سید محمد کچھوچھوی متوفی ۱۳۸۱ھ کے نام کو بہت نمایاں مقام حاصل ہے- یہ بات اپنوں اور غیروں میں محتاجِ بیان نہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں اہل سنت کے سب سے ممتاز واعظ وخطیب اعظم تھے اس کے علاوہ یہ دعوی بھی اپنے پیچھے مضبوط دلیل رکھتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے ''محدث اعظم'' بھی تھے- خداداد دیانت، مضبوط حافظہ، فکری گہرائی وگیرائی اس پر محدث سورتی اور امام احمد رضا جیسے محدثین وفقہا کی شاگردی نے آپ کو علم حدیث میں تبحر وکمال عطا کردیا تھا -اس مختصر سے مقالے میں محدث اعظم ہند'' کے محدثانہ مقام کو آپ کے علمی افادات کی روشنی میں اجاگر کرنے کی کوشش کروں گا-

محدث اعظم کی خدمت میں ۱۹۲۵ء میں حضرت میر غلام بھیک نیرنگ خلیفہ اعلی حضرت سید علی حسین اشرفی میاں نے درج ذیل استفتا بھیجا-

''بخدمت حضرت ابوالمحامد سید محمد صاحب محدث اشرفی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت ابن سعود کی حمایت میں بعض لوگوں نے فتوے اور تحقیقی مضامین بھی شائع کیے ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ جو آثار مکہ معظّمہ میں منہدم کیے گیے، بروئے تاریخ وحدیث وسیران کی کوئی اصلیت نہ تھی- پانچویں چھٹی صدی میں لوگوں نے ان کو بنالیا تھا- ان میں مشرکانہ حرکات ہوتی تھیں اس واسطے ان کا توڑ ڈالنا نہ صرف مباح تھا بلکہ واجب تھا- قبروں کو پختہ بنانا یا بلند کرنا ان پر عمارت وقبب (قبے) تعمیر کرنا قبروں پر چادریں اور غلاف ڈالنا سب کچھ بروئے احادیث واقوال فقہا حرام ہے اور جن عمارات کا وجود معصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرادف ہے ان کا گرانا حدیث: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ کی تعمیل اور واجب ہے -لہذا ابن سعود نے جو کچھ کیا درست کیا- وہ محی السنہ (سنت کو زندہ کرنے والا) ہے اور ہرگز ہرگز قابل ملامت نہیں- یہ سب تحریریں جمع کر کے آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجتا ہوں کے آپ اس مضمون پر ایک محققانہ تحریر مرتب فرما کر مجھ کو عنایت فرمائیں والسلام'' -

بندہ غلام بھیک نیرنگ

معتمد عمومی جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام صدر دفتر انبالہ

۴ رستمبر ۱۹۲۰ھ

آثارِ مبارکہ کے انہدام کی تائید اور ابن سعود کی حمایت میں فتوی دینے والے علماء میں مولانا سلیمان ندوی، مولانا عبدالحی فاروقی جامعہ ملیہ دہلی اور مولانا کفایت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی کے نام سرفہرست تھے-

محدث اعظم ہند نے استفتا میں مذکور سوال کا تفصیلی اور تحقیقی مسکت جواب دیا جو ۱۹۲۵ء ہی میں ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ''تقوی القلوب'' کے نام سے شائع ہوا -جواب مذکور کا ایک ایک اقتباس ''محدث اعظم'' کی غیر معمولی ناقدانہ صلاحیت، محدثانہ مقام، نیز ان کی فقہی بصیرت کو ثابت کرتا ہے ''تقوی القلوب'' کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ احادیث واسناد کے ساتھ ساتھ کتب اصول وفقہ اور سیر و تاریخ پر بھی آپ کی وسیع اور گہری نظر تھی- مولانا سلیمان ندوی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جناب علامہ کے فتوے کو ہم نے اول سے آخر تک بغور پڑھا تو نہ کوئی آیہ قرآنیہ پر نظر پڑی، نہ کوئی حدیث ہی ملی، نہ کسی اجماع کا اس میں تذکرہ، نہ فقہ حنفی کی کوئی تصریح ہے- یعنی اپنے مدعا کے لیے نہ کتاب پیش کی نہ سنت نہ اجماع ذکر کیا نہ قیاسِ مجتہد اور ان ادلہ اربعہ کے سوا شرعا مقام ثبوت میں کسی پانچویں امر کی گنجائش ہو، اس کو مقلد تو مقلد کسی غیر مقلد کو بھی اصولاً تسلیم نہ ہوگا''-

علامہ ندوی صاحب نے ابن سعود کی حمایت میں جو کچھ لکھا تھا اس پر نقد وجرح کرتے ہوئے محدث اعظم تحریر فرماتے ہیں:

''اور (علامہ کا) صرف یہ فرمادینا کہ قبروں پر عمارات کی تعمیر اور قبوں کے بنانے کے متعلق صحیح احادیث میں جو ممانعت کے احکام ہیں ان کی تفصیل ایک مبسوط مضمون کی طالب ہے- ایک مسلمان کو دھمکی دینے کے لیے کافی زیادہ الفاظ ہیں، لیکن صرف دھمکی سے کسی مسئلہ کی شرعی

صورت کا طے ہو جانا اگر کسی کے نزدیک امر معقول ہو تو ہو پھر بھی بلا شبہ ہے انوکھی بات، جو مثال سابق سے غالبا منزہ ہے- کاش علامہ ''احادیث'' فرما کر دو ہی حدیث لکھ دیتے، نہیں نہیں ایک ہی حدیث تحریر فرما دیتے تو ہم بھی غور کرتے کہ کس کتاب کی حدیث ہے، وہ صحت کا درجہ کہاں تک رکھتی ہے، مدعا کے لیے مقام استدلال میں کہاں تک مفید ہے''؟

علامہ ندوی صاحب نے آثارِ مبارکہ، مساجد مکہ معظّمہ و مقابرِ صحابہ اور قبور کے گرانے کے جواز پر کوئی قرآنی آیت یا حدیث پیش نہیں کی تھی بلکہ صرف کتبِ تاریخ کے حوالے سے آثارِ مبارکہ و مساجد مکہ مکرمہ کے مقامات کی تعیین کو مشکوک مان کر ان کے انہدام کو جائز ٹھہرایا تھا- اس پر محدث اعظم کی گرفت ملاحظہ کیجئے:

''جس اسلام میں حدیث شریف جو کہ دلائل شرعیہ کی ترتیب میں دوسرے درجے پر ہے، کی اس قدر چھان بین ہوتی ہے کہ کسی معتبر کتاب میں ہو، اس کو صحیح کہا گیا ہو، اس کی سند مذکور ہو، اس میں نقد و جرح کے بعد وہ قابل صحت ہو اور بے سند حدیث تو شترِ بے مہار ہے، اس اسلام میں تاریخی بے سند رطب و یابس کی بھلا کیا وقعت ہو سکتی ہے - میں یہ نہیں کہتا کہ جناب علامہ کا ''سرمایہ افتخار'' فن تاریخ نہیں ہے، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ مذہبی مسائل میں اس کو ''صرف'' کرنا مسلمانوں کے نزدیک بے محل بات ہے اور تفریقِ امت و تشتتِ امر کا پیش خیمہ ہے''- (تقوی القلوب ص۱۴)

پھر دلائل شرعیہ میں تاریخ کی بے اعتباری پر دلائل شرعیہ ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کے پاس تاریخ ہے اور ہمارے پاس شرعی دلیل اور بینہ شرعیہ یعنی شہرت و اجماع اہل حرمین ہے-

تو وطوبیٰ و ما و قامت دوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(ص۱۷)

علامہ ندوی صاحب نے یہ لکھا تھا کہ مکۃ المکرّمہ میں مزار اٰمنہ (رضی اللہ عنہا) ہونا درست نہیں بلکہ وہ مکہ سے باہر مدینہ سے قریب مقام ابواء میں مدفون ہوئیں- یہ بات ہر وہ شخص جانتا ہے جسے حدیث وسیر کی تھوڑی بھی واقفیت ہے- اس پر محدث اعظم کا نقد و جرح ملاحظہ کیجیے:

''کاش! جہاں حدیث وسیر کا نام لیا تھا وہاں حدیث وسیر کی عبارت بھی لکھ دیتے یا کم از کم کسی معتبر و مشہور کتاب کا حوالہ ہی دے دیتے تو دوسروں کو سوچنے کا موقع ملتا کہ آپ کی روایت کا درجہ کیا ہے، قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس کے بغیر محض حدیث وسیر کا نام ہی لے لینا کسی مذہبی آدمی کو تو کیا بلکہ بے دین سے بے دین مورخ کو بھی دبا نہیں سکتا- اب آپ اس کے متعلق ہم سے سینے کہ آپ کے پاس حدیث وسیر کی جو روایت ہے اس میں حضرت آمنہ کے کفر کا تذکرہ اور جو روایت بھی اس مضمون کی ہے خواہ حدیث ہی کیوں نہ ہو خواہ وہ حدیث درجۂ صحت کو پہنچ چکی ہو مگر ائمہ اسلام کے نزدیک منسوخ ہے اور نا قابل احتجاج ہے اگرچہ حدیث ''احیاء ابوین کریمین'' (آنحضرت ﷺ کے والدین کے زندہ کیے جانے اور ایمان لانے کی حدیث) جو ناسخ ہے اس درجہ کی نہ ہو-''

پھر ائمہ حدیث و حفاظ حدیث کے حوالے سے اپنے دعوی کو ثابت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ملاحظہ ہو کہ اکابر ائمہ کرام و اعاظمِ محدثین اعلام مثلاً امام ابن عساکر، امام ابن شاہین، ابوبکر خطیب بغدادی، امام سہیلی، امام محبّ الدین طبری، علامہ ناصر الدین ابن المنیر، علامہ ابن سید الناس و حافظ ابن ناصر و خاتم الحفاظ علامہ زرقانی وغیرہم علما عظام حدیث ''احیاء ابوین و ایمانهما'' کو آپ کی روایت کا ناسخ فرما رہے ہیں اور آپ ہم کو ایک منسوخ حکایت کے ماننے پر مجبور کر رہے ہیں- جب آپ کی روایت منسوخ ہوئی اور پھر آپ کے خلاف بینۂ شرعیہ ''شہرت'' موجود ہے، نیز درایت کا فیصلہ ہے کہ حضرت اٰمنہ مکیہ تھیں، ہجرت سے پہلے حضور کی صغرسنی میں انتقال فرما چکی تھیں جس سے پہلے مدینہ و ابواء کے سفر کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی- تو اب ہم کو جناب علامہ ہی بتائیں کہ یہ تاریخ کے کس روز کا واقعہ ہے کہ حضرت آمنہ مکہ سے ابواء تشریف لے گئیں اور ان کو وہیں موت آئی اور وہیں دفن ہوئیں- مگر کسی منسوخ حکایت کو نہ بیان فرمایا جائے بلکہ ایسی بات ہو جو شہرت و درایت کا کچھ تو مقابلہ کر سکے اور بے سند حوالہ نہ ہو-''

حضرت آمنہ کے مکہ سے باہر مقام ابواء میں مدفون ہونے کے قول کو باطل قرار دیتے ہوئے مزید دلیل ذکر کرتے ہیں:

''جناب علامہ سے یہ بھی عرض کروں کہ آپ کی نظر جس حدیث پر ہے وہ مسلم کی روایت ہے اور مشکوۃ میں آپ نے دیکھ لی ہے- اس

میں ابواء میں دفن ہونے کا تذکرہ کیا اشارہ بھی نہیں ہے ، نہ ابواء کا جغرافیہ ہی حدیث میں ہے کہ ایشیا میں ہے یا افریقہ میں ہے، لہٰذا یہ نہ فرمایے کہ حضرت آمنہ کا ابواء میں مدفون ہونا حدیث سے ثابت ہے، ہاں یوں کہیے کہ حاشیۂ جدیدہ میں حوالہ ’’مرقاۃ‘‘ لکھ دیا ہے کہ قبر حضرت آمنہ ابواء میں ہے، جو اگر صحیح روایت بھی ہو تو ایک تاریخی اختلاف ہے جس کے نظائر کی بہتات ہے، شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی) نے مدارج میں جناب علامہ کی روایت کے بعد فرمایا ہے کہ ’’در روایتے آمدہ است کہ قبر آمنہ در حجون است بمکہ در جانب معلیٰ‘‘ اور شہرت و درایت چوں کہ مکہ میں قبر ہونے کی جانب ہے لہٰذا روایت علامہ اس سے تصادم نہیں کر سکتی - نیز ابن ابی الدنیا سے عینی میں روایت ہے، زارالشارع علیه السلام قبرامه يو م الفتح ‘‘-اب فرمایے کہ کیا فتح مکہ کے دن حضور ابواء میں تھے- یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مزار حضرت آمنہ کو ابواء میں بتاتے ہیں وہ ابواء کو اسی معلیٰ کا دوسرا نام قرار دیتے ہیں، فلا تعارض -(تقوی القلوب: ص۲۴،۲۵،۲۶)

جناب ندوی صاحب نے مکۃ المکرّمہ میں واقع مسجد جن کو ابن سعود کے ذریعہ ڈھائے جانے کی تائید میں یہ لکھا تھا کہ مکۃ المکرّمہ میں نبی ﷺ پر جنوں کے ایمان لانے کا واقعہ حدیث و سیر کی کتابوں میں نہیں بلکہ جنوں کے ایمان لانے کا ایک واقعہ مکۃ المکرّمہ سے باہر ایک شب کے راستے پر مقام نخلہ میں پیش آیا اور دوسرا واقعہ مدینہ منورہ سے باہر میدان میں پیش آیا، لہٰذا مسجد جن فرضی ہے، اس کا ڈھانا درست ہے-

جناب ندوی صاحب کے اس دعویٰ کو جس انداز سے تار عنکبوت ثابت فرمایا ہے اس سے کتبِ متونِ احادیث و شروح، تفاسیر و سیر اور تاریخ پر آپ کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے - ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

’’جناب علامہ نے اپنے اس ارشاد کو کہ ’’دوسرا واقعہ جنوں کی آمد کا مدینہ منورہ کے باہر میدان میں گزرا ہے جب آپ نے حضرت ابن مسعود کو دائرہ کھینچ کر ایک جگہ بٹھایا ہے کہاں ملاحظہ فرمایا ہے، یہ حکایت کس کتاب میں دیکھی ہے اور کیا وہ کتاب فنا تو نہیں ہوگئی ؟ کہ ہم بھی مستفید ہوتے اور جناب علامہ کو دعائیں دیتے مگر ہمیں امید نہیں کہ جناب علامہ جود و کرم سے کام لے کر ہم کو کتاب کا نام بھی بتائیں- اور امید کیسے ہو کہ تفسیر کبیر سورۂ جن میں اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے جس کو ہم ناظرین کے سامنے رکھ کر فیصلہ چاہتے ہیں کہ ہماری ناامیدی کیا بے جا ہے؟ اصل عبارت یہ ہے:

’’قال ابن مسعود قال عليه السلام امرت ان اتلوالقرآن على الجن فمن يذهب معى فسكتوا ثم قال الثانية فسكتوا ثم الثالثة فقال عبدالله انا اذهب معک يا رسول الله قال فانطلق حتىٰ اذاجاء الحجون عند شعب بن ابى دب خط على خطا فقال لاتجاوزه ثم مضى الى الحجون فانخدروا عليه امثال الحجل كانهم رجال الزط يقرعون فى دفوفهم كما تقرع النسوة فى دفوفهن حتى غشوه فغاب عن بصرى فقمت فاومأ الى بيده ان اجلس ثم تلا القرآن ثم لم يزل صوته يرتفع و لصقوا با لارض حتى صرت اسمع صوتهم ولا اراهم و فى رواية اخرى قالوالرسول اللهﷺ ما انت قال انا نبى الله قالوا فمن يشهدلک على ذالک قال هذه الشجرة (ثم قال) تعالى يا شجرة فجاء ت تجرعروقها لها قعاقع حتى انتصبت بين يديه فقال على ماذاتشهد ين لى قالت اشهدانک رسول ﷺ قال اذهب فرجعت كما جاء ت حتى صارت كما كانت ، قال ابن مسعود فلما عادالى قال اردت ان تاتينى قلت نعم قال ماكان ذالک لک، هؤلاء الجن اتوايستمعون القرآن ثم ولوا الى قومهم منذرين فسألونى الزادفزودتهم العظم والبعر فلا يستطيبن احد بعظم ولا بعر‘‘-

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو حکم کیا گیا کہ قرآن کریم کو قوم جن پر تلاوت کروں، تو میرے ساتھ کون چلتا ہے؟ اس پر لوگ چپ رہے- آپ نے دوبارہ فرمایا پھر بھی لوگ چپ رہے- آپ نے سہ بارہ فرمایا تو عبداللہ ابن مسعود نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں آپ کے ساتھ رہوں گا- عبداللہ ابن مسعود کا بیان ہے کہ حضور چلے یہاں تک کہ جب حجون آگیا، شعب ابن ابی دب کے پاس، تو حضور نے میرے گرد دائرہ کھینچ دیا پھر فرمایا کہ اس سے آگے نہ بڑھنا، پھر آپ حجون کی طرف گئے اور قوم جن طائر کبک (چکور پرندہ) کی طرح آپ پر اتری گویا قوم

’’زط‘‘ کے لوگ تھے‘ اپنے دفوں کو بجاتے ہوئے جیسے عورتیں بجاتی ہیں یہاں تک کہ حضور کو ڈھانپ لیا، آپ میری نگاہ سے چھپ گئے- میں کھڑا ہوگیا- حضور نے اشارہ سے فرمایا کہ بیٹھو پھر تلاوت قرآن فرمائی -آپ کی آواز برابر بڑھتی جاتی تھی- سارے جن زمین پر بچھ گئے، پھر میں ان کی بولی سنتا تھا مگر دیکھتا نہیں تھا- دوسری روایت میں ہے کہ پھر جنوں نے نبی ﷺ سے کہا آپ کیا ہیں؟ فرمایا: میں اللہ کا نبی ہوں- بولے اس پر گواہ کون ہے؟ فرمایا: یہ درخت- پھر درخت سے فرمایا اے درخت ادھر آ، درخت مع جڑ کے چلا آیا- اس کی آواز سخت تھی، یہاں تک کہ سامنے کھڑا ہوگیا، آپ نے فرمایا میرے حق میں تو کس بات کا گواہ ہے؟ بولا میں گواہ ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، فرمایا: اب تو چلا جا، درخت جیسا آیا تھا ویسا چلا گیا اور جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا- ابن مسعود کا بیان ہے کہ جب حضور لوٹ کر تشریف لائے تو فرمایا کہ تم میرے پاس آنا چاہتے تھے، میں نے عرض کیا ہاں! فرمایا: یہ تمہارے لیے نہ تھا- قوم جن آئی تھی کہ قرآن کریم سنیں، اب اپنی قوم میں لوٹ گئے ان کو ڈرانے کے لیے- مجھ سے انہوں نے غذا مانگی تو میں نے ہڈی اور جانور کی مینگنی انہیں عطا کیا تو کوئی شخص ہڈی اور مینگنی سے استنجا نہ کرے-

پوری حدیث اور اس کا ترجمہ لکھنے کے بعد ندوی صاحب سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

’’یہ تو حدیث شریف کا ترجمہ ہے اس کو ایک بار پھر پڑھیے اور دیکھیے کہ عبداللہ ابن مسعود کے دائرہ میں بیٹھنے اور جنوں کے ملنے کا واقعہ حجون کا واقعہ ہے- اب تلاش کیجیے کہ حجون کس مقام کا نام ہے- الحمدللہ تعالیٰ اس تلاش میں اب زحمت نہ رہی کہ خود جناب علامہ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ کے مزار کے تذکرہ میں فرمادیا ہے کہ ’’بے شک حضرت خدیجۃ الکبریٰ حجون ہی میں جس کو معلیٰ کہتے ہیں مدفون ہوئیں‘‘- کیا اب بھی کوئی شبہ اس میں ہوسکتا ہے کہ حجون اور جنت المعلیٰ ایک ہی چیز ہے اور مسجد جن کہاں ہے؟ اس کو بھی جناب علامہ ہی کے منہ سے آپ سن چکے ہیں کہ ’’مسجد جن‘‘ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ’’یہ دوسرا حیرت انگیز مقام ہے جو معلیٰ قبرستان کے پاس واقع ہے-‘‘

پھر ’’مسجد جن‘‘ کے معلیٰ میں موجود ہونے پر محدث علی قاری کا ارشاد یوں نقل فرماتے ہیں:

’’مسجد جن معلیٰ میں ہے اور معلیٰ حجون میں اور عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جنوں سے معلیٰ میں ملاقات ہوئی، وہیں دائرہ میں بٹھائے گئے جس کے متعلق روایت مشہور ہے کہ مسجد جن اسی یادگار میں بنی ہے اور ملا علی قاری حنفی نے تو اپنے منسک میں صاف صاف اسی مسجد جن کے متعلق تصریح فرمادی ہے کہ **مسجد الجن ای موضع اجتماعه ﷺ بهم واستماعهم القرآن اوموضع ترک ابن مسعود رضی الله عنه و خط حوله** ‘‘- مسجد جن یعنی جنوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ، بارگاہ نبوی ﷺ میں اور ان کے قرآن سننے کی جگہ یا وہ مقام ہے جہاں حضرت ابن مسعود کو حضور نے چھوڑا اور ان کے گرد دائرہ کھینچا تھا- اس کی زیارت کو مستحب لکھا ہے-‘‘

ندوی صاحب نے لکھا تھا کہ جنوں کی نبی کریم ﷺ سے ملاقات کا واقعہ صرف دو مرتبہ پیش آیا تھا- محدث اعظم نے شرح بخاری عمدۃ القاری کے حوالے سے اس کی تردید فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ دو نہیں بلکہ چھ مرتبہ پیش آیا:

’’اچھا یہ بھی سن لیجیے کہ جنوں کی حاضری کا واقعہ جناب علامہ کی ’’تاریخی تحقیق‘‘ میں دو مرتبہ گزرا ہے مگر علمائے کرام اس کے متعلق کیا فرما چکے ہیں- عینی شرح صحیح بخاری میں ہے:

”ان وفادة الجن کانت ست مرات الاولیٰ قیل فیها اغتل و التمس الثانیة بالحجون، الثالثة کانت باعلیٰ مکة الضاع فی الجبال الرابعة کان ببقیع الغرقد وفی هولاء اللیالی حضر ابن مسعود و خط علیه ، الخامسة کانت خارج المدینة و حضرها الزبیر بن العوام ،السادسة کانت فی بعض اسفاره و حضرها بلال ابن الحارث “–

ملاحظہ ہو کہ جنوں کی آمد و ایمان کا واقعہ حجون میں گزرا اور وہیں عبداللہ ابن مسعود پر دائرہ کھینچا گیا اور جناب علامہ نے چھ کو دو کر دیا اور چار دبالیا اور دو میں جو واقعہ بیان کیا اس میں عبداللہ ابن مسعود کی موجودگی کو تصنیف فرمایا- غرض ایک بات ہو تو عرض کروں، نقطہ نقطہ میں تاریخ دانی کا آفتاب تاباں ہے- اس مکہ معظّمہ کے صاف وصریح واقعہ کو مدینہ طیبہ کا واقعہ بتانا اور ایک مسجد کے شہید کر دینے پر نازیبا طریقہ اختیار کرنا ہمیں نہیں معلوم کہ اس کو کیا کہنا چاہیے- اس کا انتخاب علامہ ہی کی رائے پر چھوڑتا ہوں- جناب علامہ کے اس ’’تاریخی تبحر و کمال کے جواہر‘‘ چننے کے بعد کیا ہم بھی تیور بدل کر عرض کر سکتے ہیں کہ مکہ

معظّمہ کو مدینہ منورہ کہنا تاریخ کی کون سی اصطلاح ہے؟ اللہ اکبر مکہ کے واقعہ کو مدینہ کا واقعہ بنا دینا اور تصریحات علما اور شہرت سے آنکھ پھیر لینا صرف اتنے کے لیے کہ ابن سعود مسجد کو کھود کر پھینک دے اور جناب علامہ مسلمانوں کو بے قرار بھی نہ ہونے دیں **اللھم احفظنا**۔

(تقوی القلوب: ص ۲۸، ۲۹، ۳۰،)

محدثین واصحاب سیر کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کا واقعہ چار مرتبہ ہوا۔ ان میں سے ایک مرتبہ ”جبل النور“ میں آپ کے ایام طفلی میں۔ وہاں پر ایک چھوٹی سی مسجد بنادی گئی تھی۔ جو شخص لوگوں کی نظروں سے چھپ کر بے ریا عبادت کرنا چاہتا تھا، اس پہاڑ پر واقع مسجد میں چلا جاتا تھا لیکن وہابی ونجدی عقیدے کے مطابق معاذ اللہ حصول برکت کے لیے اس مسجد کی زیارت کرنا اور اس میں نماز پڑھنا شرک یا مفضی الی الشرک ہے، اس لیے ابن سعود نے اس کو ڈھا دیا۔ علامہ ندوی نے اس نجدی فعل کو جائز بلکہ شرک شکنی کا عمل قرار دیتے ہوئے جبل النور پر شق صدر واقع ہونے سے ہی انکار کر دیا اور یہ لکھا کہ شق صدر کا واقعہ صرف دو بار ہوا۔ ایک بار بچپن میں قبیلۂ بنوسعد میں اور دوسری بار معراج کے موقع پر چاہِ زمزم کے پاس۔ علامہ ندوی کے الفاظ یہ ہیں:

”علمائے کرام جانتے ہیں کہ صحیح روایتوں کے مطابق ایک دفعہ بچپن میں سینہ مبارک شق ہوا اور یہ اس وقت جب آپ حضرت حلیمہ کے ساتھ بنوسعد کے قبیلہ میں تشریف رکھتے تھے۔ دوسرا واقعہ معراج میں گزرا اور اس وقت شق صدر چاہ زمزم کے پاس ہوا جیسا کہ صحیحین میں مذکور ہے۔“

محدث اعظم ہند نے محدثین ومفسرین کے اقوال سے ثابت فرمایا کہ ایک بار شقِ صدر کا واقعہ جبل النور پر بھی واقع ہوا اور علامہ ندوی کے دعوی کو باطل قرار دیتے ہوئے یہ ثابت فرمایا کہ شق صدر کا واقعہ ۲ بار نہیں بلکہ ۴ بار واقع ہوا ہے اور علامہ ندوی نے ۲ مرتبہ کی تعین پر صحیحین کی روایت کا جو حوالہ دیا ہے وہ غلط ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ دو جملے کہ ”علماء کرام جانتے ہیں“ اور ”صحیحین میں مذکور ہے“ اس درجہ شاندار اور بارعب ہیں کہ جیسے کسی سچی بات کو فرمایا جا رہا ہے، لیکن جب دونوں جملوں کے ابہام پر نظر کیجیے تو صاف پتہ چل جائے کہ حدیث شریف کے الفاظ کو نہ لکھنا اور علمائے کرام کے اقوال کو سند میں نہ لکھنا بے وجہ نہیں ہے۔ علمائے کرام شق صدر کے متعلق کیا جانتے ہیں وہ علامہ صاوی کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ ”فمرات الشق اربعة“ سینہ مبارک کے شق ہونے کا واقعہ چار مرتبہ گزرا ہے۔ اگر علامہ اس کو نقل فرمادیتے تو ”علمائے کرام جانتے ہیں“ کہنے کا موقع نہ ہوتا اور اگر بسلسلہ حدیث جناب علامہ لکھ دیتے کہ مسند طیالسی وحارث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ غار حرا میں بھی شق صدر ہوا تو مسلمان جناب علامہ کی ”محدثانہ تاریخ دانی“ سے مرعوب نہ ہوتے اور حدیث شریف کی عبارت اس لیے نقل نہیں فرمائی کہ حدیث کے الفاظ خود بتا دیتے کہ بچپن میں شق صدر ہونے کا واقعہ یوں نہیں گزرا کہ آپ حلیمہ سعدیہ کی گود میں تھے یا یہی کہ اس وقت رضاعی بھائی ہی موجود تھے یا یہی کہ قبیلے کا کوئی شخص کھڑا تھا یا اس قدر کہ اسی آبادی میں شق صدر ہوا بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ فرشتے حضور کو لے کر غائب ہو گئے اور پہاڑ پر لے گئے۔ وہاں شق صدر ہوا اور اس عرصہ میں آپ کی تلاش جاری رہی۔ جب آپ واپس ہوئے تو شق صدر کا حال سب سے بیان فرمایا۔ جب یہ حدیث ناظرین کے سامنے رکھ دی جاتی تو وہ اگر فیصلہ کر دیتے کہ وہ پہاڑ ”جبل نور“ تھا جہاں فرشتے لے گئے تھے، تو جناب علامہ اس کا رد نہ فرما سکتے، لہٰذا چار کو دو کر دیا تاکہ کسی تیسرے، چوتھے شق صدر کا احتمال بھی نہ پیدا ہو اور روایتِ مشہورہ جبل نور کے متعلق غلط ہو جائے اور دو میں بھی ایک واقعہ کو ان لفظوں سے دبا دیا کہ ”اس وقت آپ حضرت حلیمہ کے ساتھ بنوسعد کے قبیلہ میں تشریف رکھتے تھے۔ لفظ ”اس وقت“ سے اگر وقت شق صدر مراد ہے تو صریح غلط بیانی ہے اور اگر مطلق زمانہ قیام مراد ہے، تو جبل نور پر شق صدر ہونے کے معارض نہیں ہے۔“

علامہ ندوی نے یہ کیوں لکھا کہ شق صدر کا واقعہ دو مرتبہ گزرا؟ ان کی اس غلط فہمی کی وجہ کیا ہے؟ محدث اعظم فرماتے ہیں:

”اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا اگر اس حقیقت کو ناظرین سے عرض کر دوں جس نے جناب علامہ اور مورخ فہامہ کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور ایک موٹی سی بات نزاکت ذہن پر بار ہو گئی۔ بات یہ ہے کہ سورہ **الم نشرح** میں جس خاص شرح صدر کا بیان ہوا اس کے متعلق علما نے فرمایا ہے کہ یہ یا تو ایام طفلی کے شرح صدر کا بیان ہے یا شب معراج والے شرح صدر کا تذکرہ ہے۔ اس مضمون کو جناب علامہ نے جلالین شریف کے بین السطور میں دیکھ لیا اور وہ بھی ایک روایت ہی

ہے- چنانچہ اس کی اصل عبارت یہ ہے کہ'' **وقیل اشارة الی شق صدر فی صباہ اولیلة المعراج** ''- کہا گیا ہے کہ اس سورہ میں زمانۂ طفلی کا شق صدر مراد ہے یا شب معراج کا شق صدر مراد ہے- اس سے جناب علامہ نے سمجھ لیا کہ شق صدر دو ہی مرتبہ ہوا- میں جناب علامہ کو ''سخن شناس'' نہیں بھلا کیا کہوں ہاں یہ کہنا بے محل نہیں ہے کہ ''دلبر خطا ایں جا است'' کیا جو علماء کرام کے اقوال سے واقف ہے اور اتنا سمجھتا ہے کہ کسی مخصوص سورہ کی شان نزول کا اختلاف اور بات ہے اور کسی واقعہ کا متعدد بار ہونا اور بات ہے وہ مجبور کیا جائے گا کہ جناب علامہ رات کو دن فرمائیں تو وہ سر تسلیم جھکا دے؟ ملاحظہ فرمایے کہ شق صدر کا واقعہ چار مرتبہ گزرا جس میں ایک واقعہ جبل النور کا ہے- چنانچہ مسند طیالسی اور حارث سے گزرا کہ شق صدر حرا پر بھی ہوا تھا- اور شیخ محقق مدارج میں فرماتے ہیں کہ ''حراء بکسر حاء مہملہ ممدودہ و مقصورہ کہ آنرا جبل نور گویند'' اسی جبل نور پر سورہ اِقْرَاءُ نازل ہوئی اور شق صدر ہوا جیسا کہ منسک ملا علی قاری، مواہب لدنیہ علامہ قسطلانی و تفسیر عزیزی وغیرہ میں موجود ہے- جناب علامہ نے اس چار کو دو کر دیا، پھر ہر گز صحیحین (بخاری و مسلم) کی کسی روایت میں دو کی تعیین نہیں مگر حوالہ صحیحین کا دے دیا اور ان دو میں بھی ایک واقعہ کی صورت اس لیے بدل دی کہ ''جبل النور'' کا احتمال ہی منقطع ہو جائے- ان کھلی ہوئی کمزوریوں اور ناتمامیوں بلکہ غلط بیانیوں کے باوجود علما کرام اور صحیحین کا نام لینا محض دھمکی نہیں تو اور کیا ہے؟ (تقوی القلوب: ص۳۳،۳۴)

قربان گاہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جو منیٰ میں صخرہ کے پاس ہے، وہاں پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی- جہاں لوگ حصول برکت کے لیے نماز ادا کرتے تھے- ابن سعود نے اس مسجد کو بھی شہید کروایا ہے- علامہ ندوی نے ابن سعود کی تائید میں یہ لکھا تھا کہ ''قربان گاہ اسماعیل کا کوئی خاص مقام متعین احادیث و روایات اور قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت نہیں، سارا منیٰ قربان گاہ ہے- اس میں گز دو گز کی کوئی زمین کسی طرح ثابت نہیں''- علامہ کے اس قول کو باطل ثابت کرتے ہوئے محدث اعظم نے تحریر فرمایا:

''عرض یہ ہے کہ اگر ثابت نہیں ہے'' سے مراد یہ ہے کہ آپ کے علم میں ثابت نہیں ہے تو آپ کی تکذیب کوئی نہیں کرتا مگر اس سے واقعہ پر کیا اثر پڑے گا اور اگر یہ مراد ہے کہ نظر وسیع و علم محیط سے باہر کی بات غیر ثابت ہے تو کسی مسلمان کو اس کی تائید پر مجبور نہ فرمایے اور لطف تو دیکھیے کہ جس موقع پر نہ آیت پڑھنی ہے نہ حدیث اور نہ روایت ہی پیش کرنی ہے تو وہاں قرآن کریم کو بھی یاد فرما لیا اور دو باتوں کو عجلت میں بالکل فراموش فرما دیا- اول یہ کہ دلائل شرعیہ کا انحصار قرآن و حدیث پر نہیں اور تاریخی روایت تو (شرع میں) کوئی چیز ہی نہیں ہے- دوم یہ کہ کسی آیت و حدیث میں آپ نے شہرت کے خلاف کچھ پایا ہے؟ اگر پایا ہے تو اس کو پڑھیے اور اگر نہیں تو یہ قاعدہ فراموش نہ ہونا چاہیے کہ عدم ذکر عدم واقعہ کی دلیل نہیں ہو سکتی - اور ہاں یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں بحث ایام حج کی قربان گاہِ عام کے متعلق ہے یا خاص قربان گاہِ اسماعیل کے متعلق- اگر جناب علامہ کی بحث قربان گاہِ عام کے متعلق ہے تو اس کو گز دو گز جو کہتا ہو اسے برا بھلا کہا جائے - یہ کس نے جناب علامہ کو خبر دی کہ ابن سعود نے زمین منیٰ کو فنا کر کے غار بنا دیا ہے اور سمندر کے پانی سے بھر دیا ہے کہ کوئی مسلمان وہاں جا نہ سکے اور مسلمانوں کو بس اسی کی شکایت ہے کہ جو دفتر کھول دیا گیا ہے- اور اگر خاص قربان گاہ اسماعیل علیہ السلام کے متعلق گفتگو ہے تو جناب علامہ کا یہ ارشاد کہ ''سارا منیٰ قربان گاہ ہے'' کون سی آیت یا حدیث یا روایت سے ثابت ہے؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس آیت یا حدیث وغیرہ میں اس کا ذکر جناب علامہ دکھائیں گے اسی میں گز دو گز زمین کا ذکر میں بھی دکھاؤں گا- ایک بچہ جس کی عمر شریف سات برس یا زیادہ سے زیادہ تیرہ برس بتائی جاتی ہو اس کے ذبح کے لیے میلوں کے دور کا ایک میدان تجویز کرنا ممکن ہے کہ تاریخی منطق قرار پائے مگر اہل درایت تو اس کو ظرافت ہی کہیں گے- اب آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ قربان گاہ اسماعیل علیہ السلام کہاں ہے؟ پارہ ۲۳ سورہ والصفت ع ۳ کی تفسیر میں جلالین شریف میں قربان گاہ اسماعیل علیہ السلام کا پتہ دیا گیا ہے کہ **کان ذالک بمنی** اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ''سارا منیٰ قربان گاہ ہے'' جو جناب علامہ سمجھتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قربان گاہ اسماعیل کی مخصوص جگہ منیٰ میں واقع ہے- صاحب تفسیر مواہب اس واقعہ میں قرآنی لفظ **فلما بلغ معه السعی** کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''گفتہ اند مراد مشی است بکوہِ منیٰ'' اس سے معلوم ہوا کہ قربان گاہ اسماعیل منیٰ میں بھی پہاڑ پر ہے- تفسیر مدارک میں صاف موجود ہے کہ **روی ان ذالک المکان عند الصخرة التی بمنی** مروی ہے کہ یہ قربان گاہ منیٰ میں صخرہ کے پاس ہے اور یہی

مضمون حاشیہ جلالین وتفسیر کلیمی وغیرہ میں ہے- اب جا کر خود ملاحظہ فرمالیجیے کہ روایتِ مشہورہ میں قربان گاہ صخرہ کے پاس تھی یا نہیں اور کوہ منیٰ پر صخرہ کے پاس نظر آ جائے تو خود فیصلہ ہو جائے گا کہ قربان گاہ اسماعیل علیہ السلام واقعی گز دو گز کی زمین ہی ہے یا جناب علامہ کی وسعت معلومات سے زیادہ وسیع میدان یعنی ''سارا منیٰ قربان گاہ ہے- '' کیا اس موقع پر جناب علامہ کو ان کے نواب صدیق حسن خاں آنجہانی کی اس تصریح کی طرف بھی توجہ دلا دوں کہ وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت لکھتے ہیں کہ جو پتھر اور صخرہ اس وقت موجود ہے وہی قربان گاہ سیدنا اسماعیل ہے- میں سمجھتا ہوں کہ آخر میں پر زور انداز سے **ھاتوا برھا نکم ان کنتم صادقین** فرمانا عجلت میں ہو گیا تھا اور جلدی کا کام مورخ کے لیے بھی افسوسناک ہی ہوتا ہے- اور اس کو کیا کہا جائے کہ قربان گاہ اسماعیل بھی ایک مسجد ہی ہے جہاں مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں اور جناب علامہ مسجدوں کے شہید کرنے کو ہاتھ بڑھاتے ہیں اور پردہ ڈالتے ہوئے صرف لفظ '' قربان گاہ اسماعیل'' کہہ کر آمادۂ جنگ ہیں **فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ماتصفون**-

مولانا عبدالحی استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے قبور انبیا و اولیا پر قبے بنوانے کے عدم جواز اور مولانا کفایت اللہ دہلوی نے اس کے شرک یا مفضی الی الشرک (شرک کا سبب) ہونے کا قول کیا تھا- مولانا عبدالحی نے قرآن حکیم سورہ کہف کی آیت ۲۱ جس سے مزارات صلحا کے پاس مسجد تعمیر کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اس کو لکھنے کے بعد یہ تحریر کیا:

''اس آیت سے بعض لوگوں نے قبروں پر عمارتیں بنانے، مسجدیں تعمیر کرنے اور ان میں نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے- اس جواز کے قائل شہاب خفاجی بھی ہیں حالانکہ یہ قول بالکل غلط مہمل اور بعید از حقیقت ہے- اس لیے کہ احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والوں ان پر مسجد بنانے والوں اور ان پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت کی ہے''-

اس کا جواب دیتے ہوئے محدث اعظم ہند تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے پہلے تو یہ عرض کرنا ہے کہ نہ صرف علامہ شہاب خفاجی بلکہ کوئی مسلمان ''قبروں پر مسجد بنانے'' کے جواز کا قائل ہے نہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ہی کوئی جائز کہتا ہے- مقابر مسلمین مستقل علاحدہ وقف ہیں اور مساجد جداگانہ وقف ہیں، قبروں کو مسمار کر کے وہاں مسجد بنانا ہرگز جائز نہیں **کما سیاتی** اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانا تو بلاشبہ ایک ملعون فعل ہے جس سے جناب استاد کو بھی انکار نہیں ہے لہذا آیۃ میں **اتخاذ مسجد علیھا** کا ترجمہ کیجیے کہ ''قبر کے پہلو میں مسجد تعمیر کرنے'' اور حدیث میں **والمتخذین علیھا المساجد** کا ترجمہ کیجیے کہ ''قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں''- اس ترجمہ سے جناب استاد کو وحشت نہ ہونی چاہئے کہ پہلے بھی انہیں الفاظ **اتخاذ مساجد** کا ترجمہ ''سجدہ گاہ بنانا'' خود کر چکے ہیں اور آگے چل کر بھی احادیث میں اس لفظ کا یہی ترجمہ کیا ہے- کیا اپنے ہی پس و پیش پر بغیر نظر کیے ترجمہ میں نئی بات داخل کرنا ''استادی کا کمال'' ہے اور **زائرات** کا ترجمہ ''زیارت کرنے والی عورتوں'' کے بجائے ''زیارت کرنے والوں'' لکھنا کمال بالائے کمال ہے- اس اصلاح کے بعد آپ ہی فرمایے کہ حدیث شریف میں علامہ شہاب خفاجی اے توبہ، آیۂ کریمہ کے خلاف کون سا لفظ موجود ہے؟ آیۂ کریمہ میں پہلوئے قبر و غار پر مسجد بنانے کا ذکر ہے اور حدیث میں قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا تذکرہ ہے ان دونوں باتوں میں کون سا تعارض ہے؟ اب یہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے کہ آپ کی حدیث کو علما شریعت نے کیا سمجھا ہے- حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے (۱) زیارت قبور (۲) قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اور (۳) چراغاں کرنا-

زیارت قبور کے متعلق صاف وصریح حدیث ہی موجود ہے کہ **عن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا (الحدیث)** مروی ہے بریدہ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا تو اب حکم دیتا ہوں کہ زیارت کرو **رواہ مسلم والحدیث عند ابن ماجۃ عن سیدنا عبداللہ بن مسعود** - حضرت شیخ عبدالحق محقق دہلوی حنفی نے ''لمعات'' میں اور ملا علی قاری حنفی نے ''مرقاۃ'' میں روشن فرمایا ہے کہ ممانعت زیارت قبور کی تمام حدیثیں حق رجال و نسا میں اس حدیث سے منسوخ ہو گئیں اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانا اس کے متعلق مرقاۃ مطبوعہ مصر ص ۴۷ میں موجود ہے کہ قبروں کے اطراف میں مسجد بنائی جا سکتی ہے- جن یہود و نصاریٰ کے فعل ملعون کا حدیث میں ذکر موجود ہے وہ عین قبر پر مسجد بناتے اور قبروں کو سجدہ گاہ قرار دیتے تھے اور چراغاں کے متعلق امام

علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ جلد۲ص۴۲۹ میں حدیث شریف مذکور کا یوں مطلب ارشاد فرماتے ہیں کہ:

روی ابو داؤد والترمذی عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم لعن زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبثا من غیر فائدة کما ذکرنا- حدیث میں تو بیکار چراغاں کی ممانعت ہے ورنہ نہیں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا- اب اس کو سن لیجیے کہ اوپر کیا ذکر کیا؟ بزازیہ کے اتلاف مال کی تصریح پر تنقید کرتے ہیں- و هذا کله اذا خلا عن فائدةٍ و اما اذا کان موضع القبور مسجدا او علی طریق او کان هناک احد جالس او کان قبرو لی من الاولیاء او عالم من المحققین تعظیما لروحه علی تراب جسده کاشراق الشمس علی الارض اعلا ما للناس انه ولی لیتبر کوابه و یدعوا لله تعالی عنده فیستجاب لهم فهو امر جائز لا منع منه والاعمال بالنیات- یہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ بالکل فائدہ سے خالی ہو اور اگر چراغاں کرنے میں فائدہ ہو کہ مقابر میں مسجد ہے یا قبور سر راہ ہیں یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا مزار کسی ولی اللہ یا عالم محقق کا ہے وہاں چراغاں جلانا، چراغاں کرنا ان کی روح مبارک کی تعظیم کے لیے جو اپنے خاک بدن پر تجلی فرما ہے گویا آفتاب زمین پر، تاکہ اس روشنی کرنے سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزار پاک ہے تو اس سے برکت حاصل کریں اور وہاں اللہ تعالی سے دعا مانگیں تاکہ مقبول ہو تو یہ امر جائز ہے اس سے اصلا ممانعت نہیں اور اعمال کا ثواب نیتوں پر ہے- اب جناب استاد ہی فرمائیں کہ ان احادیث و ارشادات علما وائمہ وتصریحاتِ فقہ حنفی کے بعد ان کی حدیث کی تینوں باتیں ایسی رہ گئیں جن کی حنفیوں کو دعوت دی جا سکے اور کیا حدیث کو قرآن کریم کے معارض ٹھہرانے کو ”بالکل غلط مہمل اور بعید از حقیقت“ کوئی مسلمان کہہ دے تو آپ کو چڑھنے کا حق ہے؟ اور حدیث کی سند کا حال سنیے تو آپ کو سند اول سے زیادہ افسوس کرنا پڑے- اس حدیث کی سند کا مدار ابو صالح باذام پر ہے اور باذام کو ائمہ فن نے ضعیف بتایا ہے تقریب میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ باذام بالذال المعجمة و یقال اٰخره نون ابو صالح مولی ام هانی ضعیف مدلس باذام ذال سے اور کہا جاتا ہے کہ باذان نون سے ہے یہ ابوصالح ام ہانی کا غلام ہے ضعیف ہے تدلیس سے کام لیتا ہے، جھوٹ کہہ دیتا ہے کہ فلاں سے سنا- جناب استاد کا اس ضعیف حدیث پر معاذ اللہ اس قدر جزم کہ آیۂ کریمہ کا رد کر کے تعلیم قرآنی کو شرک کہنے کی جرأت نہیں تو اور کون سی بلا ہے- اور تحسین ترمذی باعتبار ترجمۂ باب ہے جس کے متعلق دوسری حدیثیں وارد ہیں اور امام ترمذی ایسی حدیث کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں- اس سے نفس حدیث مذکور کے ضعف میں فرق نہ آئے گا- یہ باتیں استاد ہی بننے سے نہیں آتیں ان کے لیے برسوں خدمت فن حدیث کی ضرورت ہے- اللہ اللہ آیۂ قرآنیہ سے صراحۃً جواز بناء علی القبور ثابت ہے اس کے مقابل بے لگاؤ کی ایک ضعیف حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے اور تعلیم قرآنی کو شرک و بت پرستی بتایا جاتا ہے اور پھر دعویٰ ہے کہ ہم کتاب اللہ پر ایمان رکھتے ہیں انا للہ و انا الیه راجعون- جناب استاد نے آخر میں آیۂ قرآنیہ کا رد بعض حنابلہ کے اقوال و آرا سے کیا ہے اور بلا شبہ یہ اقوال آیۂ قرآنیہ کے صریح معارض ہیں لیکن اگر بعض حنابلہ کی وضاحت فرما دیتے تو ابن تیمیہ، ابن حزم، ابن عبدالوہاب وغیرہ کا نام سن کر مسلمان سمجھ لیتے کہ بعض حنابلہ کون ہیں آیا واقعی حنبلی ہیں یا حنبلیت کا دعویٰ حیلہ ہی حیلہ ہے- جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمختار میں ینتحلون بالحنابلة فرمایا ہے کہ دعوی حنبلیت صرف ایک حیلہ ہی ہے- تاج سُبکی نے ان سب کا رد فرمایا ہے- حیرت ہے کہ حنبلی علما جس قول کا رد فرماتے ہوں اس کو قرآن کے رد میں پیش کیا جائے اور مزید حیرت یہ کہ حنفیوں کو اس سے دبانے کی کوشش کی جائے- جناب استاد نے دعویٰ کیا تھا کہ قبر پر قبہ و عمارت شرک و بت پرستی ہے اور دلیل میں قرآن و حدیث کا نام لیا تھا- کتاب اللہ سے جناب استاد کو جو کچھ فرمانا تھا وہ فرما چکے اور آپ نے دیکھ لیا کہ تین بے محل وضعیف حدیث پڑھنے کے سوا کتاب اللہ کے ایک لفظ سے اپنا بلند و بالا دعویٰ ثابت نہ فرما سکے- ہاں قرآن کریم میں جواز قبہ و عمارت کی صاف وصریح آیۂ کریمہ لازم العمل موجود تھی، اسی کو منسوخ بنانے کی ناکام کوشش کرنے کے سوا کوئی آیت شرک و بت پرستی درکنار حرمت وکراہت کی بھی نہ لا سکے- اس حالت میں کوئی بتائے کہ کیا جناب استاد کے منہ کو یہ دعویٰ پھبتا ہے کہ قبہ بنانا شرک و بت پرستی ہے یہ قرآن سے ثابت ہے؟ یا کہ مسلمانوں کو اس کے کہنے کا حق پہونچتا

ہے کہ قبہ وعمارت کا جواز قرآن سے ثابت ہے- جناب استاد اپنی تمہیدی نصیحت پر نظر ثانی فرما کر خود فیصلہ کریں کہ فیصلہ خداوندی کے آگے مسلمانوں نے گردن جھکائی اور مزعومات وخواہشات نفس سے کام نہ لیا یا جناب استاد نے نصیحت کے دانت تو دکھائے مگر قبول کی تاب نہ لا سکے ۔

نجدیان کین جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ جدت می روند آن کار دیگر می کنند

جناب استاد اس بحث کو یوں ختم کرتے ہیں کہ ''تمام قرآن میں یہی ایک آیت تھی جو بطور جواز پیش کی جا سکتی تھی''- ''الحمد للہ تعالی کوئی آیت تھی اور پھر آیت تھی کوئی ضعیف حدیث نہ تھی اور پھر جواز کی مثبت تھی اور ایسی مثبت کہ جناب استاد کے لیے اب شک کی بھی گنجائش نہیں رہی- غرض تھی تو جواز ہی کی آیت مگر جناب استاد نے عجلت میں فرما دیا کہ کتاب اللہ سے قبہ وعمارت کا شرک وبت پرستی ہونا ثابت ہے **اللھم احفظنا من الجھل والخرافة ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**-

اب جناب استاد زیر عنوان ''حدیث'' کچھ تحریر فرماتے ہیں اور شرک وبت پرستی وحرمت کے دعوی کو حدیث سے ثابت کرنے پر آمادہ ہیں حالانکہ ''حدیث آحاد'' اگرچہ صحت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچی ہو ثبوتِ حرمت کے لیے ناکافی ہے مگر سات حدیثوں کو لکھ کر مسلمانوں پر لعنت کے تیروں سے حملہ کرنے کے سوا ہم کو اس عنوان کے ماتحت بھی کوئی بات بامحل ومفید نہ ملی- چھ حدیثوں میں ایک ہی لفظ ہے اور وہ ''قبر کو اتخاذ مسجد'' ہے اور خود جناب استاد ہی کئی بار ترجمہ میں کہتے ہیں کہ ''قبروں کو سجدہ گاہ بنانا'' اور یہ اوپر گذر چکا کہ قبر کو سجدہ گاہ بنانا یا قبر کو مسمار کر کے اس کے اوپر مسجد بنانا بلاشبہ ممنوع ہے اور حسب تصریح ملا علی قاری جنب قبر میں مسجد بنانے سے یہود ونصاریٰ کے فعل ملعون سے مخالفت ہو جاتی ہے- لہذا جائز ہے- لہذا ان حدیثوں کو قبہ وعمارت کے خلاف سمجھنے کو ایک ''ظریفانہ خوش فہمی'' کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے- قصور معاف! اگر ''اتخاذِ مسجد'' کا یہی مطلب گڑھ لیا جائے کہ پہلوے قبر میں بھی مسجد نہیں بن سکتی تو بھی قبہ وعمارت سے اس کو کیا تعلق ہوگا؟ آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ قبہ وعمارت مسجد نہیں ہے نہ مسجد کے وہاں احکام ہیں- لہذا صاف صاف **بناء علی القبور** کی ممانعت دکھایے- کسی مقام پر مسجد بنانا ناجائز ہو تو اس سے دوسری عمارت کے عدم جواز کا قیاس ایک ''قیاس مع الفارق'' اور نافہمی کا مقیاس ہے اور **اول من قاس** کا محکوم بہ بننا ہے''- (تقوی القلوب ص ۵۸ تا ۶۹)

مولانا عبد الحی دہلوی، مولانا کفایت اللہ دہلوی نے لکھا تھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچی قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا تھا- ابن سعود نے مزارات صحابہ وشہدا کو توڑ کر زمین کے برابر کیا، ان کا یہ عمل سنت کے مطابق ہے- محدث اعظم ہند نے دونوں کی ذکر کردہ حدیث کا شارحین حدیث کے حوالے سے جو معنی ذکر کیا ہے اس سے دونوں صاحبان کے استدلال کی عمارت زمین بوس ہو گئی ہے- حضرت علی کی حدیث کے ایک راوی ''ابو الھیاج اسدی'' ہیں ان کو مولانا عبد الحی صاحب نے ابو المصباح اسدی لکھا تھا اس کی اصلاح کرنے کے بعد محدث اعظم تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث شریف میں لفظ **تسویه** وارد ہے اور جناب استاد نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ برابر کرنا لکھا ہے اور اسی لفظ کے معنی ظاہر ہو جانے پر مسئلہ کی صورت عیاں ہو جائے گی- لیکن میں پہلے جناب استاد سے اتنا تو عرض کر لوں کہ حدیث میں قبہ وعمارت کا نفیاً واثباتاً کہاں تذکرہ ہے؟ اور کون سا لفظ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہو سکے کہ قبہ وعمارت شرک وبت پرستی ہے اور جب آپ کو ایک نقطہ بھی آپ کے دعوی کے ثبوت میں نہیں ملتا تو اس کا اقرار فرمایئے کہ اس حدیث کا تذکرہ آپ نے بے محل فرمایا ہے- اور ہاں آپ کے پاس کیا دلیل ہے اور کون سی حجت قاطعہ نے آپ کو یقین دلایا ہے کہ اس حدیث میں قبور مسلمین ہی کا بیان ہے؟ کیا احتمال نہیں ہے کہ مولی علی کا مقصود قبور کفار ہو اس احتمال کی تائید حدیث کے آخری جملہ سے ہوتی ہے کہ تصویر کے مٹانے کو فرمایا گیا ہے اور قبور کفار وتصویر کا لگاؤ آپ ہی کی پیش کردہ اس حدیث سے ظاہر ہے جس میں فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ میں کوئی نیک بندہ مر جاتا تو اس کی قبر کو سجدہ گاہ بناتے اور اس میں صورتیں بناتے اس حدیث میں قبور وتصاویر کا جو لگاؤ ہے اس سے صاف نکلتا ہے کہ حضرت علی کو انہیں قبور وتصاویر کے برابر کرنے اور مٹانے کا حکم دیا گیا ہوگا- دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ نبوت میں قبور مسلمین حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نگرانی میں بنتے تھے اور زمانہ صحابہ میں صحابہ کرام کی نگرانی میں اور ان دونوں زمانوں میں غیر مشروع طریقہ سے قبر بننے کا

امکان بھی مسلمان کے نزدیک نہیں ہے تو پھر حضور کا حضرت علی کو اور حضرت علی کا ابوالہیاج اسدی کو اصلاح قبور پر متعین فرمانا قبور مسلمین کے لیے ناممکن ہے لہذا حدیث میں قبور مشرکین ہی کا ذکر ہے **و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**- ابھی ہم یہیں تک پہونچے تھے کہ یہی حدیث ترمذی شریف میں ملی جس پر حاشیہ موجود ہے کہ **بعث النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی اسواق مکۃ لمقابرھا عام الفتح** حضرت علی کو نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تسویہ قبور کے لیے بازار مکہ میں سال فتح مکہ کو روانہ کیا تھا- دیکھ لیجیے کہ صاف قبور مشرکین ہی کے تسویہ کا حکم حدیث سے نکل آیا کیونکہ یہ اسی سال کا واقعہ ہے جب کہ بازار مکہ میں قبور مشرکین و کفار ہی تھے تو اب احتمال کیا شے ہے متعین ہوگیا کہ حدیث میں قبور کفار ہی کا ذکر ہے اور قبور مسلمین کا احتمال بھی نہیں ہے- یہی وجہ ہے کہ الجوہر النقی میں امام ابن ترکمانی نے اس حدیث کے متعلق یوں تصریح فرمائی:

امر علیہ السلام علیا ان لایترک قبرا مشرفا الخ قلت الظاھر ان المراد قبور المشرکین بقرینۃ عطف التمثال علیھا و کانوا یجعلون علیہ الانصاب و الا بنیۃ فاراد علیہ السلام ازالۃ اٰثار الشرک-

نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا تھا کہ کوئی قبر مشرف (اونچی) نہ چھوڑیں ظاہر ہے کہ اس سے مشرکوں کی قبریں مراد ہیں بقرینہ عطف تصویر کے اس پر اور مشرکین عین قبر پر بت اور بنا تعمیر کرتے تھے تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا آثار شرک کو مٹانے کا- کیا اب بھی کسی کا منھ ہے جو اس حدیث کو قبور مسلمین کے حق میں سمجھے؟ اسی وجہ سے یہ حدیث قبور مسلمین کے حق میں حنفیوں کے نزدیک حجت نہیں ہے- ہاں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس حدیث کو قیاساً حجت میں پیش کرتے ہیں مگر کسی بات پر ابن سعود کی طرح قبر کو کھود کر برابر کر دینے پر نہیں جس کو عربی میں نبش کہتے ہیں بلکہ اس بات پر کہ قبر کو چبوترہ کی طرح بنانا چاہیے اور کوہانی شکل جیسا کہ حنفیوں میں آج تک مروج ہے نہ ہونا چاہیے- عینی شرح بخاری میں ہے- **قال الشافعی تسطح القبور واحتج الشافعی بما رواہ الترمذی عن ابی الھیاج الاسدی قال لی علی (الحدیث)** امام شافعی فرماتے ہیں کہ قبریں چبوترہ کی طرح مسطح ہوں اور دلیل میں ترمذی کی حدیث ابوالہیاج اسدی کو پیش کیا ہے- دیکھیے وہی آپ کی پیش کردہ حدیث ہے امام شافعی بایں شان امامت اسی حدیث کے لفظ **تسویۃ** کو **تسطیح** سے تعبیر فرماتے ہیں اور اس عربی النسل امام جلیل الشان کو شبہ بھی نہیں گذرتا کہ **تسویہ** کے وہ معنی ہیں جس کو آپ نے اردو محاورہ میں برابر کر دینا سے ادا کیا ہے؟ اگر جناب استاد اسی حدیث شریف کے لفظ **قبرا مشرفا** پر ایک نظر خود فرما لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ہر قبر کے تسویہ کا حکم نہ تھا بلکہ محض قبر مشرف کا اور مشرف کے معنے آپ نے اونچی تو کر دیا مگر اس کو نہ بیان فرمایا کہ یہ لفظ پہاڑ کی صفت میں بھی آتا ہے منتہی الارب میں ہے **جبل مشرف** کوہ بلند- چونکہ اونچا نیچا ہونا ایک اعتباری اور اضافی امر ہے لہذا یا تو قبر مشرف کا ترجمہ قبر مثل تودہ کیجیے یا اس زمانہ کے قبور کی مساحت لکھ کر حدیث شریف ہی سے اس کو ثابت کر کے جو اس سے بلند ہو اور بلندی نمایاں ہو کہ آنکھوں کو زیادہ سے زیادہ معلوم ہوتی ہو اور اس کو قبر مشرف کہیے اس کے بغیر اونچی کہہ کر نکل بھاگنا بالکل استادی اور بیکار استادی ہے- اور ’’قبر مشرف‘‘ کی مساحت کے وقت صحاح وسنن کی روایت کو فراموش نہ کیجیے گا جس میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کی قبر پر دست اقدس سے ایک بڑا پتھر وضع فرمایا تھا جس کی بلندی کا یہ حال تھا کہ اس کا پھاند جانے والا سب سے زیادہ بہادر اور جواں مرد سمجھا جاتا تھا (دیکھو سنن ابوداؤد جلد۳ ص ۲۰۳ و تعلیقات صحیح بخاری کتاب الجنائز ص۱۸۱) ملاحظہ ہو کہ الفاظ حدیث ہی شاہد ہیں کہ مولی علی کو ہر قبر کے تسویہ کا حکم نہ تھا بلکہ اس کا جو حد سے زیادہ اونچی ہو- یہ حقیقت ہے جس کو امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس میں تسطیح قبور کا ثبوت ہے کیونکہ ان کے نزدیک قبر کو مسطح چبوترہ ہی کی طرح ہونا چاہیے جو اس مقدار سے زائد ہے وہ ان کے طور پر قبر مشرف ہے اور حنفیوں کے نزدیک قبر مسنم مسنون ہے اور تسنیم کے ثبوت میں صحیح بخاری کی حدیث اور سفیان تمار کی تحدیث ہے کہ **انہ رای قبر النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مسنما** انہوں نے قبر نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خود دیکھا کہ مسنم ہے اور مسنم کے معنی ہیں کوہانی شکل کے- منتہی الارب میں ہے- **سنم الکلاء البعیر تسنیماً** بزرگ کوھان کرد گیاہِ شترر او **سنم القبر** خر پشتہ کرد قبر را خلاف تسطیح- اس بنا پر جو قبر حد تسنیم کی بلندی سے بھی زیادہ بلند ہو اس کو قبر مُشرف کہیں گے اور مولی علی کے ارشاد کا اگر بالفرض

قبور مسلمین کے لیے بھی بطور قیاس مان لیا جائے تو یہ مطلب ہوا کہ قبر مشرف کو قبر مسنم کر دینے کا مجھ کو حکم دیا گیا تھا- وقایہ میں ہے و یسنم القبر ولا یسطح قبر کو ہان کی شکل میں اونچی بنائی جائے اور چبوترہ کی طرح پیچی نہ ہو- ہدایہ میں ہے- و یسنم القبر قبر کو کوہانی صورت میں اونچی بنائی جائے- عینی میں نقل عبارت ہدایہ کے بعد ہے کہ:

............و به قال موسى بن طلحة و يزيد بن ابى حبيب والثورى والليث و مالک و احمد و فى المغنى و اختار التسنيم ابو على الطبرى و ابو على بن ابى هريرة والجوينى و الغزالى والرويانى و السرخسى و ذكر القاضى حسين اتفاقهم عليه و خالفوا الشافعى فى ذالک والجواب عماروا ه الترمذى ان المراد من المشرفة المذكورة فيه هى المبنية التى يطلب بها المباهاة و قال شمس الائمة السرخسى التربيع من شعار الرافضة و قال ابن قدامة التسطيح هو شعار اهل البدع فكان مكروها و قال المزنى فى كتاب الجنائز اذا ثبت احد الخبرين المسطح والمسنم فاشبه الامرين بالميت مالايشبه المصانع ليجلس عليه والمسطح يشبه مايصنع للجلوس وليس المسنم هو موضع الجلوس و قدنهى عن الجلوس على القبور الخ-

یہی قول موسی بن طلحہ و یزید بن ابی حبیب وثوری ولیث وامام مالک وامام احمد کا ہے مغنی میں ہے کہ تسنیم کو ابوعلی طبری وابوعلی بن ابی ہریرہ اور جوینی وغزالی ورویانی وسرخسی نے اختیار کیا ہے اور قاضی حسین نے فقہا کا اجماع اس مسئلہ پر بیان کیا ہے اور سب نے اس میں امام شافعی کا خلاف کیا ہے اور حدیث ترمذی کا جواب یہ ہے کہ وہاں لفظ مشرف سے مراد اتنی بلندی ہے جس پر فخر ومباہات کی جائے- شمس الائمہ امام سرخسی نے فرمایا کہ قبر کو مربع چبوترہ کی طرح بنانا رافضیوں کا شیوہ ہے اور ابن قدامہ نے فرمایا کہ قبر کو مسطح کر دینا بدعتیوں کا کام ہے اور مزنی نے کتاب میں فرمایا کہ حدیث تسطیح وحدیث تسنیم میں ایک ثابت ہو تو دونوں میں میت کے لیے مناسب وہ ہے جو نشست گاہوں کے مشابہ نہ ہو کہ اس پر بیٹھا جا سکے اور سطح نشست گاہ کے مشابہ ہوتا ہے اور مسنم نشست گاہ نہیں ہے اور قبر پر بیٹھنا ممنوع و ناجائز ہے- ملاحظہ ہو کہ تسنیم کے استحباب پر اجماع ہے صرف امام شافعی کا خلاف مذکور ہے اور آپ کی نقل کردہ حدیث کا ایک ترجمہ یہ ہوا کہ قبر کی بلندی حد مباہات کو نہ پہونچے کہ فخریہ کوئی کہے کہ فلاں قبر بے حد اونچی ہے کیا کوئی ایسی اونچی قبر ہوگی اور پھر اس پر ناز کرے ایسی قبر کو حد تسنیم پر لانے کا حکم حضرت مولی علی کی حدیث سے قیاساً سمجھا جا سکتا ہے بڑی بات یہ ہے کہ قبر مسطح روافض اور بدعتیوں کا شعار ہے لہذا وہ مکروہ ہے اور قبر کو اونچی کرنا ضروری ہے نیز قبر پر بیٹھنا شرعاً ممنوع ہے لہذا اس کو کوہانی شکل میں اونچی کرنا ضروری ہے کہ بیٹھنے کا امکان باقی نہ رہے- اسی لیے قبر پر لکڑی یا پتھر کا تابوت بھی رکھ دیا جاتا ہے چنانچہ حرمین میں لکڑی کے تابوت کا رواج ہے اور پتھر کے بالائی تابوت کو تعویذ قبر کہتے ہیں اور کہن اینٹ چونے کی بنی ہوئی سے تابوت بنتا ہے، مگر یہ تابوت قبر نہیں ہے بلکہ بناء علی القبور ہے- قبر کے لیے فقہا کا ارشاد ہے کہ اس میں کچی اینٹ اور نرکل لگایا جائے پکی اینٹ اور لکڑی نہ ہو- پھر وہی فقہا فرماتے ہیں کہ قبر کے اوپر پکی اینٹ سے بنانا مکروہ نہیں ہے درمختار میں ہے:

یسوی اللین علیه والقصب لا الاجر المطبوخ والخشب لوحوله اما فوقه فلا یکره بدائع میں ہے لانه مماسة النار فیکره ان یجعل علی المیت تفاولا حلیہ میں ہے قال الامام التمرتاشی هذا اذا کان حول المیت فلو فوقه لا یکره-

پختہ اینٹ میت کے گرداگرد بد فالی کی وجہ سے مکروہ ہے اور قبر کے اوپر مکروہ نہیں ہے- کیا ان تصریحات کے بعد بھی آپ تسویہ کا ترجمہ برابر کر دینا کر کے ابن سعود کے نبش قبور کو خوبصورت بنانے کی کوشش کریں گے؟ حالانکہ حدیث نبش قبور جو بخاری میں مروی ہے اس کے ماتحت عمدۃ القاری میں ہے:

معناه ظاهر و هو جواز نبش قبور المشرکین لانهم لا حرمة لهم فیستفاد منه عدم جواز نبش قبور غیرهم سواء کان قبور الانبیاء او قبور غیرهم من المسلمین لما فیه من الاهانة لهم فلا یجوز ذالک لان حرمة المسلم لاتزول حیا و میتا-

بقیہ صفحہ 126 پر ملاحظہ کریں

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

محدث اعظم ہند اور تحریک پاکستان

قیام پاکستان، مسلمانوں کے لیے اللہ تعالی کا عظیم انعام تھا- اسلام کے نام پر قائم ہونے والی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے قیام نے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا- دراصل تمام قوم اس مطالبے پر متفق ہوگئی تھی کہ مسلمانوں کے لیے الگ ایک خطہ زمین متعین کیا جائے جہاں قانون اسلام کی حکمرانی ہو اور مسلمان آزادانہ خدا اور رسول کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرسکیں- افسوس ۴۸ سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود آج تک اسلامائزیشن کا سلسلہ مکمل نہ ہوسکا- ہمارا مشرقی بازو کٹ گیا مگر ہمیں احساس نہ ہوسکا کہ اللہ تعالی کی ناراضی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے اس سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا- اس سے بڑا کفران نعمت کیا ہوگا کہ ہم مملکت خداداد پاکستان میں اللہ تعالی کی بے شمار نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں اور اس سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ بعض عاقبت نااندیش تو پاکستان کے توڑنے کی باتیں کررہے ہیں اور بعض لوگ غیر اسلامی نظام نافذ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں- امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد امام احمد رضا بریلوی وہ نمایاں ترین شخصیت ہیں جنھوں نے علی الاعلان دوقومی نظریے کا پرچار کیا اور قیام پاکستان کا راستہ ہموار کیا- یہی وہ راستہ تھا جس کی طرف علامہ اقبال نے رہنمائی کی اور قائداعظم نے اسی پر چل کر پاکستان کی منزل کو پالیا-

تحریک پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالی کے ہم مسلک علما اور مشائخ اہل سنت نے بڑا کردار ادا کیا- آل انڈیا سنی کانفرنس، اہل سنت و جماعت کی وہ نمائندہ جماعت تھی جس نے اپنی تمام تر توانائی تحریک پاکستان کی حمایت کے لیے صرف کردی- ۱۹۴۶ء میں منعقد ہونے والی سنی کانفرنس بنارس کا اجلاس تو اس تحریک کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے- اس جماعت کے سرپرست امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور محدث اعظم ہند مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی تھے اور اس کے روح رواں صدرالافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی تھے-

ہمارے بعض احباب شکایت کرتے ہیں کہ تاریخی اور نصابی کتابوں میں ملت اسلامیہ کے ان محسنوں کی دینی، ملی اور پاکستان کے لیے کی جانے والی خدمات کو ان کے شایان پیش نہیں کیا جاتا- حالانکہ یہ کام خود ہمارے کرنے کا تھا- یاد رکھیے جو قوم اپنے لیے کچھ نہیں کرسکتی اسے دوسروں سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا- محدث اعظم ہند کچھوچھوی کے بے شمار مریدین اور خود ان کے خانوادے کے اصحاب علم اگر ان کی خدمات جلیلہ کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اگر اہل سنت و جماعت اس طرف متوجہ نہیں ہوتے تو دوسروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ ان پر کام کریں-

حضرت محدث اعظم ہند مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالی نے حسن و جمال اور فضل وکمال کا پیکر جمیل بنایا تھا- وجاہت کا یہ عالم تھا کہ سیکڑوں علما و مشائخ کے اجتماع میں وہی میر محفل دکھائی دیتے تھے- گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ان کے ہونٹ پھول اور موتی برسا رہے ہیں وہ بلاشبہ اپنے دور کے سحبان تھے- خطاب شروع کرتے تو مجمع پر سناٹا چھا جاتا- ہر شخص سراپا گوش بن کر محویت میں ڈوب جاتا- آپ کا مدلل بیان ایک سیل رواں تھا جو سامعین کو اپنے ساتھ بہالے جاتا اور ان کے دل و دماغ کو قائل کیے بغیر نہ چھوڑتا، وہ عقیدہ کے سچے اور دھن کے پکے تھے- انہوں نے اپنے بزرگوں کی ہدایت اور راہ نمائی سے جو راستہ منتخب کیا اس کے لیے اپنی تمام توانائی صرف کردی-

شاعر بارگاہ رسالت مولانا ضیاء القادری رحمتہ اللہ تعالی نے آپ کی شان خطابت کا نقشہ ان الفاظ سے کھینچا ہے:

”کتابی چہرہ آیات جلالی کا ترجمان، بڑی بڑی کشادہ آنکھیں گنبد خضرا کی تجلیات سے معمور، آواز میں ہیبت اور جبروت کے ساتھ ساتھ حلاوت کا انداز بھی، مقفع و مسجع، فصیح و بلیغ خطبہ پڑھ کر مجمع کو مخاطب کر رہا ہے، اگر آیات قرآنی کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حقائق و معارف کا قلزم ذخار، دل نشیں فقرات اور ایمان افروز الفاظ میں طوفان خیز معلوم ہوتا ہے اور احادیث نبوی کی شرح و وضاحت پر مائل ہوتا ہے تو رشد و ہدایت کی سنہری بدلیاں باران رحمت میں مصروف

نظر آتی ہیں اگر فضائل ومحامد کی جانب دماغ راغب ہوتا ہے تو بے شمار مسائل علم وعرفان حل ہوجاتے ہیں، مجمع ہے کہ وجد آفریں انداز میں جھوم رہا ہے، سبحان اللہ! وصلی اللہ! کے نعروں سے فضا گونج رہی ہے۔ حاضرین پر کیف طاری ہے، ایمان تازہ ہورہے ہیں دلوں سے سیاہی خود بخود دور ہوتی جاتی ہے۔"(۱)

حضرت محدث اعظم کی ولادت باسعادت ۱۵ ذیقعدہ بروز بدھ ۱۳۱۱ھ قصبہ جائس، رائے بریلی میں ہوئی۔ آپ جیلانی اور سمنانی سادات کا مرقع تھے۔ آپ کے مورث اعلی محبوب یزدانی حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ ہیں جن کا مزار پر انوار کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں ہے۔ دوسری طرف آپ کو محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد امجاد میں ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

والدہ ماجدہ نے چھ ماہ میں قاعدہ بغدادی اور تیسواں پارہ ختم کرادیا۔ باقی انتیس پارے انتیس دن میں پڑھ کر پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کرلیا۔ اسکول میں دو جماعتیں پڑھنے پائے تھے کہ والد ماجد حضرت مولانا سید نذر اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسکول سے اٹھالیا اور خود عربی وفارسی کی تعلیم دینا شروع کی۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر کافیہ تک کتابیں خود پڑھائیں۔ مزید تعلیم کے لیے مدرسہ نظامیہ، فرنگی محل، لکھنو میں داخل کرادیا، وہاں سے مولوی اور مولانا کی سندیں حاصل کیں، علی گڑھ میں حضرت مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے شرح تجرید، افق المبین اور شرح مطالع پڑھیں۔ استاذ گرامی نے سند عنایت کی تو اس میں نام کے ساتھ علامہ تحریر فرمایا۔

پیلی بھیت میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صحاح ستہ، مؤطا اور شرح معانی الآثار پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ اس کے بعد بریلی شریف امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے پاس حاضر ہوئے اور فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔ پھر آستانۂ عالیہ قادریہ، بدایوں تشریف لے گئے اور حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں جب کہ ابھی داڑھی بھی نہیں اتری تھی، تمام مروجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہوکر مسند تدریس پر فائز ہوگئے۔ دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم کیا اور کئی سال تک درس حدیث دیا۔(۲) اس لیے آپ محدث کچھوچھوی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

اپنے نانا اعلیٰ حضرت محبوب ربانی شاہ علی حسین اشرفی قدس سرہٗ کی ایما پر اپنے ماموں عارف ربانی حضرت مولانا شاہ احمد اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور چند سال ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہے، یہاں تک کہ تمام سلاسل میں خلافت حاصل کی اور وہ بھی مدینہ منورہ مواجہۂ عالیہ میں۔(۳)

احمد حق نما دیا باخدا دیا
مجھ کو میرے کریم نے پیر بہت بڑا دیا(۴)

حضرت محدث کچھوچھوی نے وعظ وتبلیغ اور رشد وہدایت کے میدان میں قدم رکھا تو اس سلسلے میں انتھک جدوجہد کی۔ پانچ ہزار غیر مسلم آپ کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے۔ لاکھوں افراد نے بیعت کی۔ چار دفعہ حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔(۵)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت تو ان کے رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ فرش پر عرش کا انتساب ملاحظہ ہو:

"مجھے تہدیہ اور تبریک کے لیے کہا جاتا ہے۔ تو یہ سب کچھ اس آقائے دوجہاں کے نام پاک پر ہے جس کی سچی اور والہانہ وفاداری کا نام اسلام ہے۔" (ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی)

کئی زائرین جب مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر الوداع کہتے ہوئے روانہ ہوتے ہیں لیکن محدث اعظم حج کا احرام باندھ کر بارگاہ ناز میں حاضر ہوتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں:

بلاوا آرہا ہے کعبہ وعرفات سے میرا
تیرے قدموں پہ چمکی آج قسمت میرے سجدہ کی
مدینہ مجھ سے چھوٹا تھا نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا
رچی ہے میری رگ رگ میں تجلی ماہ طیبہ کی
تمہارا حکم مجھ کو لے چلا اے خانہ کعبہ
یہ سچ کیا ہے؟ اطاعت ہے شہنشاہ مدینہ کی
تمہارے سامنے لبیک کہتا ہوں ترے رب سے
بحمد اللہ عزت بڑھ گئی ہے میرے نعرہ کی
جدا تم کو سمجھنا، اس پر رونا، اے معاذ اللہ!
سمجھتا ہوں اسے توہین میں اپنے عقیدہ کی

مدینہ سے شہنشاہ مدینہ کی معیت میں
چلا ہوں رخ بکعبہ کر کے نیت حج وعمرہ کی
تری ہمنامی سید کا سہارا ہے مرے مولا
کہ ہے معلوم پابندی تمہاری اپنے ذمہ کی (٦)

ایک دوسری نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو نہیں اسیر زلف نبی   حریت اس کی کیا حکومت کیا؟
دشمن دیں پہ بھیجے لعنت   ان کے گستاخ کی مروت کیا؟
بک گئے جس کے ہاتھ بک ہی گئے   یہ نہیں ہے تو رسم بیعت کیا؟
قوم سمجھتا نہیں ہوں بے ان کے   قوم کیا، ملک کیا ہے ملت کیا؟
ان کے دشمن سے میل ہے تو ترا   دین کیا؟ دین کی حمیت کیا؟
اہلِ سنت کے سامنے آئے   تھانوی کی مجال وہمت کیا؟
نام تک میں ترے وہابی دیکھ   آئے تینوں حروف علت کیا؟
اہل حق کی زباں ہے سیف اللہ   تیغ کو کاٹنے میں غیرت کیا؟

ایک دفعہ ایک صاحب علم سے بات ہو رہی تھی کہ محدث اعظم کا کلام بڑا زوردار ہے، وہ کہنے لگے کہ شعر تو پھر شعر ہے وہ تو نثر میں بھی شاعری کرتے تھے۔(٧)

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی بارگاہ میں استغاثہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں دردو سوز بھی ہے اور روانی اپنے عروج پر ہے:

ولی الہند، سلطان ولایت چشت کے راجا
سخاوجود کے فضل وعطا کے فیض کے دریا
مرے مولا، مرے آقا، مرے حامی، مرے داتا
کھڑا ہے در پہ خالی ہاتھ پھیلائے تیرا منگتا
شہنشاہ معینا دستگیرا مرشدا خواجہ
طفیل رحمۃ للعالمیں چشم کرم برما
تعالیٰ اللہ ! کیا ہیں خوبیاں حسن شمائل کی
زمانے میں مچی ہے دھوم پاکیزہ خصائل کی
ذرا سن لیجیے کچھ داستاں اک دل کے گھائل کی
خبر لے اے کریم ابن کریم اب اپنے سائل کی
شہنشاہ معینا دستگیرا مرشدا خواجہ
طفیل رحمۃ للعالمیں چشم کرم برما
خوادث کی تغیر آفرینی ہو گئی بے حد
کمالے را زوال و ہر زوالے را کمال آمد
بہت کاٹی شب فرقت اسے کر دیجیے اب رد
نکل اے آفتاب حسن سرمد از پئے احمد
شنہشاہ معینا دستگیرا مرشدا خواجہ
طفیل رحمۃ للعالمیں چشم کرم برما(٨)

حضرت محدث اعظم تحصیل علوم کے بعد فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کرنے کے لیے اپنے دور کے فقید المثال مفتی، اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، محدث صاحب نے انہیں کیسا پایا؟ خود ان کی زبانی سنیے:

”آج میں آپ کو جگ بیتی، بلکہ آپ بیتی سنا رہا ہوں کہ جب تکمیل درس نظامی وتکمیل درس حدیث کے بعد میرے مربیوں نے کار انتہا کے لیے اعلیٰ حضرت کے حوالے کی، زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لیے سرمایۂ حیات ہوگئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھتا تھا وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے، علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ وپے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرمادینا یہ وہ کرامت تھی جو ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔“(٩)

یہ وہ تاثرات ہیں جو حضرت محدث اعظم نے شوال ۱۳۷۹ھ میں بمقام ناگ پور ”یوم ولادت امام احمد رضا“ کے اجلاس میں بیان فرمائے، اسی موقع پر فرمایا:

”تیرہویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم وفضل کا آفتاب فضل وکمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب وعجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلامی میں اس کو حق وصداقت کا مینارۂ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سے سارے حل وحرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل وکمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا۔“(١٠)(یعنی معاصرین میں سے)

حضرت محدث اعظم نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۳۵ رسائل وکتب زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئے۔ تقریباً اتنے ہی رسائل وہ تھے جو طبع نہ ہوسکے۔ تقریباً ہر فن کی کسی نہ کسی کتاب پر حواشی لکھے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ ”فرش پر عرش“

کے نام سے طبع ہو چکا ہے جو نعتیہ کلام اور مناقب پر مشتمل ہے- عام طور پر کلام اردو میں ہے، کہیں کہیں فارسی اور ہندی کلام بھی پڑھنے کو مل جاتا ہے- کہیں کہیں عربی اشعار بھی مل جاتے ہیں- قرآن پاک کا ترجمہ لکھا، تفسیر بھی شروع کی تھی، لیکن چند پاروں پر ہی کام کیا تھا کہ وقت رحلت آ گیا- امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمہ کا ابتدائی حصہ دیکھ کر فرمایا تھا:

''شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو؟'' (۱۱)

آپ کی مطبوعہ تصانیف میں تقویٰ القلوب بھی ہے جس میں آپ نے نجدیوں کے حرمین شریفین میں مظالم کا تذکرہ کیا ہے اور نجدی نواز ہندوستانی علما کا عالمانہ انداز میں محاسبہ کیا ہے-

متحدہ پاک و ہند میں اہلِ سنت کی دو جماعتوں کا بھرپور کردار رہا ہے، ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' اور ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' حضرت محدث اعظم اول الذکر جماعت کے صدر رہے اور ۱۳۶۵ھ میں بالاتفاق آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے- (۱۲)

حضرت محدث اعظم ہند، ملت اسلامیہ کا سچا درد رکھنے والے قائد تھے، تحریک پاکستان کے قائدین میں نہایت نمایاں مقام رکھتے تھے، نظریۂ پاکستان کو عوام و خواص تک پہنچانے کے لیے دور دراز کے سفر کیے، شہر شہر، قصبہ و دیہات میں جا کر مطالبہ پاکستان کے حق میں زمین ہموار کی-

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کا اجلاس تحریک پاکستان کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، یہ اجلاس ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء فاطماں باغ بنارس میں منعقد ہوا جس میں دو ہزار علما و مشائخ اور ساٹھ ہزار سے زیادہ عوام الناس نے شرکت کی- مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے حضرت محدث اعظم نے خطبۂ صدارت دیا، جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے- اس میں نہ صرف قومی بیماریوں کی تشخیص کی گئی ہے بلکہ ان کا علاج بھی تجویز کیا گیا ہے- درج ذیل سطور میں اس خطبہ کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا، اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آ چکا ہے- ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ بن گیا ہے- در و دیوار پر پاکستان زندہ باد، تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے، نعروں کی گونج میں پاکستان لے کے رہیں گے، مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے- اس لفظ کو پنجاب میں یونیلسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہو گیا اور جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو اس کے معنی مشکوک ہو جاتے ہیں، جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر نہ بتا دے-

یونیسٹ کا پاکستان وہ ہوگا جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہوگی- لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے- اگر یہ صحیح ہو تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے- لیکن جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا؟ اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امن دیا جائے- ان کو ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے- وہ جانیں ان کا دھرم جانے، ان کو **اتموا الیھم عھدھم** سنا دیا جائے اور بجائے جنگ و جدل کے صلح و امن کا اعلان کر دیا جائے- ہر انسان اپنے پر امن ہونے پر مطمئن ہو جائے- اگر سنیوں کی اس سلجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کرے گا-'' (۱۳)

آل انڈیا سنی کانفرنس کے مطلوب پاکستان کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا پاکستان ایک ایسی خودمختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصر طور پر یوں کہیے کہ خلافت راشدہ کا نمونہ ہو- ہماری آرزو ہے کہ اسی وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے- لیکن اگر عالم اسباب میں رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ حصہ بحصہ تھوڑا تھوڑا کر کے پاکستان بنتا جائے تو اس کو بنایا جائے، کسی حصہ زمین کو پاکستان بنانا اس کے سوا دوسرے حصہ کے ناپاک رہنے پر رضا مندی نہیں بلکہ عالم اسباب میں حکمت تدریج ہے-'' (۱۴)

۲۹ر اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں مطالبۂ پاکستان کی حمایت میں درج ذیل قرارداد پاس کی گئی، -''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علما و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک

کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔"(۱۵)

۱۶/ رجب ۱۳۸۳ھ بروز پیر ملت اسلامیہ کے محسن، تحریک پاکستان کے عظیم قائد مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی قدس سرہ دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ (۱۶) اور اپنے پیچھے عقیدت مندوں کے علاوہ دو صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے سوگوار چھوڑ گئے۔ صاحبزادوں میں سے حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں مدظلہ اور حضرت علامہ سید محمد ہاشمی میاں بین الاقوامی خطیب اور پیر طریقت ہیں، ہندوستان اور بیرون ہند وعظ و تبلیغ اور دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ضیاء القادری، مولانا: ابتدائیہ فرش پر عرش، طبع بمبئی، ص۲

۲۔ ضیاء القادری، مولانا: ابتدائیہ فرش پر عرش، ص: ۳-۴

۳۔ ضیاء القادری، مولانا: ابتدائیہ فرش پر عرش، ص: ۴-۵

۴۔ محمد محدث کچھوچھوی: فرش پر عرش، ص: ۵

۵۔ محمود احمد قادری، شاہ: تذکرہ علمائے اہل سنت، کان پور، ص ۲۳۵

۶۔ محمد محدث کچھوچھوی، سید، فرش پر عرش، ص ۲۶۹

۷۔ محمد محدث کچھوچھوی، سید، فرش پر عرش، ص ۱۳-۱۲

۸۔ ۔محمد محدث کچھوچھوی، سید، فرش پر عرش، ص ۳۸

۹۔ عبدالنبی کوکب، قاضی، مقالات یوم رضا، طبع لاہور، ج ۱، ص ۳۸

۱۰۔ عبدالنبی کوکب، قاضی، ص ۳۵

۱۱۔ محمد اعظم نورانی، مولانا، محدث اعظم کچھوچھوی اور تحریک پاکستان، رضا اکیڈمی لاہور، ص ۱۸

۱۲۔ محمد صادق قصوری، میاں: اکابر تحریک پاکستان، نوری کتب خانہ، لاہور، ج ۱، ص: ۲۰۹

۱۳۔ محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، لاہور، ۲۷۵-۷۶

۱۴۔ نفس مصدر، ص: ۲۷۷

۱۵۔ نفس مصدر، ص: ۲۸۳

۱۶۔ محمد صادق قصوری، میاں: اکابر تحریک پاکستان، نوری کتب خانہ، لاہور، ج ۱، ص: ۲۱۳۔ ❑❑❑

محدث اعظم ہند کے بصیرت افروز اقوال

- تعلیم ہی سے قوی دماغ کی تعمیر کی جاتی ہے۔
- تعلیم ہی سے صحیح تدبر اور درست تفکر کی اہلیت ابھاری جاتی ہے۔
- تعلیم ہی سے قوم کو اس کے اصلی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔
- صحیح تعلیم ہی سے عقل کو سلامتی ملتی ہے۔
- غیر ذمہ دارانہ تعلیم سے جہالت ہزار درجہ بہتر ہے۔
- درس گاہوں میں نظم وارتباط لازم ہے۔
- درس گاہوں سے ایسے دل ودماغ پیدا کیے جائیں جو صدق وصفا،
- عدل ووفا، شرم وحیا، جود وسخا کا کامل نمونہ ہوں۔
- علم جدید سے علما کو آگاہ کیا جائے تاکہ مدرسہ دین ودنیا کا حامل ہو جائے۔
- قرآن فہمی کا تقاضا ہے کہ مقتضیاتِ احوال پر آپ نظر کریں۔
- اسلامی تعلیمات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ سیاست مقدس امانت ہے۔
- اسلام کی تعلیمات ہیں مجرم کو مجرم ماننا۔ (بلالحاظ امارت وعہدہ)
- محض ذکاوت سے مسئلہ شرعیہ طے نہ فرمایا کیجیے، نقل کے بغیر منقولی مسئلہ طے نہ ہوگا۔
- دشمن کی تحریر میں بھی حق اگر ظاہر ہو جائے تو ہٹ دھرمی سے کام نہ لیجیے۔
- مریض کو علاج سے غافل کر دینا اچھی طبابت نہیں۔
- اسلامی سیاست یہ ہے کہ جرموں کی پکڑ اور مجرموں کا مواخذہ ہو۔
- ہم جیو اور جینے دو کو اپنانے والے ہیں۔
- حضور صَلیَ اللہ علیہ وسلم کے وفور علم کے منکرین قادر کی قدرت پر ایمان نہیں رکھتے۔
- ہمت اور استقلال کی بھیک دل والوں سے مانگی جاتی ہے۔
- اولیاء اللہ کی ہمسری کا خواب بھی جرم عظیم ہے۔
- فطرت کی گہرائیوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس وقت اصابت رائے اپنا کام کرتی ہے۔
- اسلام کی ایک ایک تعلیم ہزاروں حکمتوں کا سرچشمہ ہوتی ہے۔
- روزہ کا جسمانی صحت سے بھی غیر معمولی تعلق ہے۔
- تاثیر دینی کا اثر صفات حسنہ ہے۔

انوار معارف القرآن

تاریخ ترجمۂ قرآن اور ''معارف القرآن''	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
محدث اعظم اور تفسیر و ترجمۂ قرآن	علامہ سید محمد مدنی میاں
معارف القرآن کے محاسن و امتیازات	پروفیسر شکیل احمد اوج
معارف القرآن اور کنز الایمان کا تقابلی مطالعہ	ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

تاریخ ترجمۂ قرآن اور ”معارف القرآن“

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے، سبحان اللہ سبحان اللہ نعمتوں پر نعمتیں، عنایتوں پر عنایتیں، ان گنت بے شمار، انبیا علیہم السلام کتب وصحائف لے کر آتے رہے، ہدایت کی راہیں دکھاتے رہے، چلاتے رہے، یہاں تک کہ وہ آیا جس کے بعد اس جیسا کوئی نہیں آئے گا- (ﷺ) دین مکمل ہوا، نعمتیں پوری ہوئیں، دین اسلام خالق کائنات کا پسندیدہ مذہب ٹھہرا-

کتب وصحائف نبیوں کی زبان میں، ان کی قوموں کی اپنی اپنی زبان میں نازل ہوتے رہے- روح ازلی وابدی، مختلف پیکروں میں جلوہ گر ہوتی رہی اور ان پیکروں کو مقدس ومتبرک بناتی رہی- پھر وہ آخری پیغام نازل ہوا، محمد مصطفیٰ ﷺ کی عربی زبان میں اور آپ کی قوم کی عربی زبان میں- ہاں وہ خاتم النبین ہیں، سب نبیوں کے سردار ہیں، تھامس کارلائل نے بھی سب نبیوں کا سرتاج مانا ہے-

مائیکل ایچ ہارٹ نے بھی سب انسانوں کا سردار تسلیم کیا ہے اور بکثرت دانشوروں نے اس پیغام کو سارے علوم وفنون کا خزانہ جانا ہے اور سب کے لیے تریاق واکسیر مانا ہے- ہاں یہ سب کے لیے آیا ہے--- سارے جہاں کے لیے --- سارے انسانوں کے لیے آیا--- انسانوں کی زبانین رنگ برنگ کی- یہ سب اللہ کی نشانیاں- عربی کس طرح سمجھیں- کس طرح عمل کریں؟ یہ عمل کرنے ہی کے لیے آیا تھا تو سمجھنے کے لیے اور عمل کرنے کے لیے ترجمے کی ضرورت محسوس ہوئی- عرصہ دراز تک ترجمانی تو ہوتی رہی، مگر ترجمے کی بات ترجمے کے ساتھ ہے-

سب سے پہلے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م: ۳۳ھ/ ۶۵۳ء) نے زبان فارسی میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ کر کے حضور انور ﷺ کے خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کیا- پھر وہ ترجمہ فارسی داں قوم میں بھیج دیا گیا- رفتہ رفتہ ترجمہ کا رواج عام ہونے لگا اور ۷۰۰ء سے ۹۰۰ء کے درمیان بہت سی کتابوں کے ترجمے بھی ہوئے- عہدِ نبوی ﷺ میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سندھ (پاکستان) میں آئے- باہمی افہام وتفہیم کے لیے ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی، تیسری صدی ہجری میں سند کے ایک عالم نے کشمیر کے راجہ کی فرمائش پر زبان ہندیہ میں پورے قرآن کریم کا ترجمہ کیا- غالباً برصغیر میں قرآن کریم کا یہ پہلا ترجمہ جو زبان ہندیہ میں کیا گیا- یہ زبان اس زمانے میں اردو کی طرح رابطے کی زبان رہی ہوگی، ورنہ سندھ کا ایک عرب عالم اس سے واقف نہ ہوتا-

ابتدا میں کتابت کا زیادہ رواج نہ تھا- سماعت کے ذریعہ قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی رہی اور یہ اللہ کا پیغام اسی طرح دور ونزدیک پھیلتا رہا، پھر جوں جوں کتابت کا رواج عام ہوا، تو قرآن کریم کے نسخے تیار ہو ہو کر ممالک اسلامیہ میں پھیلتے گئے- دوسری صدی ہجری میں صرف قرآن حکیم سے متعلق ایک سو کتابیں موجود تھیں- جن کی تعلیم سماعت کے ذریعے دی جاتی تھی-

ذکر ہو رہا تھا قرآن کریم کے ترجمہ کا- قرآن کریم دوسری کتابوں کی طرح نہیں ہے- یہ زندہ کتاب ہے اس کی آیات کا موقع ومحل ہے، وقت وزمانہ ہے تاریخ ہے پس منظر اور پیش منظر ہے- جب تک یہ سامنے نہ ہو، لغت کچھ نہیں کرسکتی- الفاظ کے معنی کے انتخاب کے لیے دانائی وحکمت کے ساتھ ساتھ، وسعت قلب ونظر کی ضرورت ہے- عقل سے زیادہ دل کی ضرورت ہے- دل نہیں، تو کچھ نہیں- اسی سے پیکر خاکی، علم وحکمت کا گنجینہ اور عشق ومحبت کا خزینہ بنتا ہے اسی میں وہ رہتا ہے وہ سارے جہاں میں نہیں سماتا- قرآن حکیم ایک معجزہ ہے، اس کے بکثرت بواطن ہیں، دل نہ ہو تو بواطن کی سیر ممکن ہی نہیں، کہ:

ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

اردو میں قرآن کریم کے ترجمے کا باقاعدہ آغاز تیرہویں صدی ہجری سے ہوا، پھر مسلسل ترجمے ہوتے رہے کچھ مترجمین وہ ہیں جنہوں نے قرآن کریم سے براہِ راست ترجمہ کیا- کچھ وہ ہیں، جنہوں نے دوسرے ترجموں کو بامحاورہ بنایا کچھ وہ ہیں جنہوں نے ترجموں کی ترجمانی کی، ان میں اکثر وہ ہیں جو عربی زبان وادب، اس کے نشیب

وفراز اور اسرار ورموز سے نابلد ہیں مگر کہلاتے مترجم ہیں:

بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی ست

اردو کے اولین مترجمین کے یہ تراجم سرفہرست ہیں:

(۱) ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی
(مترجمہ ۱۲۰۳ھ-مطابق ۱۷۸۸ء)
(۲) ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی
(مترجمہ ۱۲۰۵ھ-مطابق ۱۷۹۰ء)
(۳) ترجمہ حکیم محمد شریف خان دہلوی
(مترجمہ قبل ۱۲۱۶ھ-مطابق ۱۸۰۱ء)
(۴) ترجمہ مولوی امانت اللہ وغیرہ
(مترجمہ ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء تا ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء)

۱۹۶۶ء تک اردو میں ایک سو جوزی اور مکمل ترجمے ہو چکے تھے- اب یہ تعداد شاید دگنی ہوگئی ہوگی- ترکی میں ایک ادارہ مختلف زبانوں میں ہونے والے تراجم کی تفصیلات کئی مجلدات میں مرتب کر رہا ہے- کافی عرصہ پہلے ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) نے ایک کتاب 'القرآن فی کل لسان' لکھی تھی، جس میں تقریباً ایک سو تراجم کی تفصیلات موجود تھیں-

ترجمے کے کچھ فوائد ہیں اور کچھ نقصانات-سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ انسان اپنے مالک ومولیٰ کی باتیں سن لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے اور مالک ومملوک کا رشتہ اور مستحکم ہو جاتا ہے-اور ترجمے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ محققین اور سائنس دانوں کو غیب کے راز معلوم ہو جاتے ہیں -تحقیق کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں اور وہ قرآن کریم کے جلوے دیکھ دیکھ کر حیران ہوئے جاتے ہیں- چنانچہ فرانس کے ایک فاضل مارس بکائے نے جب قرآن کریم کا مطالعہ کیا، تو آنکھیں کھل گئیں- ان پوشیدہ حقائق کو نہ جاننے کی وجہ سے بہت سے مترجمین بہک گئے-سر سید احمد خاں ان میں سے ایک ہیں- ترجمے سے اس وقت نقصان ہوتا ہے جب مترجم کے دل میں کجی ہو- وہ قرآن کریم کے منشا کو نظر انداز کر کے، قاری پر اپنی منشا مسلط کرنے پر تلا ہوا ہو- چنانچہ ایک اور مترجم آیہ کریمہ:

قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین (سورہ المائدہ:۱۵)

میں نور کا ترجمہ روشن چیز کر کے فارغ ہو گئے کسی کو محسوس بھی نہ ہوا کہ وہ کیا کر گئے-

قرآن کریم کے اردو ترجموں میں ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی- جن کے دلوں میں ہنود، یہود، اور نصاریٰ کے لیے ہمدردیاں ہوں، وہ قرآن کریم کے معنیٰ کا صحیح ادارک نہیں کر سکتے -صورت حال یہ ہے کہ اپنے استاذ اور والدین کے آگے باادب ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام خصوصا حضور انور ﷺ کی جناب میں بے ادب ہیں-ترجمہ کرتے وقت متمدن اور مہذب ماحول سے نکل کر دہقانی ماحول میں چلے جاتے ہیں -تہذیب کے تقاضوں کا خیال نہیں رکھتے - اور زبان کے مزاج کو نظر انداز کر کے وہاں چلے جاتے ہیں، جہاں تو، تم اور آپ کی تمیز نہیں رہتی-

ایسے ترجموں سے نہ عقل سنور سکتی ہے نہ ہی دل سنور سکتا ہے- بلاشبہ مسلمانوں کو قرآن کریم کے ایسے تراجم کی ضرورت ہے جو دل کو سنبھالے رکھیں اور عقیدوں کو مستحکم سے مستحکم تر کرتے چلے جائیں- ایسے تراجم قرآن بہت کم ہیں جن میں معنیٰ قرآن کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے دل و دماغ کا بھی خیال رکھا گیا یوں تو بہت سے تراجم ہیں، لیکن سلف صالحین کی پیروی کرنے والے علمائے اہلِ سنت کے مترجمین میں یہ قابل ذکر ہیں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، شاہ عبد القادر محدث دہلوی، امام احمد رضا بریلوی، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی، سید محمد محدث کچھوچھوی، علامہ سید سعید احمد کاظمی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری علیہم الرحمہ-

اردو تراجم میں مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی محمود الحسن دیوبندی، مولوی فتح محمد جالندھری، مولوی عبد الماجد دریا آبادی، وغیرہ کے تراجم اپنے حلقوں میں مشہور ہیں- لیکن ان میں وہ بات نہیں - جو مندرجہ ذیل علماء اہلسنت وجماعت کے تراجم میں ہے- یہ حقیقت اہل بصیرت ہی محسوس کر سکتے ہیں-

قرآن کریم کے تراجم میں امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ قرآن کنز الایمان نہایت ممتاز ہے--جس پر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے- اور اس کی بہت سی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے-اس ترجمے کی ایک خوبی یہ ہے کہ جن احادیث شریفہ کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر کی جاتی ہے اس میں منشاء رسول ﷺ پر نظر رکھی ہے اور احادیث کے اصل منشا کو سمجھا ہے-

پیش نظر ترجمہ قرآن معارف القرآن کے مترجم سید محمد محدث

کچھوچھوی، (م ۱۳۸۱ھ-مطابق ۱۹۶۱ء) امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۰ھ-/مطابق ۱۹۲۱ء) کے شاگرد رشید تھے، محبوب ومحترم شاگرد کیونکہ خاندان سادات سے تھے اور سادات کا احترام خاندان رضویہ کی نشانی ہے-

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ (۱۵/ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ-مطابق ۱۸۹۴ء) میں جائس (رائے بریلی، بھارت) میں پیدا ہوئے، مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ-مطابق ۱۹۲۶ء) مفتی لطف اللہ علی گڑھی (۱۳۳۴ھ-مطابق ۱۹۱۶ء) وغیرہ افاضل سے منقولات ومعقولات کی تحصیل کی، اپنے حقیقی ماموں مولانا شاہ احمد اشرفی الجیلانی علیہ الرحمہ (م ۱۳۴۳ھ-مطابق ۱۹۲۵ء) سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک فرمائی، پانچ ہزار غیر مسلم آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے، چار پانچ حج کئے اور زیارات حرمین شریفین کی سعادت سے بہرور ہوئے- آپ کی تصانیف میں کئی کتب ورسائل ہیں- آپ نے امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں ترجمہ قرآن کریم شروع کر دیا تھا- ترجمہ کو دیکھ امام احمد رضا نے فرمایا تھا: 'شہزادے اردو میں قرآن لکھ رہے رہو؟'،

حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کی ملکی سیاست میں حصہ لیا اور مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کی، ۱۳۶۵ھ-مطابق ۱۹۴۶ء) میں بنارس میں منعقد ہونے والی عظیم الشان آل انڈیا سنی کانفرنس میں بالاتفاق صدر عمومی منتخب کئے گئے- جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی کے تاحیات صدر اعلیٰ رہے- ۱۶/رجب المرجب، ۱۳۸۱ھ-مطابق ۱۹۶۱ء) کو لکھنؤ میں انتقال فرمایا اور کچھوچھہ شریف میں مدفون ہوئے- فرزند ثالث، خطیب اہلِ سنت سید محمد مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ آپ کے جانشین ہوئے-

راقم نے ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۳ء کے درمیان حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی کی کئی بار زیارت کی ہے- عوامی جلسوں میں، نجی محفلوں اور دعوتوں میں، دہلی اور بہاول پور میں کئی بار زیارت ہوئی- حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کو راقم کے والد ماجد، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۸۲ھ-مطابق ۱۹۶۶ء) اور راقم کے بہنوئی پیر طریقت عاشق رسول حضرت قاری سید محمد حفیظ الرحمٰن علیہ الرحمہ سے خاص محبت تھی- اس وقت حضرت محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا سراپا سامنے ہے- آیئے ماضی کے جھروکے سے ان کی زیارت کریں-

خاندانی جاہ وجلال، بادشاہوں کی اولاد، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے چشم و چراغ، بلند و بالا قامت، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، بھرواں داڑھی، سر پر تاج نما کلاہِ سمنانی، تن بدن پر عبا اور قبا، ہاتھ میں عصائے دراز، زرنگار، مستانہ چال، جھوم کر چلتے ہوئے جب جلسہ گاہ میں تشریف لاتے، تو معلوم ہوتا تھا کہ شیر کچھار سے نکل رہا ہو- بھیڑ چھٹتی چلی جاتی اور وہ آگے بڑھتے چلے جاتے آواز ایسی جیسے ہاتف غیبی عالم بالا سے بول رہا ہو- گفتگو کا ٹھہراؤ تقریر کا رچاؤ، باتوں کی گھن گرج اور گونج، جیسے بادل گرج رہا ہو جیسے بجلی کڑک رہی ہو- جیسے مینہ برس رہا ہو- دور سے دیکھیے تو رعب و دبدبے سے دیکھا نہ جائے پاس بیٹھئے تو باتوں سے پھول جھڑتے دیکھئے محبانِ رسول کے لیے شبنم کی ٹھنڈک، گستاخانِ رسول کے لیے نشتر کی چبھن -تقریر میں قرآنی اسرار و معارف کا دریا بہاتے، لوگ سن سن کر حیران و ششدر رہ جاتے- تقریر سے پہلے اسے اپنے خاص انداز میں عربی خطبہ ارشاد فرماتے، ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ نعت منشور کا سماں بندھ جاتا، دل کھنچنے لگتے- روح پر کیف وسرور کا عالم طاری ہو جاتا- پھر تلاوت فرماتے، تقریر فرماتے، دھیرے دھیرے آگے بڑھتے- یہاں تک کہ تقریر سے علم و دانش کے فوارے پھوٹنے لگتے- جب وہ تقریر کرتے، محفل پر سناٹا چھا جاتا- کوئی باتیں کرتا نظر نہ آتا- سبھی ان کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے- گستاخانِ رسول ﷺ پر ہیبت طاری ہو جاتی- بلا شبہ، سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ معنوی جلال و جمال کا حسین پیکر تھے- پھر ان جیسا نہ پایا، پھر ان جیسا نہ دیکھا-

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

آپ کے جانشین، خطیب اہلِ سنت، علامہ سید محمد مدنی میاں مدظلہ العالی ہیں جن کو دیکھا تو نہیں، مگر وہ راقم سے غائبانہ محبت فرماتے ہیں- بن دیکھے کرم فرماتے ہیں، شاید حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی خوبوان میں ہو، مولائے کریم آپ کو سلامت باکرامت رکھے اور آپ کا فیض جاری وساری رہے- (آمین)

بقیہ صفحہ 154 پر ملاحظہ کریں

علامہ سید محمد مدنی میاں☆

محدث اعظم ہند اور تفسیر و ترجمۂ قرآن

قرآن شریف کا نزول زبان عرب میں انہیں کے اسالیب بلاغت پر ہوا- لہذا انہیں اس کے سمجھنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا- رہ گئیں مجملات قرآنیہ کی تفصیلات اور ناسخ و منسوخ کے امتیازات تو انہیں حضور آیہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم حسب مواقع فرمادیا کرتے تھے، لہذا اصحابہ کرام کو قرآن فہمی میں کسی زحمت سے دوچار نہیں ہونا پڑا- معیت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ان کے لیے مشعل راہ رہی- صحابہ کرام کے بعد تابعین کا دور آتا ہے- اصحاب عظام کی صحبت اور زمانہ نبی کے قرب کے سبب یہ حضرات بھی قرآن پاک کے سمجھنے میں اسبق واقدم رہے پھر ایک زمانہ بعض تابعین و تبع تابعین کا ایسا آتا ہے جس میں ان معارف قرآنیہ کو علوم و فنون کی شکل دے دی گئی اور کثرت کے ساتھ تالیفات و تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوگیا-

علمائے اسلاف کو علوم کی تدوین کی طرف مائل کرنے والی دو چیزیں ہیں:

اول مسلمانوں کے درمیان فتنوں کا ظہور، ائمہ دین پر بغاوت وظلم، اختلاف آرا اور بدعت کی جانب میلان کا حدوث، فتاویٰ و حوادثات کی کثرت، مہمات میں علما کی طرف رجوع کا لامتناہی سلسلہ-

دوم عجمیوں کا کثرت کے ساتھ دامن اسلام میں پناہ لینا اور اسلام کا روز بروز دنیا کے طول و عرض میں پھیل جانا-

یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے علماے اسلاف کو مجبور کیا کہ وہ نظر و استدلال، اجتہاد و استنباط، قواعد و اصول گستری، ترتیب ابواب و فصول، تکثیر مسائل بالدلائل، ایراد شبہ مع الاجوبہ، تعیین اوضاع و اصطلاحات اور تبیین مذاہب و اختلافات کی طرف توجہ فرمائیں-

یہی سبب ہے کہ قرآن پاک کی تحقیق و تدقیق کے سلسلے میں کوئی مخارج حروف اور رعایت وقوف کو مرکز نگاہ بنائے ہوئے ہے تو کوئی قرآنی لغات کے حرکات و سکونات سے بحث کررہا ہے- کسی کی نظر اگر اسباب پر ہے کہ لفظ قرآنی کا استعمال استقبال کے لیے ہے یا حال کے لیے تو کوئی احوال کلمات کو اعراب و بنا کی حیثیت سے دیکھتا ہے- اگر ایک قوم قرآن کی فصاحت و بلاغت اور وجوہ اعجاز و تحسین کو موضوع بحث بنائے ہوئے ہے تو دوسرے لوگ اس کے مبانی و معانی کی تحقیق و تدقیق میں لگے ہوئے ہیں- اگر ایک جماعت عقلیہ اور شواہد اصلیہ سے وحدانیت خدا اور اس کی قدرت پر علتوں کا استنباط کررہی ہے تو دوسرا فریق اس پر عام و مجمل و مفصل وغیرہ کے زاویہ نگاہ سے غور کرتا ہے اور ایسے ہی گروہ فکر صحیح کا سہارا لے کر ایک شے کی حلت اور دوسری شے کی حرمت کے احکام کا استخراج کرتا ہے-

اس غور و فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے سامنے علم قرأت، علم لغت، علم صرف، علم نحو، علم بیان، علم تفسیر، علم کلام، علم اصول اور علم فقہ جیسے گراں قدر علوم کا ایک ذخیرہ آگیا- صرف انہیں پر اکتفا نہیں بلکہ قرآن شریف سے متعلق بہت سارے علوم خاص علماے اسلام نے ایجاد کیے جن میں بعض یہ بھی ہیں-

علم مفردات، علم رسم الخط، علم عروض و قوافی، علم مناظرہ، علم اسماء الرجال، علم حدیث، علم قصص، علم تصوف وغیرہ-

دیکھیے قرآن کا یہ کتنا بڑا اعجاز ہے کہ اس کے لیے جتنے علوم مدون کیے گئے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی کسی قوم نے اپنی الہامی کتاب کے لیے نہیں ایجاد کیا- یہی وجہ ہے کہ زمانہ نزول سے لے کر اب تک جس طرح قرآن محفوظ ہے کوئی دوسری کتاب نہیں- ان تمام کوششوں کے باوجود صرف قرآن شریف کے ظواہر و بدایا ہی سامنے آسکے اور سرائر و خفایا نگاہوں سے اوجھل ہی رہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ قرآن کریم ایک ایسا بحر مدید ہے جس کے لآلی و درر کا شمار محال ہے اور یہ ایک ایسی وادی عظیم ہے جس کے کنارے کا دامن سمندر خیال بھی نہ چھو سکے- **مافرطنا فی الکتاب من شئ، ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین، نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئ** کی حقیقتیں گواہ ہیں کہ کوئی ایسی شی نہیں جس کا استخراج قرآن سے ممکن نہ ہو یہاں تک کہ بعض مفکرین اسلام نے علم ہیئت، علم ہندسہ، علم نجوم، علم طب اور دیگر علوم عربیہ کا استخراج قرآن شریف سے فرمایا ہے-

---

☆Madni Maskan,Opp.Quraish Hall,Mirza Pur,Ahmedabad(Gujrat)

ان تمام علوم قرآنیہ میں علم تفسیر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے لہذا اگر اس کو سید العلوم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا- ہمارے موضوع کلام کا تقاضا ہے کہ ہم تفسیر کے مفہوم، غرض وغایت اور اس کے متعلقات کو واضح کر کے تاریخی حیثیت سے اس پر کچھ روشنی ڈالیں اور پھر اپنے اصل موضوع پر گفتگو کریں-

علم تفسیر:- وہ علم ہے جو بحسب طاقت بشریہ اور باعتبار قواعد عربیہ نظم قرانی کے معانی سے بحث کرے-

غرض-نظم قرآنی کے معانی کی شناخت اور استنباط احکام

غایت:- سعادت دارین، دنیا میں امتثال اوامر اور اجتناب نواہی سے اور آخرت میں جنت سے-

موضوع:-آیات قرآنیہ فہم معانی کی حیثیت سے-

واضع:-تابعین کرام میں سے علماے راسخین -

بعض کا کہنا ہے کہ اس کی وضع عہد نبوی ہی میں ہو چکی تھی- لیکن یہ بات تشنۂ تحقیق ہے-صحابہ کرام کے زمانہ میں اس فن میں کسی کتاب کا پتہ نہیں چل رہا ہے-تفسیر ابن عباس کے متعلق یہ صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ انہیں کے زمانہ کی انہیں کی نوشتہ ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ صحیح بخاری سے ان سے منقول تفسیرات قرآنیہ کو بعد میں اکٹھا کر دیا گیا ہے جس کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب-

بعض کتابوں میں زمانہ تابعین میں بعض کتب تفسیر کی جانب اشارہ ملتا ہے مثلاً تفسیر عکرمہ، تفسیر عطا بن ابی رباح، تفسیر ابی العالیہ ریاحی، تفسیر مقاتل بن سلیمان وغیرہ- اتباع تابعین کے زمانے میں کتب تفسیر کی کثرت ملتی ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

الفت یعنی هذه الطبقه تقاسیر تجمع اقوال الصحابه والتابعين كتفسير سفيان بن عيينة و وكيع بن الجراح وشعبة بن الحجاج ويزيد بن هارون وعبدالرزاق وادم بن ابی یاس واسحق بن راهويه وروح بن عباده وعبد بن حميد وسيد وابی بكر بن ابی شيبة واٰخرين — انتهی

اتباع تابعین کے بعد آنے والے طبقات میں تفاسیر کا کچھ اس قدر ذخیرہ ملے گا جس کا شمار نہیں کیا جاسکتا-

علم تفسیر کے فروغ میں بہت سارے ہیں جن میں بعض یہ ہیں:

(۱)احکام القرآن: اس باب میں سب سے پہلی تالیف امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کی ہے-

(۲)اسباب النزول: اس باب میں سب سے اہم کتاب شیخ علی بن مدینی متوفی ۲۳۴ھ کی ہے-

(۳)اعراب القرآن: اس باب میں پہلے مصنف کی صحیح نشاندہی نہیں کی جاسکتی لیکن فی الحال مجھے ابو العباس بن محمد بن یزید متوفی ۸۶ھ سے پہلے کی کسی کتاب کا علم نہیں-

(۴)امثال القرآن: اس میں بھی پہلے مصنف کو نہیں بتایا جاسکتا ہاں شیخ ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی نیشاپوری متوفی ۴۰۶ھ کی کتاب سے پہلے اور کسی کتاب کا پتہ نہ لگ سکا-

(۵) آیات متشابہات: اس باب میں سب سے پہلے کسائی نحوی نے قلم اٹھایا-

(۶)التجوید: اس باب میں سب سے پہلے موسیٰ بن عبید اللہ بن یحیٰ بن خاقان بغدادی متوفی ۳۲۵ھ نے تالیف فرمائی-

(۷)علم آداب تلاوۃ القرآن: اس باب میں ایک جماعت نے تالیف کی ہے-''**منهم النووی فی التبيان**''-

(۸)علم مشکل القرآن: اس باب میں محمد مکی بن ابی طالب حموش بن محمد قیسی قرطبی متوفی ۴۳۷ھ سے پہلے کوئی نظر نہیں آیا-

(۹)علم الناسخ والمنسوخ: اس باب میں امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ ابن سلامت بن نصر المفسر نحوی بغدادی متوفی ۴۱۰ھ سے پہلے کسی کی تالیف نہیں ملی-

(۱۰)علم الوجوہ والنظائر: متقدمین میں مقاتل بن سلیمان متوفی ۵۰۱ھ ہی کی تالیف اس باب میں ہے-

(۱۱)علم فضائل القرآن: اس باب میں سب سے پہلی تصنیف امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کی ہے-

(۱۲)اصول تفسیر: اس باب میں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر تحریر فرما کر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس علم کی تہذیب فرمائی ہے-

(۱۳)معانی الادوات: اس باب میں ابن قیم جوزی متوفی ۷۵۱ھ سے پہلے کی کوئی تالیف نہیں ملی-

(۱۴)اعجاز القرآن: اس باب میں محمد بن یزید واسطی متوفی

۳۰۶ھ سے پہلے کی کوئی تالیف نہیں ملی-

ان کے علاوہ بھی اور فروعات بہت ہیں طوالت سے بچنے کے لیے ان کو نظر انداز کر دینا ہی مناسب معلوم ہوا-

اس اجمالی خاکہ سے یہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی حفاظت اور اس کو سمجھنے کے لیے علماے اسلام قرون اولیٰ سے لے کر آج تک کس قدر منظّم طور پر تصنیف و تالیف کا کام انجام دے رہے ہیں- مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ بعض تفسیریں ایسی بھی ملتی ہیں جن کا مشن قرآن شکنی کے سوا کچھ نہیں اور وہ اسلام کو اسلام ہی کا نام لے کر مٹانا چاہتی ہیں لیکن خدا کی لاکھ لاکھ رحمتیں نازل ہوں ان برگزیدہ بندوں پر جنھوں نے ہر دور میں اس قسم کی تفسیروں کے مغالطات وہفوات سے آگاہ کر کے مسلمانوں کے دل و دماغ کو ناسازگار فضاؤں سے محفوظ رکھا-

اسلام کا ابر رحمت مکہ کی گھاٹیوں سے اٹھ کر فضاے عالم پر پھیلتا گیا اور اس نے ہر ملک ہر شہر کو اپنے ظل عاطفت سے بہرہ یاب کیا- ہندوستان بھی اس آفتاب نیم روز کی شعاعوں سے محروم نہ رہا- جہالت و بت پرستی کی تاریکیاں علم و توحید پرستی کی روشنیوں میں تبدیل ہو گئیں- اسلام کا فیضان کچھ ایسا رہا ہے کہ یہاں بھی ارباب سیف و قلم کی مبارک جماعتیں دین و مذہب کی حمایت کے لیے ہر وقت کمر بستہ نظر آنے لگیں اور گمراہیوں کو سر اٹھانے کی مہلت نہ مل سکی اور اگر کہیں سے کوئی آواز دین و ملت کے خلاف اٹھی تو نوک قلم سے اس کے بدن کو چھلنی کر دیا گیا- گمراہیاں چولے بدل بدل کر سامنے آتی رہیں اور علما کرام کی بصیرت ان کی خبر لیتی رہی، انھیں حق و باطل کی معرکہ آرائیوں کا نتیجہ ہے کہ ہمارے سامنے ہر علم و فن سے متعلق کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا- تفسیر قرآن کی طرف علما کی خاص توجہ تھی اس لیے کہ بعض ملحدین قرآن شریف کی من گھڑت تفسیریں کر کے مسلمانوں کو بہکانے پر تلے ہوئے تھے- یہ تو صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان میں سب سے پہلا مفسر کون ہے لیکن جہاں تک تفتیش و استقرا کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے صاحب تفسیر شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی متوفی ۹۹۸ھ ہیں، ان کے بعد صاحب تصنیف مفسرین کی ایک کثیر جماعت سامنے آتی ہے-

قرآن کی تفسیر کے ساتھ اس کے ترجموں پر بھی ایک کڑی نگاہ رکھی گئی اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے- دنیا کی سب سے زیادہ مشہور و معروف زبان انگریزی میں قرآن پاک کے بہت سے ترجمے ملتے ہیں جس میں کچھ تو عیسائیوں کے ہیں اور کچھ مسلمانوں کے خود میرے علم میں انگریزی میں تراجم قرآن کی مندرجہ ذیل فہرست ہے-

(۱) الگزنڈر روس کا ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۶۴۹ء میں لندن میں پھر دوبارہ ۱۶۸۸ء اور ۱۸۰۶ء میں امریکہ میں چھپا-

(۲) جارج سیل کا ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۷۴۳ء میں مترجم کے مقدمہ کے ساتھ لندن میں چھپا اور اتنا مقبول ہوا کہ اس کے ۲۶ ایڈیشن شائع ہوئے، آخری ایڈیشن سرڈانسون روسی کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۱۳ء میں نکلا- امریکہ میں آٹھ بار شائع ہوا- یہاں ۱۹۲۹ء میں اس کی آخری اشاعت ہوئی-

(۳) روڈویل کا ترجمہ پہلی مرتبہ لندن میں ۱۸۶۱ء میں چھپا اس کے بعد ۱۸۷۶ء، ۱۹۱۱ء، ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۵ء ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۱ء میں شائع ہوتا رہا- امریکہ میں ۱۹۰۹ء میں طباعت ہوئی-

(۴) ای ایچ پامر کا ترجمہ ۱۸۸۰ء میں دو جلدوں کے ساتھ آکسفورڈ سے شائع، ہوا پھر لندن میں ۱۹۰۰ء، ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں چھپا اور امریکہ میں ۱۹۰۹ء میں اس کی اشاعت ہوئی-

(۵) ترجمہ عبد الحکیم خان مطبوعہ ۱۹۰۵ء

(۶) ترجمہ مرزا ابو الفضل مطبوعہ ۱۹۱۳ء

(۷) ترجمہ محمد علی قادیانی لاہوری مطبوعہ لاہور ۱۹۱۶ء، ۱۹۲۰ء اور ۱۹۲۹ء

(۸) ترجمہ غلام سرور مطبوعہ آکسفورڈ ۱۹۳۰ء

(۹) ترجمہ عبد اللہ یوسف علی مطبوعہ لاہور ۱۹۳۵ء

(۱۰) ترجمہ محمد پک تھال مطبوعہ لندن ۱۹۳۰ء، مطبوعہ نیویارک ۱۹۳۱ء- یہ دنیا کا وہ پہلا عیسائی تھا جس نے مسلمان ہونے کے بعد قرآن پاک کا ترجمہ ہندوستان میں اپنے وقت کے نظام حیدر آباد کے ایما پر کیا- **هذه عشرة كاملة**-

انگریزی زبان کے علاوہ روسی، چینی، جرمن اور فرانسیسی دنیا کی ہر قابل ذکر زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کثرت سے کیا گیا- اپنوں اور بیگانوں سبھی نے سر جوڑ کر قرآن فہمی پر اپنی زندگی کے قیمتی اوقات صرف کرنے کی سعادت حاصل کی- کیا کوئی قوم اپنی الہامی کتاب کے لیے

یہ دعویٰ کر سکتی ہے- یہ ہمارے معجز نما قرآن کا اعجاز ہے جو اسی کے ساتھ مخصوص ہے-

ہندستان کے اندر فارسی میں سب سے پہلا ترجمہ فتح الرحمان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے جس کا اردو ترجمہ ان کے صاحبزادے شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا، جس کا نام ''موضع القرآن ترجمہ فتح الرحمان'' رکھا گیا- شاہ صاحب کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی قرآن کریم کا اردو میں لفظی ترجمہ فرمایا گویا اردو ترجمہ قرآن کرنے والوں میں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کو متقدمین کا درجہ حاصل ہے- اس کے بعد ہمارے سامنے بعض تراجم قرآن ان لوگوں کے بھی آتے ہیں جو تقدیس رسالت کی نفی ہی کو توحید الٰہی سمجھ بیٹھے ہیں اور جنہوں نے فہم قرآنی کے ایک نئے اسکول کی بنیاد رکھی ہے، اس اسکول کا پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) حیلہ ساز، فریب کار، مجسم، صاحب نسیان، بے علم ہے- یہ تو رہی فہم قرآنی کے اس اسکول کی توحید، اب آیئے اس اسکول کی عظمت نبوت و رسالت کے نمونے بھی ملاحظہ فرماتے چلیے- اگر ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام کو نافرمان و گمراہ کہا تو دوسری طرف حضرت یونس علیہ السلام کو خدا کی قدرت کا منکر اور ملامت کے کام کا سبب بتایا- اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کو قدیم غلط کار کہا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو بدترین مخرب اخلاق فعل کا مقصد و ارادہ کرنے والا لکھ دیا- انہیں دریدہ دہن مترجمین نے اللہ کے رسولوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید، اللہ کی مدد و نصرت سے مایوس، اللہ کے وعدے کی صداقت سے بے آس اور کم فہم بتایا اور رسولوں کا عقیدہ بتایا کہ وہ خدا تعالیٰ کو وعدہ خلاف مانتے ہیں، اس پر بھی تشنگی توہین نہ بجھی اور حضور آیۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے پناہ گستاخیاں کیں یہاں تک کہ آپ کی شان میں بھٹکا ہوا، گمراہ، شریعت سے بے خبر اور گناہ گار جیسے ایمان سوز الفاظ لکھ ڈالے- اس بات کی تشریح کی ضرورت نہیں کہ وہ کون لوگ ہیں اس لیے کہ ''**النجوم الشھابیہ**'' کی مبارک شعاعوں نے اس تیرہ و تاریک فضا میں منہ چھپانے والوں کی نشاندہی ۱۳۶۹ھ ہی میں فرمادی ہے-

ہمیں اپنی اس مجبوری پر رونا آتا ہے کہ شاہ ولی اللہ ،شاہ عبدالعزیز ،شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کی جملہ تصانیف ہمارے ہاتھ میں انہیں دشمنان تقدیس رسالت کے ذریعہ پہنچیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگوں کی مقدس تالیف میں ان حضرات کو حسب منشا تحریف کا موقع مل گیا اور ہم اس کی حفاظت سے قاصر رہے-

ایسے خطرناک وقت اور ایسے پر آشوب دور میں ضرورت تھی کہ ملت اسلامیہ کا سواد اعظم حق و صداقت کی روشنی لے کر آگے بڑھے اور قرآن کریم کے صحیح مفہوم و مطلب سے دنیا والوں کو خبردار کردے- اس ضرورت کو محدث اعظم ہند حضرت علامہ ابوالمحامد سید محمد صاحب اشرفی جیلانی محدث کچھوچھوی ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا'' نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور دینی، تبلیغی مصروفیتوں کے باوجود قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کا قصد فرمایا- ترجمہ تحریر فرمانے کا کیا نرالا انداز تھا- تبلیغی پروگرام میں کوئی کمی نہیں، ایک عالم اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں، مستند و معتمد علیہ تفاسیر کا اچھا خاصا ذخیرہ جوان کے ساتھ رہتا تھا، نگاہوں کے سامنے ہے، ترجمہ بولتے جارہے ہیں وہ لکھتا جارہا ہے- ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے ترجمہ لکھا رہے ہیں، گاڑی پر سفر کر رہے ہیں ترجمہ بول رہے اور رمضان کے موقع پر مکان آئے ہوئے ہیں اور اس دینی کام میں مصروف ہیں- ۶ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ کو پورے قرآن پاک کا ترجمہ ختم فرما کر تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے- تفسیر لکھانے کا بھی یہی انداز رہا لیکن وقت کی نامساعدت اور تبلیغی پروگرام کی کثرت کے سبب تفسیر صرف ۳ پارے اور چند رکوع ہی کی ہوسکی تھی کہ حضرت ہم غم نصیبوں کو داغ فراق دے کر اللہ کے پیارے ہوگئے- **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون** - دوسری بدقسمتی دیکھیے کہ گھر میں تلاش کرنے کے بعد صرف ایک پارے کی تفسیر مل سکی- نیز حضرت مولانا سید نعیم اشرف صاحب جائسی کی اطلاع کے مطابق چوتھے پارے کے چند رکوع کی جو تفسیر ہوئی تھی وہ ان کے پاس موجود ہے- مولانا موصوف ہی تفسیر لکھنے کے لیے حضرت کے ساتھ رہتے تھے- بقیہ دو پارے کی تفسیر خدا ہی بہتر جانتا ہے کس کے ہاتھ لگی- لیکن اسی ایک پارے کی تفسیر سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت اپنے اندر علم تفسیر میں ایک قوت راسخہ رکھتے تھے اور آپ کو علم تفسیر کے تمام فروعات پر پورا ملکہ حاصل تھا- سلاست بیان کا تو کیا پوچھنا زبان کے تو بادشاہ تھے ہی انداز بیان کچھ ایسا ہے کہ تفسیر پڑھنے والے پر ایسی محویت طاری ہوتی ہے اور اس کو

اس کے اندر اس قدر چاشنی ملتی ہے کہ وہ شروع کرنے کے بعد ختم کرنا گویا بھول جاتا ہے- ہر پچھلا جملہ آنے والے جملے کا اتنا منتظر بنا دیتا ہے کہ اس کو بغیر پڑھے تسکین ہی نہیں ہوتی- قرآن کے لفظی ترجموں کو تفسیر کی عبارتوں میں اس طرح سے ضم کر دیا ہے کہ پڑھنے والا احساس نہ کر سکے اور تفسیر کے ساتھ ساتھ قرآن کے ترجموں کی تلاوت ہو جائے اور قرآن کا صحیح مطلب سلیس اور واضح طور پر سامنے آجائے- قرون اولیٰ سے لے کر آج تک کے تمام تخریب پسند حضرات کے ذہنوں کے اختراعی اعتراضات تفسیر پڑھتے ہی ہوا ہو جاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے علمائے متقدمین و متاخرین کی تفاسیر کے جواہر پاروں اور ان کے لب لباب کو خطابت و سلاست کا جامہ پہنا کر نذر قرطاس کر دیا ہے- روایت و درایت کا ایسا حسین امتزاج جہاں اگر ایک طرف سعدی کی زبان کی شیرینی ہے تو دوسری جانب رازی و غزالی کے حسن تدبر کے جلوے، اسی تفسیر کے مخصوصات میں سے ہیں-

اس تفسیر سے پہلے اردو تفاسیر میں سب سے اچھی تفسیر ''خزائن عرفان'' مصنفہ حضرت صدر الافاضل قدسہ سرہ العزیز ہمارے سامنے آچکی ہے جس میں حضرت صدر الافاضل نے مدارک و خازن کے علاوہ دیگر معتمد علیہ کتب فقہ و تفسیر کے چیدہ چیدہ اقتباسات کو بحسن و خوبی اردو زبان میں پیش کر کے مخالف عناصر کی بیخ کنی کر دی تھی لیکن ترجمہ نگاری کی نزاکت، سلاست و شگفتہ بیانی کی راہ میں روڑے ڈالتی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تفسیر سے صحیح طور پر علما اور دوسرے پڑھے لکھے حضرات ہی مستفید ہو سکے- حضرت نے اپنی تفسیر میں شروع سے لے کر آخر تک اس بات کا خیال رکھا ہے کہ اس سے پڑھے، بے پڑھے سب یکساں طور پر فائدہ حاصل کر سکیں حتیٰ کہ اگر ناخواندہ حضرات کو صرف سنا دیا جائے تو وہ بھی اس کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں- یہ ایک ایسی انفرادی خصوصیت ہے جو اس تفسیر کو اردو کی سابق تفاسیر پر ممتاز کر دیتی ہے-

ترجمہ بھی بہت سی شاندار خوبیوں پر مشتمل ہے جس میں پہلی خوبی یہ ہے کہ ہر لفظ کا ترجمہ اس کے نیچے اس طرح درج ہے کہ نہ صرف پوری سورہ مبارکہ بلکہ ہر آیت ہر لفظ کا پورا ترجمہ ہر اردو خواں بھی آسانی سے معلوم کر سکتا ہے کیونکہ ترجمہ کے الفاظ میں وہی ترتیب رکھی گئی ہے جو ترتیب الفاظ سورہ کی ہے، پھر اس دشوار التزام کے باوجود اگر آپ محض اردو ترجمہ ہی پڑھیں تو بھی اردو محاورہ کے خلاف اس کو نہ پائیں گے اور شگفتہ بیانی میں کوئی فرق نہ دیکھیں گے- دوسری قابل دید خوبی یہ ہے کہ ترجمہ میں ایک لفظ بھی زیادہ نہیں ہے جو قوسین کے درمیان لکھا جائے اور من گھڑت اضافہ کو معنی میں اتصال کا حیلہ بنایا جائے یا یہ کہ ترجمہ کو حد ترجمہ سے نکال کر ترجمانی بنانے کی غیر مستحسن کوشش کی جائے یہ ایسی خصوصیت ہے جس سے سابق اردو ترجمے خالی ہیں- یہاں تک کہ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمے میں مشہور لفظ ''شروع کرتا ہوں'' ترک کر دیا تاکہ جس طرح قرآن کریم میں اس جملہ کا متعلق مذکور نہیں ہے، ترجمہ میں بھی نہ لایا جائے اور کوئی حاجت بھی نہیں ہے، کیونکہ جو مسلمان نیک کام سے پہلے بجائے عربی زبان میں ''**بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم**'' کہنے کے یہ ترجمہ کہہ دے گا کافی ہوگا اور اظہار مدعا کے لیے کسی مزید لفظ کی ضرورت نہ ہوگی اور نہ قرآن کریم کا کوئی لفظ بے ترجمہ رہ گیا ہے- تیسری عجیب و غریب خوبی یہ ہے کہ ترکیب نحوی جو عربی زبان میں اصل الفاظ سورہ کی ہے وہی اردو زبان میں برقرار رکھی گئی ہے مثلاً **ایاک نستعین** کا عام طور پر ترجمہ کیا جاتا ہے ''تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں'' حالانکہ یہ ''**بک نستعین**'' کا ترجمہ ہے- **ایاک** ترکیب میں مفعول ہے، جار مجرور نہیں اسی لیے حضرت نے ترجمہ یہ فرمایا ہے ''تیری ہی مدد چاہتے ہیں'' تاکہ اردو میں بھی ضمیر مفعول مقدم رہ کر افادۂ حصر کر لے اور ترکیب میں ادنیٰ تغیر کا بھی وہم نہ ہو-

تفسیر و ترجمہ دونوں کا مطمح نظر ایک ہی تھا کہ خواندہ، ناخواندہ ہر شخص اس سے بحسن و خوبی فائدہ حاصل کر سکے- اسی لیے ترجمہ میں حتیٰ الامکان عربی اور فارسی سے اجتناب کیا ہے اور آسان سے آسان ترین لفظ کو اپنایا ہے مثلاً **یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء** میں حضرت نے قروء کا ترجمہ بجائے ''حیض'' کے ''ماہواری'' فرمایا ہے- ایسے ہی **انا ارسلنک شاھدا** میں شاہد کا ترجمہ بجائے ''حاضر ناضر'' کے ''چشم دید گواہ'' اختیار فرمایا ہے- اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ ترجمہ ایسا ہو جو خود آیت کو سمجھا دے- قوسین کے مابین کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہو مثلاً ''**اللہ یستھزی بھم**'' کا ترجمہ یہ نہیں فرمایا کہ ''اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے'' کہ قوسین کے درمیان (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) کی تشریح کرنی پڑے بلکہ یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''اللہ خود ذلیل کرتا ہے

انہیں'' پہلا ترجمہ اگر چہ بالکل صحیح اور محتاط ترجمہ ہے لیکن حضرت کا ترجمہ باوجود صحت واحتیاط کے عام فہم بھی ہے- حضرت نے اپنے ترجمہ میں لفظ کے نیچے لفظ رکھ دینے سے بھی بڑا اجتناب کیا ہے بلکہ ہر لفظ کو آسان ترین بنانے کی کوشش کی ہے- مثلاً **لکم دینکم ولی دین** کا ترجمہ یہ نہیں کیا کہ ''تمہیں تمہارا دین مجھے میرا دین'' بلکہ یوں کیا ہے ''تمہارے لیے تمہارا بنایا دستور اور میرے لیے الٰہی دستور''- اسی طرح شگفتہ بیانی پر بڑی کڑی نگاہ رکھی ہے- مثلاً **ومکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین** کا ترجمہ یہ نہیں فرمایا ''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے'' بلکہ یہ فرمایا ''اور سب فریب کھیلے اور اللہ نے اس کا جواب دیا اور اللہ فریبوں کا سب سے بہتر جواب دینے والا ہے- ایسے ہی **قل انما انا بشر مثلکم** کا ترجمہ یہ نہیں فرمایا کہ ''تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں'' بلکہ یہ فرمایا ''کہہ دو کہ میں بس چہرہ مہرہ رکھنے میں تمہارے روپ میں ہوں'' اس کے علاوہ اور بہت ساری ندرتیں اس ترجمہ میں ملیں گی مثلاً **الم یجدک یتیما فآوی** کا ترجمہ حضرت نے یہ فرمایا ہے ''کیا نہیں پایا تمہیں در یتیم تو خود ٹھکانا دیا-'' اس ترجمہ نے آیت کے مطلب کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا- ارباب علم ہی سمجھ سکتے ہیں ایسے ہی **ووجدک ضالا فھدی** کا ترجمہ یہ فرمایا ہے ''اور پایا تمہیں متوالا تو اپنی راہ دیدی'' لفظ متوالا میں مستی کردار، جرأت عمل اور استقامت رائے اور قوت فیصلہ کی جو جھلکیاں ملتی ہیں وہ آپ اپنی مثال ہیں- یہ ایسا لفظ ہے جو ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیض پہنچاتا ہے ''پایا تمہیں متوالا'' اپنا متوالا، اپنی محبت میں متوالا اور اپنی تلاش میں متوالا، جہاں چاہیے کھپا دیجیے اس لفظ کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ اس قدر آسان ومعنی خیز شاید ہی مل سکے-

قل اعوذ برب الناس، قل اعوذ برب الفلق اور اس کے امثال ونظائر میں لفظ ''قل'' کا ترجمہ ''دعا کرو'' فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ترجمہ کرتے وقت موقع ومحل، سیاق وسباق کی خاص رعایت فرماتے تھے- بارگاہ ایزدی میں فرمانے اور کہنے سے بہتر دعا اور التجا ہے- ''**قل ھو اللہ احد** ''میں بھی ندرت سے کام لیا ہے اور اس کا ترجمہ یہ نہیں فرمایا ''تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے'' بلکہ یہ فرمایا ''تم کہتے ہو کہ وہی اللہ ہی یکتا ہے'' دونوں ترجموں کو سامنے رکھیے پھر آپ کو دوسرے ترجمے کی اہمیت کا صحیح احساس ہوگا تم کہو اور تم کہتے ہو- پہلا امر ہے دوسرا بیان حالت- گویا رسول آیہ رحمت سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں بلکہ وہ تو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک وحدانیت پر یقین رکھنے والے ہیں- کہاں تک تفصیل کی جائے بس اتنا سمجھ لیجیے کہ یہ ترجمہ اپنے اندر خصوصی خوبیاں اس قدر رکھتا ہے جس کی بنا پر اس کو مخاطب کر کے مختصر لفظوں میں کہا جا سکتا ہے ؎

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت کے اس ترجمہ سے پہلے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک ترجمہ کنزالایمان ہمارے سامنے آچکا تھا جس نے قرآن فہمی کے سارے باطل اسکولوں کی دھجیاں اڑادی ہیں اور ملت اسلامیہ پر ابر رحمت بن کر سایہ گستر رہا لیکن ہمارے اس مجدد کی جملہ تصانیف کی طرح یہ ترجمہ بھی علما کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا اور اس سے علما ہی صحیح فائدہ اٹھا سکے- میں نے حضرت کے ترجمہ سے تقابل کرتے ہوئے جا بجا کنزالایمان کے ترجموں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کے سمجھنے کے لیے کس قدر بالغ نگاہی کی ضرورت ہے- حضرت نے چونکہ امام احمد رضا کے ترجمہ کرنے کے بہت بعد ترجمہ فرمایا ہے اور ترجمہ فرماتے وقت ان کا ترجمہ آپ کے سامنے تھا لہٰذا آپ کو اس کی ساری معنوی خوبیوں کو اپنے ترجمہ کے اندر سمونے کا موقع مل گیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ندرت فکر اور جاندار اسلوب بیان کے ایک بڑے سرمائے کو ترجمے کی شکل دے کر مترجمین کی صف میں منفرد وممتاز کر دیا- یہ انفرادیت ارتقائی نقطۂ نظر سے کوئی غیر فطری نہیں جس کو سمجھنے سے ذہن قاصر ہے-

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر حصول برکت کے لیے پیش کر دوں، حضرت پہلے سورہ فاتحہ کے اسما مع وجہ تسمیہ اور اس کے ضروری متعلقات بیان فرما کر رقم طراز ہیں-

''ایسی نامور سورہ شریفہ کو یا یوں کہیے کہ قرآن پاک کی تلاوت کو میں شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) اپنے سب بندوں پر مہربان اور مسلمانوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے، اس نے اپنے کرم سے ہم کو یہ سکھلایا اور سورہ کریمہ کو یوں شروع فرمایا کہ کہا کرو کہ (ساری) خوبیاں، اچھائیاں برتریاں (حمد)

صرف مخصوص (اللہ ہی کے لیے) ہے خواہ وہ میری حمد ہو یا دوسروں کی ہو یا انبیاء کی، گنہ گاروں کی ہو یا نیکوکاروں کی، اولیا کی ہو یا انبیا کی یا پیکر حمد سید الانبیاء کی- وہ اللہ جو پالنے والا (پروردگار) اس جہان کا- اس جہان کا غرض (سارے جہانوں کا) ہے اور اپنے سب بندوں پر (بڑا مہربان) ہے- اور مومن ہو یا کافر سب پر مہربانی فرماتا ہے اور قیامت کے دن مسلمانوں میں گنہ گاروں کو وہی (بخشنے والا) ہے- وہی ہے جو قیامت کے دن سب کو دکھلائی پڑے گا کہ وہی اور صرف وہی (مالک روز جزا کا) ہے اور کوئی اس دن ملکیت کا دعوے دار نہیں- اور اس سے کہیں اے میرے اللہ، اے میرے پروردگار اے میرے مہربان، اے میرے بخشنے والے، اے میرے مالک ہم اقرار کرتے ہیں کہ (تجھی کو ہم پوجیں) یہ ہمارا وہ عقیدہ توحید ہے جس کو ہم نے کلمہ توحید سے پایا اور مانا اس کے خلاف کو شرک جانتے ہیں بس توحید یہی ہے کہ تجھی کو ہم پوجیں- توحید نہ اس سے کم ہے نہ کچھ زیادہ- یا اللہ ہمارا بھروسہ تجھی پر ہے (اور تیری ہی مدد ہم چاہیں) یہ ہمارا وہ توکل ہے جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے- اولیا انبیا نے جو کچھ مدد فرمائی اور فرمارہے ہیں اور فرماتے رہیں گے لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر تیری مدد کا مظہر جان کر جو اس کے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا، یا اللہ ہمارا چلنا کیا اور ہم چل ہی کیا سکتے ہیں بس اپنے کرم سے (چلا ہم کو) اس (راستہ) پر جو تجھ تک پہنچائے موجود بھی ہے بالکل (سیدھا) بھی ہے وہ (راستہ ان کا) راستہ ہے جو آج نیا نہیں ہے- اس پر چلنے والے چلا کیے ہیں اور ایسا سیدھا ہے کہ وہ تجھ تک پہنچے اور ایسا پہنچے (کہ انعام فرمایا تو نے جن) کے خدا رسیدہ ہونے (پر) اور تیرے انعام فرمانے ہی سے ہم نے جانا وہ راستہ اچھا ہے- وہ تیرے انبیا وصدیقین وشہدا وصالحین کا راستہ ہے (نہ ان) یہودیوں اور یہود منشوں (کا) راستہ (کہ) قتل ناحق توہین انبیا اور ظلم کی وجہ سے (غضب فرمایا گیا جن پر اور نہ) عیسائیوں اور عیسائیت نوازوں، اللہ کو چھوڑ دینے والے (گمراہوں کا) اور تیرے غضب فرمانے اور گمراہ قرار دینے سے ہی ہم نے جانا کہ یہ راستہ برا ہے- اے اللہ اس دعا کو قبول فرمالے''-

❑❑❑

بقیہ: تاریخ ترجمۂ قرآن اور ''معارف القرآن''

قرآن کریم کا یہ ترجمہ 'معارف القرآن، اسی صاحب جلال و جمال شخصیت کی یادگار ہے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے اس ترجمہ کا نمونہ ملاحظہ فرما کر فاضل مترجم کو داد دی تھی تو اس ترجمہ کا آغاز امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی وفات ۱۹۲۱ء سے قبل ہوچکا تھا اور اتمام جیسا کہ 'مطبوعہ معارف القرآن، کے سرورق سے ظاہر ہے، ۱۹۴۷ء میں ہوا تقریبا ۲۸ برس میں یہ ترجمہ مکمل ہوا-

فاضل مترجم علیہ الرحمہ امام احمد رضا محدث علیہ الرحمہ کے محبوب شاگرد تھے، صحبت سے سرفراز ہوئے تھے، علمی فیض پایا تھا، وہی فیض اس ترجمے میں قدم قدم پر جھلک رہا ہے، پھر فاضل مترجم کے اجداد کے فیض و کرم نے اور خود مترجم کی ذہانت و فطانت اور بصیرت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا- معارف القرآن ان تراجم میں بعض حیثیات سے نہایت ممتاز ہے، جو براہ راست قرآن کریم سے کیے گیے ہیں- ترجمہ خود بول رہا ہے کہ میں ترجموں کا ترجمہ نہیں، میں قرآن حکیم کا ترجمہ ہوں، بلاشبہ معارف القرآن، بہت سی خوبیوں سے مالا مال ہے- اس میں ساری خوبیاں ہیں جو اوپر مذکور ہیں- ❑❑❑

فرمودات محدث

- ہمیں فخر ہے کہ ہم چودہ سو برس پرانی لکیر کے فقیر ہیں-
- اسلام کی تعلیمات ہر عیب سے پاک ہیں-
- اگر تم سعادت مند ہو تو اطاعت کی تصویر ہو جاؤ گے
- روزہ میں حکیمانہ رموز مضمر رکھے ہیں-
- صلہ رحمی، احترام قرابت، امن پسندی تعلیمات اسلامی ہیں-
- اسلامی قانون میں امرا و عمائدین بھی چوٹ کھا سکتے ہیں-
- اسلام کی تعلیمات ہیں مجرم کو مجرم ماننا- (بلالحاظ امارت وعہدہ)
- اسلام مقدس سیاست کا ماہر ہے-
- جب سیاست اسلامیہ جاتی رہی تو جرم کا دروازہ کھل گیا-
- مجرم کی ادنیٰ رعایت جرم کو بڑھانا ہے-
- اسلامی سیاست سلامتی کی ضامن ہے جرائم کا سد باب ہے-
- مجرم دشمنی میں ملک وملت کی بہتری ہے-

پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج ☆

''معارف القرآن'' کے محاسن وامتیازات

برصغیر کی عظیم المرتبت علمی وروحانی شخصیت محدث اعظم ہند، مترجم قرآن حکیم، علامہ شاہ ابوالمحامد سید محمد اشرفی الجیلانی المعروف بہ محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا ترجمۂ قرآن بنام معارف القرآن، میرے پیش نظر ہے۔

تعلیم وتربیت کے آپ تمام مراحل صرف ۱۷ سال کی عمر میں طے کیے۔ فراغت تعلیم کے بعد مدرسۃ الحدیث، دہلی میں تدریس شروع کی۔ اسی دوران اپنے نانا حضرت سید علی حسین اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت میں رہے اور اپنے حقیقی ماموں علامہ شاہ احمد اشرف سے بیعت ہوئے۔ پھر تصنیفات وتالیفات کا سلسلہ شروع کیا۔ قرآن مجید کے ترجمے اور نعتیہ دیوان بنام 'فرش پر عرش' کے علاوہ متعدد کتب ورسائل تحریر کیے۔ آپ کی مطبوعات کی تعداد پینتیس بیان کی جاتی ہے۔ غیر مطبوعہ تحریرات بھی ہیں، کتابوں پر حاشیے اس کے علاوہ ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کے ترجمے کے ساتھ ساتھ تفسیرات پر بھی کام شروع کر دیا تھا، مگر افسوس کہ یہ کام مکمل نہ ہو سکا اور آپ راہی ملک عدم ہو گئے۔ آپ کے ترجمہ قرآن کے ابتدائی حصے کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا:

> ''شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو''

آپ کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں تقریباً ۵۰۰۰ غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ ۱۳۶۵ھ میں آپ آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ جماعت رضائے مصطفیٰ کے بھی صدر رہے۔ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۱ء کو پیر کے روز دن کے ساڑھے بارہ بجے، لکھنؤ میں رحلت فرمائی۔

پہلی بار آپ کا ترجمۂ قرآن 'معارف القرآن' کے نام سے پیش کیا گیا جس کے کل صفحات ۱۳۱۷ ہیں۔ یہ دس ہزار کی تعداد میں چھپا۔ اردو ترجمے کو گجراتی اور ہندی رسم الخط میں بھی شائع کیا گیا۔ مطبع شوکت آفسیٹ، اشرفی مارکیٹ، احمد آباد، بھارت ہے۔ گجراتی رسم الخط میں منتقل کرنے والے شوکت خان منور خان اشرفی ہیں اور ہندی رسم الخط میں بھی انہیں کا نام، نیز قریشی عثمان غنی، عزیز الدین اشرفی، کا نام درج کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ کی عکسی نقل راقم کے پاس موجود ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۸۴ء کو معرض اشاعت میں آیا اور اب ۱۶ سال کے بعد دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس مختصر اظہاریہ کے بعد اب راقم، محدث کچھوچھوی کے ترجمہ، قرآن بنام 'معارف القرآن' کے امتیازات، تفردات اور خصائص کے بیان کی طرف آتا ہے، جسے وہ دیگر تراجم کے تقابلی جائزہ کی صورت میں پیش کرنا چاہے گا۔ اس ترجمے سے تقابل کے لیے درج ذیل مترجمین راقم کے پیش نظر ہیں:

۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی، ۲۔ ڈپٹی حافظ نذیر احمد، ۳۔ مولانا محمود حسن (اسیر مالٹا)، ۴۔ مولانا فتح محمد جالندھری، ۵۔ مولانا اشرف علی تھانوی، ۶۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، ۷۔ مولانا عبد الماجد دریابادی، ۸۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ۹۔ مولانا امین احسن اصلاحی، ۱۰۔ علامہ احمد سعید کاظمی، ۱۱۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری

مجھے اس امر کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ میں 'معارف القرآن' کا بالاستعیاب تحقیقی جائزہ پیش نہیں کر سکوں گا، جس کی ایک وجہ تو وقت کی تنگ دامانی ہے اور دوسری وجہ محدود و معدود صفحات کے اندر رہتے ہوئے لکھنے کی پابندی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے محدث کچھوچھوی کا ترجمہ جن خوبیوں سے مالا مال پایا ہے اس مختصر سے مقالہ میں فقط اس کا ایک حصہ ہی پیش کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ وعدہ رہا کہ بقیہ مواد، آئندہ کسی مبسوط مقالہ، یا پھر ایک الگ کتاب کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

سورۂ البقر کی آیت ۳ میں ارشاد ہوا:

۱۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ (فتح محمد جالندھری، ڈپٹی نذیر احمد، سید ابوالاعلیٰ مودودی)

۲۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ (عبدالماجد دریابادی)

جب کہ سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ عنہ نے اس فقرہ کو بایں الفاظ ٹرانزلیٹ کیا ہے:

☆Department of Islamic studies,Karachi University,Karachi(Pakistan)

'جو مان جائیں بے دیکھے'

دیکھئے کہ مذکورہ بالا دونوں تراجم میں 'غیب' کو ایمان کا مفعول قرار دیتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے اور بالغیب کے 'ب' کو صلہ کی 'ب' مانا گیا ہے- اکثر مترجمین نے ایسا ہی کیا ہے، گو اسلوب ترجمہ کی رو سے اس میں کوئی نقص نہیں ، تاہم اس طرح کے ترجمے پر درج ذیل اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں:

اول: اس صورت میں ایمان صرف غیب کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ جاتا ہے- غیب کے سوا بقیہ ساری چیزیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے، ایمان کے دائرے سے باہر ہو جاتی ہیں-

دوئم: لفظ غیب کا اطلاق چاہے ان تمام چیزوں پر ہوتا ہو، جن پر ایمان لانا ضروری ہے، لیکن نبی اور کتاب پر تو اس کا اطلاق بہر حال نہیں ہوسکتا- کیوں کہ وہ کم از کم غیب نہیں ہوتا، سب کے سامنے ہوتا ہے-

سوئم: غیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا، کیوں کہ غیب اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے نہیں ہے- اس طرح اللہ تعالیٰ بھی ایمانیات کے دائرہ سے باہر ہو جاتا ہے اور ایمان بالغیب کا دائرہ ، صرف آخرت اور فرشتوں پر ایمان لانے کی حد تک محدود ہو جاتا ہے-

چہارم: بعض اہل تاویل نے کہا ہے کہ غیب سے مراد احوال آخرت ہیں- اگر غیب سے مراد واقعی احوال آخرت ہیں، تو بتایا جائے کہ آگے چل کر سلسلہ کلام میں **وبالآخرۃ هم یوقنون** کیوں آیا ہے؟ آخر ایک ہی بات کو اس طرح دہرانے کی ضرورت کیا ہے؟

پنجم: بعض علما نے غیب سے مراد، قرآن مجید کو لیا ہے، حالاں کہ اس کا ذکر آگے علیحدہ **بما انزل الیک** میں موجود ہے-

لیکن سید محدث صاحب کا ترجمہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بالغیب کی 'ب' کو ظرف کے معنی میں لیتے ہوئے ترجمہ کیا ہے، یعنی وہ بے دیکھے ایمان لاتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ یہی قرآن کا بھی مقصود و مفہوم نظر آتا ہے- اس معنی کی متعدد مثالیں قرآن میں موجود ہیں- مثلاً:

الذین یخشون ربھم بالغیب وھم من الساعة مشفقون- (سورہ انبیاء:۴۹)

اور جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور قیامت سے تھرتھراتے ہیں-

انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب—الخ

(سورہ فاطر:۱۸)

جو اپنے رب کا بن دیکھے خوف کھائیں، تم ڈرنے والا انہیں کو کرتے ہو-

اس صورت میں **یؤمنون** کا لفظ عام رہے گا اور اس میں وہ تمام حقائق آسکیں گے جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس قرآنی فقرہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانے کے لیے، وہ اس بات کے منتظر نہیں ہوتے کہ تمام حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر ایمان لائیں بلکہ وہ بن دیکھے، محض عقل و فطرت کی شہادت اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی اساس پر ان تمام حقائق کو تسلیم کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں، جن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے-

امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ:

'ظرفیت کے مفہوم کے خلاف ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے، کہ جہاں جہاں بھی قرآن میں لفظ ایمان کے ساتھ 'ب' آئی ہے، کہیں بھی ظرفیت کے مفہوم میں نہیں آئی ہے- لیکن یہ بات کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، کیوں کہ اس کے جواب میں بالکل اس کے برابر کی یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ 'بالغیب' کا لفظ قرآن میں جہاں جہاں بھی آیا ہے ظرف ہی کے طور پر آیا ہے، کہیں بھی مفعول کے طور پر نہیں آیا ہے- اس وجہ سے جہاں تک قرآن کے نظائر کا تعلق ہے، وہ ظرفیت کے مفہوم کے حق میں زیادہ نمایاں ہیں-' (تدبر قرآن، جلد اول، تفسیر آیت متعلقہ)

......واضح ہو کہ اس ترجمہ کی نظیر امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی موجود ہے، ملاحظہ ہو:

'وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں' (کنز الایمان)

مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی طرح محدث صاحب کے ترجمۂ آیت کو آئیڈیل ترجمہ قرار دیا جاسکتا ہے-

سورۂ البقرہ کی آیت ۶ میں ارشاد ہوا:

سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون—

پہلے اس آیت کے مختلف تراجم دیکھ لیجیے-

بے شک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں ، ان کے حق میں یکساں ہے- خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا آپ انہیں نہ ڈرائیں- وہ

ایمان نہ لائیں گے- (عبدالماجد دریابادی)

یہ ترجمہ ایک مثال ہے - آپ فتح محمد جالندھری، محمود حسن، اشرف علی تھانوی، امین احسن اصلاحی اور سید مودودی کو دیکھ سکتے ہیں، یہ سب تراجم اپنے مفہوم و معنیٰ کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں-

جب کہ سید محمد محدث کچھوچھوی نے اس آیت کا ترجمہ بایں الفاظ کیا ہے:

بے شک جنہوں نے جنم کا کفر کمایا، یکساں ہے ان پر، کیا ڈرایا تم نے انہیں یا نہ ڈرایا انہیں، وہ ماننے والے ہی نہیں- (معارف القرآن)

مذکورہ بالا تراجم میں آپ نے دیکھا کہ **ان الذین کفروا** کے الفاظ کو ’عام کفر‘ سے تعبیر کرتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، جب کہ محدث صاحب کے ہاں انہی لفظوں کو ’خاص کفر‘ سے تعبیر کرتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، یعنی بے شک جنہوں نے جنم کا کفر کمایا-

اس ترجمہ میں ’جنم کا کفر‘ کا ٹکڑا قابلِ توجہ ہے، جس کا معنیٰ ہمیشہ ہمیشہ کا کفر ہے، اگر اس مقام پر کفر کی تخصیص کسی خاص لفظ سے نہ کی جائے، تو قرآن پر اعتراض وارد ہوسکتا ہے- اور وہ اعتراض یہ ہے کہ جب قرآن نے یہ بتا دیا کہ اہل مکہ کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے تو بعد میں یہ سب کیسے ایمان لے آئے؟ جیسا کہ سورۂ النصر میں بھی ارشاد ہوا کہ:

ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجاً

اور تم نے لوگوں کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں-

چنانچہ محدث صاحب کا یہ ترجمہ دراصل قرآن کی ان دیگر آیات کے حسبِ مطابق و مناسب نظر آتا ہے، جن میں کفار مکہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خبر دی گئی ہے- اور یوں کسی قسم کا تعارض بھی نہیں ہوتا- محدث صاحب کی طرح امام احمد رضا نے بھی اسے ’خاص کفر‘ سے تعبیر کیا ہے- ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

’بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے- انہیں برابر ہے، چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ- وہ ایمان لانے کے نہیں‘ (کنزالایمان)

دیکھئے یہاں بھی **ان الذین کفروا** کے الفاظ کو عام کفر نہیں، بلکہ خاص کفر سمجھا گیا ہے-

اسی طرح علامہ کاظمی کے ہاں بھی اس آیت کا یہی مفہوم پایا جاتا ہے- ملاحظہ ہو:

’بے شک جو لوگ کفر میں راسخ ہو چکے‘- (البیان)

آپ نے دیکھا کہ کاظمی صاحب نے بھی اسے عام کفر سے نہیں، بلکہ خاص کفر سے تعبیر کیا ہے اور اس مقام پر یہی قرآن کا مقصود و مدعا بھی ہے، بصورت دیگر تضاد لازم آئے گا جس سے کلام الٰہی محفوظ ہے-

دوسرے یہ کہ اس آیت میں محدث صاحب کے ترجمہ میں ایک خاص ندرت اور پائی جاتی ہے جو مذکورہ بالا تمام مترجمین میں سے کسی کے ہاں بھی نہیں ہے، اور وہ یہ ہے کہ محدث صاحب نے ء **انذرتهم** کا ترجمہ استفہامیہ اسلوب میں کرتے ہوئے لکھا ہے- ’کیا ڈرایا تم نے انہیں‘ یہ قرآنی الفاظ کا مکمل ترجمہ ہے- باقی مترجمین نے حرف ہمزہ کو ٹرانزلیٹ کے بغیر آیت کو کھولا ہے-

سورۂ البقرۃ کی آیت ۱۴۵ میں ارشاد ہوا:

ولئن اتبعت اهواء هم من بعد ما جاء ک من العلم انک اذاً لمن الظلمین-

’اور اگر تم نے اس علم کے بعد، جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا‘-

(سید مودودی)

اسی قبیل کے تراجم کے لیے مزید دیکھئے، ڈپٹی نذیر احمد، فتح محمد جالندھری، محمود حسن، ثناء اللہ امرتسری، اشرف علی تھانوی، عبد الماجد دریابادی اور امین احسن اصلاحی کو- ان تمام کے تراجم میں مفہوم و مدعا کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، جب کہ کچھ تراجم اس طرح کے ملتے ہیں:

۱- اور (اے مخاطب) اگر تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد تیرے پاس علم آچکا تو بے شک اس وقت تو ضرور ظلم کرنے والوں میں سے ہوگا- (علامہ کاظمی)

۲- اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اس وقت تو ضرور ستم گار ہوگا-

(اعلیٰ حضرت)

۳- اور اگر (بفرض محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی، اس کے بعد آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت ظالموں میں (شمار) ہوں گے- (پیر صاحب)

آپ نے دیکھا کہ پہلی طرح کے ترجمے میں آیت کا مخاطب،

پیغمبر اکرم ﷺ کو قرار دیتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے- جب کہ دوسری طرح کے ترجموں میں 'اے مخاطب' اور 'اے سننے والے کسے باشد' کے اضافی لفظوں کے ساتھ مفہوم بیان کیا گیا ہے - نیز ایک ترجمے میں جہاں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے ترجمہ کیا گیا ہے، تو وہاں 'بفرض محال' کی قید لگادی گئی ہے-

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات میں (مثلاً البقرہ، آیت ۱۲۰) اسی طرح کے دو نقطہ ہائے نظر موجود ہیں- اس مقام پر محمود حسن، اشرف علی تھانوی، عبد الماجد دریابادی اور امین احسن اصلاحی کے تفسیری حوالے قابل لحاظ ہوں گے کہ انہوں نے باوجود یہ کہ اپنے اپنے ترجمے طرح اول کے تحت کیے ہیں، مگر اپنے حواشی میں وہاں کچھ لکھنے پر مجبور ہو گئے- جیسے طرح دوم کے مترجمین نے اپنے اپنے ترجموں میں اختیار کیا ہوا ہے- گویا '**الفضل ماشهدت به الاعداء**' ملاحظہ ہو:

......محمود حسن کے بقول: 'اور نبی سے امر شنیع کسی طرح ممکن نہیں-

......اشرف علی تھانوی کے بقول: آپ کا ظالم ہونا بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے- اس لیے یہ امر کہ آپ ان کے خیالات کو کہ من جملہ ان کے ان کا صلہ بھی ہے- قبول کر لیں محال ہے-'

عبد الماجد دریابادی کے بقول: 'عصمت نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے-' اور امین احسن اصلاحی کے بقول:

"یہ ایک نوع کی تہدید ہے جس کا ظاہراً خطاب تو آنحضرت ﷺ سے ہے لیکن اس کا رخ درحقیقت یہود و نصاریٰ کی طرف ہے-"

مترجمین کی ان وضاحتوں کے بعد قارئین کو یقیناً حیرت ہوگی، کہ مذکورہ بالا مترجمین کی یہ فکر اگر خالصتاً قرآنی تھی، تو انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس فکر صحیح کو اپنے اپنے تراجم میں سموتے، تاکہ قرآن مجید کے رواں ترجمے کی تلاوت کرنے والا قاری، کسی فتراک ضلالت کا نخچیر نہ ہوتا، مگر آپ نے ملاحظہ کیا کہ اس حُسن کو ہمارے یہ مترجمین اپنے ترجموں میں لے کر نہ آسکے، جب کہ اس حسن کو تسلیم ضرور کیا - اور ان کے تسلیم سے ثابت ہوا کہ ترجمہ وہی معیاری ہے، جو اعلیٰ حضرت، علامہ کاظمی، اور پیر صاحب کا ہے- اس صراحت کے بعد محدث کچھوچھوی کا ترجمہ دیکھیے، ارقام فرماتے ہیں:

'اور اگر کوئی تمہارا ہو کر پیروی کرے ان کی خواہشوں کی، بعد اس کے کہ آیا تمہارے پاس علم تو بے شک وہ تمہارا اس صورت میں حد سے بڑھ جانے والوں میں سے ہے' (معارف القرآن)

اس ترجمے میں جو ندرت تخیل ہے وہ ہر صاحب ذوق سے داد کی طالب ہے- بات تو اس ترجمہ میں بھی وہی ہے، جو طرح دوم کے تحت کیے گئے ترجموں میں ہے یا طرح اول کے حواشی میں ہے، مگر اس کے لیے جو اسلوب اور پیرایہ اختیار کیا گیا ہے، وہ یقیناً تفرد کا حامل ہے- ایک بار پھر دیکھیے:

'اور اگر کوئی تمہارا ہو کر پیروی کرے'

سبحان اللہ! اس جملے کی لذت سخن فہموں سے پوچھیے - بلاشبہ یہ ترجمہ اپنی معنویت کے اوج کمال پر ہے-

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ میں ارشاد ہوا:

افان مات او قتل انقلبتم - الخ

اس آیت کا ترجمہ بعض مترجمین نے جن الفاظ میں کیا ہے پہلے وہ ملاحظہ ہو:

۱- اگر وہ (محمد) مرجائے یا مارا جائے- (امرتسری)

۲- تو کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا- (محمود حسن)

آپ نے اس ترجمے کی زبان دیکھی- یہ وہ اردو ہے جسے ہمارے یہ مترجمین خود اپنے لیے یا اپنے کسی مخدوم و ممدوح کے لیے استعمال کرنا پسند نہ فرمائیں- نفس مضمون کی سچائی اپنی جگہ، مگر اسلوب بیان بھی تو آخر کوئی چیز ہے- کیا یہ چیز حقیقت نہیں کہ اگر ہمارے کسی استاد محترم یا مرشد گرامی کا تذکرہ چھڑ جائے، تو دہن سے پھول جھڑنے شروع ہو جائیں- محترم اور باادب الفاظ کا سیل رواں جاری ہو جائے، جو روکے نہ رکے- غرض اس موقع پر اپنے اور مخاطبین کے دل میں 'مذکور' کی بابت ادب و احترام کا کتنا لحاظ اور پاس درکار ہوتا ہے- مگر افسوس کہ جب بات افصح العرب کی ہو، لفظوں کو توقیر بخشنے والے کی ہو، تو ہم عرب کے بدوؤں کا لہجہ اختیار کر لیں اور اسے بے محابا اور بے تکلف استعمال کریں- اس عظیم المرتبت ہستی کی بابت **راعنا** اور **انظرنا** کو بھول جائیں اور طرہ یہ کہ مترجم قرآن کہلائیں- خود قرآن سے صاحب قرآن کی بے ادبی کی جھوٹی سند لائیں-

ایک تو یہ تھا انداز ترجمہ جو آپ نے ملاحظہ کیا- دوسری طرف دیکھیے، تو بارگاہِ رسالت کا ادب و احترام ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتا نظر آئے گا- ملاحظہ ہو:

۱-تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں (اعلیٰ حضرت)
۲-تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیے جائیں-
(پیر صاحب)
۳-تو کیا اگر وہ وفات پائیں یا شہید ہوں- (علامہ کاظمی)

سچ بتائیں کہ ان ہر دو انداز میں کون سا عقل و نقل کے معیار پر پورا اترتا ہے-

ادب رسالت مآب ﷺ کے ان آئینہ داروں میں میرے ممدوح محترم محدث کچھوچھوی بھی شامل ہیں، ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

'تو کیا اگر وہ انتقال کریں یا شہید کر دیے جائیں-
(معارف القرآن)

لفظ انتقال اور شہید کا استعمال گو اشرف علی تھانوی کے ہاں بھی ملتا ہے مگر ان کے ترجمے میں بجائے صیغۂ غائب کے صیغہ حاضر پایا جاتا ہے- یوں ان کے ہاں ادب رسالت کا حسن تو موجود ہے، مگر صیغہ کی تبدیلی سے ایک ایسا عیب بھی در آیا ہے، جسے بہر حال نظر انداز نہیں کیا جا سکتا- ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

'سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں'
(تھانوی)

افائن میں اُاستفہام انکاری ہے اور یہ تھانوی صاحب کے ہاں ٹرانزلیٹ ہونے سے رہ گیا ہے جب مات، موت مصدر سے ماضی واحد مذکر غائب اور قتل ماضی مجہول واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے- ظاہر ہے کہ صیغہ غائب کو صیغہ حاضر میں بیان کرنا، بجائے خود اسلوب ترجمہ کے خلاف ہے اور یہ خلاف تھانوی صاحب کے ہاں پایا جاتا ہے- بہر حال ان کے ترجمے سے کم از کم یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ قتل کا ترجمہ لفظ شہید خود ان کے ہاں بھی مسلم ہے- یہ کہنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ بعض حضرات یہ کہہ سکتے ہیں کہ لفظ شہید خود قرآن میں کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے، نہ کہ اس معنی میں، اس لیے ترجمہ وہی بہتر ہے، جس میں لفظ شہید استعمال نہ کیا گیا ہو، مگر میرا یہ خیال ہے کہ ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ہم یہاں اردو زبان کے محاورہ اور روزمرہ کے تحت اس لفظ کی حقیقت کو بیان کر رہے ہیں، نہ کہ قرآن کے لفظ 'شہید' کو بیان کر رہے ہیں- یہ دونوں الگ الگ حقیقتیں ہیں- قرآن کا لفظ 'شہید' اردو میں جن متنوع معنوں میں استعمال ہوتا ہے، وہ اور اردو کا لفظ 'شہید' اپنے اندر جن حرمتوں اور عظمتوں کا حامل ہے، وہ اور ہے- اس مقام پر غلط مبحث صرف انہی کو ہو سکتا ہے، جو سمجھنا نہ چاہیں- سمجھنے والوں کے لیے کوئی ابہام نہیں ہے-

صرف یہی ایک آیت نہیں، محدث کچھوچھوی کے ہاں ہمیشہ نبی کے 'قتل' کو شہادت کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے، دیگر مقامات میں سورۂ البقرہ کی آیت ۸۷ دیکھیے- جہاں ارشاد ہوتا ہے:

ففریقا کذبتم و فریقاً تقتلون

'تو کسی کو تم نے جھٹلا دیا اور کسی کو شہید کر ڈالو-
(معارف القرآن)

اس ترجمے کی سند ہمارے مضمون کے تمام محولہ مترجمین میں سے صرف امام احمد رضا کے ہاں ملتی ہے- ان کا ترجمہ بھی ملاحظہ ہو:

'تو ان انبیاء میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو اور ایک گروہ کو تم شہید کرتے ہو- (کنز الایمان)

اس طرح اس سورہ کی آیت نمبر ۹۱ ملاحظہ ہو:

فلم تقتلون انبیاء اللّٰہ من قبل- الخ

پھر کیوں شہید کرنے کے عادی ہو، اللہ کے نبیوں کو پہلے سے- (معارف القرآن)

یہاں بھی اس ترجمہ کی نظیر فقط امام احمد رضا کے ہاں ملتی ہے- ملاحظہ ہو:

'پہلے انبیا علیہم السلام کو کیوں شہید کیا' (کنز الایمان)

سورۃ النساء کی آیت ۱۴۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

ان المنافقین یخدعون اللّٰہ وھو خادعھم

پہلے چند تراجم ملاحظہ ہوں:

(۱) البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا- (محمود حسن)

(۲) یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالاں کہ در حقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے- (سید مودودی)

ان تراجم کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ دغا بازی کرنے والوں کو دغا دے گا اور یہ کہ اس نے دھوکہ بازی کرنے والوں کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے- یہ اور اس قبیل کے دیگر تراجم سے مجھے ادب الوہیت، مضروب نظر آتا ہے- پہلی بات تو یہ کہ کوئی بھی دشمن خدا، اللہ کو

دھوکہ میں نہیں ڈال سکتا اور نہ ہی اسے دغا دے سکتا ہے، البتہ وہ اپنے تئیں دھوکہ دینے کی کوشش کر سکتا ہے- دراصل اس آیت میں منافقوں کی اسی سعی لاحاصل کا بیان تھا جسے ترجمہ کرتے وقت ظاہر کرنا اور کھولنا مترجم کی ذمہ داری تھی، مگر آپ نے دیکھا کہ ہمارے مذکورہ بالا مترجمین اس میں ناکام ہو گئے ہیں اور اب اللہ بھی ان کے ساتھ وہی کچھ کرے گا، جو وہ کر رہے ہیں یا کرتے ہیں، یعنی دغا اور دھوکہ، غالباً اس نوع کے تراجم دیکھ کر ستیارتھ پرکاش کے مصنف نے لکھا تھا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے دیتے ہیں اور وہ دھوکہ کھا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ خدا بے خبر ہے، **نعوذ باللّٰہ من ذالک**-

اس آیت کے اب کچھ اور تراجم ملاحظہ ہوں:

(۱) بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ تعالیٰ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا- (اعلیٰ حضرت)

(۲) بے شک (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی)- پیر صاحب

(۳) بے شک منافق (اپنے خیال میں) اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، اس حال میں کہ اللہ ان کے دھوکہ کی سزا انہیں دینے والا ہے- (علامہ کاظمی)

یہ تمام تراجم ہم رنگ خیال ہیں، امام احمد رضا کے ہاں ’فریب دیتے‘ نہیں، بلکہ ’دیا چاہتے‘ کا استعمال ہے اور وہ بھی بطور حقیقت کے نہیں، بلکہ محض ان کے گمان میں- پیر صاحب کے ہاں بھی ’اپنے گمان میں‘ کی قید نے، انہیں عیب ترجمہ سے بچا لیا ہے، یوں ہی علامہ کاظمی کے ہاں بھی اعلیٰ حضرت والی جامعیت موجود ہے-

اب ذیل میں میرے ممدوح محترم کا ترجمہ دیکھئے فرماتے ہیں:

’بے شک منافق دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور وہ دھوکہ کا بدلہ دینے والا ہے-‘ (معارف القرآن)

خدع کے معنی دھوکہ کے ہیں یعنی برائی کو دل میں چھپا کر اچھائی ظاہر کرنا اور **یخٰدعون** کے معنی ہیں، وہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، کیوں کہ رب تعالیٰ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا-

اس لیے اس کا یہ ترجمہ کرنا کہ وہ دھوکہ دیتے ہیں، صحیح نہیں ہو سکتا- صحیح یہی ہے کہ وہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں، جیسا کہ سید محدث نے لکھا ہے- نیز خدع کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، تو اس سے مراد جزائے خدع ہوتی ہے، یعنی اللہ ان کے خدع کو انہیں پر لوٹا دیتا ہے، یعنی دھوکہ کا بدلہ دینے والا بن جاتا ہے-

خادع، خدع سے اسم فاعل واحد مذکر ہے، مگر محمود حسن، عبدالماجد دریابادی، ثناء اللہ امرتسری، امین احسن اصلاحی، ابوالاعلیٰ مودودی، ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ نے خدع اسم فاعل کا ترجمہ حالت فعل میں کر دیا ہے- مگر میرے ممدوح نے عربی اسم فاعل کا ترجمہ اردو اسم فاعل سے کر کے، ترجمہ کو چار چاند لگا دیے ہیں، ایک بار پھر ملاحظہ ہو- فرماتے ہیں:

’بیشک منافق دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور وہ دھوکہ کا بدلہ دینے والا ہے‘ (معارف القرآن)

سورۂ النساء کی آیت ۷۷ میں ارشاد ہوا:

کخشیة اللّٰہ او اشد خشیة الخ

اس میں ہمارے مترجمین کے ہاں حرف او کے ترجمے میں فرق ملتا ہے، اکثر مترجمین نے اس میں حرف أو کو یا سے ٹرانزلیٹ کیا ہے- حوالہ کے لیے پیر محمد کرم شاہ الازہری، عبدالماجد دریابادی، محمود حسن، امین احسن اصلاحی، سید مودودی اور علامہ کاظمی کے ترجمہ قرآن کو دیکھئے- جب کہ دوسری طرف اس آیت میں اُو کا ترجمہ بلکہ سے کیا گیا ہے مثلاً: ڈرنے لگے جیسے خدا سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ- (فتح محمد جالندھری)

اور اس قبیل میں ثناء اللہ امرتسری، اشرف علی تھانوی اور ڈپٹی نذیر احمد شامل ہیں- میرے ممدوح محترم نے بھی اس مقام پر أو کا ترجمہ ’بلکہ‘ سے کیا ہے- ملاحظہ ہو:

جیسے اللہ سے ڈرے بلکہ حد سے زیادہ ڈر- (معارف القرآن)

راقم کے نزدیک اس مقام پر او کا ترجمہ اسی لفظ سے کرنا چاہیے نہ کہ ’یا‘ سے اس میں کوئی شک نہیں کہ او یا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ’یا‘ کبھی شک کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے- مثلاً-

لبثنا یوماً او بعض یوم (سورۂ الکھف:۱۹)

ہم ایک دن، یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں-

یعنی کہنے والے کو یقینی طور پر علم نہیں، کہ ان دونوں میں سے کون سی ایک بات ہوئی ہے- مگر زیر بحث آیت میں جو کچھ وارد ہے، وہ اللہ کی نسبت سے ہی فرمایا گیا ہے، لہذا سیاق عبارت بھی اس امر کی مقتضی ہے کہ یہاں اُو بمعنی ’بلکہ‘ ٹرانزلیٹ کیا جائے- کیوں کہ حرف أو کا

ترجمہ 'یا' کرنے سے اللہ تعالیٰ کا علم مشکوک قرار پاتا ہے۔ جب کہ اس کا علم، ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ لہٰذا اس مقام پر أو کا ترجمہ 'بلکہ' سے کرنا ہی صحیح ہے۔

حرف أو کا 'بلکہ' کے معنی میں ایک قرآنی استدلال ملاحظہ ہو:

وارسلنہ اِلیٰ مائة الف او یریدون ۔(سورہ الصفت: ۱۴۷)

'اور بھیجا ہم نے انہیں ایک لاکھ بلکہ زیادہ کی طرف۔'

(معارف القرآن)

یہاں یہ حوالہ شاید بے مزہ نہ رہے کہ مفتی احمد یار خان نعیمی نے اپنی تفسیر میں أو بمعنی 'بلکہ' لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں أو تو عاطفہ ہی ہے یا بمعنی بل۔'

(تفسیر نعیمی، جلد پنجم، ص ۲۳۳، مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور)

سورۂ مائدہ کی پہلی آیت میں **غیر محلی الصید** کا ترجمہ محدث صاحب کے ہاں بایں الفاظ کیا گیا ہے: 'حلال نہ جانتے ہوئے خشکی کے شکار کو' اس میں شکار کو خشکی کے شکار سے جو مخصوص کیا گیا ہے، وہ اس ترجمہ کے تفسیری ہونے کا بھی غماز ہے، کیوں کہ اس سورۃ میں آگے چل کر حکم مذکور کی تفصیل قرآن نے یوں کی ہے:

احل لکم صید البحر وطعامہ متاعاً لکم وللسیارة وحرم علیکم صید البر مادمتم حرماً (سورۂ المائدة: ۹۶)

'دریائی شکار اور اس کو غذا بنانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ تمہارے فائدہ کے لیے اور مسافروں کے لیے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار، جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو۔'

چنانچہ معلوم ہوا کہ اس مقام پر تفسیری ترجمہ، مطابق قرآن بھی تھا اور حکم خداوندی کی جامعیت کا مظہر بھی، اسی سورہ کی آیت ۲ میں ارشاد ہوا ہے:

واذا حللتم فاصطادوا (سورہ المائدہ: ۲)

اس حکم کو اشرف علی تھانوی نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

'اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو'

شکار کیا کرو کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم، تعمیل کا متقاضی ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں حکم خداوندی کا خلاف لازم آتا ہے جب کہ امر واقعہ یہ نہیں۔ یہاں **فاصطادوا** میں صیغہ امر، وجوب کے لیے نہیں بلکہ اجازت کے لیے آیا ہے، معلوم ہو کہ اصلاحی اور محمود حسن کے ترجمے سے بھی یہی کچھ مترشح ہے جو کہ ظاہر ہے کہ اپنے ابلاغ میں صحیح معنی دینے سے قاصر ہے۔

اس حکم خداوندی کو سید محدث نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے، جو مطابق امر واقعہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

'اور جب احرام کھول دیا تو شکار کھیلنا ہو تو کھیلو'

یہ بھی تفسیری ترجمہ کی ایک نہایت عمدہ مثال ہے۔

اسی طرح سورۂ المائدہ کی آیت ۱۰۳ میں ارشاد ہوا: **ماجعل اللہ من بحیرة ولا سائبة ولا وصیلة ولا حام**۔ الخ

اس آیت کا ترجمہ بھی حضرت محدث نے تفسیری انداز میں فرمایا ہے ملاحظہ ہو: ''اللہ نے نہیں ٹھہرایا کان چرے ہوئے جانور اور نہ سانڈ کو اور نہ وصیلہ بکری کو اور نہ حامی اونٹ کو۔' (معارف القرآن)

جب کہ باقی تمام مترجمین نے بحیرۃ کو بحیرہ، سائبۃ کو سائبہ، وصیلۃ کو وصیلہ اور حام کو حام یا حامی لکھ دیا ہے، دیکھئے محمود حسن، اصلاحی، عبد الماجد، مودودی، نذیر احمد، جالندھری، امرتسری، پیر صاحب اور علامہ کاظمی کے تراجم، البتہ امام احمد رضا خان کے ہاں اس آیت کا جزوی ترجمہ تفسیر سے ملتا ہے، مکمل ان کے ہاں بھی نہیں ہے، ملاحظہ ہو:

'اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے، کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔' (کنز الایمان)

آپ نے دیکھا کہ اس ترجمہ میں اعلیٰ حضرت نے بحیرۃ اور سائبہ کا ترجمہ تو کیا ہے، وصیلۃ اور حام کا ترجمہ ان کے ہاں بھی نہیں ملتا۔ یہ خصوصیت تمام مترجمین میں صرف محدث کچھوچھوی کو حاصل ہے، کہ ان کے ہاں ان چاروں لفظوں کو ترجمے میں قدرے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

محدث صاحب نے قرآنی اصطلاح **امر القریٰ** (سورہ الانعام: ۹۲) کو 'انسانی آبادیوں کی بنیاد' کے الفاظ سے کھولا ہے۔ آیت میں ان الفاظ کا استعمال دیکھیے:

وھذا کتب انزلنٰہ مبرٰک مصدق الذی بین یدیہ ولتنذر ام القریٰ ومن حولھا۔

'اور یہ کتاب ہے اس کو ہم نے نازل فرمایا برکت والی، تصدیق کرنے والی، جو اس سے آگے تھیں اور تا کہ ڈرادو انسانی آبادیوں کی بنیاد کو اور اس کے ہر جانب والوں کو۔' (معارف القرآن)

معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے ام القریٰ کو ’سب بستیوں کے سردار‘ اور سید مودودی نے ’بستیوں کے اس مرکز‘ کے الفاظ سے کھولا ہے، جب کہ عبدالماجد دریابادی اور امین احسن اصلاحی نے ام القریٰ کو ترجمہ میں بھی ’ام القریٰ‘ لکھا ہے- بقیہ سارے مترجمین نے مکہ والوں، مکہ کے لوگوں اور اہل مکہ سے ٹرانزلیٹ کیا ہے- ظاہر ہے کہ اس مقام پر سید صاحب کا ترجمہ اعلیٰ حضرت کی طرح تفسیری رنگ میں ہے-

سورۂ النساء کی آخری آیت میں ایک لفظ کـلـٰلـة استعمال ہوا ہے، ہمارے مترجمین بالعموم اس لفظ کا ترجمہ اسی لفظ سے کر دیتے ہیں- دیکھیے ہمارے مضمون کے تمام محولہ مترجمین کو-

مگر میرے ممدوح محترم نے اس لفظ کو کمال خوب صورتی سے اپنے ترجمہ میں واضح کیا ہے- فرماتے ہیں:

’یتیم و بیسر لا ولد‘ اور یہ مقام بھی سید صاحب کے تفسیری رنگ کا آئینہ دار ہے-

معلوم رہے کہ کـلـٰلـة کی اصل ’کلال‘ ہے جس کے معنی ’ضعف‘ کے ہیں- عرف میں کـلـٰلـة سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جن کے نہ والدین ہوں اور نہ اولاد- اس لفظ کی خوب صورتی اور جامعیت کے لیے آیت اور اس کا ترجمہ دیکھیے-

قل اللّٰه یفتیکم فی الکللة- الخ (سورۃ النساء:۱۷۶)

کہہ دو کہ اللہ بتائے دیتا ہے یتیم و بیسر لا ولد کے بارے میں- (معارف القرآن)

اس مقام پر محدث کچھوچھوی کو بلا شبہ انفرادیت حاصل ہے-

سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۱۰ میں ارشاد ہوا:

حتیٰ اذاا استیئس الرسل و ظنوا انهم قد کذبوا- الخ

معارف القرآن میں اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے:

’یہاں تک کہ جب رسولوں نے جلد عذاب آنے کی امید چھوڑ دی اور عوام نے سمجھ لیا کہ ان سے عذاب آنے کو جھوٹ کہا گیا تھا-‘
(محدث کچھوچھوی)

اس ترجمہ میں رسولوں کے حوالے سے جلد عذاب کی امید چھوڑنے کا تذکرہ کیا گیا ہے، مطلق عذاب کی امید چھوڑنے کا نہیں- کیوں کہ رسل عظام، اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید یا مایوس نہیں ہوتے، (جیسا کہ سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۸۷ میں بھی آیا ہے) اور چوں کہ کفار پر عذاب، رسول کے حق میں رحمت ہوتا ہے، اس لیے کفار پر عذاب الٰہی کی نسبت کیسے مایوس ہو سکتے ہیں؟

مذکورہ بالا آیت میں لفظ ظـنـوا کا فاعل بالعموم رسولوں کو قرار دیتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، مگر محدث کچھوچھوی نے اس کا فاعل عوام کو قرار دیا ہے جو کہ قرآن کے دیگر مقامات دیکھنے کے بعد یہ اس کا عین تقاضا بھی معلوم ہوتا ہے- اگر یہاں عوام کی بجائے رسول رکھ کر ترجمہ کیا جائے، تو بتائیے کہ رسولوں کے ایمان باللہ کی کیا حقیقت رہ جائے گی؟ مگر افسوس کہ قرآن کے درج ذیل مترجمین نے اس امر کا لحاظ کیے بغیر ترجمہ کر دیا- ملاحظہ ہو:

(۱) یہاں تک کہ پیغمبر مایوس ہو گئے اور گمان کرنے لگے کہ ان سے غلطی ہوئی- (عبدالماجد)

(۲) یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا- (محمود حسن)

(۳) یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور انہوں نے خیال کیا کہ (اپنی نصرت کے بارے میں جو بات انہوں نے کی تھی اس میں) وہ سچے نہ نکلے- (جالندھری)

(۴) یہاں تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہوئی اور ان کو جھوٹ کا گمان گزرا- (امرتسری)

(۵) یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی- (تھانوی)

(۶) یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور (بتقضائے بشریت) ان کو ایسا واہمہ گزرا کہ (کہیں کسی وجہ سے) ہمارے ساتھ وعدہ خلافی تو نہیں کی گئی- (ڈپٹی نذیر احمد)

ان تراجم کو دیکھنے کے بعد انبیائے کرام کا جو Posture بنتا ہے- کیا یہ وہ پوسچر نہیں کہ اگر اسے طبقۂ علما سے ہٹ کر کوئی اور بنا دیتا، تو وہ انہی علما کے فتوی کفر کی زد میں ہوتا اور گردن زدنی ہوتا، بلکہ مباح الدم ہوتا- مگر یہاں انبیائے کرام کی یہ تصویر بنانے والے، چوں کہ خود علما و مترجمین قرآن ہیں، اس لیے انہیں کون پکڑ سکتا ہے؟ کون سزا دے سکتا ہے؟ ان تراجم کی رو سے اس کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ:

پیغمبر ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جھوٹ بولا تھا اور یہ کہ ان کو اپنی غلط فہمی کا گمان غالب

ہوتا ہے- (**نعوذ باللہ من ذلک**) اور وہ اس واہمہ سے بھی گزرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے- کیا یہ طرزِ فکر قرآنی ہے اور کیا اسے اسلامی عقیدہ قرار دیا جا سکتا ہے؟ نہیں! حاشہ للہ، ہرگز نہیں! مگر افسوس کہ ہمارے بعض مترجمین نے اس مقام پر انتہائی غلط اور گمراہ کن ترجمہ کرکے، سلمان رشدی جیسے لوگوں کو raw material فراہم کر دیا ہے-

مگر سید محدث کے ہاں اس آیت کا ترجمہ اپنے سیاق میں ہیرے کی طرح چمکتا دکھائی دیتا ہے، ایک بار پھر ملاحظہ ہو:

’یہاں تک کہ جب رسول نے جلد عذاب کی امید چھوڑ دی اور عوام نے سمجھ لیا کہ ان سے عذاب آنے کو جھوٹ کہا گیا تھا-‘

ووجدک ضالاً فھدیٰ (سورہ الضحیٰ: ۷)

اور پایا تمہیں متوالا، تو اپنی راہ دیدی- (معارف القرآن)

پہلے لفظ ’متوالا‘ کا استعمال مترجم مذکور کے ہاں ایک اور جگہ سے ملاحظہ فرمائیں-

والذین اٰمنوا اشد حبا للہ- الخ (سورہ البقرہ: ۱۶۵)

جو ایمان لا چکے، وہ سب سے زیادہ متوالے ہیں- (معارف القرآن)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید میں آتا ہے:

ماضلّ صاحبکم وماغویٰ (سورہ النجم: ۳)

تمہارا ساتھی نہ رستہ بھولا ہے، نہ گمراہ ہوا ہے-

حضرت محدث کچھوچھوی نے اس ارشادِ ربانی کے پیش نظر **ووجدک ضالاً فھدیٰ** کا کیا روح پرور اور وجد آفریں ترجمہ کیا- ایک بار پھر ملاحظہ ہو: ’اور پایا تمہیں متوالا تو اپنی راہ دیدی‘

جب کہ دوسرے مترجمین نے لفظ ضالاً کے جو معنی کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ناواقف (جالندھری) (۲) ناواقف راہ (مودودی) (۳) بے خبر (امرتسری، عبدالماجد اور تھانوی) (۴) بھٹکتا (محمود حسن) (۵) راہ حق کی تلاش میں بھٹکا بھٹکا (ڈپٹی نذیر احمد) (۶) جویائے راہ (اصلاحی) (۷) اپنی محبت میں گم (علامہ کاظمی) (۸) اپنی محبت میں خود رفتہ (اعلیٰ حضرت اور پیر کرم شاہ ازہری)

واضح ہو کہ ان مترجمین کا مقصود فقط یہ ہے کہ **فھدیٰ** کو بطور، ازدیادِ نعمت کے لیا جائے، جو اس لفظ کے ساتھ سیاق کلام کا تقاضا بھی ہے مگر اس تقاضے کی تکمیل میں بعض مترجمین نے کچھ ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو کسی بھی طرح مناسب رسالت نہیں- مثلاً راہ حق کی تلاش میں بھٹکا بھٹکا اور بھٹکتا جیسے الفاظ جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتی- اسی طرح ناواقف، ناواقف راہ، اور بے خبر کے الفاظ، گو اول الذکر کے مقابلے میں ہلکے ہیں، مگر یہ بھی حضور کی شایانِ شان نہیں- البتہ جویائے راہ، اپنی محبت میں گم، اپنی محبت میں خود رفتہ اور متوالا کے الفاظ سے سیاق کلام کا تقاضا بھی مکمل ہوتا ہے اور حضور کی طرف ان الفاظ کی نسبت بھی ان کے شایان شان لگتی ہے- مگر ان چاروں الفاظ میں ’متوالا‘ کی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ لفظ ضالاً کا ایک لفظی ترجمہ ہے، جو میرے ممدوح محترم نے کیا ہے-

وعصیٰ اٰدم ربہ فغویٰ (سورہ طہٰ: ۱۲۱)

اس آیت کا ترجمہ تھانوی صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا، سو غلطی میں پڑ گئے-

محمود حسن نے یوں کیا اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی پس وہ بھٹک گیا-

عصمت انبیا کے عقیدے کا اعتراف بھی ہو اور پھر ترجمہ ان لفظوں میں ہو، تو بات بڑی عجیب بلکہ مضحکہ خیز ہو جاتی ہے- اب آپ میرے ممدوح کا ترجمہ دیکھیے-

اور بھول گئے آدم اپنے رب کے حکم کو، تو انہوں نے بھی اپنا چاہا کھو دیا- (معارف القرآن)

بھولنا اور اپنا چاہا کھونا، کیا خوب ترجمانی ہے- حقیقت بھی بیان ہو گئی اور نبی کی عصمت بھی محفوظ ہو گئی- کیوں کہ بھولنے میں ارادہ شامل نہیں ہوتا- گویا آدم کا یہ عمل غیر ارادی تھا، ورنہ نبی اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کر سکتا ہے؟ اور پھر **فغویٰ** کا غلطی میں پڑنے، بہکنے، بھٹکنے، بے راہ ہونے اور اس کی راہ نہ پانے، جیسے الفاظ سے ادائیگی مفہوم دیکھیے اور پھر ’اپنا چاہا کھونے‘ کے الفاظ پر غور کیجیے- فرق صاف معلوم ہو جائے گا، کس کا ترجمہ عظمتِ انبیا اور عصمتِ انبیا کا آئینہ دار ہے؟

ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا- الخ (سورہ المائدہ: ۴۴)

اس فقرہ کا بالعموم جو ترجمہ کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

اس کے مطابق خدا کے فرمانبردار انبیا فیصلے کرتے تھے (اصلاحی)

مگر میرے ممدوح محترم نے اس فقرہ کا منفرد ترجمہ کیا ہے ملاحظہ ہو: ''فیصلہ کرتے رہے یہودیوں کا اسی پر انبیا جو پیغام اسلام لاتے رہے''-(معارف القرآن)

سب کے ہاں اسلموا کا ترجمہ ''فرمانبردار'' کیا گیا ہے، مگر محدث کچھوچھوی نے ''جو پیغام اسلام لاتے رہے'' کے الفاظ سے اس کا ترجمہ کیا ہے-یہ وہ ترجمہ ہے جس کی وضاحت ایک الگ مفصل مضمون کی متقاضی ہے-

فلما جن عليه الليل راٰكو كبا قال هذا ربى فلما افل قال لااحب الاٰفلين فلما راٰالقمر بازغا قال هذا ربى فلما افل قال لان لم يهدنى ربى لاكونن من القوم الضالين- فلما رأالشمس بازغة قال هذا ربى هذا اكبر فلما افلت قال يقوم انى برئ مما تشر كون-(سورہ الانعام:۷۶تا۷۸)

''پس جب چھا گئی ان پر رات، ایک تارہ کو دیکھا اور کہا ایں، یہ ہمارا پروردگار ہے- پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا- پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا، کہا اچھا یہ ہے ہمارا پروردگار- پھر جب ڈوب گیا، تو کہا بے شک اگر راہ نہ دیتا مجھ کو میرا پرودگار، تو میں ضرور گمراہ قوم سے ہو جاتا- پھر جب دیکھا آفتاب کو چمکتا ہوا، کہا اخوہ! یہ ہے ہمارا پروردگار، یہ بہت بڑا ہے، پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا اے قوم بے شک میں بیزار ہوں ان سے، جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو-''

(معارف القرآن)

اس ترجمے میں اَیں، اچھا، اخوہ، کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں- ان کے استعمال سے ترجمہ اپنے ابلاغ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے- اردو تراجم میں اس مقام پر اتنا خوب صورت اور رواں ترجمہ، شاید ہی کسی نے کیا ہو، اس ترجمہ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بحیثیت نبی معصومیت بھی برقرار ہے اور ان کا عقیدہ توحید بھی ڈگمگاتا نظر نہیں آتا- اس مقام پر آپ خود دوسروں کے تراجم دیکھ کر مقابلہ کر لیجیے، فرق صاف معلوم ہو جائے گا کہ آیا یہ ترجمہ زیادہ بہتر، جامع اور پیغمبرانہ منصب کے لائق و مناسب ہے یا دوسروں کا-

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

□□□

ماہنامہ جام نور کے تاریخی انٹرویوز کا مجموعہ

روبرو

(۳؍جلدیں)

شائع ہو چکا ہے

ترتیب: **خوشتر نورانی**

ناشر: **ادارۂ فکر اسلامی، دھلی**

معاصر مذہبی، مسلکی، ملی، علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی، سماجی اور صوفی مسائل پر مشاہیر وقت کے افکار و خیالات کے اس دستاویز کو درجہ ذیل تین جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پھلی جلد: علما و مشائخ پر مشتمل ہے

صفحات:364، قیمت:/160

دوسری جلد: ادبا، شعرا اور ناقدین ادب پر مشتمل ہے

صفحات:306، قیمت:/140

تیسری جلد: ملی، سیاسی، تعلیمی، تحریکی اور صحافتی شخصیات پر مشتمل ہے-

صفحات:306، قیمت:/140

ادارۂ فکر اسلامی دہلی کی طرف سے شائع شدہ تقریباً ہزار صفحات پر پھیلے اس علمی، فکری اور تاریخی دستاویز کے لیے مکتبہ جام نور دہلی سے رابطہ کریں-

Phone:011-23281418,09313783691

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی☆

'کنز الایمان' اور 'معارف القرآن' کا تقابلی مطالعہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' کے تعلق سے صدہا مضامین شائع ہو چکے ہیں ان میں سے بیشتر کا تعلق اغیار کے تراجم کے ردو ابطال سے ہے- یعنی کنز الایمان کی خوبیوں پر کم توجہ دی گئی ہے، اغیار کے تراجم کی غلطیوں کی نشاندہی پر زیادہ زور قلم صرف کیا گیا ہے، اس سے صحیح اور غلط کا امتیاز تو ہو گیا، لیکن کنز الایمان کا حقیقی حسن ہنوز پس پردہ رہ گیا - فاضل بریلوی اپنے عہد کے اعلم العلما بھی تھے اور زبان و بیان کے اعتبار سے بھی وہ جلال و امیر سے کم نہ تھے اس لیے وہ قرآنی آیات کے مفہوم و مراد کو اردو زبان میں منتقل کرنے پر دیگر مترجمین سے زیادہ قدرت رکھتے تھے، افسوس اس نہج پر کام نہیں ہوا بلکہ چند تفردات ایسے ہیں جن پر محققین کو خصوصی طور پر توجہ کرنی چاہیے تھی مثلاً آیہ کریمہ **ولا تلبسوا الحق بالباطل** کا ترجمہ ہر کسی نے یوں کیا ہے ''نہ ملاؤ حق کو باطل سے'' یعنی حق کو **لاتلبسوا** کا مفعول بہ قرار دیا گیا ہے- فارسی تراجم میں شیخ سعدی اور شاہ ولی اللہ نے بھی اسی طرز پر ترجمہ کیا ہے- ذہن بھی اسی کو قبول کرتا ہے کہ ملاوٹ اصلی میں نقلی کی ہوتی ہے لیکن سارے ترجمے حق کو باطل سے نہ ملانے کو ظاہر کر رہے ہیں یہ ایک بہترین موضوع ہے ان لوگوں کے لیے جو کنز الایمان پر کچھ کام کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح آیہ کریمہ ''**قل ھو اللہ احد**'' کا عام طور پر ترجمہ یوں کیا جاتا ہے ''تم کہو وہ اللہ ایک ہے'' کنز الایمان میں ترجمہ یوں کیا گیا ہے ''تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے'' یہ محض دو مثالیں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ترجمہ کرتے وقت فاضل بریلوی کے پیش نظر فارسی اور اردو کے تراجم نہیں تھے، بایں ہمہ سب سے منفرد ترجمہ کرنے میں کچھ خاص ضرور ہے جو زبان اور قواعد کی روشنی میں سامنے آنا چاہیے-

عربی زبان سے فارسی اور اردو زبان میں ترجمہ کرنے والوں میں سب سے زیادہ دقت کا سامنا ان بزرگوں کو کرنا پڑا ہوگا جنہوں نے پہلے پہل یہ کام کیا ہوگا- شاہ عبد القادر وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اردو زبان میں قرآن کا بامحاورہ ترجمہ فرمایا، بقول شخصے- ''اردو زبان اس دور میں ابتدائی منزل سے گزر رہی تھی اور اس کا دامن بھی الفاظ و تراکیب کی وسعت سے خالی تھا مگر شاہ عبد القادر صاحب نے جو بامحاورہ ترجمہ کیا ہے اسے شاہ صاحب کی مذہبی صلاحیت اور ذہانت و فطانت کا کمال ہی کہا جا سکتا ہے'' اور بقول شخصے ''شاہ صاحب نے مسجد اکبرآبادی میں چالیس برس اعتکاف کی حالت میں ترجمہ قرآن تحریر فرمایا'' اور بہ قول ڈپٹی نذیر احمد، جنہوں نے خود بھی ۱۳۱۱ھ میں ترجمہ قرآن کیا ہے ''جب ایک خاندان کے ایک چھوڑ تین تین ترجمے لوگوں کو مل گئے ایک فارسی مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا اور اکٹھے دو دو اردو ترجمہ ایک شاہ عبد القادر صاحب کا اور ایک شاہ رفیع الدین صاحب کا تو اب ہر ایک کو ترجمے کا حوصلہ ہو گیا مگر خاندان ولی اللہی کے سوا کوئی شخص مترجم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا وہ ہرگز مترجم نہیں بلکہ مولانا شاہ ولی اللہ اور ان کے بیٹوں کے ترجموں کا مترجم ہے کہ انہیں ترجموں میں اس نے ردو بدل، تقدیم و تاخیر کر کے جدید ترجمہ کا نام کر دیا ہے'' ڈپٹی نذیر احمد کی اس رائے سے ضروری نہیں کہ بالکلیہ اتفاق کیا جائے لیکن یہ سچ ہے کہ شاہ عبد القادر صاحب جیسے صاحب کشف بزرگ نے ترجمہ قرآن کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے یہ بعد کی نسل کے مترجمین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا ہے-

مولانا اخلاق حسین قاسمی کی ایک تحریر سے مستفاد ہے کہ شاہ صاحب کے موضح قرآن میں بعد میں کچھ لفظی و معنوی تحریف کی گئی ہے، میرے خیال میں ضرور کی گئی ہے- شاہ صاحب کے بعد دہلی میں مولانا اسماعیل کے پیروکاروں کا غلبہ رہا- مولانا مملوک علی اور مولانا خرم علی وغیرہ سے جو سلسلہ چلا وہ شاہ عبد العزیز اور شاہ عبد القادر کے معتقدات سے ہٹ چکا تھا- موضح قرآن کی اشاعت اسی سلسلہ کے لوگوں کے ہاتھوں عمل میں آئی، نتیجہ ظاہر ہے اگر یہ نہ ہوتا تو شاید اعلیٰ حضرت کو الگ سے ترجمہ قرآن کی ضرورت کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت واقع نہ ہوتی-

☆T-181,2nd Floor,Model Basti,Chamelian Road,New Delhi-5

کنزالایمان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

''امام احمد رضا زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر ولغت ملاحظہ فرماتے بعدۂ آیت کے معنی سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اسی طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ سے بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے''۔

(المیزان امام احمد رضا نمبر)

اس عبارت سے واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ترجمہ کا کام کسی کتاب کی مدد کے بغیر کیا اور ایسا علمی استحضار تھا کہ انہیں کسی کتاب کی مدد کی ضرورت بھی نہیں تھی، بعد کے قلم کاروں نے تو اسے اور بھی چٹ پٹا بنا کر پیش کیا ہے، لیکن ''تذکرہ اعلیٰ حضرت بزبان صدر شریعت'' کچھ اور ہی کہتا ہے، یہ تذکرہ ۲۰۰۳ء میں دوسری بار تحریک فکر رضا ممبئی نے شائع کیا ہے، جو علامہ عبدالحکیم شرف قادری کی تقریظ سے مزین ہے، اس کتاب میں ''اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کی درخواست'' کا ایک عنوان قائم کیا گیا ہے، اس میں صدر الشریعہ نے ترجمہ قرآن کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے اس کی گزارش کی ہے، اس کا جو جواب اعلیٰ حضرت نے دیا ہے اس کا علاحدہ عنوان ''اشاعت ترجمہ کی مشکلات'' قائم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ''ترجمہ قرآن پاک کا اہتمام'' کے عنوان کے تحت جو مذکور ہے اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

(اعلیٰ حضرت نے۔ شرر) فرمایا کہ ''دوسرے لوگوں کے تراجم بھی حاصل کر لیے جائیں تاکہ اس ضمن میں ان کے اغلاط پر تنبیہات بھی کر دی جائیں یہ بھی ایک ضروری کام ہے، (دوسروں کے ترجمہ والا) قرآن پاک ڈاک وغیرہ سے نہ منگایا جائے کہ اس میں بے ادبی ہوتی ہے بلکہ اس کے لیے جہاں سے دستیاب ہوتے ہوں، جا کر ایسے طریقے پر لایا جائے کہ بے ادبی نہ ہو، میری عدیم الفرصتی اور کام کی کثرت نے مہینوں تک تراجم کے حاصل کرنے کا موقع نہ دیا خیر کسی نہ کسی طرح انہیں شرائط کے مطابق اس زمانے میں جتنے ترجمے شائع ہو چکے تھے سب حاصل کر لیے گئے اور ترجمے کا کام بفضلہٖ تعالیٰ شروع ہوا۔ چند روز یہ طریقہ رہا کہ آیت پڑھی جاتی اور اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ لکھواتے اس کے بعد شیخ سعدی علیہ الرحمہ، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، مرزا حیرت دہلوی، اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم کے ترجمے سنائے جاتے اور ان تراجم میں جہاں کہیں غلطیاں ہوتیں ان پر تنبیہ فرماتے۔''

(چند سطروں کے بعد۔ شرر) ''حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ فارسی میں اور شاہ عبدالقادر صاحب کا اردو میں یہ دو ترجمے سنائے جاتے اور اس کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا، حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ نہایت پاک وصاف ہے سوا اس کے کہ وہ مذہبا شافعی ہیں، آیات کا مطلب شافعیہ کچھ اور لیتے ہیں اور حنفیہ کچھ اور، وہاں تو ان کا ترجمہ ہمارے مذہب کے خلاف ضرور تھا ورنہ کہیں بھی بہ ظاہر کوئی سقم نظر نہیں آیا، شاہ عبدالقادر کا ترجمہ بھی تقریباً صحیح ہے مگر بعض جگہ ان کے ترجموں میں بھی خرابی نظر آئی۔'' (ص: ۴۳)

کیا ان عبارات سے ظاہر نہیں ہے کہ ترجمہ کے دوران شیخ سعدی کا ترجمہ فارسی اور شاہ عبدالقادر کا ترجمہ اردو کو بالالتزام پڑھ کر سنایا جاتا تھا؟ اور کیا اس سے مستفاد نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ان دو تراجم سے بھر پور استفادہ کیا؟ یہ اور بات ہے کہ جہاں کسی آیت کے ترجمے میں کوئی خرابی نظر آئی وہاں آپ کی بصیرت نے آپ کی رہنمائی کی۔

جب شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ فارسی بالکل صحیح تھا اور شاہ صاحب کا ترجمہ اردو بھی تقریباً صحیح تھا اور دونوں ترجمے سنائے جاتے تھے پھر ایک ماہر علم وفن کو ترجمہ کرتے وقت مزید غور وفکر کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ترجمہ اس وقت میرے پیش نظر ہے اور فتاوی رضویہ کی وہ عبارت بھی جس میں اعلیٰ حضرت نے ترجمہ شیخ سعدی کے بالکل صحیح ہونے کا سرٹیفکٹ دیا ہے (بحوالہ فتاوی رضویہ، جلد دہم، نصف آخر، ص: ۱۲۷) اس لیے کنزالایمان کے تعلق سے بعد کے قلم کاروں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کچھ زیادہ ہی میٹھا ہو گیا ہے ہمیں اپنے بزرگوں کے احسانات فراموش نہیں کرنے چاہئیں۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اعلیٰ حضرت نے ترجمہ میں صیغوں کا استعمال نہایت غور وفکر کے ساتھ کیا ہے اور بیان مراتب کے لیے ذہن میں ایک خاکہ مرتب کیا جو کنزالایمان میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ''قل'' کا ترجمہ اس آیہ شریفہ کے تحت ''عرض کرو'' کیا ہے۔ وقل رب اغفر وارحم

وانت خیر الرحمین اور تم عرض کرو اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما اور تو سب سے برتر رحم کرنے والا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے اپنے لیے فرمایا ہے- اس لیے یہاں قل کا ترجمہ عرض کرو نہایت مناسب ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ دوسروں سے کہو وہاں قل کا ترجمہ ''تم فرماؤ یا تم فرمادو'' کیا گیا ہے- یہاں اس امر کی رعایت ملحوظ ہے کہ لفظ ''تم'' سے خطاب، خدا کا رسول کے لیے ہے اور ''فرماؤ یا فرمادو'' سے رسول کا برائے دیگراں ہے، مثلاً:

قل اغیر الله اتخذ ولیا
تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں؟
قل انما هو اله واحد
تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے
قل اریتم ان اخذ الله سمعکم وابصارکم
تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے

اور جہاں اللہ تعالیٰ کا کلام دیگر انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے وہاں بالالتزام صیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے، اس کی چند مثالیں پیش ہیں:

ونجینه ولوطا
اور ہم نے اسے اور نوح کو نجات بخشی
ولسلیمن الریح عاصفة الآیۃ
اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کردی کہ اس کے حکم سے چلے
وذاالنون اذ ذهب الآیۃ
اور ذوالنون کو جب چلا غصے میں بھرا
ولقد آتینا ابرهیم رشده الآیۃ
اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کردی-
فاوحینا الیٰ موسی ان اضرب بعصاک البحر
تو ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ دریا پر اپنا عصا مار

میں نے کنزالایمان کا بالاستیعاب از اول تا آخر مطالعہ نہیں کیا ہے، لیکن جہاں تک نظر گئی ہے اس کی روشنی میں یہ عرض کیا گیا ہے- ان تراجم سے ظاہر ہے کہ صیغوں کا استعمال نہایت غور وفکر کے ساتھ کیا گیا ہے، برجستہ اور فی الفور جیسے الفاظ سے جو لوگ کنزالایمان کی خوبیاں بیان کرتے ہیں انہیں فاضل بریلوی کی دیگر کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے، احکام ومسائل کی کتب میں جہاں آیات قرآنیہ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہاں ضرور یہ بات صادق آتی ہے، کنزالایمان میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جہاں تک میری نظر گئی ہے کہیں بھی نہ تو قل کا ترجمہ ''تو'' کیا گیا ہے نہ ''آپ'' لیکن دیگر کتب میں ''تو'' ''آپ'' دونوں ملتے ہیں- مثلاً:

قل لله اذن لکم ام علی الله تفترون
اے نبی تو ان لوگوں سے فرما اللہ نے تمہیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر بہتان باندھتے ہو- (فتاویٰ رضویہ، ۱۷، ص: ۳۳۰ برکات رضا پور بندر، گجرات)

کنزالایمان میں ترجمہ یوں ہے- تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو

یا یها النبی حسبک الله
اے نبی تجھ کو اللہ کافی ہے (الملفوظ، ج ۳، ص: ۵۲)

کنزالایمان میں ترجمہ یوں ہے اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے-

یا یها النبی جاهدا الکفار و المنفقین
اے نبی جہاد کر کافروں اور منافقوں سے
(الملفوظ، ج ۱، ص: ۴۱)

کنزالایمان میں ترجمہ یوں ہے: اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر

لاتجد قوما یؤمنون بالله والیوم الآخر یوادون من حاد الله ورسوله
نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو جو اللہ ورسول اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ ورسول کے مخالفوں سے دوستی رکھیں-
(الملفوظ، ۳، ص: ۶۱)

کنزالایمان میں ترجمہ یوں ہے- تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی-

عبارات مذکورہ سے واضح ہے کہ کنزالایمان میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے لیے ہر جگہ قل کے ترجمہ میں لفظ ''تم'' سے آ گیا ہے اور ہر جگہ صیغۂ جمع سے منصب رسالت ظاہر کیا گیا ہے تاہم قـــــل کا تینوں ترجمے صحیح ہیں، ان پر کسی کو معترض نہیں ہونا چاہیے۔

برسوں پہلے کی بات ہے مولانا اخلاق حسین قاسمی نے کنزالایمان کے چند ترجموں پر اعتراض وارد کیا تھا راقم الحروف نے اس کا حسب توفیق جواب دیا تھا جو متعدد رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ ایک اور مضمون کنزالایمان اور معارف القرآن کے تقابلی مطالعہ کے تعلق سے بھی تھا اس پر بھی اظہار خیال کیا گیا تھا جو ماہنامہ قاری وغیرہ میں چھپ چکا ہے، اس میں شک نہیں کہ کنزالایمان جیسا ایمان افروز ترجمہ پیش کر کے اعلیٰ حضرت نے امت مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا ہے آج تقریباً ہر سنی گھر میں یہ موجود ہے اور قارئین اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔

البتہ میں نے یہ ضرور کہا تھا کہ اردو ایک ارتقا پذیر زبان ہے بہت سے الفاظ جو قدیم زمانے میں رائج تھے ان کا چلن اب نہیں رہا اور سیکڑوں نئے الفاظ سے اردو مالا مال ہو رہی ہے۔ اس لیے کسی ترجمہ و تصنیف کے بارے میں یہ کہنا کہ الفاظ و عبارات کے لحاظ سے یہ حرف آخر ہے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات اس دعویٰ کے تناظر میں کہی گئی ہے جو کنزالایمان کے بارے میں کیا گیا تھا، مجھے افسوس ہے کہ فاضل بریلوی سے اظہار عقیدت کرنے والے بعض اہل قلم نے کہیں کہیں ایسا غلو کیا ہے کہ اب اس کا نقصان علمی حلقوں میں دیکھا جا رہا ہے جام نور کے اسی شمارہ مارچ ۲۰۱۱ء میں مولانا غلام رسول سعیدی کی یہ منقولہ عبارت نظر سے گزری کہ ''اگر قرآن مجید اردو زبان میں اترا ہوتا تو یہ عبارت اس کے قریب تر ہوتی'' (ص:۶۲)

زیرنظر ترجمہ کنزالایمان یقیناً اردو زبان و ادب کا گنج شائگاں ہے لیکن اس کی ادبی و لسانی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لیے جس استعداد کی ضرورت ہے وہ ہمارے یہاں ناپیدسی ہے، کنزالایمان پر تحقیق کرنے والوں کے پورے سرمائے کا ۹۹ فیصد اغیار کے تراجم کی اغلاط کی نشاندہی پر مشتمل ہے فاضل بریلوی سے علمی استفادہ کرنے والے اگر چاہتے تو ان الفاظ کو رائج کرتے جو اعلیٰ حضرت نے استعمال کئے ہیں جن کی نظیر سابق میں نہیں ملتی جو سبک بھی ہیں اور کانوں کو بھلے بھی معلوم ہوتے ہیں جیسے کافرعورتوں کی جگہ ''کافرنیوں'' جو ان عورتیں'' کی جگہ ''جوانیں'' اور روزہ دار عورتیں کی جگہ ''روزہ داریں'' وغیرہ اگر ہمارے علما اور خواندہ حضرات ان الفاظ کو تسلسل کے ساتھ استعمال کرتے تو آج یہ ہماری زبان کا حصہ بن کر سکۂ رائج الوقت ہوتے۔

حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے ناگ پور میں ۱۳۷۹ھ کے جشن ولادت امام احمد رضا کے موقع پر اپنے تحریری خطبۂ صدارت میں کنزالایمان کے تعلق سے لکھا تھا ''علم قرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیٰ حضرت کے اس ترجمے سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا جو بہ ظاہر ترجمہ ہے مگر در حقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے۔ (المیزان، امام احمد رضا نمبر، ص: ۲۴۵)

محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے اس قول کو اتنی شہرت ہوئی کہ ہندو پاک کے بیشتر اہل قلم جنہوں نے کنزالایمان پر خامہ فرسائی کی ہے اس قول کو زینت قرطاس بنایا ہے، مجھے حیرت ہے کہ کہ گنتی کی یہ چند سطریں تو انہیں یاد رہیں او ر ۲۴۷ صفحات پر مشتمل ''معارف القرآن'' نظروں سے اوجھل رہا بالکل سامنے کا سوال ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا تو پھر محدث اعظم نے معارف القرآن کے نام سے ایک علاحدہ ترجمہ قرآن کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ اس کے جواب میں اس کے سوا کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ محدث اعظم کی مراد یہ ہے کہ کنزالایمان اپنے معانی و مفاہیم کے اعتبار سے ایسا جامع اور معتبر تفاسیر سے غذا یافتہ ترجمہ ہے کہ اگر مستعملہ الفاظ کی جگہ ایسے الفاظ لائے جائیں جن سے معانی و مفاہیم تبدیل ہو جائیں تو یہ قرآن کی حقیقی مراد کے خلاف ہوگا۔

اس میں کسی فرد کا اختلاف نہیں ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ کرتے وقت حضور محدث اعظم علیہ الرحمہ کے پیش نظر کنزالایمان تھا شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں مدظلہ کو بھی اس کا اعتراف ہے اس لیے جن لوگوں نے معارف القرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور محدث اعظم ہند نے اپنے ترجمے میں کنزالایمان کی خوبیوں کو سمیٹ لیا ہے اور رائج الفاظ سے ترجمے کو عوام و خواص تک رسا بنا دیا ہے اس

سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا۔

کنزالایمان کے بہت سے الفاظ کی وضاحت متن ترجمہ کے ساتھ قوسین میں کی گئی ہے اور کچھ الفاظ کی وضاحت مولانا عبدالمبین نعمانی نے اپنے نسخۂ مصححہ کنزالایمان کے فٹ نوٹ میں فرمائی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ ان کی نظروں میں وہ الفاظ یا تو متروک تھے یا وہ غیر معروف یا علاقائی تھے جو سب کے لیے نافع نہیں رہ گئے تھے، محدث اعظم ہند نے اپنے ترجمے میں وہ الفاظ استعمال فرمائیے ہیں جو اب بھی رائج اور فصیح ہیں مثلاً:

وفی اٰذانھم وقرا
اوران کے کانوں میں ٹینٹ (کنزالایمان)
اوران کے کانوں میں ڈاٹ (معارف القرآن)

کمثل جنة بربوة اصابھا
اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو (کنزالایمان)
جیسے باغ ہو ٹیلے پر (معارف القرآن)

وخسف القمر
اور چاند گہے گا (کنزالایمان)
اور گہن میں پڑا چاند (معارف القرآن)

یہ محض چند مثالیں ہیں جن میں کنزالایمان کا کوئی لفظ غلط نہیں ہے لیکن معارف القرآن نے رائج الوقت الفاظ استعمال کر کے عوام و خواص کے لیے قابل فہم بنا دیا۔

اسی قبیل کا ایک لفظ ’’کڑوڑا‘‘ ہے جو اردو کے سابق تراجم میں داروغہ کی جگہ اعلیٰ حضرت نے استعمال کیا ہے، لیکن محدث اعظم نے کڑوڑا کا استعمال کہیں نہیں کیا ہے بلکہ آیہ مبارکہ **ولست علیھم بمصیطر** کا ترجمہ جواب دہ، داروغہ کیا ہے۔ یہاں مجھے کڑوڑا سے کوئی سروکار نہیں ہے، معترض بھی نہیں ہوں، لغت کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے، لیکن جن لوگوں نے اغیار کے ترجمہ میں وکیل یا **مصیطر** کا ترجمہ داروغہ دیکھ کر بکواس کی ہے ان کو اس کثیر الجہات اور کثیر المعانی لفظ کے بارے میں کچھ اتا پتا نہیں ہے، یہ لوگ داروغہ کو محض پولیس محکمہ کا ایک عہدہ سمجھتے ہیں جس کے اوپر کپتان ہوتا ہے، اس کے اوپر ڈی آئی جی وغیرہ۔

اس لیے میں یہاں اس کی قدرے وضاحت کیے دیتا ہوں تا کہ شاہ عبدالقادر شاہ رفیع الدین اور حضور محدث اعظم ہند کے ترجموں میں اس لفظ کے برمحل استعمال کا اندازہ ہو سکے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ داروغہ زمانہ قدیم میں سرکاری عہدہ سے مختص نہیں تھا، مملکت کے رؤسا کے یہاں بھی داروغہ رکھے جاتے تھے جو امور مفوضہ کے نگراں اور ذمہ دار ہوتے تھے۔ میر انیس کے نواسے پیارے صاحب رشید کے تذکرہ میں ہے:

’’چوں کہ میر صاحب قبلہ ملکہ جہاں (میر صاحب کی اہلیہ کا نام) کے ہمراہ جانا چاہتے تھے لہذا یہاں کے انتظام و انصرام کے لیے ایک اور داروغہ کی ضرورت محسوس ہوئی اس کے لیے میر صاحب کے صاحبزادہ جناب صابر صاحب تجویز ہوئے‘‘۔

(ص:۱۲۸، صح المطابع تھوئی ٹولہ لکھنو)

اس کے علاوہ لغت نامہ دہخدا میں ہے:

داروغہ (غ) رئیس شب گرداں سر پا سباناں داروغہ کہ در زمان مغولی بہ معنی رئیس است یک اصطلاح عمومی اداری است از احسن التواریخ چنیں مستفادمی گردد کہ داروغہ بہ طور کلی بہ حکام اطلاق می شدہ۔
بعد ہا لقب حاکم پائے تخت گردیدہ

(ج-ص:۶۲۳ از علی اکبر دہخدا)

داروغہ (تر-مغ) داروغا نگہبان خانہ یا ادارہ، محافظ قریہ یا شہر بزرگ تر ہر صنف و دستہ سر و دستہ نگہباناں، کلاں تر۔

(فرہنگ فارسی، دکتور معین)

جیسا کہ مذکور ہوا کنزالایمان میں حضور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیا و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے صیغہ واحد کا استعمال کیا گیا ہے، معارف القرآن میں ایسا نہیں ہے بلکہ صیغے وہی استعمال کیے گیے ہیں جو نفس رسالت و نبوت کے اعتبار سے صاحب معارف نے مناسب خیال فرمایا، مثلاً:

ونجینه ولوطا الآیه
اور بچالے گیے ہم انہیں اور لوط کو

ولسلیمن الریح عاصفه الآیه
اور سلیمان کے لیے تیز ہوا کو کہ چلا کرے ان کے حکم سے

وذا النون اذ ذھب الآیه
اور ذوالنون کو جب کہ چل پڑے تھے غصے میں بھرے۔ وغیر ذلک

بندۂ راقم کی نظر میں ان میں سے کوئی بھی غلط نہیں ہے زیادہ اچھا کون سا ترجمہ ہے اس کا فیصلہ قارئین خود فرمائیں گے-

کنز الایمان میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے اور وہ اپنے کافر باپ سے مخاطب ہیں وہاں بھی دونوں تراجم میں انداز بیان کا بین فرق ہے، اعلیٰ حضرت کی نظر اس پر تھی کہ آزر کافر تھا اس کے ساتھ رو رعایت چہ معنی اور محدث اعظم کی نظر اس پر تھی کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے باپ تھے اس لیے امور دیناوی میں صلہ رحمی کے کچھ تو تقاضے ہیں- دونوں ترجمے ملاحظہ ہوں:

اذ قال لابیہ یابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئا-یٰابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اھدک صراطا سویا- یٰابت لاتعبد الشطن، ان الشیطن کان للرحمٰن عصیا- یٰابت انی اخاف ان یمسک عذاب من الرحمن فتکون للشیطن ولیا-

ترجمۂ اعلیٰ حضرت: جب اپنے باپ سے بولا اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے، اے مرے باپ بے شک میرے پاس وہ علم آیا جو تجھے نہ آیا تو تو میرے پیچھے چلا آمیں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں -اے میرے باپ شیطان کا بندہ نہ بن بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کا کوئی عذاب نہ پہنچے تو تو شیطان کا رفیق ہوجائے“-(ص:۵۵۴)

ترجمۂ محدث اعظم! جب کہ کہا اپنے بابا کو” کہ اے بابا کیوں پوجتے ہو جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تمہارے کچھ اے بابا بلاشبہ آگیا ہے میرے پاس علم کا وہ حصہ جو نہ آیا تم تک، تو میرے پیچھے لگے رہو میں لے چلوں گا تم کو سیدھی راہ اے بابا شیطان کو نہ پوجو کہ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہی رہا اے بابا میں ڈرتا ہوں کہ لگ جائے تمہیں عذاب اللہ مہربان کا تو ہوجاؤ تم شیطان کے دوست“-

ترجمے دونوں صاف اور بے غبار ہیں صرف زاویہ نگاہ کا فرق ہے-اعلیٰ حضرت کی غیرت ایمانی کا جو تقاضا تھا انہوں نے اس کو پورا کیا اور محدث اعظم نے صلہ رحمی کے دنیاوی تقاضے کا لحاظ رکھا-

بخاری و مسلم کے حوالے سے شیخ ابوعبدالرحمٰن عبدالحلیم محمد ابوشقہ لکھتے ہیں: ”حضرت اسما بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری ماں جو کہ مشرک تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میرے پاس آئیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہیں اور وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرو“ خواتین کی آزادی عہد رسالت میں-(ص ۱۱۶)

معارف القرآن کے بارے میں پروفیسر مسعود احمد دہلوی کا تبصرہ نہایت جامع ہے، جس کی تائید کی جانی چاہیے کہ ”فاضل مترجم علیہ الرحمہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے محبوب شاگرد تھے صحبت سے سرفراز ہوئے تھے علمی فیض پایا تھا وہی فیض اس ترجمے میں قدم قدم پر جھلک رہا ہے پھر فاضل مترجم کے اجداد کے فیض وکرم نے اور خود مترجم کی ذہانت وفطانت اور بصیرت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا-

□□□

کلام رضا میں ایک ضروری وضاحت

حدائق بخشش کی معروف چہار لسانی نعت شریف ”لم یات نظیرک“ کے درج ذیل شعر:

انا فی عطش وسخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رَم جِھم رَم جَھم دو بوند اِدھر بھی گرا جانا

میں ”رَم جھم رَم جھم“ کو عام طور پر زیر سے ”رِم جِھم رِم جِھم“ پڑھا جاتا ہے- اس سے فاضل بریلوی نے جو مطلع کے بعد کے سارے اشعار میں التزام کیا ہے وہ باقی نہیں رہتا، مثلاً:

البحر علا والموج طغی من بیکس وطوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا

یا شمس نظرت الی لیلی چو بطیبہ رسی عرضی بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادا حبا ناطق تھا ناچار اِس راہ پڑا جانا

نیز ”رِم جِھم رِم چِھم“ ہلکی بارش کو کہتے ہیں جو یہاں مطلوب نہیں ہے-فاضل مصنف کے نسخۂ مصححہ میں یہ رَم جَھم رَم جَھم زبر سے ہے-

شرر مصباحی

جشن یوم غزالی

بتاریخ:
۲۷ مارچ ۲۰۱۱ء / ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ بروز اتوار

بمقام:
خانقاہ عارفیہ/جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

زیر سرپرستی داعی اسلام حضرت شیخ **ابو سعید شاہ احسان اللہ چشتی** دام ظلہ العالی

توسیعی خطاب

- مولانا ڈاکٹر سید **شمیم الدین احمد منعمی**، سجادہ نشیں خانقاہ منعمیہ، متن گھاٹ (پٹنہ)

مہمانان خصوصی

- حضرت مولانا **یٰسین اختر مصباحی**، بانی دار القلم، دہلی
- حضرت مولانا **اسید الحق محمد عاصم قادری**، ولی عہد آستانہ قادریہ، بدایوں
- حضرت مولانا **نعیم احمد مصباحی** استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
- حضرت مولانا **بدر عالم مصباحی** استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

رونمائی

داعی اسلام حضرت شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ چشتی دام ظلہ العالی کی قلبی واردات، مثنوی
نغمات الاسرار فی مقامات الابرار
مع حواشی
رموز نغمات از ذیشان احمد مصباحی

تصوف پر علمی، تحقیقی اور دعوتی مجلہ، کتابی سلسلہ **الاحسان** الہ آباد کا دوسرا شمارہ

نوٹ: اس موقع پر طلبۂ جامعہ عارفیہ کے مابین مختلف تحریری، تقریری مسابقے اور مظاہرے بھی ہوتے ہیں۔

زیر اہتمام: جمعیۃ الطلبہ، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی)

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی، خانقاہ عارفیہ/ جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد (یوپی) فون 9026981216-

گوشۂ شیخ الاسلام

(جانشین محدث اعظم ہند شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں)

شیخ الاسلام: حیات وخدمات	ڈاکٹر طارق سعید
شیخ الاسلام: آبروئے علم وفن	مولانا سید سیف الدین اصدق
شیخ الاسلام کی قلمی خدمات	ضیاء الرحمٰن علیمی
شیخ الاسلام کی دعوتی وتبلیغی خدمات (یورپ وامریکا کے حوالے سے)	مولانا شاہد رضا نعیمی
تفہیم دین کی تلاش میں	ذیشان احمد مصباحی
فن نعت گوئی کا ارتقا اور اختر کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری	صاحبزادہ سید حسن مثنیٰ انور

ڈاکٹر طارق سعید☆

شیخ الاسلام: حیات وخدمات

حیرتی هے یه آئینه کس کا

کچھوچھہ شریف علم وعرفان اور طریقت ومعرفت کے اعتبار سے علاقہ اودھ کا بے حد مردم خیز خطہ ہے یہاں ایک سے ایک باکمال نابغہ وعامل پیدا ہوئے- ایسے صوفی وعارف جن کے فیوض وبرکات کے قصے آج بھی زبان زد عام وخاص ہیں- ان میں سے اعلیٰ حضرت مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی، سید نذر اشرف، سید شاہ احمد اشرف، سید محمد محدث کچھوچھوی اور سید شاہ مختار اشرف ایسے اکابر ہیں جو اپنے زمانے میں مخدوم کچھوچھہ کے سچے وارث تھے-

اسی سرزمین سے سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی شخصیت کا آفتاب طلوع ہوا آپ کی تاریخ پیدائش ۲۸/اگست ۱۹۳۸ء ہے- مخدوم وقت سید محمد محدث کچھوچھوی کے گھر کا چراغ اور سیدہ فاطمہ کا لاڈلہ، سید اختر النساء مرحومہ (بڑی بھابھی جان) کا جگر گوشہ بن کر بچپن کی منزلیں طے کرنے لگا- کم سخن اور کم آمیز بھابھی جان، جو سید محامد اشرف مجذوب زبان بے گویا کی اہلیہ تھیں (رب تبارک تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے- آمین) اس بچے کو بھی کم سخنی اور کم آمیزی کا سبق سکھانے میں مصروف ہوگئیں- مرحومہ بیحد نیک خاتون تھیں- شدید محنت شاقہ اور ریاضتِ لامحدود کے ساتھ حسن سیرت اور حسن اخلاق کا آمیزہ جس میں صبر وصلوٰۃ کی کثرت سے آمیزش کی گئی تھی، ایسی تھیں میری ممانی جان، مزید اس ننھے سے بچے بے حد سخت گیر زمانہ شناس مدبر ماں، سیدہ فاطمہ کی ہمہ وقت بیدار آنکھیں، جس میں رب العزت نے بصیرت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، بچپن کی اتالیق مقرر ہوئیں-

اسی کم آمیزی کا فطری نتیجہ تھا کہ تمام زندگی شب باشی، گپ بازی اور مبالغہ آمیزی سے پناہ مانگتے رہے، کبھی کسی سے کسی مسئلہ پر مناظرہ نہیں کیا اور کوئی گروپ بازی کے شکار نہیں ہوئے، مزید یہ کہ سیاسی افراد یا حکمراں مقتدر طبقہ سے ہمیشہ دوری بنائے رکھی اور مزمل، غوث محمد، حلیم، اقبال، منشی خان، صاحب علی، مقبول، سید عبدالرحمٰن (ہبلی والے) ولی بھائی جیسے غریب اور نسبتاً کم علم لوگ ہم سبق دوستوں کی طرح ترجیح پاتے رہے بقول علامہ اقبالؔ ؎

میرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا:- سید عبدالرحمٰن مرحوم کی چھونپڑی قابل ترجیح ہے- ہبلی کے دوسرے چاہنے والوں کی پکی چھتوں کے مقابلہ میں- خاکسار خود بھیگتی برسات میں ٹپکتی بلکہ بارش زدہ اس جھونپڑی میں حضرت مدنیؔ کے ساتھ پٹّی لگا کر کئی راتیں گزار چکا ہے- لاکھوں چاہنے والوں کا یہ فقیر منش انسان، جسے دنیا مدنی میاںؔ کے نام سے جانتی ہے، احد اور صمد پروردگار نے اسے دنیا سے بے نیاز اور مستغنی کر دیا ہے- جہاں بسیرا ڈال دیا، وہی جگہ اس کا گھر اور مکان ٹھہرا، خدا اپنے نیک بندوں پر مہربان ہوتا ہے تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی کہ:

مرے خدا تو مجھے اتنا معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

سچ تو یہ ہے کہ اس پوری زمین پر مدنی میاں کے پاس کوئی مکان یا گھر (شرعی یا قانونی لحاظ سے) ہے ہی نہیں، واللہ ایسی لامکانیت پر قربان جانے کو جی چاہتا ہے-

اس فطری کم آمیزی نے کھیل کود، شرارت، دوستی، یاری اور گھومنے اور ٹہلنے پر قدغن لگا دی، نہ بچپن اور نہ بعد میں حتیٰ کہ سائیکل تک نہ چلائی، آئس پائس، گلی ڈنڈا، پتنگ بازی کا سوال ہی کیا، اور اس کا شوق کیا، کوئی ہنر، کوئی فن یا کوئی تماشہ زندگی بالکل سونی سونی- کون جانتا تھا کہ یہ خموش بچہ ''سیروا فی الارض،، کی عملی تفسیر کرے گا- دنیا کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرے گا- آبشار نیاگرہ کے قریب اور زمباوے کے جنگلات میں اپنی راتیں اور شامیں بسر کرے گا اور شکر گزار بندوں کی طرح فوراً سجدہ ریز ہو جائے گا- رب کائنات نے اپنے اس نیاز مند بندہ کو نہ صرف حرمین شریفین کی حاضری کا شرف بخشا بلکہ اپنے باریاب خلوت نشیں دوستوں ابراہیم ویوسف وموسیٰ، ہارون علیہم السلام جیسے جلیل القدر احباب اللہ سے خموش ہم کلامی کا موقع بھی عطا کیا-

☆645,Purani sabzi Mandi,Faizabad(U.P)

خموشی کی تکرار سے کوئی یہ اندازہ نہ لگائے کہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کسی دھیان گیان یا عالم وجد کی منزلوں سے نبرد آزما ہیں بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ ان کی خطابت کا ڈنکا امریکہ، افریقہ اور ایشیا جیسے براعظموں میں دھوم مچا چکا ہے اور اسی خطابت نے آج نیٹ سے پوری زمین پر الحمد اللہ تسلط قائم کر لیا ہے-

یہاں کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مدنی میاں ایک اچھے تیراک ہیں اور تیرنا ان کا شوق ہے-تو اس ضمن میں عرض ہے کہ تیرنا جاننا ایک بات ہے اور تیرنے کا شوق رکھنا، دوسری بات ہے- ایک تو تیراکی مانع حیا ہے اور حیا مدنی میاں کی سانس ہے، دوسرے کرتا پائجامہ پہن کر نہانا، خود کو لطیفہ بنانا ہے، ایسی صورت میں تیراکی سے کنارہ کشی کرنا ہی بہتر ہوگا-

یہاں مقصود بیان محض اتنا ہے کہ خاموشی ، احتیاط پسندی، محنت شاقہ ، اور کم آمیزی جو اس بچے کے خمیر میں بچپن سے موجود ہے- خالق و پروردگار کی خالقیت کے سبب تو ہے ہی ، ساتھ ہی اسی کی مشیت سے جہاں دیدہ دانا ماں اور شفیق بھابھی جان کی اتالیقی بھی کچھ کام آ گئی ، لگا کہ یہ بچہ بھلے قلم اور شریعت میں اپنا نام درج کرا لے لیکن خطاب و کلام کی دنیا میں بے گانہ ہی رہے گا- یہ بات مسلم الثبوت کے طور پر یوں کہی جا سکتی ہے کہ سید محمد محدث کچھوچھوی جو اس بچے کے والد بزرگوار ہیں فراست مومنانہ کا نمونہ کہے جا سکتے ہیں، انہوں نے اس بچے کو کافی دبیز اور لمبا چوڑا رجسٹر سیٹھے کی قلم اور روشنائی کا ذخیرہ مہیا کر دیا، اور تاکید کر دی کہ ایک ماہ میں اسے بھر کر اپنی والدہ کے پاس جمع کرنا ہے والدہ بھی لگتا کہ تیار بیٹھی رہتی کہ کب رجسٹر بھرے، اور کب دوسرا پکڑا دیا، نیز بیٹا بھی کمال کا نیاز مند جو کام دو ماہ کا تھا اسے بیس دن میں ہی پورا کرنے لگا، اور کلاس ٹیچر سے دستخط بھی لینے لگا، اس پر مستزاد یہ کہ سفر سے واپسی کے بعد ان تمام رجسٹروں کو، زمانہ کا سب سے بڑا شناورِ علم و ادب بڑے اشتیاق و انہماک سے پرکھتا جانچتا اور حسن و قبح کے نکتے سمجھاتا، اب مجھے کوئی بتلائے کہ خواب محدث علیہ الرحمہ کو اگر یہ بچہ شرمندہ تعبیر کر رہا ہے تو اس میں حیرت کیا ہے؟ یہ تھی لڑکپن کی تعلیم، جہاں عربی، فارسی کیا اردو سے بھی تعارف نہیں کرایا گیا ، ایک سرکاری پرائمری اسکول جو کچھوچھہ کی آبادی سے دور پکے پورکھے کے بغل آج بھی اپنی بے حد شکستہ حالت میں موجود ہے، یہی اسکول اصل بچپن کا گواہ ہے- جہاں ٦ یا ٧ سال اس پردۂ غیب کے عالم بچے کے خرچ ہوئے- بچپن اور کچھ بعد میں درویش صفت بزرگ اچھے میاںؒ مخذوب شریف نانا، اور ان کی اہلیہ اور بزرگ و برتر ان کی ماں، سید شمس الدین اشرف (بڑے پھوپھا) مولانا سید حبیب اشرف (چھوٹے پھوپھا) سید مقبول اشرف (داماد مولانا اشرف حسین) مولانا سید معین اشرف (برادر محترم حکیم قطب الدین اشرف اور دیگر بزرگوں میں سید العلماء حضرت آل مصطفی ، قاضی شمس الدین، مولانا حشمت علی خان، حسن میاں مارہرہ شریف وغیرہ سے ملاقات رہی ، صحبت رہی اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، سب سے بڑھ کر حقیقی دادا حضرت مولانا حکیم سید نذر اشرفؒ نے اس بچے کو دیکھا، گود میں لیا، پیار کیا اور اپنا مستقبل اس بچے کی آنکھوں میں دیکھا- باپ کی آنکھوں کی چمک سید محمد محدث کچھوچھوی نے مشاہدہ کر لیا اور ۱۳، ۱۴ سال کی عمر میں اس بچے کو جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے سپرد کر دیا-

یہ واقعہ غالباً ۱۹۵۲ کا ہے اور حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی کا وصال ۱۹۶۱ کو ہوتا ہے گویا اس ۹ سالہ وقفے کے صرف ۸ رمضان حضرت سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی کے حصے میں آتے ہیں- جو خود سید محمد محدث کچھوچھوی کے خوابوں کی تکمیل کے لیے کافی تھے یا نہیں، کاش! میں آپ کو حافظ ملت علیہ الرحمہ کی شہادت پیش کر پاتا- پھر بھی میں آپ کو بتاتا چلوں حضرت مولانا نعمان خاں (پرنسپل جامعہ رونا ہی ،فیض آباد)، مولانا احمد مشہود رضا (فرزند گرامی حضرت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ) مولانا غلام حسین ، مولانا محمد حنیف ،مولانا حافظ عبد الشکور (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور) مولانا نعیم اللہ خاں صاحب (شیخ الحدیث منظر اسلام، بنیاد گزار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) مولانا حافظ قاری محمد شبیر مرحوم (شیخ الحدیث جامعہ عربیہ سلطان پور) مولانا ابو لخیر مرحوم، مولانا اسلام خاں اور مولانا محمد احمد مصباحی وغیرہ آمدنامہ سے بخاری شریف تک مدنی میاں کے ہم سبق دوست رہے ہیں ، لمحے لمحے کے شاہد و قتیل رہے ہیں اور مدنی میاں کی ۹ سالہ شب و روز کی رفاقت کو کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں سمجھتے اور کیوں نہ سمجھیں ، عالمی بساط پر علم و فضل کا یہ آفتاب ، ان کا یار حجرہ رہا ہے، یہ کوئی کم بات ہے؟

زمانہ طالب علمی کا ایک واقعہ یہاں بیان کرنا، دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، شفیق جونپوری اردو شعریات میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں

ذی علم شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے بھائی نے ایک عظیم الشان کتب خانہ سجا رکھا تھا۔ ایک سے ایک نایاب کتب اس ذخیرہ کی زینت تھیں۔ مولانا فضل امام جو مولانا فضل حق کے والد بزرگ وار تھے، علم منطق میں طاق تھے۔ ان کی ایک کتاب جو منطق اور اس کی مبادیات سے متعلق تھی، اسی کتب خانے میں موجود تھی۔ کتب خانہ سے فیض اٹھائے جانے کی دعوت واجازت عام تھی، ایک شرط کے ساتھ کہ کتاب کا مطالعہ کتب خانے میں ہی کیا جائے۔ مطالعہ کے شوقین، مدنی میاں کے لیے یہ شرط کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ انھوں نے لائبریری میں دو سے ڈھائی گھنٹہ روزانہ بیٹھنے کا فیصلہ کیا۔ اور طے کیا کہ کیوں نہ یہ کتاب نقل کر کے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس محفوظ کر لی جائے۔ طویل نشستوں کا سلسلہ تین دن چلا کہ مستقبل کے اس عالم منطق وفلسفہ کو برادر زادہ شفیق نے کتاب ہی حوالے کر دی اور کہا کہ اگر مجھے آپ کے اس درجہ اشتیاق کی خبر پہلے ہو جاتی تو آپ کو اتنی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔ علم دوست اس پندرہ سالہ طالب علم نے تیسرے دن عربی زبان میں لکھی ادق منطق کتاب کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ جناب یہ کتاب بطور مخطوطہ میرے پاس محفوظ ہوگئی، اس کتاب کی نقل کتب خانہ محدث اعظم میں شاید موجود ہو۔ لیکن اصل نسخہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کے سینے کی امانت ضرور ہے۔

طالب علمی کے زمانہ کا ایک دوسرا واقعہ بھی جونپور کی سرزمین پر حادث ہوا۔ محلّہ ملاّ ٹولہ جہاں کے بارے میں رجب علی بیگ سرور نے ’’مفت کے مفتی،، کا روزمرہ گڑھ ڈالا، اسی ملاٹولے کے ملا داؤد جو وہابی فکر کی ایک نامور شخصیت کے مالک تھے، حضرت قاضی شمس الدین سے کسی مسئلہ پر دست وگریباں تھے، اور ایک کتاب رد وہابیت میں ’’نمونہ وہابیت،، رقم کی۔ کہیں سے اس کم سن طالب علم کو اس کتاب کی اطلاع ملی کہ قاضی صاحب نے ایک کتاب تحریر کی ہے۔ فوراً مطالعہ کی فرمائش کر دی۔ مولانا نے ہمیشہ کی طرح جود وسخا اور فیاضی کا ثبوت نہ دے کر مدنی میاں کو خالی ہاتھ لوٹا دیا، بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ یہ کتاب اس غرض سے تحریر ہی نہیں کی گئی تھی کہ مدنی میاں جیسے طالب علم اس کتاب کا مطالعہ کریں بات آئی گئی ختم ہوگئی۔ ہاں! اس بحث وتکرار کے نتیجے میں ایک کتاب ’’اظہار حقیقت،، کے نام سے طالب علم کے زمانہ کی یادگار کی صورت میں صفحہ قرطاس پر منتقل ہوگئی۔ اس کتاب کے اصل نسخے کو مولانا ایوب ٹانڈوی صاف کرنے کی غرض سے لے کر گئے، سو آج مجھے اس نسخے کے مطالعہ کی ضرورت آن پڑی تو معلوم ہوا کہ نسخہ صاف ہے۔

جیسا کہ کھیل تماشے کے بہانے حضرت مدنی میاں کی بے لطف زندگی کا جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اس تناظر میں نہ سہی لیکن شدید احتیاط کے مدنظر قوالی اور سماع کی محفل سے گریز، خود اپنے بزرگوں کے طریقہ سے انحراف کرنا ہے۔ آخر بچپن سے آج تک محفل سماع سے اس درجہ احتیاط کی اصل وجہ کیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ طالب دنیا حرام ہے، طالب عقبیٰ مباح اور طالب مولا مستحسن اور محمود ہے۔ لہٰذا دنیا کی طلب اور آخرت کی چاہ نیز منزل ومنتہا رضائے مولا، شدید احتیاط کا طالب ہے، سماع کسی کے نزدیک مطلقاً حرام ہے اور کسی کے نزدیک جائز تو بہتر راستہ احتیاط کا ہے۔ امام غزالی مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور بعض مباح ہونے کا جواز تلاش کر لیتے ہیں، بہتر ہے کہ احتیاط کا راستہ اختیار کیا جائے۔ قوالی بگاڑتی ہے تو انسان لہو ولعب اور بوالہوسی تک پہنچ جاتا ہے، مناسب ہے کہ احتیاط سے زندگی بسر کی جائے۔ امام شافعی کے لیے حدیث کا معیار دو راوی بلا واسطہ ہیں، جب کہ امام ابوحنیفہ کے لیے تین مجتہد راوی قابل ترجیح ہیں۔ ادھر امام بخاری بلا واسطہ راویوں کی ملاقات کو لازم شرط قرار دیتے ہیں اور امام مسلم یک زمانی راویوں کی ملاقاتوں کو حسن ظن پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاملات میں مقلدین ایک ہی امام کی پیروی کریں، اپنی سہولتوں پر اعتبار نہ کریں اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ علمی اختلاف میں محبت واخوت کو ہمیشہ ملحوظ نگاہ رکھیں فریب طاغوت میں نہ آئیں۔ مفتی اعظم حج کے لیے بھی فوٹو گرافی، یا فوٹو کھچانا حرام قرار دیتے ہیں جب کہ انھیں کے مرید اور خلیفہ مولانا شاہ اجمل سنبھلی جواز کا راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ اس طرح مفتی اعظم نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کی ادائیگی کو ہی فاسد قرار دے دیا اور انہیں کے عاشق اور مرید مولانا سید افضل حسین جواز کے حق میں تھے۔ لہٰذا اب نہ وہ محفل سماع رہی ہے، نہ سنانے والے اور نہ سننے والے، جو رہی سو بے خبری رہی محتاط راستہ شعور اور تقویٰ تک پہنچتا ہے۔ غالباً یہی اسباب تھے کہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی جو اپنی سانسوں کا حساب بھی رکھنا پسند کرتے ہیں، محفل قوالی سے دور۔ دور رہے تا کہ ان کی سانسیں اس کارگہ شیشہ گری کی

نزاکتوں میں بھی پرہیزگاری کا ثبوت پیش کرسکیں-

اسی احتیاط پسندی نے عورتوں کو عرس محدث میں آنے سے باز رکھا- قدم بوسی کا سوال کیا، دست بوسی سے بھی ہمیشہ کے لیے محروم کردیا- اس موقع پر یہ لکھے بغیر چارہ نہیں کہ اسی احتیاط کے سبب امراء، سیاستداں اور سماج کے دولت مند افراد بھی شکار ہوئے ہیں- اسی شیوۂ احتیاط نے آداب زندگی کے سخت اصول متعین کردیئے حتیٰ کہ مدرسوں اور تعلیمی اداروں کی سرپرستی سے بھی کشا کشا رہنا، محدث اعظم مشن کی مقامی یونٹوں کو مکمل خودمختار اور جواب دہ بنانا، اور خود احتسابی کے سخت معیار پر دوسروں کو بھی اس میں ڈھالنا، زندگی کی جدوجہد کا اصل جادہ طے پایا تو مجھے کوئی بتلائے کہ اس محتسب نے کیا غضب ڈھادیا کہ اگر محفل سماع میں شرکت نہ کی- ڈھول نگاڑے عبیر وگلال کھیلنے کی اجازت دینے والوں سے کنارہ کشی کی اور ماسوا صبغت اللہ، ہر رنگ کو کفری اور ضال قرار دیا-

کبھی کبھی واقعی بے حد حیرانی ہوتی ہے کہ مدنی میاں عنفوان شباب میں بھی اس قدر جداگانہ شخصیت کے مالک کیسے بنے رہے یعنی تمام عینی گواہان اور شاہدین کا متفقہ بیان ہے کہ مدنی میاں کی سرشت میں ہی تقویٰ مضمر ہے، ان کی خمیر جس خاک سے اٹھی ہے، وہ خاک پرہیزگاری کے عناصر سے خود آمیز ہوکر تیار ہوئی ہے- محسوس ہوتا ہے کہ مشیت ایزدی کا فیصلہ ہی یہی ہے کہ یہ بندہ شباب کو بیداریٔ خودی کا مژدہ تصور کرے اور آفاق کی منزل سے شباب کو صحیح سلامت گذارنے کے لیے اسباب تقویٰ کو ہی فضیلت دے تاکہ سفر دنیا مستحسن طریقوں سے گذر سکے- ممتاز نفسیاتی سائنسداں فرائڈ ان تمام باتوں اور گواہان کے مشاہدوں کا یکسر انکار کرتا ہے، اس کے مطابق، یہ باتیں قرین قیاس کیا تخیل کی امکانی دنیا میں بھی ممکن نہیں---- خیر --- یہ تو دنیا دار سائنسدانوں کا فیصلہ ہے، انھیں کیا معلوم کہ اسلامی دنیا میں متقی اور پرہیزگار صالحین وصدیقین کی بھرمار ہے، وہ شادی بھی کرتے ہیں، سفر کی صعوبتوں کو جھیل کر دنیا کے طول وعرض کا مشاہدہ کرتے ہیں اور شباب کی راتوں کو قرآن وحدیث کے چراغوں سے روشن رکھتے ہیں- مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ سیدہ شمیمہ خاتون (پروردگار ان کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے) سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی زندگی میں احتساب واحتیاط بن کر آئیں- عین عنفوان شباب میں جب مدنی میاں دین مبین کی تبلیغ وتشہیر میں زمین کے طول وعرض کی پیمائش کررہے ہوتے تو شریک حیات گھر کی چہار دیواریوں کو مضبوط کررہی ہوتیں- حتیٰ کہ اپنی شدید بیماری کے عالم میں، جس کا دور ڈھائی سے تین سال تک چلا ہوگا اور انجام کار سانحۂ ارتحال پر ختم ہوا حضرت مدنی میاں کے لیے تبلیغ دین کی شدید خواہش رکھتی تھیں- یہاں تک کہ عین مرض الموت کے عالم میں تفسیر قرآن کی تاکید کرتیں اور بار بار تقاضا کرتیں کہ مولانا یہ کام میری زندگی میں نہ سہی لیکن اس کام کو یکسوئی سے مکمل کرنا ہی ہے- حسرت سے مولانا ماموں کو دیکھتیں کہ کاش! میں ان کو دوا، غذا اور شب وروز کے معمولات میں پھر اسی قوت سے معاونت کر پاتی جیسا کہ تمام زندگی شریک سفر رہی- بار بار کہتی کہ مولانا! آپ میری پروا نہ کریں میری فکر میں اپنے انہماک کو خطرہ میں نہ ڈالیں، میری عیادت سے زیادہ اہم آپ کی عبادت ہے جو ذکر الٰہی کی صورت، تفسیر اشرفی بن کر آج ہمارے سامنے ہے- ایسی تھیں ہماری ممّی جان ......ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مرحومہ ممّی جان، مولانا ماموں کی زندگی میں آئیں، اور اپنا کام کر کے رخصت ہوگئیں لیکن مولانا ماموں کا کام ابھی باقی ہے، سچ پوچھئے تو ان کے قلم سے نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے-

یہ مفسر قرآن غضب کی معروضیت رکھتا ہے اپنی شخصیت میں بچپن سے سائنس اور ٹکنالوجی کا شیدائی - ابھی ہم لوگ بچے تھے، میرے بھائی جناب محمد بابر صاحب ایڈیشنل ڈسٹرک جج، علی گڑھ، بچپن میں ساتویں یا آٹھویں درجے میں رہے ہوں گے اور میں پرائمری میں- کئی عیدیاں جوڑ کر میرے بھائی نے ٹرانسسٹر یا ٹیلی فون جیسا سائنسی آلہ بنایا- یہ واقعہ ۱۹۶۳ کا ہے فون کا باقاعدہ اجراء حضرت مدنی میاں کے ہاتھوں ہونا تھا- کافی انتظار کے بعد، مولانا ماموں حسب معمول تشریف لائے فون کی نقاب کشائی کی رسم ادا کی گئی- بڑے خوش ہوئے - خوب دعائیں دی- پوچھا کتنا خرچ آیا بھائی نے بتایا کہ تیس یا پینتیس روپئے - امید وتوقع کے عین مطابق، پوری رقم بطور انعام بھائی کو ملی اور اس واقعہ سے والد مرحوم ومغفور کو تحریک ملی اور ہمارے گھر میں ایک ریڈیو آگیا- یہ وہ زمانہ ہے کہ سید محمد محدث کچھوچھوی کا وصال ہوچکا ہے، اور ابھی ابھی حضرت مدنی میاں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فارغ ہوئے

ہیں، پہاڑ جیسی ذمہ داریاں سر پر ہیں لیکن ٹکنالوجی کے نام پر فراخدلی اور دریا دلی کا ایسا مظاہرہ۔ تسلیم کیا کہ بچوں سے شفقت مدنی میاں کی فطرت ثانیہ ہے باوجود اس سچائی کے، کچھ تو ضرور ہے کہ ٹکنالوجی کی جانب بھانجے کے بڑھتے قدم کا خیر مقدم کیا جارہا ہے۔ ایک عرصہ گذر جانے کے بعد، ویڈیو اور ٹی وی کے مسئلہ پر ایک مدلل مبسوط اور منضبط کتاب آنے سے معلوم ہوا کہ دراصل ایک پوشیدہ سائنسداں ہے، جو کھلا وفادار حبیب کردگار ہے اور انھیں حبیب کی زندگی اور ان پر نازل کتاب کا مفسر ہے۔

شاید یہی پوشیدہ نکتہ ہے یا راز ہے جو آج کے تعلیمی نظام پر انگشت نما ہے۔ مدرسے ضروری ہیں، ان کی اہمیت اور افادیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات مدرسوں کی ضرورت اور ان کا قیام مسلم زندگی کی ترجیحی اولیات میں شامل ہوجاتی ہے۔ مگر آج ویڈیو، کمپیوٹر نیٹ نے زندگی کی ترجیحات میں یکسر انقلاب پیدا کردیا ہے۔ مدنی میاں کی عین آرزو ہے کہ کاش ایسے تعلیمی ادارے قائم ہوں جو دین اور سائنس وٹکنالوجی کا خوبصورت امتزاج ہوں، اللہ نے ان کی یہ مراد پوری کردی۔ علی گڑھ میں ’البرکات، ادارہ ان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کررہا ہے۔ انھوں نے اس ادارے کو دیکھا نہیں، لیکن ہم لوگوں سے سن سن کر ایسا خوش ہوتے ہیں گویا اس ادارے کے بنیاد گزار وہ خود ہی ہوں۔ حضرت مولانا پروفیسر سید محمد امین، امین ملت مدظلہٗ عالی کا یہ کارنامہ، مدنی میاں کے ناخون کا قرض ادا کررہا ہے۔ خداوند تعالیٰ امین ملت کو سلامت رکھے اور انھیں درازیٔ عمر عطا کرے۔ (آمین)

کوئی بات نکلتی ہے تو دور تلک جاتی ہے، لیکن یہاں فاصلے، دوریاں بہت کم ہیں، حضرت مولانا مدنی میاں کی زندگی ایک صراط مستقیم کی طرح شروع سے آج تک جو چراغ مصطفوی انھیں مقدر رہا ہے، وہی شرار بولہبی سے ستیزہ کار ہے۔ بچپن سے آج تک ایک ہی لے، ایک ہی رنگ اور ایک ہی اذان۔ کوئی گھماؤ، کوئی پیچیدگی یا ٹیڑھ نہیں۔ بالکل سادہ ای ایم ماسٹر، ایسی زندگی کو قابل مطالعہ ہی تصور نہیں کرتا، کاش فاسٹر کو یہ مضمون پیش کرپاتا اور پڑھنے کو کہتا اور پوچھتا جناب اب آپ کا کیا خیال ہے؟

❑❑❑

عصری معیار کے مطابق اسلامی ادب کا اشاعتی مرکز
ادارۂ فکر اسلامی، دہلی
کی اہم مطبوعات

دور جدید کے بعض مسلم مسائل
ایک بازدید
از: **خوشتر نورانی** صفحات: 156 قیمت: 60/

علامہ ارشد القادری کے بے لاگ اداریوں کا مجموعہ
فغان درویش
از: **خوشتر نورانی** صفحات: 136 قیمت: 60/

Islam,Jihad and Terrorism
By:**Khushtar Noorani**
Pages:395,Price:Rs;180/

جہاد اور دہشت گردی، اجتہاد وتقلید اور انقلاب ۱۸۵۷ء پر
تین علمی و فکری انٹرویوز
از: **خوشتر نورانی** صفحات: 88 قیمت: 40/

ماہنامہ جام نور کا ایک یادگار تنقیدی، علمی وادبی کالم
خامہ تلاشی
از: **ابولفیض معینی**، صفحات: 200 قیمت: 60/

تحقیق و تفہیم
از: **اسید الحق قادری**، صفحات: 276 قیمت: 60/

تقسیم کار: مکتبہ جام نور، دہلی

Phone:011-23281418,09313783691

مولانا سید سیف الدین اصدق☆

شیخ الاسلام: آبروئے علم وفن

قادر مطلق اگر کسی کو سمندر کا سمندر عطا کر دے تو یہ اس کے شان فضل کی دلیل ہے اور اگر وہ کسی پیاسے کو سمندر سے محض ایک قطرہ شبنم دینے پر ہی اکتفا کرے تو یہ اس کا عدل ہے- کسی کو مجال انکار نہیں- حاکم مطلق نے اپنے اصول مشیت کے تحت اپنی لامحدود قدرت سے جسے جو اور جتنا چاہا عطا فرمایا ہے، بقول شاعر ؎

قسمت کیا ہر چیز کو قسام ازل نے
جو شخص کے جس چیز کے قابل نظر آیا

وہ قسام ازل جب کسی پر اپنا التفات وکرم فرمانا چاہتا ہے تو اس کے کاسہ تقدیر میں ایک آدھ خوبی ایسی ڈال دیتا ہے جو اس کی پہچان کی علامت بن جاتی ہے- کسی پر کچھ اور کرم فرماتا ہے تو اسے ایک سے زیادہ اوصاف سے متصف فرما دیتا ہے، جن میں کوئی ایک آدھ وصف اپنی انفرادیت کی بنا پر اس کی شناخت کا وسیلہ بنتا ہے، لیکن جب کاتب تقدیر اپنے کسی خاص الخاص اور مقرب بندے کو اپنی خصوصی عنایات اور بے انتہا الطاف وکرامات سے نواز کر لاکھوں کروڑوں میں امتیازی حیثیت سے سرفراز فرما کر معتبر مقام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس کی شخصیت کو بیک وقت کئی ایسی منفرد خوبیوں سے مالا مال کر دیتا ہے کہ ہر خوبی کو دوسری پر فوقیت دی جائے اور ایسی شخصیتیں نرگس کے ہزاروں سال اپنی بے نوری پر رونے اور فلک کے برسوں تلاش وجستجو میں بھٹکنے کے بعد پردۂ خاک سے عالم وجود میں آتی ہیں-

ان ہی قابلِ قدر، فقید المثال شخصیتوں میں سے ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں صاحب ہیں، جنہیں رب قدیر نے بیک وقت کئی خوبیوں سے نواز کر مثالی بنایا ہے- آپ جہاں کلام الٰہی کے رمز آشنا مفسر ہیں، وہیں ذخیرہ احادیث کے فہیم بھی، علم فقہ پر دسترس رکھنے والے فقیہ ہیں تو وہیں ایک نکتہ رس معقولی بھی- علم کلام کے اگر ماہر ہیں تو بحر تحقیق وتدقیق کے شناور بھی، شائستہ وپاکیزہ شاعری کا اگر ذوق رکھتے ہیں تو وہیں ایک سلامت رو ادیب بھی، فصاحت وبلاغت سے مزین اگر تاج دار خطابت ہیں تو تصوف حقیقی سے آراستہ ایک خانقاہی فقیر بھی- ان فضائل وکمالات کو دیکھ کر بس یہی کہا جا سکتا ہے جسے صدیوں پہلے حضرت سعدی نے کہا تھا، پھر آج تک کہا جا رہا ہے اور شاید قیامت تک کہا جاتا رہے کہ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد گرامی محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد کچھوچھوی اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت ونگہداشت میں مکتب جامعہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف سے حاصل کی- والد محترم نے اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کا انتخاب فرمایا اور حافظ ملت حضرت شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ جیسے ذمہ دار اور مخلص استاد کے سپرد کر دیا- اس وقت آپ کی عمر تقریباً چودہ سال تھی- دار العلوم اشرفیہ میں آپ نے فارسی کی پہلی سے لے کر بخاری شریف اور مرقاۃ سے لے کر شرح چغمنی وشرح اشارات تک ان گنت معقولات ومنقولات کی کتابیں پڑھیں- ساتھ ہی ایسی کتابیں بھی زیر مطالعہ تھیں جو دینی مدارس میں قصہ پارینہ بن چکی تھیں- جس استاذ سے پڑھا خوب پڑھا، سارے ساتھی تھک جاتے مگر شیخ الاسلام پر تھکاوٹ کے اثرات غالب نہ آتے- مطالعہ کے بغیر نہ کوئی سبق پڑھتے اور نہ تکرار کے بغیر آگے سبق لیتے- افہام وتفہیم کی نیت سے ہم سبقوں کو پڑھانا روزانہ کا معمول تھا- ان کے زمانہ طالب علمی کے ایک چشم دید کی روایت ان ہی کی زبانی سنیے:

''مدنی میاں اپنی جماعت کے طلبہ میں کئی اعتبار سے منفرد تھے، کم گو تھے، کام سے کام رکھتے تھے، طلبہ کے باہمی مناقشات سے دور رہتے تھے، اپنے کمرے میں دیوار پر اپنے مشاغل کا نظام الاوقات چسپاں کر رکھا تھا، جس پر وہ سختی سے عامل تھے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ دوسرے طلبہ ان اوقات میں تضییع اوقات نہیں کرتے تھے، بلکہ گمان غالب ہے کہ اسی مصیبت سے چھٹکارہ پانے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی گئی تھی''-

---

☆Founder:Paighme Islam,Hussaini Masjid,Hussaini Mohalla,Zakir Nagar,Mango,Jamshed Pur(Jharkhand)

(ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی- جام نور دہلی، شمارہ ستمبر ۲۰۱۰ء)

سعادت وفضل خداوندی کے ساتھ اسی کدوکاوش، جانفشانی، علمی ریاضت اور قدر دانی اوقات نے شیخ الاسلام کو آبروے علم وفن بنا دیا- آپ کے زمانہ طالب علمی کا یہ گوشہ طلبہ کے لیے بلاشبہ قابل تقلید اور نمونہ عمل ہے، جس کے ذریعہ عروج وارتقا کی راہ طے کی جاسکتی ہے-

آپ کی علمی گہرائی، وسعت مطالعہ اور عمیق نظری کے طلبہ ہی نہیں اساتذہ بھی قائل تھے- بسا اوقات علمی مسئلہ میں ان سے بلا تکلف رائے لیا کرتے - ہمارے والد گرامی مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق صاحب ایک مجلس میں درس وتدریس پر گفتگو کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ ”استاذ محترم حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ کسی کتاب کو آپ کتنی ہی بار کیوں نہ پڑھا چکے ہوں، باوجود اس کے بغیر مطالعہ کبھی درس گاہ میں نہیں بیٹھنا چاہیے، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت عبارت کے کسی ایک جز ویا لفظ کے تعلق سے اشکال پیدا ہو اور بھری درس گاہ میں طلبہ کے سامنے سبکی اٹھانی پڑ جائے، پھر آپ نے اپنے ایک باصلاحیت اور پرانے شاگرد کی مثال پیش کی جو سالوں سے ایک معتبر ادارے میں صدر المدرسین کی خدمت انجام دے رہے تھے، فرمایا ”وہ میرے پاس قدوری لے کر آئے اور ایک عبارت سے متعلق وضاحت چاہی، میں نے ان کا چہرہ دیکھا اور تشریح کر دی- انہوں نے اپنا ہاتھ سر پر رکھ دیا کیوں کہ بڑی چھوٹی سی بات تھی، تو یہ دماغ کا معاملہ ہے، کبھی تو ساری کائنات سما جائے اور کبھی ایک رائی کا دانہ بھی نہ رہے- اس سے ان کی علمی استعداد اور صلاحیت پر قطعی حرف نہیں آتا، بس یہ ایک وقت کی بات تھی- اس کے بعد والد گرامی نے فرمایا کہ میں نے خود دیکھا کہ مفکر اسلام حضرت علامہ مظفر حسن صاحب ظفر ادیبی جو بلاشبہ اپنے دور کے امام المعقولات تھے اور دور دور تک ان کا طوطی بولتا تھا، وہ شمس بازغہ لے کر مطالعے میں غرق ہیں- میں جب قریب سے گزرا تو آہٹ پا کر انہوں نے سر اٹھایا اور پوچھا کون؟ میں پلٹ کر قریب ہوا اور بولا: جی میں! بولے اچھا سید صاحب! ذرا مدنی میاں کو بلائیے گا- میں نے مدنی میاں کو جو چھت پر ہم درسوں کے درمیان کسی کتاب کی تکرار میں مشغول تھے، جا کر اطلاع دی اور وہ اٹھ کر چلے تو تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا کہ آخر کیا بات ہے؟ علامہ ظفر ادیبی صاحب کے پاس جب مدنی میاں پہنچے تو آپ نے انہیں احترام کے ساتھ بیٹھنے کو کہا- ادھر استاذ کے احترام میں جب یہ صرف ایک کنارے ٹک گئے تو اشارہ کر کے کہا میاں! یہاں آرام سے بیٹھیے! پھر کتاب ان کی طرف بڑھا کر عبارت پر انگلی رکھتے ہوئے بولے، ذرا دیکھیے یہاں مصنف کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟ مدنی میاں کتاب لے کر کچھ دیر تک دیکھتے رہے اور پھر جب اس کی وضاحت کی تو علامہ ظفر ادیبی کے چہرے پر تسکین وشادمانی کا خاص رنگ چھا گیا اور اطمینان بخش انداز میں گردن ہلا کر تائید کرتے ہوئے انہیں رخصت کیا- اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے والد گرامی نے فرمایا کہ اس سے جہاں مدنی میاں کی ٹھوس علمی استعداد اور منطق وفلسفہ کے ادق اور خشک مسائل پر گہری نظر کا پتہ چلتا ہے، وہیں اساتذہ کا ان پر کتنا اعتماد تھا، اس کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے- ساتھ ہی علامہ ظفر ادیبی کے کمال ظرف اور وسعت قلبی کا بھی پتہ چلتا ہے، یہ جگر ہر استاذ کا نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی مسئلے کے حل کے لیے اپنے شاگرد سے رجوع کرے اور فراخ دلی کے ساتھ اسے قبول بھی کر لے- اس میں جہاں مدنی میاں کے لیے اعزاز ہے وہیں علامہ ظفر ادیبی کی اعلیٰ ظرفی کی دلیل ہے- ان کے علمی جاہ وجلال پر اس سے قطعی کوئی فرق نہیں پڑتا- اخیر میں ہمارے محترم راوی نے فاصلہ جماعت کی بنیاد پر مسئلہ کو مکمل نہ سمجھ پانے پر افسوس کا اظہار فرمایا- بہت ساری عظیم شخصیتوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے علوم وفنون کی ان ان زمینوں پر طبع آزمائی نہیں کی ورنہ وہ یہاں بھی مرد میدان ہوتے، کچھ اسی طرح کا معاملہ شیخ الاسلام کے ساتھ بھی ہے- میری معلومات کے مطابق آپ ایک مناظر کی حیثیت سے کبھی میدان میں نظر نہیں آئے اور اگر انہوں نے کچھ مناظرے کیے بھی ہوں پھر بھی یہ تو مسلم ہے کہ بحیثیت مناظر آپ کی کوئی شناخت نہیں، اور نہ ہونی چاہیے تھی کیوں کہ ان کا اصل میدان تصوف تھا جو مناظرہ ومجادلہ کی نقیض ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا تھا کہ وہ اصول مناظرہ سے ناواقف تھے - ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی زمانہ طالب علمی کا ہی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

”غالباً ۱۹۵۹ء کی بات ہے- میرے خوش عقیدہ پڑوسی جناب محمد احمد صاحب کے ایک رشتہ دار تازہ تازہ دار العلوم دیوبند کی ہوا کھا کر آئے تھے، طبیعت باڑھ پر تھی، یہ جہانا گنج کے رہنے والے تھے، رسمی تعارف کے بعد انہوں نے علم غیب کی بحث چھیڑ دی- آیات واحادیث سے نفی علم

غیب کے دلائل پیش کرنے لگے- میں نے جواب دینا شروع کیا- محمد احمد صاحب نے کہا کہ اس طرح کی بحث سے تلخی بڑھنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا- سوال وجواب تحریری ہونا چاہیے- صاحب خانہ کی اس بات سے ہم دونوں نے اتفاق کیا، میں نے کہا کہ میں چند سوالات حفظ الایمان کے تعلق سے مرتب کرتا ہوں، آپ جواب لکھ کر محمد احمد صاحب کے یہاں بھیجوادیں- انہوں نے کہا کہ سوال کی ابتدا میری طرف سے ہوئی ہے، اس لیے سوال میں مرتب کروں گا- میں نے کہا چلیے یوں سہی- پھر انہوں نے پانچ چھ سوالات کی فہرست مرتب کر کے مجھ سے کہا کہ اس کا جواب تحریر کر کے محمد احمد صاحب کو دے دیجیے، یہ مجھ تک پہنچا دیں گے- میں نے وہ رقعہ مدنی میاں کو دکھایا، انہوں نے سوالات کے مدلل جوابات تحریر کیے، میں نے محمد احمد صاحب کے ذریعہ یہ تحریر جہانا گنج بھیجوادی، دس پندرہ دنوں کے بعد جواب آ گیا، میں نے وہ جواب مدنی میاں کی خدمیت میں پیش کیا، اب کے جواب الجواب کے ساتھ کچھ سوالات قائم کر کے حریف کو دفاعی پالے میں لا کھڑا کیا گیا- پھر ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا- مدنی میاں نے کہا کہ مناظرے میں دفاعی پوزیشن میں نہیں رہنا چاہیے- اب جو انہیں اپنا دفاع کرنے پر مجبور کر دیا گیا تو وہی ہوا جس کی امید تھی-'' (ماہنامہ جام نور دہلی، شمارہ ستمبر ۲۰۱۰ء)

ہم اپنے بچپن سے شیخ الاسلام کے بارے میں یہ سنتے آرہے ہیں کہ انہوں نے مدارس اسلامیہ میں ہونے والے ہفتہ واری مشقی پروگرام میں کبھی کوئی تقریر نہیں کی، باوجود اس کے ان کی خطابت کا ایک زمانے نے لوہا مانا- اسی بات کو اگر کوئی چشم دید گواہ احاطہ تحریر میں لائے تو اعتباریت میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے- ڈاکٹر شرر مصباحی کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں- ''جہاں تک مجھے یاد ہے مدنی میاں نے کسی ایک پروگرام میں بھی حصہ نہیں لیا- کبھی شرکت بھی کی تو شدت سعال وغیرہ کا عذر کر کے بیٹھ رہے- قاری محمد یحییٰ صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو انہیں بڑا دکھ ہوا- حضور محدث اعظم سالانہ جلسہ میں تشریف لائے تو قاری صاحب نے ان سے عرض کیا کہ حضور! ایک بات کہنا چاہتا ہوں اسے شکایت پر محمول نہ فرمائیں- محدث اعظم نے فرمایا کہیے، شکایت بھی ہوگی تو سنی جائے گی- قاری صاحب نے عرض کیا کہ شہزادے مشقی جلسہ میں شرکت نہیں کرتے جس کا مجھے دکھ ہے- محدث اعظم نے فرمایا ''میاں مچھلی کے بچے کو تیرنا نہیں سکھاتے'' آج جب میں اس جملے کو یاد کرتا ہوں تو محدث اعظم کا یہ قول پیشین گوئی کی صورت میں نظر آتا ہے- دنیا جانتی ہے کہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد مدنی میاں نے اپنی خطابت کا لوہا بڑے بڑے سحبان وقت سے منوالیا-''

(جام نور دہلی- شمارہ ستمبر ۲۰۱۰ء)

یہاں پر لگے ہاتھوں دلیل کے طور پر ایک مثال اپنے والد گرامی کے حوالے سے نذر قارئین کرتا ہوں:

بیت الانوار گیا میں حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ قادری علیہ الرحمہ کے عرس چہلم کا جلسہ تھا، مدنی میاں خصوصی خطیب کی حیثیت سے تشریف فرما تھے- اس وجہ کر اسٹیج سے پنڈال تک مجمع کھچا کھچ بھرا تھا اور غیر معمولی چہل پہل نظر آرہی تھی- جس وقت مدنی میاں کی تقریر شروع ہوئی نامی گرامی علما ومشائخ بھی جلوہ افروز تھے- والد گرامی فرماتے ہیں کہ میری داہنی طرف مولانا خادم رسول مصباحی گیاوی اور بائیں طرف مولانا شاہ تجمل ہدیٰ قادری جیسے قابل اور متبحر عالم دین رونق افروز تھے- خطبہ مسنونہ کے بعد مدنی میاں نے جب سورہ ملک کی یہ آیت کریمہ ''**ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناها رجوماً للشیٰطین واعتدنا لهم عذاب السعیر**''-

''اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطان کے لیے مار کیا اور ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار کیا-'' کی تلاوت کی تو میں نے سوچا کہ موقع کی مناسبت سے یہ اس آیت کریمہ کی روشنی میں کیا بیان کریں گے، پھر جب انہوں نے اپنا موضوع سخن ''شانِ ولایت'' بتایا تو مولانا خادم رسول صاحب میری طرف جھکے، انہیں دیکھ کر شاہ تجمل ہدیٰ صاحب نے بھی اپنے کان ادھر لگا دیے- مولانا نے بھی وہی بات کہی جو چند ساعت قبل میرے دل پر گزر چکی تھی کہ ''آیت کریمہ کا موضوع سے کچھ ربط معلوم نہیں ہوتا'' یہ سن کر مولانا تجمل ہدی صاحب نے بھی ان کی تائید میں سر ہلایا- ادھر آپ مستند ومعروف کتب تفاسیر کے حوالے سے آیت کریمہ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے رہے- جب آپ کی گفتگو کا رخ اس سمت آیا کہ جیسے ستارے آسمان کی زینت ہیں، چراغ شب ہیں، مسافروں کے لیے راہ نما ہیں، ویسے ہی اولیا زمین کی زینت ہیں، شمع بزم ہدایت ہیں اور بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے راہ نجات ہیں- اس پر جو انہوں نے دلائل وبراہین کے انبار اور نکات کے تانتے لگانے شروع کیے تو ہمارے

بازو میں ذکر وحمد باری تعالیٰ کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور پورا مجمع آپ کی سحر آمیز خطابت سے وجد میں آگیا- یہ مشہور محاورہ ہے کہ ”جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے“ وہاں حقیقت کا روپ دھارتا نظر آیا:

اے شاد یاد ہے مجھے جمال حسن یار
اک شمع جلتی ہے مرے بزم خیال میں

اس وقت میں اپنی کتابوں کے ذخیرے سے دور قدرے بے سروسامانی کی کیفیت سے دوچار ہوں- شیخ الاسلام کی شخصیت کا مکمل خاکہ اور نہ ہی ان کی کوئی تصنیف پیش نظر ہے، البتہ وہ چند کتابیں جو میری نظروں سے گزریں ان کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں- ان میں سرفہرست اختصار وجامعیت کا حسین سنگم، ایمان وعقیدے کو جلا بخشنے اور عمل پر مہمیز کرنے والی تازہ ترین تفسیر ”سید التفاسیر“ المعروف بہ تفسیر اشرفی ہے، جس کا آغاز تو برسوں قبل آپ کے والد گرامی نے کیا تھا مگر افسوس وہ تین پارہ سے آگے نہ بڑھ سکی- یہاں تک کہ محدث اعظم نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رختِ سفر باندھ لیا- ان تین پاروں میں بھی دو پارے مرور زمانہ کی نذر ہوگئے- وہ ایک پارہ جب اہل علم ونظر کے سامنے آیا تو مخلصین ومعتقدین کی جانب سے اسے مکمل کرنے کا پیہم اصرار شروع ہوا- بالآخر شیخ الاسلام نے اپنے والد گرامی کے اس چھوڑے ہوئے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور اسے خوب نبھایا- امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”معارف القرآن“ کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ”شہزادے! آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو“ تو اگر وہ اس تفسیر کو دیکھتے تو بلاشبہ کہتے کہ ”شہزادے آپ اردو میں جلالین لکھ رہے ہو“ شیخ الاسلام ہی کا یہ حق تھا اور جانشینی کی بنیاد پر فرض بھی- ”سید“ محدث اعظم کا تخلص اور ان کے نام کا ایک اہم جزو ہے، اس لیے شیخ الاسلام نے ایک لائق وفائق فرزند کی طرح اپنے والد گرامی کی جانب اس تفسیر کو منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ”سید التفاسیر“ رکھ دیا- اس نام کی بنیاد پر دیگر تفاسیر کو پست دکھانا اور اسے تمام پر اعلیٰ وفائق بتانا مقصود نہیں، ناموں کو اگر اسی کسوٹی پر پرکھا جانے لگے تو بڑے بڑے ناموں میں ترمیم کرنی پڑے اور آنے والی نسلوں کو ناموں کے لالہ پڑ جائیں- اس لیے یہ بحث فضول اور یہ خیال خام ہے-

”الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم“ ایمان وعمل پر مشتمل احادیث مقدسہ کا یہ ایک خوب صورت گلدستہ ہے- شیخ الاسلام کے گہربار قلم نے ان کی سیر حاصل شرح فرما کر افادیت میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے-

بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ”قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں“ نام سے ایک ایسی کتاب لکھی جس میں ”الٰہ، رب، دین اور عبادت“ کا ایک عجیب وجدید مفہوم تھا- جگہ جگہ تفسیر بالرائے کی فتنہ سامانیاں تھیں- شیخ الاسلام نے ”اسلام کا نظریۂ الٰہ اور مودودی صاحب، اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب اور دین اور اقامت دین“ کے نام سے تین کتابیں تحریر فرمائیں اور حقیقی تصور اسلامی کو علمی اصول، دل پذیر انداز اور تشفی بخش طرز استدلال سے آراستہ کر کے نئی نسل کو مرعوبیت مودودیت سے نکالنے کی کامیاب سعی فرمائی-

ٹی وی اور ویڈیو کے لیے جو تصویر کھینچی جاتی ہے اس پر فقہی اعتبار سے اہل علم کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے- عالم عرب میں بعض حضرات کے نزدیک یہ صورت بھی تصویر کے دائرے میں آتی ہے اور اس لیے یہ ان کے نزدیک حرام ہے- شیخ حمود بن عبداللہ التویجری، شیخ عبداللہ بن محمد بن حمید اور بعض دیگر اہلِ علم اس کے قائل ہیں- برصغیر کے بھی کچھ علما کا یہی نقطہ نظر ہے- دوسری رائے یہ ہے کہ ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والی تصویر، تصویر کے دائرہ میں نہیں آتی ہے- مفتی حرمین شریفین شیخ محمد صالح عثیمین، شیخ محمد توفیق رمضان بوطی وغیرہ اسے تصویر نہیں مانتے اور اسے جائز قرار دیتے ہیں- (احکام التصویر فی الفقہ الاسلام، ص ۳۵۸) یہی نقطہ نظر معروف مصری عالم شیخ محمد یوسف قرضاوی کا ہے، جن کے نزدیک کیمرے سے کھینچی گئی تصویر بھی جائز ہے، (الحلال والحرام فی الاسلام، ۱۱۴) یہی رائے سعودی عرب کے علما کی خصوصی کونسل ”هيئة كبار العلماء“ کی ہے کہ دعوت اور علم کی نشر و اشاعت کے لیے ٹی وی سے مدد لینا جائز ہے- (فتاویٰ لجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیہ والافتا: ۱/ ۴۵۸) شیخ محمد شعراوی (الفتاوی: ۴۵) شیخ محمد عساف (الحلال والحرام ۵۳۲) اور شیخ محمد عبداللہ الخطیب (الفتاویٰ حول الدین والدنیا الخ: ۱/۱۳۲) کی بھی یہی رائے ہے- عالم اسلام میں اس وقت اکثریت اسی نقطہ نظر کی ہے- برصغیر کے بھی اکثر علما اور ارباب افتا اس کے قائل ہیں کہ اگر خاص اسلامی مقاصد کے لیے کوئی ٹی وی چینل یا ویڈیو ہو تو وہ جائز ہے اور وہ تصویر کے دائرہ میں نہیں

آ تا- حلقہ دیوبند سے تعلق رکھنے والے مشہور پاکستانی عالم مولانا محمد تقی عثمانی کا اس سلسلے میں ایک تفصیلی فتویٰ شائع ہو چکا ہے- اسی طرح ایک اور دیوبندی عالم مفتی رشید احمد لکھتے ہیں: اگر کسی وقت ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو اور ٹی وی کے باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے موجودہ منکرات سے پاک کر دے، ٹی وی میں عورتوں کا گزر نہ ہو، کسی جاندار کی تصویر بھی پیش نہ کی جائے، اس کا پورا عملہ صالح مردوں پر مشتمل ہو جو اسے عمومی خواہشات کے تابع رکھنے کے بجائے مفید مقاصد میں استعمال کرے- استعمال کی مخصوص حدود و شرائط وقت کے محققین سے طے کرائے تو دریں حالت ٹی وی آلہ خیر بن جائے اور علما کو اس پر کوئی اعتراض نہ رہے گا مگر بحالتِ موجودہ یہ قطعاً آلہ شر ہے-''

(احسن الفتاویٰ: ۸/۳۰۴)

آج متعدد ممتاز علما اور صاحبانِ افتا جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ جو چینلز خالص دینی و دعوتی مقاصد کے لیے قائم کیے گئے ہیں اور قائم کیے جا رہے ہیں، نیز ہر طرح کی فحاشی اور عریانیت سے پاک ہیں، ایسے چینلز قائم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہے- ان حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ''تصویر ایسی صورت گری کا نام ہے جو کسی چیز پر مستقل طریقہ سے نقش ہو جائے'' جیسا کہ دیوار یا کاغذ یا کپڑے پر ہوتی ہے- اب ڈیجیٹل تصویر کی صورت حال یہ ہے کہ اس میں کوئی جماؤ اور ٹھہراؤ نہیں ہوتا، بلکہ جوں ہی اس کو متحرک کرنے والا آلہ بند کر دیا جاتا ہے، اسکرین سفید ہو جاتی ہے اور اس پر کوئی تصویر باقی نہیں رہتی- رہ گئی سی ڈی جس کے ذریعہ صورتیں اسکرین پر آتی ہیں تو اس میں بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی بلکہ الکٹرانک ذرات موجود ہوتے ہیں جب انہیں متحرک کیا جاتا ہے تو وہ حروف یا شکلوں کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں، جیسے دوات میں روشنائی رکھی ہو یہ تصویر نہیں ہے لیکن یہ صورت گری اور تصویر کشی میں استعمال کی جا سکتی ہے کہ کوئی فنکار قلم کاغذ اٹھائے اور اس سے تصویر بنا دے، یہی حال ان ذرات کا بھی ہے جن کو مشینی حرکت دے کر صورتوں کی شکل دی جا سکتی ہے، غرض کہ جو صورت نظر آتی ہے اس میں ٹھہراؤ نہیں اور اس سے پہلے جو کیفیت ہے اس میں صورت کا وجود نہیں ہوتا اور نہ اسے دیکھا جا سکتا ہے، اس لیے اس کی حیثیت عکس اور سائے کی ہے نہ کہ تصویر کی-'' ٹی وی کے سلسلے میں اس نقطہ نظر سے جو حضرات متفق نہیں بھی ہیں تو وہ دیگر وجوہات کی بنا پر اس کے جواز کے قائل ہیں- اہلِ سنت کے قابل فخر اور معروف دانش گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک کے صدر شعبہ افتا، محقق مسائل جدیدہ مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی لکھتے ہیں:

''ٹی وی پر دینی پروگرام دیکھنا، دکھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اس بارے میں علمائے اہلِ سنت کی تحقیقات مختلف ہیں- ایک طبقہ اسے ناجائز کہتا ہے، ان کی تحقیق میں ٹی وی پر نظر آنے والی تصاویر حقیقتاً تصاویر ہی ہیں اور جاندار کی تصویر بنانا بنوانا ناجائز ہے- دوسرا طبقہ اس کی اجازت دیتا ہے ان کی تحقیق میں ٹی وی پر تصویر کی طرح جو مناظر سامنے آتے ہیں وہ فی الواقع تصویر نہیں بلکہ ریز اور شعاعیں ہیں، جو خاص طور پر یکجا ہو کر تصویر کی طرح نظر آتی ہیں- راقم الحروف کو اس سے اتفاق نہیں کہ وہ مناظر تصاویر نہیں کیوں کہ شارع علیہ السلام نے مجسمہ کے حرام ہونے کی جو علت بیان فرمائی ہے وہ شعاعی تصویر میں بھی پائی جاتی ہے اس لیے جو حکم مجسمے کا ہے وہی حکم شعاعی تصویر کا بھی ہوگا- ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شعاعی تصویر کی حرمت مجسمے اور دستی تصویر کی حرمت سے اخف اور کم ہو کہ دستی تصویر اور مجسمے کی حرمت منصوص ہے اور شعاعی تصویر کی حرمت غیر منصوص، ساتھ ہی مختلف فیہ بھی ہے مگر ناجائز ضرور ہے، پھر وقفہ وقفہ سے دینی امور کے درمیان فحش اور ناجائز مناظر کی نمائش الگ وجہ حرمت ہے- اس لیے عام حالات میں ٹی وی دیکھنے، دکھانے کی اجازت نہیں ہو سکتی، اگر ٹی وی پر نشر ہونے والے تمام امور خالص دینی ہوں اور انہیں نشر کرنے کی حاجت بھی ہو، ساتھ ہی فحش مناظر اور ممنوعات سے پاک ہوں تو انہیں ٹی وی پر دیکھنے دکھانے کی اجازت ہوگی-'' (جام نور دہلی، شمارہ مئی ۲۰۱۰ء)

غالباً ۲۰۰۶ء میں شہزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا قاری رضاء المصطفیٰ امجدی خطیب و امام میمن مسجد کراچی پاکستان کا انٹرویو ماہنامہ جام نور دہلی نے اپنے کسی شمارے میں شائع کیا تھا- پاکستان کے دینی و مذہبی پروگرامات میں ٹی وی اور ویڈیو کے عام استعمال کے سوال پر انہوں نے صرف ایک جملے میں جامع اور بڑا ہی نپا تلا جواب دیا تھا کہ ''علمائے پاکستان نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ لیا ہے کہ ''جو ٹی وی سے باہر دیکھنا ناجائز ہے وہ ٹی وی پر بھی ناجائز ہے اور جن چیزوں کا ٹی وی سے باہر دیکھنا جائز ہے اسے ٹی وی کے اسکرین پر بھی دیکھنا روا اور درست ہے-'' (مفہوم)

اہل سنت و جماعت کے ساتھ دیگر مسالک و مکاتب فکر کے یہ

بھی نظریات تقریباً موجودہ اکیسویں صدی کے ہیں، برخلاف اس کے شیخ الاسلام نے ٹی وی اور ویڈیو کے شرعی جواز کے پہلو پر جب اپنی گراں قدر تحقیق بیسویں صدی کے اواخر میں ان ہی بلکہ اسے مضبوط اور تفصیلی دلائل کے ساتھ پیش کی تو بھونچال آگیا- اس علمی تحقیق کا عالمانہ جواب اور سنجیدہ اختلاف کی بجائے آپ پر انتہائی رکیک حملے کیے گئے- آپ کو مذموم القابات سے نوازا گیا- ہر قسم کی فتنہ انگیزیاں روا رکھی گئیں- چند راویوں کے مطابق: آپ نے یہ کہہ کر خلوت گزینی اختیار کرلی کہ یہ آج نہیں دس برسوں کے بعد اسے قبول کریں گے، جب کہ کافی نقصان ہو چکا ہوگا:

مریخ پر نگاہ زمانے کی ہے مگر
شارق غزل کی زلف سے الجھا ہوا ہوں میں

اس دور پر آشوب میں جس نے اک ذرہ ان کی علمی اور اخلاقی حمایت کی ہمت جٹائی، فتاوی کو بازیچہ اطفال بتا دینے والے خود پسندوں نے اس پر ’’مشکوکیت‘‘ کا لیبل لگا دیا- اس ’’مشکوک سنیت‘‘ کی کھیتی اس کے بعد ہی سے خوب لہلہایا- شیخ الاسلام کی دور بین نگاہوں اور نفیس علمی و تحقیقی نکات کو بہت سارے جہاں دیدہ، زمانہ شناس اور دور اندیش اہل علم نے خوب سمجھا اور سراہا چنانچہ پاکستان کے معروف عالم دین غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ نے آپ کی معرکہ آرا تصنیف ’’ویڈیو اور ٹی وی کا شرعی استعمال‘‘ ہی دیکھ کر آپ کو ’’رئیس المحققین‘‘ کا خطاب عطا فرمایا- رہی بات ہندوستان کی تو یہاں معاملہ زیادہ کٹھن تھا بلکہ آزادی رائے کے اظہار کا مطلب یہاں نار نمرود میں کودنا تھا اور نار نمرود کے لیے تو حوصلہ خلیل چاہیے- مولانا مفتی محمد بدر عالم صاحب مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے دعوتِ اسلامی کے مدنی چینل کے لیے رقم کی ہے:

’’مدنی چینل کے بارے میں بہت پہلے سے میں سوچتا تھا، میں اپنی مجلسوں میں انفرادی طور پر ان اسلامی مبلغین سے کہتا رہا کہ بھائی میرا اپنا جو نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے حالات میں حاجت کا تحقق ہو چکا ہے- ایک حاجت جو ہماری فقہی اصطلاح ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو بہت سارے لوگوں کے دین و ایمان ، عزت و ناموس، دشواریوں اور خطرے میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو میں نے محسوس کیا کہ اتنے چینل آرہے ہیں اور بہت سے چینل بنام اسلام آرہے ہیں اور ٹوپی کرتا پاجامہ میں آرہے ہیں اور اسلامی بات بتا رہے ہیں تو ہمارے بھولے بھالے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی نمائندہ ہیں- ہم صرف اندھیرے کو کوستے رہتے ہیں کہ اندھیرے بہت خراب ہیں، اندھیرے بہت خراب ہیں جب تک اندھیرے کے خلاف چراغ نہیں جلایا جائے گا تب تک اندھیرے کا ویلو برقرار رہے گا- اندھیرے کے ویلو کو برقرار رکھنا ہے تو چراغ مت جلائیے- لیکن اگر اندھیرے کو ختم کرنا ہے تو چراغ جلانا ہی پڑے گا- اس لیے میں نے محسوس کیا اور بہت دنوں سے محسوس کر رہا تھا مگر حالات کے پیش نظر جرات نہیں ہو رہی تھی-‘‘

(ماہنامہ جام نور دہلی، مئی ۲۰۱۰ء)

دعوت اسلامی کا مدنی چینل کم از کم ہندوستان میں میری معلومات کے مطابق شیخ الاسلام کے فتوی کے حوالے سے ہی میدان عمل میں اتر کر سرگرم دعوت و تبلیغ ہوا- اب تو خیر اس کے لیے اجازت و خلافت کی ایک ہوڑ لگی ہے- دروغ بر گردن راوی مجھے تو یہاں تک سننے میں آیا کہ یہ مدنی چینل درحقیقت ’’مدنی میاں‘‘ ہی کی طرف منسوب ہے- اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا مفتی مطیع الرحمٰن صاحب رضوی جو افتا و قضا کے تعلق سے پورے ملک میں اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں، ابتداءً حضرت شیخ الاسلام کی تحقیق و فتویٰ کی سرگرم مخالفت میں قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے، مگر ملک کے بدلتے حالات اور دین و سنیت کے اہم تقاضوں کے پیش نظر ٹی وی کے ذریعہ تبلیغی پروگرام کے نشر کے جواز کا فتویٰ دینے پر مجبور ہوئے اور مسلمانوں کا اسے دیکھنا مستحسن قرار دیا- جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے اور کسے کہتے ہیں؟

مہاراشٹر کے شہر دھولیہ میں ۲۰۰۷ء کے ابتدائی کسی مہینے میں میری تقریر تھی- ’’اتحاد امت وقت کی اہم ضرورت‘‘ کے موضوع پر ہونے والی میری گفتگو نے شہر کے سرکردہ افراد کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، جس کے بعد باضابطہ انہوں نے ہندوستان کے مشاہیر اہل خانقاہ، صف اول کے علما و خطبا، چیدہ اہل قلم اور دانشوران کو ایک اسٹیج پر لانے کا منصوبہ بنایا تاکہ افتراق و انتشار کے اس دور میں اتحاد و اتفاق کا ایک خوش گوار ماحول بنایا جائے- عوام تک ایک مثبت پیغام پہنچے- دین و سنیت کے فروغ کے لیے راہیں ہموار ہوں اور مسلک و مشرب کے نام پر ملت اسلامیہ میں پھوٹ ڈالنے والے شرپسند عناصر سے امت کو

نجات دلائی جائے- اس کے لیے دھولیہ شہر کے ایک قابل قدر دینی جذبے کے حامل اور دردمند دل کے مالک عالی جناب شوکت علی صاحب برکاتی کی قیادت میں معزز افراد کا ایک ڈیلی گیشن مجھ سے ملا اور ان مشاہیر سے خود کی صواب دید پر رابطے وغیرہ کی ذمہ داری قبول کرنے کی درخواست کی تو چاروناچار قبول کرنا ہی پڑا- مسئلہ قول وفعل کے تضاد ویکسانیت کا بھی تھا- کانفرنس کا نام ''اظہار وحدت'' تجویز ہوا- خطاب کے لیے عناوین مقرر ہوئے- رابطے کی طوفانی مہم شروع ہوئی، فون کا بجا استعمال ہوا، مختلف قسم کے اسفار سے واسطہ پڑا- ڈیوزھیوں پر گھنٹوں بیٹھ کر محروم سوالی بنا، یہ اتنی خاردار وادی ہوگی مجھے اس کا اندازہ نہ تھا آج بھی جب سوچتا ہوں تو ہول آنے لگتا ہے اور کبھی اپنی حماقت پر ہنسی بھی- مولانا قمرالزماں خان اعظمی سے تاریخ کے لیے برطانیہ فون پر چند بار باتیں ہوئیں- انہوں نے اس نیک مقصد کو بہت سراہا، کچھ بڑے مفید مشورے دیے- ان میں ایک یہ کہ بہت ساری اہم شخصیتیں جو شریک کانفرنس نہیں ہوسکیں گی، ان سے آپ اس موضوع پر پیغامات حاصل کرلیں اور انہیں بھی عوام کے سامنے پیش کریں- مقصد کے تحت اچھا پیغام جائے گا- یکم ودو دسمبر ۲۰۰۷ء کو منعقد ہونے والی اس عظیم الشان کانفرنس کے لیے ہندوستان بھر کے عظیم علمی، ادبی اور روحانی خانوادوں سے تعلق رکھنے والی محترم شخصیات کی تاریخ وپیغامات کے حصول، اخیر وقت میں کانفرنس میں نہ پہنچنے کے سانحے، نادان دوستوں یا مفاد پرستوں کی جانب سے اڑائی گئی افواہوں نے ہمارے احباب کو توڑ کر رکھ دیا-

وہ تو کہیے کہ معمولی ابابیلوں سے ابرہہ کے لشکر فیل کو شکست فاش دینے والے اس قادر مطلق نے پورے مہاراشٹر سے ٹوٹ پڑنے والے جم غفیر کے لیے اس حقیر کی زبان میں وہ قوت گویائی پیدا کردی کہ لوگ وقت کے فصحا وبلغا کو تو بھول گئے لیکن ایک اسٹیج پر اپنے قائدین کو دیکھنے کا خواب تو شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا- یہی وجہ ہے کہ آج بھی جب شوکت علی صاحب برکاتی سے بات ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ حضرت! اب ہم لوگ ''اظہار اختلاف کانفرنس'' کروائیں گے کہ آیئے ''اتحاد'' نہیں تو ''اختلاف'' کے نام پر تو جمع ہوجایئے- اس کے علاوہ بھی چند ایسے تلخ حقائق سے ہمیں واسطہ پڑا کہ بس...... ع

اک راز ہے جو کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم

لیکن کیا کیا جائے مجبوری تو یہ بھی ہے کہ......ع

بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر

آج تین سالوں سے زیادہ عرصہ ہونے کے باوجود بعض بڑی قابل احترام شخصیتوں کا معاملہ......ع

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

ان ہی ایام میں شیخ الاسلام سے احمدآباد فون کرکے میں نے رابطہ قائم کیا اور کانفرنس کے لیے تاریخ کی منظوری چاہی- آپ نے نہایت متانت کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں سالوں سے کسی اسٹیج پر نہیں جارہا ہوں، یہاں تک کہ عرس محدث اعظم کے اسٹیج پر بھی نہیں پہنچ پاتا جو میرے ہی ذمہ ہے- صرف قل کے وقت شریک ہوتا ہوں- میں نے کہا حضور! کم از کم اس بامقصد اور نیک کاز کی خاطر اپنی جانب سے کچھ پیغام ہی دیدیں- فرمایا، آپ چند جملے لکھ کر مجھے سنادیں میں اس کی تائید کردیتا ہوں- میں نے کہا والد گرامی کا اس کانفرنس کے لیے دیا گیا پیغام میرے پاس موجود ہے- اس پر برجستہ فرمایا، تو بس کافی ہے، اسے آپ کو سنانے کی بھی ضرورت نہیں- آپ کے والد گرامی کو میں زمانہ طالب علمی سے جانتا ہوں اور مجھے ان پر خوب اعتماد ہے، اس لیے میں ان کی تحریر کی مکمل تائید کرتا ہوں شروعاتی مزاج پرسی اور تعارفی جملوں کے علاوہ شاید اخیر میں بھی ایک دو جملے رہے ہوں لیکن اس کا ماحصل اور خلاصہ یہی ہے جسے آج صفحہ قرطاس پر اتارتے ہوئے بے شک فخر محسوس کررہا ہوں- کسے معلوم تھا کہ یہ گفتگو کبھی ریکارڈ ہوگی اور تاریخ کے مضبوط صفحات اسے محفوظ کرلیں گے- شیخ الاسلام سے یہ میری پہلی گفتگو گرچہ فون پر تھی مگر اب تک میرے ذہن ودماغ پر ان کا طرز تخاطب، انداز گفتگو اور عاجزانہ و مشفقانہ لب ولہجہ پوری طرح نقش ہے- اسے نہ لفظوں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تحریر سے، اسے بس اور بس محسوس ہی کیا جاسکتا ہے اور اس کی حلاوت کی لذت حاصل کی جاسکتی ہے-

اے شاد یاد ہے مجھے جمال حسن یار
اک شمع جلتی ہے مرے بزم خیال میں
چشم اقوال سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری

□□□

مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی ☆

شیخ الاسلام کی قلمی خدمات

جب سے میں نے شعور کی آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا اس وقت سے میں نے جن علما و فضلا کا شہرہ اور جن کے تقویٰ و پرہیز گاری کا غلغلہ سنا ان میں سے ایک شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی صاحب کی ذات گرامی بھی ہے- آپ کی ذات علم و فضل کا استعارہ اور آپ کی شخصیت دینداری اور خیر و صلاح کا کنایہ ہے- آپ علم و عرفان اور طریقت و معرفت کے نخلستان کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد یو پی میں یکم رجب ۱۳۵۷ء مطابق ۲۸/ اگست ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے-

آپ کا سلسلۂ نسبت غوث صمدانی قطب ربانی سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا حضرت مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے- آپ کے والد ماجد محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور آپ کے نانا حضرت علامہ سید احمد اشرف فرزند حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں رحمۃ اللہ علیہما ہیں-

والدۂ محترمہ مخدومہ سیدہ فاطمہ کی آغوش تربیت میں رہنے کے بعد ۱۴/ سال کی عمر میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور یہاں آپ نے درس نظامی کے علاوہ عربی فارسی اور اردو کی بہت سی کتابیں پڑھیں- حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز صاحب اور جامع معقولات حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے خصوصی اکتساب فیض کیا اور جنوری ۱۹۶۳ء میں وہاں سے سند فراغت حاصل کی- فراغت سے لے کر تا ہنوز آپ کی زندگی کا ہر لمحہ دین اسلام اور مذہب اہل سنت کی نصرت و حمایت میں گزر رہا ہے- آپ ایک نکتہ رس خطیب ، ژرف نگاہ فقیہ اور جامع الصفات شیخ طریقت کی حیثیت سے عوام و خواص میں معروف و مشہور ہیں- خانقاہی ذمہ داریوں ، ملک و بیرون ملک کے اسفار اور مختلف مدارس و مکاتب اور تنظیموں کی سربراہی اور سرپرستی اور دیگر تبلیغی مصروفیات کے باوجود آپ لوح و قلم کے ذریعہ اسلام و سنیت کی خدمت کے لیے وقت نکال لیتے ہیں جو اپنے آپ میں ایک بڑی بات ہے- آپ کے آہوئے قلم سے درجنوں نافۂ مشک نکل کر سامنے آ چکے ہیں- مختلف موضوعات پر آپ کی کتابیں علمی حلقوں میں مقبول اور صاحبان علم و فضل سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں- آنے والے صفحات میں آپ کی انہیں کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، اس سے تحریری میدان میں آپ کی قدر و منزلت کا تعین کرنا آسان ہوگا اور آپ کی تحریری خصوصیات سے آشنائی ہوگی- آپ کی کتابوں کا یہ تعارف اشاعت کی ترتیب سے پیش کیا جا رہا ہے- واضح رہے کہ حضرت مصنف کی جو کتابیں دستیاب ہو سکیں ، یہاں انہی کا ذکر کیا جا رہا ہے، ممکن ہے ان کے علاوہ بھی مصنف کی کتابیں ہوں جو ہماری نظر سے اوجھل ہیں-

(۱) فریضۂ دعوت و تبلیغ

(اشاعت اول: ۱۹۶۶ء، دار التصنیف والتالیف، مبارک پور اعظم گڑھ)

علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی یہ کتاب ۳۶ صفحات پر مشتمل ہے- اس کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے ایک فرد نے فاضل مصنف سے تین سوالات کیے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین جیسی مقدس اسلامی شخصیتیں یا تو روح اسلام سے خالی تھیں یا اسلامی مزاج سے آشنا نہیں تھیں لہذا رسول کے لائے ہوئے دین کو لوگوں نے اپنے ذہن و دماغ اور عقیدۂ و عمل سے باہر نکال دیا اور ایک نئے اسلام کے ماننے والے بن کر رہ گئے- انہوں نے ایک ایسے اسلام کو چن لیا جس کو اپنانے سے لادینی کی راہ اختیار کرنا بہتر تھا- فاضل مصنف نے پہلے اسی سائل کے سوالات کا مختصر جواب دیا اور چوں کہ سائل کے سوال میں دعوت و تبلیغ کا لفظ بار بار آیا تھا اس لیے مؤلف محترم نے فریضۂ دعوت و تبلیغ سے متعلق اسلامی نظریہ کو واضح کرنا چاہا اور اسی مقصد سے انہوں نے یہ کتاب تالیف کی اور یہ واضح کیا کہ ”جو جس درجہ اور جس مقام کا عالم شریعت ہوگا اس کو اسی قسم کی دعوت و تبلیغ اور ہدایت و اصلاح کا حق پہنچتا ہے جو اسی کے مقام کے لائق ہے اور اگر اس سے زیادہ بوجھ ڈالا گیا تو یہ تکلیف مالا یطاق ہوگی-“ (ص: ۳۲-۳۳)

(۲) دین کامل (اشاعت اول ۱۹۶۶ء)

فاضل مصنف کی یہ کتاب ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے- اس میں

☆mzralimi@gmail.com

مصنف نے قرآنی آیات اور احادیث کریمہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ دین اسلام کے علاوہ سارے مذاہب خصوصا یہودیت اور عیسائیت افراط وتفریط کا شکار ہونے کی وجہ سے کامل نہیں ہیں اور صرف مذہب اسلام ہے جو افراط وتفریط سے پاک وہ مذہب ہے جو پوری انسانیت کے درد کا درماں ہے-

کتاب اپنے موضوع پر مختصر ہونے کے باوجود لائق مطالعہ ہے، اس کتاب کے مطالعے سے قاری اس نتیجے تک بہ آسانی پہنچ جاتا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت عصر حاضر میں نا قابل عمل دین اور مذہب اسلام ہی کامل ومکمل دین ہے جس کی پیروی ہر شخص کے لیے ضروری ہے- اسلوب تحقیقی اور درس گاہی ہے اور زبان عموماً آسان ہے-

(۳) اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب

(طبع اول ۱۹۶۷ء محدث اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف)

یہ کتاب سید ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کی جماعت ''جماعت اسلامی'' کے نظریات پر فاضل مصنف کے تنقیدی سلسلے کی پہلی کڑی ہے- مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں الٰہ، رب، عبادت اور دین کی جو تشریح وتوضیح پیش کی تھی فاضل محترم نے اس کتاب میں ان میں سے اسلام کی پہلی بنیادی اصطلاح ''الٰہ'' کی قرآن واحادیث اور مفسرین وائمہ اعلام کے اقوال کی روشنی میں درست توضیح وتشریح کی ہے اور الٰہ سے متعلق مودودی نظریات کی بیخ کنی کی ہے-

یہ کتاب ایک دیباچہ، پانچ ذیلی عناوین (۱) الٰہ کی لغوی تحقیق، (۲) مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی تجزیہ، (۳) اہل جاہلیت کا تصور الٰہ، (۴) الوہیت کے باب میں املاک امر، (۵) مودودی صاحب کے خیالات کا اجمالی جائزہ- اور خاتمہ، پر مشتمل ہے، اور اخیر میں ماخذ کے عنوان سے ۲۷ کتابوں کی ایک فہرست دی گئی ہے جس سے مؤلف نے براہ راست استفادہ کیا ہے اور ۲۴ ان کتابوں کے اسما ذکر کیے گئے ہیں جن سے مصنف نے بالواسطہ استفادہ کیا ہے-

کتاب کا اسلوب فاضلانہ اور محققانہ ہے اور زبان بھی عموماً سہل اور سادہ، البتہ حوالوں کی تخریج عصری اور علمی انداز میں نہیں کی گئی ہے- کتاب لائق مطالعہ اور مودودی نظریات کے سلسلے میں تنقیدی بصیرت حاصل کرنے کے لیے بے حد اہم ہے-

(۴) اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب

(محدث اعظم اکیڈمی، کچھوچھہ شریف، اشاعت اول: ۱۹۶۸ء)

مودودی صاحب کے نظریات پر فاضل مصنف کی تنقید کی دوسری کڑی ہے- مؤلف کی اس کتاب میں اسلام کے چار بنیادی اصول میں مودودی صاحب کی طرف سے عبادت سے متعلق بیان کیے گئے نظریات پر قرآن وسنت، مفسرین اور ائمۂ امت محمدیہ کے اقوال کی روشنی میں گفتگو کی ہے اور ان کے نظریات کا ناقدانہ مطالعہ کیا ہے-

یہ کتاب ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے اور مندرجہ ذیل عناوین ہیں:

(۱) عبادت: لفظی تحقیق- (۲) مودودی صاحب کی علمی خیانتیں (۳) مودودی صاحب کے دوسرے علمی جواہر پارے (۴) مودودی صاحب کی ایک غیر ضروری کوشش (۵) لفظ عبد کی تحقیق (۶) مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی تجزیہ (۷) مودودی صاحب کا نظریۂ عبادت (۸) مودودی صاحب کی پریشان خیالیاں (۹) مودودی صاحب کے نزدیک ایمان کیا ہے؟ (۱۰) عبادت کے متعلق مودودی صاحب کے مزید خیالات (۱۱) امت مسلمہ کے عوام پر برہمی اور بہتانات (۱۲) خواص امت پر بھی بیجا برافروختگی (۱۳) مسئلہ خلافت وحکومت (۱۴) لفظ عبادت کا استعمال قرآن میں (۱۵) عبادت بمعنیٰ اطاعت (۱۶) عبادت بمعنی پرستش (۱۷) عبادت بمعنی بندگی واطاعت وپرستش (۱۸) اسلام کا نظریہ عبادت (۱۹) اور اخیر میں جن کتابوں سے مصنف محترم نے بلا واسطہ استفادہ کیا ہے اس کی فہرست دے دی گئی ہے-

یہ کتاب اپنے موضوع پر سہل اور سادہ زبان میں تحقیقی اسلوب و آہنگ سے آراستہ ہے- یقیناً یہ کتاب اس لائق ہے کہ مودودی صاحب کے نظریہ عبادت پر تنقید کرتے وقت اسے اپنے مطالعہ کی میز پر سجایا جائے اور اس سے استفادہ کیا جائے-

(۵) دین اور اقامت دین

(شیخ الاسلام اکیڈمی بھاگل پور، سن اشاعت ۱۹۹۷ء)

حضرت مصنف کی طرف سے مودودی نظریات پر تنقیدی سلسلے کی یہ تیسری کڑی ہے- اس کتاب میں انہوں نے دین اور اقامت دین سے متعلق مودودی صاحب کے افکار ونظریات کا عالمانہ، محققانہ اور ناقدانہ مطالعہ کیا ہے اور دین اور اقامت کے مفہوم کو سمجھنے میں مودودی صاحب کے قلم نے جہاں جہاں ٹھوکر کھائی ہے ان مقامات کو

واضح کر کے لوگوں کے لیے قدم کی لغزش سے بچنے کا ذریعہ اور سامان ہدایت فراہم کر دیا ہے۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل سرخیوں پر مشتمل ہے:

(۱) دین: لغوی تحقیق (۲) دین اور جزا میں نازک سا فرق (۳) لفظ مذہب کی تحقیق (۴) لفظ ملت کی تحقیق (۵) مودودی صاحب کا ارشاد (۶) قرآن فہمی کے لیے چار ضروری امور (۷) انصاف پسند مفسر کا فرض (۸) موجودہ دور کا المیہ (۹) کیا قرآن کی ترجمانی ممکن ہے (۱۰) قرآن میں لفظ دین کا استعمال (۱۱) مودودی صاحب کی تشریحات کا تحقیقی جائزہ (۱۲) اقامت دین (۱۳) ایک غلط فہمی کا ازالہ (۱۴) ایک سطحی اور خطرناک روش (۱۵) مودودی صاحب کی فکری کجی (۱۶) ایک مغالطہ اور اس کی اصل وجہ (۱۷) قرآن مجید کو آنکھ کھول کر پڑھیے (۱۸) مودودی صاحب اپنے آئینے میں۔

اخیر میں ایک خاتمہ ہے اور اس کے بعد تقریباً ۵۹ مآخذ و مراجع کی فہرست دی گئی ہے۔ مودودی صاحب کے افکار و آرا کا ناقدانہ مطالعہ کرنے والا اسکالر اور محقق اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ کتاب ۳۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسلوب بیان سلیس اور شستہ ہے۔

(۶) ویڈیو ٹی وی کا شرعی استعمال

(محدث اعظم پبلی کیشنز، اشاعت ۱۹۸۷ء)

یہ کتاب دراصل ویڈیو اور ٹی وی کے مشروط استعمال سے متعلق ایک استفتا کا جواب ہے، اس کتاب کے مطالعے سے مصنف کی فقہی بصیرت اور علوم شرعیہ میں ان کی وسعت و گہرائی کا پتا چلتا ہے۔ یہ کتاب مجموعی طور پر ۳۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ میرے سامنے جو نسخہ ہے اس میں ناشر ادارہ نے اس مسئلے سے متعلق اختلافی نظریہ رکھنے والے علما اور فقہا کی تحریروں کو بھی شائع کر دیا ہے تاکہ قاری تصویر کے دونوں رخ ملاحظہ کر کے کسی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکے۔

اسلوب عالمانہ اور فقیہانہ ہے۔ عام قاری کے لیے جن کو فقہ و منطق سے لگاؤ نہ ہو، اس سے استفادہ کی توقع بہت کم ہے۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی نے مصنف کتاب کو ''رئیس المحققین'' کے لقب سے یاد فرمایا تھا۔

(۷) تعلیم دین وتصدیق جبریل امین (اشاعت اول ۲۰۰۴ء)

فاضل مصنف کے زرنگار قلم سے نکلی ہوئی یہ کتاب حدیث جبریل کی فاضلانہ تشریح سے متعلق ہے۔ مصنف محترم نے ۲۵ ذیلی عناوین کے تحت حدیث جبریل کے مختلف گوشوں پر ۱۱۰ صفحات میں گفتگو کی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت ہی اہم اور بلا شبہ لائق مطالعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے علم حدیث میں مصنف کے تبحر علمی اور ذہن رسا کا پتا چلتا ہے۔

یہ کتاب دراصل مشکوۃ شریف کی ان احادیث کی شرح کا ایک حصہ ہے جو ماہنامہ المیز ان میں قسط وار شائع ہوا کرتی تھی۔ جب ماہنامہ المیز ان بند ہو گیا تو بعد میں جن حدیثوں کی شرح بہت مفصل تھی اور کتابی شکل میں شائع ہونے کے لائق تھی ان کو کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ کتاب کی زبان درمیانی ہے۔ باذوق عام قاری بھی اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

(۸) انما الاعمال بالنیات (اشاعت ۲۰۰۴ء)

یہ کتاب مشہور و معروف حدیث انما الاعمال بالنیات کی محققانہ توضیح و تشریح پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ حدیث نیت میں پوشیدہ اسرار و رموز اور دقائق و معانی کو مصنف عالی وقار نے بہت ہی عمدہ اور عالمانہ اسلوب میں بیان ہے۔ کتاب مصنف کی شخصیت کی غماز اور علم حدیث میں ان کی صلاحیتوں کی شاہد ہے۔

حدیث کا ذوق رکھنے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت سود مند اور نفع بخش ہے۔

(۹) نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس (اشاعت اول ۲۰۰۴ء)

مولانا قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس میں مذکور ختم نبوت سے متعلق نظریہ کی تردید و تنقید پر مشتمل یہ مختصر کتاب دراصل مصنف کا ایک مقالہ ہے جسے المیز ان نے اپنے صفحات پر شائع کیا تھا۔

یہ کتاب مولانا قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس کی کفریات اور اس کی گمراہیوں سے واقفیت کے لیے بے حد اہم ہے۔

(۱۰) مقالات شیخ الاسلام (اشاعت اول ۲۰۰۴ء)

یہ کتاب دراصل علامہ مدنی میاں صاحب کے مندرجہ ذیل مقالات کا مجموعہ ہے (۱) اشتراکی سوالات کے اسلامی جوابات (۲) ایک تعلیم یافتہ خاتون کے تین سوالات اور ان کے جوابات (۳) تحریم اور فلسفۂ تحریم (۴) رسول اکرم ﷺ کے تشریعی اختیارات۔ چاروں مقالات موضوع کے لحاظ سے اہمیت کے حامل اور لائق مطالعہ ہیں۔

زبان درمیانی ہے اور عام قاری کے لیے بھی استفادہ ممکن ہے۔

(۱۱) محبت رسول روح ایمان

(اشاعت اول: ۱۹۸۶ء محدث اعظم پبلی کیشنز)

یہ کتاب دراصل مشکوٰۃ شریف کی شرح کا وہ حصہ ہے جو ماہنامہ المیزان میں سلسلہ وار شائع ہوا کرتا تھا۔ ماہنامہ کی اشاعت بند ہونے کے بعد الگ الگ احادیث کی شرح کو مستقل کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

اس کتاب میں متفق علیہ حدیث **لایومن احدکم** الخ کی فاضلانہ تشریح کی گئی ہے۔ علمی جواہر پارے کتاب میں جابجا بکھرے پڑے ہیں، کتاب کے مطالعہ سے محبت رسول میں اضافہ اور حقوق وآداب بارگاہ رسالت سے آگاہی ہوتی ہے۔

اسلوب عمدہ اور ایسا خوب صورت ہے کہ قاری ایک بار مطالعہ کے آغاز کے بعد مکمل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

(۱۲) الاربعین الاشرفی

(اشاعت ۲۰۰۵ء ناشر: گلوبل اسلامک مشن امریکہ)

چالیس احادیث کی اہمیت وفضیلت سے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں اور اسی لیے متقدمین سے لے کر متاخرین تک بہت سے علما نے اربعین کے نام سے احادیث کا مجموعہ تیار کیا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی مصنف کی یہ کتاب بھی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے احادیث ذکر کی ہیں۔ ان کا سلیس اردو ترجمہ لکھا ہے اور پھر ان کی عالمانہ اور فاضلانہ تشریح کی ہے۔ کتاب ۴۰۹ صفحات پر مشتمل ہے اور پوری کتاب علمی نکات، حدیثی جواہر پاروں سے پر ہے اور یقیناً اس لائق ہے کہ حدیث رسول سے محبت رکھنے والوں کے مطالعے میں رہے۔

یاد رہے کہ یہ مجموعہ احادیث دراصل ماہنامہ المیزان میں شائع ہونے والی احادیث مشکوٰۃ کی شرح کا انتخاب ہے۔ یہ مجموعہ احادیث حضرت مصنف کی علمی گہرائی پر دلیل وبرہان ہے زبان وبیان سہل اور عام قاری کے لیے بھی قابلِ استفادہ ہے۔

(۱۳) امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ

(اشاعت ۱۹۸۲ء، مکتبہ انوار المصطفیٰ حیدرآباد، انڈیا)

مصنف کی یہ کتاب دراصل شعبہ علوم قرآن دارالعلوم دیوبند کے سربراہ مولانا محفوظ الرحمٰن قاسمی کے چھ اقساط مضمون کا تحلیل وتجزیہ ہے جو ماہنامہ دارالعلوم میں شائع ہوا تھا۔ اس کے ذریعے ترجمہ کنزالایمان کو تفاسیر معتبر اور منشا خداوندی کے خلاف قرار دیا گیا تھا۔

مصنف کے آہوئے قلم سے نکلا ہوا یہ نافہ مشک بار اور عطر بیز ہے اور علوم شرعیہ میں ان کی گہرائی وہمہ گیری کا ترجمان ہے۔ انہوں نے اپنی اس تحریر کے ذریعہ امام احمد رضا قدس سرہ پر لگائے گئے تمام الزامات کا علمی اسلوب میں جواب دیا ہے اور ترجمہ کنزالایمان کی اہمیت ومعتبریت کو واضح کیا ہے۔ اس سے امام احمد رضا کی عبقریت بھی واضح ہوتی ہے اور خود علم قرآن میں مصنف کے درک کا بھی پتا چلتا ہے۔ یہ کتاب قسط وار ماہنامہ المیزان بمبئی میں شائع ہو چکی ہے۔ زبان و اسلوب بہت سادہ لیکن علمیت لیے ہوئے ہے۔

(۱۴) مسلم پرسنل لا یا اسلامک لا؟

(اشاعت ۱۹۸۵ء المیزان پبلی کیشنز)

شاہ بانو کیس سے متعلق حضرت مصنف کی یہ کتاب دستاویزی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب میں حضرت مصنف نے مسلم پرسنل لا کی اصطلاح کو غلط قرار دیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو قانون ہے وہ ان کا ذاتی نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا اتارا ہوا قانون ہے اور اس میں کسی قسم کی مداخلت شریعت میں مداخلت کے مترادف ہے۔

۷۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں حضرت مصنف نے طلاق، نان ونفقہ اور اسلامی عائلی قوانین سے متعلق تمام ضروری مواد نہایت خوب صورت انداز نگارش میں جمع کر دیا ہے۔ کتاب لائق مطالعہ اور اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں بہت نمایاں ہے۔ زبان آسان اور سادہ ہے، عام قارئین بہ آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔

(۱۵) سید التفاسیر معروف بہ تفسیر اشرفی

(چار جلدیں، از پارہ ۱ تا پارہ ۱۲، اشاعت اول بالترتیب ۰۸-۰۹-۲۰۱۰)

یہ تفسیر حضرت مصنف کا تحریری شاہکار ہے، ابھی صرف ۱۲ پاروں کی تفسیر منظر عام پر آسکی ہے، امید ہے کہ بہت جلد مکمل ۳۰ پاروں کی تفسیر چھپ کر منظر عام پر آجائے گی۔ اس میں پہلے پارے کی تفسیر محدث اعظم ہند حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی علیہ الرحمۃ والرضوان کے رشحات قلم سے ہے۔ پہلی جلد ۴۴۵ صفحات پر مشتمل ہے، دوسری جلد ۴۱۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ تیسری جلد میں ۳۸۴ صفحات ہیں اور چوتھی جلد ۳۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

کلام الٰہی کے تفسیری اثاثہ میں یہ ایک شاندار اضافہ ہے اور خاص طور سے ان لوگوں کے لیے مفید ہے جو سیدھے اور سہل انداز میں قرآن کے معانی ومفاہیم کو سمجھنا چاہتے ہیں اور اس کے تفصیلی علمی مباحث میں نہیں پڑنا چاہتے اور خود حضرت مصنف کے بقول: اس میں معتبر تفاسیر کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے اور فنی بحثوں کو نہیں چھیڑا گیا ہے۔ اختلافی احکام ومسائل میں فقہ حنفی کی رو سے وضاحت کی گئی ہے اور دلائل سے ممکنہ حد تک احتراز کیا گیا ہے کیوں کہ مقصد صرف قرآن کی تفہیم ہے لہذا نہ اس قدر اختصار ہے کہ معانی واضح نہ ہو سکیں اور نہ اس قدر تفصیل کہ آیات کی تفہیم سے اس کا تعلق نہ ہو۔

(سید التفاسیر، منظور ہے گزارش احوال واقعی۔ (ص، ۶۱/۶۲)

اسلوب سادہ اور مصنف کے عام علمی منہج سے ہٹ کر ہے البتہ زبان و بیان پر عربیت غالب ہے جس کی وجہ سے عام قاری کو کچھ دشواری ہو سکتی ہے البتہ قارئین کی اس دشواری کو سمجھتے ہوئے اخیر میں مشکل الفاظ کی ایک ڈکشنری تیار کر دی گئی ہے اور امید ہے کہ اس کی وجہ سے عام قارئین کے لیے استفادہ کی راہیں آسان ہو جائیں گی۔

(۱۶) **تجلیات سخن** (اشاعت: ۲۰۰۴ء، ایکان آفسیٹ لکھنؤ)

علامہ سید محمد مدنی میاں جہاں ایک طرف دیدور عالم، بلند پایہ خطیب اور علمی نثر نگار ہیں وہیں ذوق لطیب اور طبع موزون کے حامل ایک مغز گو شاعر بھی ہیں، جس کا ثبوت ان کا مجموعۂ کلام تجلیات سخن ہے۔ تجلیات سخن ۲۵۴/ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ باران رحمت کے عنوان سے حمد ونعت اور منقبت پر مشتمل ہے جب کہ دوسرا حصہ پارۂ دل کے نام سے غزلوں اور نظموں پر۔ آپ کی مذہبی شعری شریعت وشعریت کے امتزاج کی حسین شہ کار ہے، جب کہ آپ کی غزلیں بھی زلف پیچاں کی بے مصرف شاطگی کے بجائے صوفیانہ واردات اور عصری زندگی کے مسائل کے بیان ہے۔ سید حسن مثنی انور اور ڈاکٹر امین اشرف کے تقدیمی کلمات کے ساتھ اس گنجینۂ معانی کو سید محمد خالد انور (ایڈوکیٹ) نے لکھنؤ سے شائع کیا ہے، مدنی میاں صاحب اختر تخلص کرتے ہیں۔ آپ کی یہ شاعری بجائے خود اس اہمیت کے لائق ہے کہ اس کے فنی محاسن پر مفصل گفتگو کی جائے۔ بقول سید حسن مثنیٰ انور ''بارانِ رحمت حمد ونعت ومنقبت کا ایک قابل قدر سرمایہ ہے جہاں شریعت، شعریت اور کلاسیکی ادب کی جگمگاہٹ کا باہمی امتزاج واختلاط دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔'' اور سید امین اشرف کے لفظوں میں ''دل ودماغ کی جمالیاتی آسودگی کے ساتھ پارۂ دل کا مطالعہ انشراح قلب اور تطہیر جذبات کا خوش گوار وسیلہ ہے۔''

خاتمہ: مذکورہ صفحات میں حضرت شیخ الاسلام کی جن کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے، اس سے یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ آپ کی شخصیت تصنیف وتالیف کے میدان میں نمایاں رہی ہے اور آپ کا قلمی سفر بہت اچھا رہا ہے۔

خصوصا مودودی نظریات پر آپ کا تنقیدی سلسلہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ابھی حضرت موصوف باحیات ہیں اور رب تعالیٰ کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ آپ کی مزید علمی اور تحریری خدمات منصۂ شہود پر آئیں گی اور اہلِ علم سے داد وتحسین وصول کریں گی اور نو آموزوں کو ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور ان کا سایہ عاطفت جماعت اہلِ سنت پر دراز فرمائے، آمین بجاہ النبی الامین۔

مصادر ومراجع

(۱) سید التفاسیر، ج: ۱، شیخ الاسلام ٹرسٹ، احمد آباد، ۲۰۰۸ء (۲) الاربعین الاشرفی، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک، ۲۰۰۵ء (۳) اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، شیخ الاسلام اکیڈمی بھاگل پور بہار ۱۹۹۶ء (۴) اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب (۵) دین اور اقامت دین، (۶) ویڈیو ٹی وی کا شرعی استعمال، محدث اعظم پبلی کیسنز، ۱۹۸۷ء (۷) مسلم پرسنل لاء یا اسلامک لاء، المیز ان پبلی کیشنز، بھیونڈی مہاراشٹر ۱۹۸۵ء (۸) امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ، مکتبہ انوار المصطفی، حیدر آباد ۱۹۸۲ء (۹) محبت رسول روح ایمان، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک امریکہ، ۲۰۰۷ء (۱۰) مقالات شیخ الاسلام، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک امریکہ ۲۰۰۸ء (۱۱) فریضۂ دعوت و تبلیغ، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک امریکہ ۲۰۰۷ء (۱۲) انما الاعمال بالنیات، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک امریکہ ۲۰۰۸ء (۱۳) دین کامل، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک امریکہ ۲۰۰۸ء (۱۴) نظریۂ ختم نبوت اور تحذیر الناس، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک امریکہ ۲۰۰۷ء (۱۵) تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک امریکہ ۲۰۰۸ء (۱۶) تجلیات سخن، امین آباد لکھنؤ، ۲۰۰۴ء ❑❑❑

مولانا شاہد رضا نعیمی☆

شیخ الاسلام کی دعوتی و تبلیغی خدمات

(یورپ وامریکا کے حوالے سے)

جانشین مخدوم الملت (حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ) شیخ الاسلام، برہان المتکلمین، دنیائے خطابت کے شہریار حضرت رہبر شریعت ہادیٔ طریقت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کا نام مشرق ومغرب میں اہل اسلام کے حلقہ میں معروف ومشہور ہے- آپ نے برصغیر کی سرحدوں سے نکل کر مغربی مما لک میں بھی تبلیغ دین کا ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا ہے- میری معلومات کے مطابق مغربی دنیا میں آپ کی تبلیغی مساعی کا آغاز ۱۹۷۴ء میں آپ کے دورۂ برطانیہ سے ہوتا ہے- اس اولین تبلیغی دورہ کے بعد آپ نے برطانیہ کے علاوہ ہالینڈ، فرانس، بلجیم، شمالی امریکہ اور کناڈا، کے تسلسل کے ساتھ دورے کیے ہیں- اس مختصر مضمون میں ہی ان دینی وروحانی اسفار کی روداد بیان کرنے کی بجائے، قارئین کی خدمت میں مندرجہ ذیل تین پہلوؤں سے ایک جائزہ پیش کرنا چاہوں گا-

(۱) حضرت شیخ الاسلام کا طرز تبلیغ

(۲) حضرت شیخ الاسلام کے تبلیغی دوروں کی انفرادیت

(۳) حضرت شیخ الاسلام کے تبلیغی دوروں کے اثرات

حضرت شیخ الاسلام کا طرز تبلیغ: آپ کی تبلیغی سرگرمیوں اور اشاعت اسلام کے حوالے سے آپ کی کاوشوں کا مرکزی محور عوامی جلسوں سے آپ کا خطاب اور دینی اجتماعات میں آپ کی تقاریر ہیں- اگرچہ آپ نے اردو زبان میں چند کتابیں بھی تحریر فرمائی ہیں نیز رسالوں میں اہم دینی عنوانات پر آپ کے مضامین بھی شائع ہوتے رہے لیکن بین الاقوامی اور ملکی سطح پر لاکھوں افراد سے آپ کے تبلیغی روابط کا ذریعہ آپ کی تقاریر ہیں- ان تقاریر میں آپ زیادہ تر اہل سنت وجماعت کے اعتقادات اور معمولات پر گفتگو فرماتے ہیں- (آداب زندگی) پر بھی آپ کا خطاب بے حد مؤثر ومقبول ہوتا ہے- آپ کے طرز خطابت کی یہ خصوصیت ہے کہ عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں- تقریر کو تدریس اور تدریس کو تقریر بنانے کا فن عصر حاضر کے مبلغین میں آپ نے ہی متعارف کرایا ہے- عقائد پر گفتگو کے دوران علم کلام کے بعض خالص علمی مسائل کو عوامی ذہن میں اتار دینے کا فن آپ کو بخوبی آتا ہے- اس باب میں تفہیم وتسہیل کے مختلف مراحل سے گزرنے کے لیے آپ بیحد دلچسپ مثالیں پیش کرتے ہیں- اس طرح کی بعض مثالوں کے آپ خود موجد ہیں-

آپ کا پیرایۂ بیان آسان بھی ہے اور دل نشیں بھی- اپنی تبلیغی ودعوتی تحریک کے آغاز میں آپ کے خطاب کا دورانیہ ۲ گھنٹہ، ہوتا تھا- بعد میں یہ دورانیہ ڈیڑھ گھنٹہ اور ماضی قریب میں ایک گھنٹہ ہوگیا تھا- دوگھنٹہ کے طویل خطاب میں بھی سامعین کی توجہ کو اپنی گفتگو کے ایک ایک لمحہ سے وابستہ رکھنا بہت بڑا چیلنج ہوتا ہے لیکن حضرت شیخ الاسلام کے جلسہ کے سامعین نے کبھی آپ کی گفتگو کے دوران اکتاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا- ہزاروں افراد اس کی شہادت دیتے ہیں کہ تقریر کے پہلے جملہ سے آخری جملہ تک- اثر آفرینی اور چاشنی کی لذت کی یکساں کیفیت سے آپ کے جلسہ کے سامعین لطف اندوز ہوتے ہیں-

آپ کے وعظ کا سامعین کے دماغ ودل پر بیحد گہرا اثر مرتب ہوتا ہے- لاکھوں ذہنوں کو آپ کے خطاب دل نواز نے روحانی ودینی انقلاب سے دوچار کیا ہے- آپ کے طرز تبلیغ کی یہ خصوصیت ہے کہ بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو آپ ''قائل،، کے ساتھ ''مائل،، بھی کر لیتے ہیں ''از دل خیزد وبر دل ریزد'' کا ''جلوہ'' آپ کے جلسوں میں بڑی آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے-

اپنی تقریروں میں بسا اوقات آپ مذہب حق اہل سنت وجماعت کے حریفوں اور اکابرین اہل سنت وجماعت کے رقیبوں کا شدومد کے ساتھ تعاقب کرتے ہیں- اور سامعین وحاضرین پر اپنے اکابرین کی حقانیت وصداقت کو مدلل انداز میں ثابت کر دیتے ہیں-

آپ کے طرز تبلیغ کی ایک بڑی خوبی ''طنز ومزاح،، کے وہ لطیف اور تیکھے اشارے ہیں جن سے آپ اپنی تقریر کو سامعین کے لیے پرکشش بناتے ہیں اور جاذبیت کے پیرایہ کو زعفران زار بنا کر دل ونگاہ کو اپنی گفتگو کا اسیر کر لیتے ہیں- لیکن کمال یہ ہے کہ آپ شائستگی کے

☆General Secretary:World Islamic Mission,London(U.K)

معیار پر کبھی کوئی آنچ بھی نہیں آنے دیتے۔ علمی ولسانی لطائف سے محفلوں کو تفریح طبع فراہم کرنا اور ساتھ ساتھ مقاصد ومطالب کے حدود کا مکمل خیال رکھنا، حضرت شیخ الاسلام کے عوامی خطابات کا ایک منفرد وصف ہے۔

شیخ الاسلام کے تبلیغی خطابات اور دوروں کی انفرادیت:

برطانیہ ودیگر مغربی ممالک میں حضرت شیخ الاسلام کے تبلیغی خطابات ومجالس سے ہزاروں افراد کو رب قدیر جل شانہ نے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ فکر ونظر اور کردار وسلوک کے اصلاح وتزکیہ کا ایک تحریکی نظام آپ کی بدولت اس خطہ میں آباد مسلمانوں کو میسر آیا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کا تذکرہ ضروری ہے۔

(۱) حضرت شیخ الاسلام نے ۱۹۷۴ء کے پہلے تبلیغی سفر کے دوران، اپنے میزبانوں اور عقیدت مندوں کی خواہش پر عوامی جلسوں کے خطاب کے ساتھ ساتھ نجی مجالس کے انعقاد کو بھی اپنے لائحہ عمل کا لازمی حصہ بنایا۔

عوامی جلسوں میں خطاب کا پروگرام ان ممالک میں عموماً جمعہ کو نماز جمعہ سے قبل، اور سنیچر واتوار کو مساجد یا پروگرام کے لیے کرایہ پر ہال لے کر جلسہ کے انعقاد کی صورت میں ہوتا ہے۔ ان جلسوں میں مقرر کا خطاب ہوتا ہے لیکن ہمارا یہ مقبول ومروج انداز ''ابلاغ'' کا یک طرفہ طریقہ ہے۔ اس میں سامعین کے ذہن میں اٹھنے والے ممکنہ سوالات کے جوابات کا کوئی نظام ولحاظ نہیں ہے۔

مغربی ممالک میں سیکولر نظام تعلیم اور نسبتاً زیادہ لچک دار معاشرہ میں رہنے کے باعث ذہنوں میں اٹھنے والے بہت سے اہم یا غیر اہم سوالات کے جوابات کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شیخ الاسلام نے مغربی معاشرہ کی اس ضرورت کو ایک مدبر اور دور اندیش مبلغ اسلام کی حیثیت سے تسلیم کر کے اپنے تبلیغی دوروں میں اپنے نیاز مندوں کے گھروں پر سوال وجواب کی ان بیحد مفید مجالس کے قیام کو ضروری قرار دیا اور ابتدائی پندرہ سالوں میں عوامی خطابات کے ساتھ ساتھ ان مجالس میں بڑی پابندی سے حصہ لے کر ہزاروں مشکوک ذہنوں کا تزکیہ فرمایا اور بے شمار ے پیاسوں کو عقائد و اعمال کی ہدایت کے جام سے سیراب کیا۔ لیسٹر (Leicester) برطانیہ میں اپنے بارہ سالہ قیام کے دوران میں نے خود ان مجالس کے انعقاد میں حصہ لیا ہے۔ جہاں عموماً کسی عقیدت مند کے گھر پر نماز عشا کے بعد کھانے کا اہتمام ہوتا۔ بڑی تعداد میں لوگوں کو دعوت دی جاتی۔ علما، ائمۂ مساجد، تاجر پیشہ حضرات، ڈاکٹرز، وکلا، اساتذہ، بزرگ ونوجوان جمع ہوتے اور کھانے کے بعد دو سے تین گھنٹوں کی طویل نشست ہوتی، جس میں مختلف نوعیت کے سوالات پوچھے جاتے اور حضرت شیخ الاسلام علم وعرفان کی مسندِ ارشاد سے اشرفی ومخدومی برکات تقسیم فرماتے۔ تسلسل کے ساتھ منعقد ہونے والی ان کارنر میٹنگ نے برطانیہ بھر میں اہل سنت وجماعت کو بے حد فائدہ پہنچایا۔ انہیں اپنی مذہبی شناخت میسر آئی۔ عوامی جلسوں اور ان میں علماے اہل سنت کی تقاریر کی اہمیت وضرورت اپنی جگہ پر مسلم ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ شیخ الاسلام کی ان مجالس نے برطانیہ ودیگر مغربی ممالک میں ایک باشعور سنی معاشرہ کی تشکیل میں ایک تاریخی اور منفرد کردار ادا کیا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شیخ الاسلام کی یہ علمی مجالس برطانیہ کے بہت سے شہروں مثلاً: لندن (London) برمنگھم (Birmingham) مانچسٹر (Manchester) بولٹن (Bolton) بلیک برن (Black burn) پریسٹن (Preston) لنکاشائر (Lancashire) بریڈفورڈ (Bradford) ڈیوزبری (Dewsbruy) وغیرہ میں منعقد ہوتی رہی ہیں، جہاں بعض اوقات سیکڑوں میل کی دوری سے بھی اصحاب ذوق شرکت کے لیے آتے رہے ہیں۔

دینی رہنمائی، روحانی فیض اور مذہبی ہدایت کا یہ اشرفی حلقہ، شیخ الاسلام نے شمالی امریکہ میں نیویارک (Newyork) نیوجرسی (Newjersey) شکاگو (Chicago) اور ہیوسٹن (Houston) میں کناڈا کے مشہور شہر ٹورانٹو (Toronto) میں ہالینڈ کے شہروں ایمسٹرڈیم میں بلجیم کی راج دھانی برسلز (Brussels) اور فرانس کے دارالحکومت پیرس (Paris) میں بھی اپنے تبلیغی دوروں کے دوران قائم کیا ہے جس کے نتیجہ میں ہزاروں افراد کو دیار غیر میں عقیدہ ومسلک کی سلامتی حاصل ہوئی ہے نیز انہیں اخلاقی وروحانی اعتبار سے صراطِ مستقیم پر چلنے کا حوصلہ ملا ہے۔

(۲) شیخ الاسلام منبر ارشاد وہدایت سے تقریر کر رہے ہوں یا

مسندِ عرفان وطریقت سے نجی مجالس میں محوِ گفتگو ہوں انہوں نے ہمیشہ تحقیق واعتبار کے معیار کو مدنظر رکھا ہے- دلائل وحوالوں سے عاری اور تحقیق وتدقیق سے خالی نہ آپ کا خطاب ہوتا ہے نہ ہی آپ کی گفتگو آپ کی محفلوں کے شرکا اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اپنے نقطۂ نظر کو بیان کرنے کے لیے آپ الفاظ سے کھیلنے کے بجائے قرآنی آیات کی تلاوت اور حدیثوں کے مختصر وطویل متن کو روانی سے اپنی گفتگو کا حصہ بناتے ہیں- مفسرین ومحدثین کی کتابوں کی عربی عبارات اور پھر ان کا سلیس ترجمہ بے تکلفی سے اپنے خطاب کا جزو بنا کر اہل علم کو تسکین فراہم کرتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ آپ نے مغربی ممالک میں بھی اپنے سامعین وشائقین کا ایک مخصوص حلقہ بنایا ہے- اس میں علما ومشائخ، بیرسٹر وکلا وپروفیسرز وڈاکٹرز، طلبہ واساتذہ عوام وخواص، سبھی شامل ہیں- حضرت شیخ الاسلام نے اپنی تبلیغی کاوشوں سے مغربی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اکابرین اہلِ سنت وجماعت سے روشناس کرانے کا ایک منفرد کارنامہ انجام دیا ہے-

(۳) مغربی ممالک میں حضرت شیخ الاسلام کے تبلیغی دوروں کا جائزہ لینے والوں نے ایک اور بات واضح طور پر نوٹ کی ہے کہ آپ کا تعلق مبلغین کے اس حلقہ سے ہے جن کے یہاں قول وعمل اور گفتار وکردار کی انتہائی محکم مطابقت پائی جاتی ہے- مغرب میں آباد مسلمانوں کو عقیدہ وایمان کے تحفظ کے ساتھ ساتھ کردار وتہذیب کے بچاؤ کی بھی سخت فکر لاحق ہے وہ ایسے رہنماؤں کے متلاشی ہیں جو اسلام کی تبلیغ اپنے علمی جاہ وجلال کے ساتھ اپنے کردار وعمل سے بھی کر سکیں- مغرب کی وادیوں میں عشق مصطفیٰ کی تبلیغ کرنے والوں میں اس لحاظ سے شیخ الاسلام کو بڑی پذیرائی ملی ہے کہ وہ شکل وصورت لباس وپوشاک، وضع وقطع، نشست وبرخاست، پاکبازی، پاک دامانی، راست گوئی ونرم خوئی، شفقت ومحبت کا ایک جاذب نظر مرقع ہیں- صوم وصلوۃ کے پابند ہیں- اسلاف کی یادگار ہیں- آپ کی محفل میں شریک ہونے والے حضرات آپ کی زیارت وملاقات سے بھی بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں- صوفیہ کے یہاں غالبًا اسی کو ’’فیضان صحبت‘‘ کا نام دیا گیا ہے- علامہ اقبال کے الفاظ میں شیخ الاسلام کے یہاں ’’فیضان نظر‘‘ بھی ہے اور ’’مکتب کی کرامت‘‘ بھی-

(۴) آپ کے تبلیغی دوروں کے حوالہ سے ایک آخری بات یہ کہنا چاہوں گا کہ عموماً شیخ الاسلام کے پروگراموں میں شریک ہونے والوں کا اور آپ سے ملاقات کرنے والوں کا یہ متفقہ تبصرہ ہے کہ آپ اپنی ذات اور اپنی دینی وروحانی شخصیت میں ایک منظّم ومرتب حیثیت کے حامل ہیں- آپ کا طریقۂ کار آپ کی فکر اور آپ کا نصب العین کسی بھی طرح کے تضاد کا شکار نہیں ہے-

آپ کی تمام تقریروں کا، آپ کی مجالس کی گفتگو کا، آپ کی دعوتی تحریک کا مقصد ومحور، تغیر وتبدل سے بالا ہے- آپ جہاں جاتے ہیں وہاں آپ کا پیغام اور آپ کی دینی دعوت کا منشاء ایک ہی ہے- اسی کے ساتھ آپ اپنے نظام الاوقات کے پابند ہیں- جلسوں اور دعوتوں میں آپ کی تشریف آوری سے تقریباً گھڑیاں ملائی جا سکتی ہیں- آپ کو کسی پروگرام میں منتظمین نے، خطاب کا وقت اگر ۵ بجے کا دیا ہے تو آپ ۴:۵۵ پر وہاں موجود ہوتے ہیں اگر آپ کو تقریر کا وقت ایک گھنٹہ بیس منٹ دیا گیا تو اپنی پوری گفتگو آپ ایک گھنٹہ انیس منٹ میں مکمل فرمالیں گے- وقت اور نظام الاوقات کی یہ پابندی آپ اپنی تبلیغی زندگی کے پہلے روز سے کر رہے ہیں-

’’وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے‘‘

مغربی ممالک میں شیخ الاسلام کے تبلیغی دوروں کے اثرات:

شیخ الاسلام گزشتہ ۳۵ سالوں سے مغربی ممالک کے تبلیغی دورے کر رہے ہیں- میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ ان دوروں کی تیاری کرتے ہیں، وہ ہر بار ’’مضامین نو‘‘ کی علمی سوغات لے کر آتے ہیں- اس طویل عرصہ میں انہوں نے مغربی ممالک میں آباد برصغیر سے تعلق رکھنے والے تارکین وطن پر بڑے گہرے اثرات چھوڑے ہیں- اردو بولنے اور سمجھنے والی مسلم آبادی کا وہ حصہ جن کا علمی وروحانی رشتہ صوفیہ برصغیر سے جڑا ہوا ہے، شیخ الاسلام کے تبلیغی ودینی کاوشوں کا براہِ راست محور ہے بالواسطہ نومسلم انگریزوں تک بھی آپ کا پیغام ایک محدود سطح پر پہنچتا رہا ہے- آپ کے نوجوان تعلیم یافتہ ایشیائی نیازمندوں کا ایک گروہ آپ کی تقاریر کا خلاصہ انگریزی میں منتقل کر کے اسلام میں دلچسپی رکھنے والے انگریزوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا رہا ہے اگرچہ یہ ایک مشکل اور محدود کام ہے-

آپ کے دینی اور تبلیغی کاموں کے اثرات کو مختصر طور پر مندرجہ ذیل اسلوب میں بیان کیا جاتا ہے:

(۱) اس وقت سنیت کا جو نکھرا ہوا تصور اس خطہ میں آباد ایشیائی مسلمانوں کی آبادی میں موجود ہے، اس میں بہت بڑا حصہ شیخ الاسلام کی دینی و روحانی قیادت کا ہے- آپ نے اس ضمن میں تسلسل کے ساتھ پوری قوت کے ساتھ کام کیا ہے- الحمد اللہ آج برطانیہ میں اہل سنت و جماعت کے سیکڑوں علما و مشائخ، ائمہ و حفاظ، مقررین و مبلغین اور مصنفین و اساتذہ دینی خدمات انجام دے رہے ہیں- ہماری مساجد، مدارس، خیراتی اداروں، اور اب ٹی وی چینل کا ایک بڑا نیٹ ورک یہاں موجود ہے جس سے یوروپ کے دیگر ممالک اور امریکہ و کناڈا کو بھی وسائل کا تعاون مل رہا ہے لیکن اب سے ۳۵ سال پہلے کے حالات بالکل مختلف تھے- آج دین و سنیت کے گلشن میں یہاں جو بہار آئی ہوئی ہے اس میں حضرت شیخ الاسلام کا خون جگر شامل ہے-

(۲) شیخ الاسلام نے اس خطہ میں ایک مخصوص نہج پر مساجد کی تعمیر کے کسی منصوبہ کو شروع نہیں کیا - یعنی آپ نے زبان، علاقہ، برادری یا کسی مخصوص دینی ادارے یا خانقاہ کی چھاپ لگا کر مساجد یا دینی اداروں کی تعمیر و ترویج کی حوصلہ افزائی نہیں کی- پہلے سے موجود مساجد و مدارس کو اپنا تعاون پیش کیا اور سنیت کے نام پر قائم ہونے والے تمام اداروں کو اپنی غیر مشروط سرپرستی پیش کی-

(۳) اس خطہ میں موجود علمائے کرام اور مشائخ عظام سے خوش گوار رابطہ استوار کیا اور دینی و تبلیغی کاموں میں ان کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی-

(۴) بیعت و ارادت کا فریضۂ خاندانی ادا کرنے کے لیے اپنے نیاز مندوں کو ہمیشہ شفقت و محبت کے سلوک سے بہرہ ور فرمایا اس راہ کے آداب و نصاب کو اولوالعزمی اور شائستگی سے برت کر ایک مثالی کردار پیش کیا - اپنے سلسلہ طریقت سے وابستہ لوگوں کو دینی کاموں، مساجد کی خدمت، علمی پروگراموں میں جان فشانی سے حصہ لینے کی ترغیب دی-

(۵) اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ (اشرفی میاں) کے بعد سلسلہ اشرفیہ کی اشاعت کا بین الاقوامی سطح پر وسیع کارنامہ آپ نے انجام دیا- آج اس روحانی سلسلہ سے یوروپ و امریکہ میں ہزاروں افراد وابستہ ہیں- اس کا سہرا بہت حد تک حضرت شیخ الاسلام کے سر ہے- ❑❑❑

محدث اعظم ہند کے بصیرت افروز اقوال

- گروپ سازی صرف انسان میں ہوتی ہے الیکشن صرف انسان لڑتا ہے، یہ بات نہ آسمان کے تاروں میں ہے اور نہ ہی زمین کے پہاڑوں میں-
- ہر کالے اور گورے کو تسلیم ہے کہ اس کی نشو و نما دست قدرت نے کی ہے-
- اسلام میں نہ تثلیث کی گتھی ہے اور نہ معبودوں کی کثرت، اس کے اصول عبادات حکمتوں سے مملو ہیں-
- اسلام کی تیز نگاہی اللہ اکبر! آثار کو دیکھ کر موثر کا یقین آیا-
- جس رشتہ کا استحکام سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ صرف عبد و معبود کا رشتہ ہے-
- جب سے مسلمانوں نے صراط مستقیم کو خیر باد کہہ دیا ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں-
- انسان نے چند قوانین مرتب کر کے قدرت کے آزاد ہاتھ کو پابند قید و سلاسل کرنا چاہا لیکن آزاد قدرت قید و بند سے آزاد رہی-
- راعی و رعایا کے تعلقات میں کشیدگی ہو تو تہذیب الاخلاق و تدبیر منزل و سیاست مدن کی تاریکی ہوگی-
- تبلیغ دین اسلام کا دوسرا نام ہے-
- نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کی ادائیگی اسلام کا شعبہ عمل ہے-
- نکتہ چینی کا ہر فقرہ تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہوتا ہے-
- شریعت کے ساتھ استہزا باتفاق ائمہ اسلام کفر صریح ہے-
- نکاح بیوگان سنت رسول ہے-
- عادل کے نزدیک توانا اور ناتواں کی حیثیت ایک سی ہوتی ہے-
- مسلمان فرماں روا فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے-
- جب نور نگاہ کی رفتار ناقابل انکار ہے تو مسلمان نور خدا کی سرعت رفتاری پر کیوں قابلِ گرفت ہیں-
- جمہوریت اسلامیہ کا فرض ہوتا ہے کہ ارکانِ حکومت کو ہر معاملہ کی کامل آگاہی دے-
- سیاست جدیدہ پینتروں کی نمائش ہے-
- اصل سیاست ملک و ملت کی جان اور قوموں کی بقا کا بیمہ ہے-

ذیشان احمد مصباحی☆

تفہیم دین کی تلاش میں

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات پر علامہ سید محمد مدنی میاں کے معارضات اور پھر راقم کی معروضات

تقریباً ۱۵/ سالوں تک (۱۹۴۷ء-۱۹۶۳ء) جماعت اسلامی کے رکن اور بانی جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے افکار وخیالات کے پرجوش مبلغ، جواب اسی جوش کے ساتھ اس کی تردید میں مصروف ہیں، مولانا وحیدالدین خاں ''جماعت اسلامی'' کی تاسیس کے پس منظر میں کام کرنے والے حالات وخیالات کا بڑا خوب صورت نقشہ کھینچا ہے:

''پچھلی نصف صدی کے دوران میں جن سماجی نظریات کو قبولیت اور برتری کا مقام حاصل ہوا ہے، وہ وہی نظریات ہیں جو زندگی کے مادی نظام کو درست کرنے اور سیاسی انقلاب برپا کرنے کے لیے اٹھے ہیں، حتی کہ اب وہی تحریک زندہ تحریک سمجھی جاتی ہے جو اس نہج پر کام کررہی ہو۔ اس سے متاثر ہوکر قدیم مکاتب خیال کے لوگ بھی اپنے نظریات کی تشریح اسی مخصوص انداز میں کرنے لگے ہیں۔ ہندوازم اور عیسائیت کا جدید لٹریچر اس کی نمایاں مثال ہے۔ یہ لے اتنی بڑھی ہے کہ اب مذہب تعمیر آخرت کے بجائے تعمیر دنیا کا عنوان بن گیا ہے۔

اگر آپ اس چھائی ہوئی فضا سے متاثر ہوں اور اس کے بعد اسلام کا مطالعہ کریں تو یہ عین ممکن ہے کہ اسلامی تحریک کا نقشہ آپ کے ذہن میں ٹھیک اسی طرز پر بننا شروع ہوجائے جو باہر کی دنیا میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کا ذہن جو نسلی تعلق کی بنا پر پہلے ہی اسلام کے ساتھ ایک طرح کی عقیدت رکھتا تھا، قدرتی طور پر وہ اسلام کو فکر کی اس سطح پر دیکھنا چاہے گا جو لوگوں کے نزدیک بلند اور مستند سطح ہے اور جس کی اس حیثیت کو آپ بھی غیر شعوری طور پر تسلیم کررہے ہیں۔ اس کے بعد جب آپ دیکھیں گے کہ اسلام میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق احکام ہیں۔ اسلام کی تاریخ میں برسر اقتدار طبقہ سے لڑائیاں بھی ہوئی ہیں۔ اسلام نے سیاسی قوت بھی حاصل کی ہے تو ان سب کا مجموعہ آپ کے ذہنی سانچہ میں اسلام کی اس تعبیر کی صورت میں ڈھل جائے گا کہ:

''اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور انبیا علیہم السلام اس لیے آئے تھے کہ حکومت الٰہیہ قائم کرکے اس صحیح ترین نظام کو عملاً زمین پر نافذ کریں۔''

اس تعبیر میں بظاہر کوئی ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اسلام کا اپنا ایک نظام زندگی ہے۔ نبی نے حکومت بھی قائم کی ہے۔ اس نے خدا کے دیے ہوئے قوانین کو زمین پر نافذ بھی کیا ہے۔ مگر ان اجزا کو جوڑ کر جو مجموعہ تیار کیا گیا ہے، وہ حقیت کے اعتبار سے ویسا ہی ہے جیسے مختلف جانوروں کی ہڈیاں ملاکر ایک نیا ڈھانچہ بنانا اور دعویٰ کرنا کہ یہ ایک تاریخی جانور ہے جواب سے پانچ کروڑ سال پہلے زمین پر چلتا پھرتا تھا۔'' (تعبیر کی غلطی، ص:۲۰۹)

۳۴۴/ صفحات پر مشتمل مولانا وحیدالدین خان نے اپنی کتاب ''تعبیر کی غلطی'' میں بار بار یہی بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مولانا مودودی نے دین کے سیاسی پہلو کو اس کا بنیادی پہلو بنادیا ہے اور اس کے تعبدی پہلو کو اس کا جزوی اور ثانوی پہلو۔ ''اس تشریح کا بالکل قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ مطلوب اصل بدل گیا۔ اس تعبیر کے خانے میں آکر دین بحیثیت ''نظام'' تو بہت ابھر آیا مگر اس کا تعبدی پہلو کمزور پڑ گیا۔ دین کی داخلی حیثیت دب گئی اور دین کی خارجی حیثیت اس کے اوپر چھا گئی۔'' (ص:۱۴۲)

فی الواقع مولانا مودودی کا خاص فکری تفرد اجتہاد یہی ہے۔ سرزمین ہند پر طویل مسلم حکومت کے خاتمے کے بعد انگریزی محکومی میں یہ ذہن بننا کہ اسلام کا اصل کام حکومت الٰہیہ کی تشکیل ہے، کوئی زیادہ قابل حیرت بھی نہیں ہے۔ مولانا پوری زندگی اپنے قول وعمل اور تحریر وتقریر سے یہی نعرہ لگاتے رہے۔ جماعت اسلامی اسی نعرے کے زور پر قائم ہوئی۔ چنانچہ اس کے دستور العمل میں جماعت کا ''نصب العین'' درج ذیل فقروں میں لکھا گیا:

''جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجہد کا مقصود دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضاے الٰہی کا حصول ہے۔''

لیکن بات یہیں تک ختم نہیں ہوجاتی اور نہ صرف اتنا کہہ دینے سے کینوس پر جماعت اسلامی کی پوری تصویر سامنے آتی ہے۔ جماعت

☆zishanmisbahi@gmail.com

اسلامی کے خمیر میں ایک دوسرا بنیادی عنصر بھی ہے جس کو علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

’’اس میں کوئی شک نہیں کہ اصنام شکن آیتوں کو انبیا شکن، اولیا شکن، شہدا شکن، اور صالحین شکن بنانے میں مودودی صاحب ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبدالوہاب اور ابن عبدالغنی کے سچے جانشین ہیں، جبھی تو اس عبارت میں ’’ابنائے مذکورہ بالا‘‘ کی روحیں بولتی نظر آرہی ہیں۔‘‘ (اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص: ۸۳)

مولانا مودودی کی جس عبارت پر یہ ریمارک کیا گیا ہے، وہ تفہیم القرآن، ۲/۵۳۳ کی درج ذیل عبارت ہے:

’’اب لامحالہ اس آیت میں الذین یدعون من دون اللّٰہ سے مراد وہ انبیا، اولیا، شہدا، صالحین اور دوسرے غیر معمولی انسان ہیں جن کو غالی معتقدین، داتا، مشکل کشا، فریاد رس، غریب نواز، گنج بخش اور نہ معلوم کیا کیا قرار دے کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔‘‘

مولانا مودودی کے خیالات کے رد میں علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب کی تینوں ضخیم علمی کتابیں خصوصیت کے ساتھ جماعت اسلامی کے اسی دوسرے عنصر سے متعلق ہیں۔ ان میں سے پہلی کتاب ’’اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب‘‘ دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری کتاب ’’اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب‘‘ ۲۲۴ر صفحات پر مشتمل ہے اور تیسری کتاب ’’دین اور اقامت دین‘‘ ۳۰۴ر صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، جس کی پہلی اشاعت ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔ اس کے افتتاحیہ نگار مولانا سیف خالد اشرفی نے لکھا ہے:

’’مذکورۃ الصدور دونوں کتابیں بالترتیب ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئیں۔ مودودی صاحب ان کتب کی اشاعت کے بعد دس برس تک زندہ رہے۔ کتابیں رجسٹرڈ ڈاک سے ان کی خدمت میں ارسال کی گئیں اور جواب کا مطالبہ کیا گیا مگر ان کی طرف سے سکوت مسلسل کے سوا کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں ہوا اور نہ کسی مودودی نواز نے ان کی حمایت میں قلم اٹھانے کی جرأت کی۔‘‘

علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب کی یہ تینوں کتابیں مولانا مودودی کی کتاب ’’قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں‘‘ کے جواب میں معرض تحریر میں آئی ہیں، جو محض ۱۱۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ مودودی صاحب کی دوسری کتابوں مثلاً تفہیم القرآن، تجدید واحیاے دین، تفہیمات، رسائل ومسائل اور ترجمان القرآن کے بھی ضمنی حوالے آگئے ہیں۔ مودودی صاحب نے اپنی کتاب ’’قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں‘‘ میں بالترتیب الٰہ، رب، عبادت اور دین کا قرآنی مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب خود مودودی صاحب کی نگاہ میں بھی بہت اہم ہے، جس کا اظہار انہوں نے خود بھی فرمایا ہے، رقم طراز ہیں:

’’اگرچہ میں اس سے پہلے اپنے متعدد مضامین میں ان کے مفہوم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر چکا ہوں لیکن جو کچھ اب تک میں نے بیان کیا ہے، وہ نہ تو بجائے خود تمام غلط فہمیوں کو صاف کرنے کے لیے کافی ہے اور نہ اس سے لوگوں کو پوری طرح اطمینان حاصل ہو سکتا ہے، کیوں کہ لغت اور آیات قرآنی سے استشہاد کے بغیر لوگ میری ہر تشریح کو میری ذاتی رائے سمجھتے ہیں۔‘‘

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، مقدمہ، ص: ۱۰)

مدنی میاں صاحب نے اس کتاب میں مذکورہ چاروں اصطلاحات میں سے تین سے متعلق مودودی صاحب کے خیالات اور تحقیقات کا تفصیلی اور تحقیقی وتنقیدی تجزیہ کیا ہے۔ ان کی پہلی کتاب الٰہ سے متعلق ہے، دوسری میں عبادت کا تجزیہ کیا گیا ہے، جب کہ تیسری کتاب دین سے متعلق ہے۔ یہ انداز اور اسلوب اس بات کا متقاضی تھا کہ مولانا مودودی نے رب سے متعلق جو اپنے خیالات پیش کیے ہیں، ایک مستقل تصنیف میں ان کا بھی جائزہ لیا جاتا۔ نہیں معلوم قرآن کی اس اصطلاح سے متعلق مدنی میاں صاحب کی تصنیف اب تک کیوں سامنے نہ آسکی۔ اگر وہ بھی آجاتی تو مودودی صاحب کے مطابق قرآن کی چاروں بنیادی اصطلاحوں سے متعلق یہ سلسلہ مکمل ہو جاتا۔

’’قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں‘‘ میں نیا کیا ہے؟ مولانا مودودی اپنی اس کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

’’عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنیٰ ہیں اور رب کسے کہتے ہیں کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ اور رب ہے اور الوہیت وربوبیت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں تو وہ پوری بات کو پا گئے۔ انہیں بلا کسی التباس واشتباہ کے معلوم

ہوگیا کہ دوسروں کے لیے کس چیز کی نفی کی جارہی ہے اور اللہ کے لیے کس چیز کو خاص کیا جارہا ہے- جنہوں نے مخالفت کی یہ جان کر کی کہ غیر الٰہ کو الوہیت و ربوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے اور جو ایمان لائے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدے کو قبول کر کے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہوگا- اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے- ان کو معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں، عبودیت کس حالت کا نام ہے، عبادت سے کون سا رویہ مراد ہے اور دین کا کیا مفہوم ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہوجاؤ تو انہیں قرآن کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی- وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے-

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہوگیا- اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے الٰہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے- ان ہی دونوں وجوہ سے دور آخر کی کتب لغت و تفسیر واکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانی لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے- مثلاً لفظ الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنادیا گیا، رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرا دیا گیا- عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے گئے- دین کو دھرم اور مذہب اور (Religion) کے مقابلے کا لفظ قرار دیا گیا- طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا- نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہوگیا-'' (ص:۸-۹)

مودودی صاحب کی پوری کتاب اسی طرح کی زور بیانی اور عبارت آرائی کا حسین مرقع ہے-جس طرح ایک زبان آور خطیب مجمع پر چھا جاتا ہے اور لوگوں کی نگاہیں حیرت میں کھلی اسے تکتی رہتی ہیں ،باتیں سمجھ میں آئیں تو واہ اور نہ آئیں تو بھی واہ واہ کی صدائے تحسین بلند ہوتی رہتی ہے- کبھی خطیب کی زبان لڑکھڑاتی ہے، کبھی جملے غیر مربوط ہوجاتے ہیں اور کبھی سبقت لسانی میں الفاظ کچھ کے کچھ نکل جاتے ہیں، لیکن جوش خطابت اور سرعت بیان سامعین کے ذہن کو ان لغزشوں کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتی- وہ کچھ بھی نہ سمجھیں جب بھی انہیں بہت مزہ آتا ہے- بسا اوقات صرف ایک بات واضح رہتی ہے کہ خطیب کا مقصد اپنی تقریر سے فلاں پارٹی کا سپورٹ کرنا ہے اور اس کی باقی باتیں گو کہ سمجھ میں نہ آئیں لیکن اس کے کمال فن اور زور بیان کی شہادت ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے داد پاتی ہیں- مودودی صاحب کی اس کتاب کے مطالعے کے دوران مجھے بارہا ایسا ہی محسوس ہوا کہ ہم کچھ اسی طرح کے کسی مجمع خطابت میں بیٹھے ہوئے ہیں اور مودودی صاحب اسٹیج پر کھڑے پورے جاہ وجلال کے ساتھ خطابت کے گہر لٹا رہے ہیں- بات ہمیں صرف اتنی سمجھ میں آئی کہ مودودی صاحب اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں بلکہ اسی کو اسلام کا اصل مقصود قرار دینے کے درپے ہیں اور جو مسلمان اس سے غافل ہیں، انہیں جھنجھوڑ رہے ہیں وہ انہیں غیر اللہ کے اقتدار اعلیٰ سے بغاوت کرنے اور اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں- اور اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتا رہے ہیں کہ انبیا و اولیا سے توسل و استغاثہ ایمان کے منافی ہے- ان کی پوری کتاب میں مدعا یہی ہے گو کہ لفظیات و تعبیرات نئے اور انوکھے ہیں- میری اس بات کی تائید آنے والی سطور سے بخوبی ہوجائے گی-

مودودی صاحب کی مذکورہ عبارت پر ایک جگہ علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب نے درج ذیل چار معارضات قائم کیے ہیں جو دراصل مودودی صاحب کی اس عبارت کے نتائج ہیں:

(۱) امام لغت علامہ زمخشری، امام لغت علامہ سید شریف جرجانی، صاحب بیضاوی، صاحب مدارک، صاحب جلالین اور دوسرے مفسرین کا عربیت کا ذوق نہایت ناقص تھا-

(۲) اس پوری جماعت کے خیالات قرآن فہمی کے سلسلے میں ہمیشہ غلط سوسائٹی کے زیر اثر رہے-

(۳) مودودی صاحب نزول قرآن کے تقریباً تیرہ سو برس بعد پیدا ہونے کے باوجود عربیت کا پورا ذوق لے کر پیدا ہوئے-

(۴) مودودی صاحب کو زمانہ نزول قرآن کے وقت کی وہ لغت کی کتابیں بھی ہاتھ آئیں جن سے سارے مفسرین بے خبر ہی رہے یا ان

کو سمجھ نہ سکے- (اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب، ص:۲۷)

مدنی میاں صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

’’ایک طرف تو مودودی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ ’’بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے-‘‘ دوسری طرف ان کی خاموشی کا حال یہ ہے کہ یہ بھی ظاہر نہیں کیا کہ وہ پہلی کون سی صدی ہے جس صدی سے الفاظ کے معانی میں تغیرات آنے لگے، نیز ان لوگوں کے اسما کیا ہیں جنھوں نے ان تغیرات کی بنیاد ڈال کر دین کو اس کے اس رخ سے پھیر دیا، جس رخ پہ رسول کریم لگا گئے تھے- اسی طرح ایک طرف ان کا کہنا یہ ہے کہ ’’دور آخر کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے-‘‘ مگر دوسری طرف ان کے اخفاے حال کا عالم یہ ہے کہ یہ بھی واضح نہیں کیا کہ بعد کے مسلمان سے کس قرن کے مسلمان مراد ہیں- قرن اول کے یا قرن ثانی کے، قرن ثالث کے یا کسی اور قرن کے، نیز ان سمجھنے والوں کا زبان و ادب میں مقام کیا تھا؟ کیا بات تھی کہ ان کے سمجھے ہوئے پر ان کے بعد والوں نے ایسا بھروسہ کرلیا کہ اسی کو معیار تحقیق بنالیا؟‘‘ (ایضا:۲۸)

مولانا مودودی کی مذکورہ عبارت پر علامہ مدنی میاں کے بڑے بھائی سید مثنیٰ انور نے بھی ’’اسلام کا تصور الہ اور مودودی صاحب‘‘ کے ’’آغاز سخن‘‘ میں بڑا دلچسپ تبصرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

’’مذکورہ بالاتحریر سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوگیا کہ مودودی صاحب الٰہ، رب، دین اور عبادت کے جن مفاہیم کی اشاعت چاہتے ہیں ان کی تائید و تصدیق کتب لغت و تفسیر سے نہیں ہوتی اور ان کتابوں کی موجودگی میں موصوف کے افکار کا ’’انوکھا پن‘‘ سلامت نہیں رہتا- لٰہذا ضرورت محسوس ہوئی کہ پہلے ان کتب لغت و تفسیر کو ’’دور آخر‘‘ کی پیداوار بتا کر مشکوک و غیر معتبر کر دیا جائے- اس کے بعد ان کتابوں کے مرتب کرنے والوں کو ’’خالص عربیت کے ذوق کی کمی‘‘ کی وجہ سے ’’اصل معنی لغوی‘‘ سے بے خبر و نا آشنا کہہ کر مسلمانوں سے بے تعلق بنا دیا جائے- اس طرز عمل سے اگر ایک طرف مفسرین، محدثین، فقہا اور علما کا صدیوں کا گراں قدر سرمایہ ’’حباب بر آب‘‘ کی حیثیت رکھتا ہے تو دوسری جانب ایک ایسی فضا ہموار ہوتی ہے جہاں مودودی صاحب کے تخمین و ظن، نصوص کا درجہ حاصل کریں، جہاں ان کے ’’خالص عربیت کے ذوق‘‘ کا سکہ چلے اور جہاں ان تمام اسلامی افکار سے ان کے براہ راست واقف و باخبر ہونے کا اعلان جاری رہے ’’جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے-‘‘ یہ بات کچھ کم اہم نہیں کہ مودودی صاحب دور آخر کی قید لگا کر ہمارے اذہان کو ’’دور اول‘‘ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، جس کی امتیازی شان ان ہی کے لفظوں میں یہ ہے، ’’عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں، کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے- انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے-‘‘ لیکن یہ دیکھ کر ہماری حیرانی اور بڑھ جاتی ہے کہ اتنا عظیم الشان اور انقلاب آفریں دعویٰ اور دلیل میں نہ کسی کتاب لغت کا حوالہ اور نہ کسی تفسیر کا ذکر، آخر کس کتاب لغت کو معتبر سمجھا جائے اور کس تفسیر کو سر آنکھوں پر رکھا جائے، اس لیے کہ لغت اور تفسیر کی جس قدر کتابیں آج موجود ہیں وہ سب بقول مودودی صاحب دور آخر کی پیداوار ہیں اور دور اول سے ان کا کوئی ربط و تعلق نہیں- یہاں جس دور اول کی فضیلت بیان کی جارہی ہے، اس عہد میں تدوین کتب کا تصور ہی نہیں تھا، لہذا کوئی بتائے کہ مودودی صاحب کی معلومات کا اصل ماخذ کیا ہے؟ (ص:۱۱-۱۲-۱۳)

یہاں پر مولانا مودودی کی درج بالا عبارت پر دیا گیا مولانا وحیدالدین خان کا ریمارک پیش کرنا بھی بے محل اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا- خاں صاحب مودودی صاحب کے ’’مقدمہ‘‘ کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

’’اس تمہید کے بعد کتاب میں ان ’’چاروں اصطلاحوں کا مکمل مفہوم‘‘ بیان کیا گیا ہے- مگر یہ تمہید ہی بقیہ کتاب کی صحت کو مشکوک کر دیتی ہے، کیوں کہ قرآنی آیات کے جس مفہوم کے بارے میں یہ اعتراف کیا گیا ہو کہ دور اول کے بعد وہ موجودہ صدی میں پہلی بار اخذ کیا گیا ہے اور درمیان میں امت کا تحریری سرمایہ اس سے اکثر خالی ہے، وہ یقینی طور پر اس کے ناقص ہونے کا ثبوت ہے-‘‘ (تعبیر کی غلطی، ص:۱۴۹)

علامہ سید محمد مدنی میاں کی تحقیقات وتنقیدات: اوپر کی گفتگو سے یہ واضح ہوگیا کہ مودودی صاحب نے کن مقاصد کے تحت اور کس اسلوب میں ’’قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں‘‘ لکھی ہیں- جیسا کہ میں نے لکھا

ہے کہ مودودی صاحب کی پوری تقریر صرف دونکتوں پر گردش کر رہی ہے- پہلا نکتہ مسلم سلطنت کے زوال کے بعد اسلامی حکومت کی تشکیل کا خواب ہے، جب کہ دوسرا نکتہ انبیا و اولیا سے توسل اور استغاثہ کو خلاف دین و ایمان ثابت کرنے کی کوشش دوسری جتنی باتیں ہیں وہ سب برائے وزن شعر- مودودی صاحب کا پہلا نکتہ ان حالات وکوائف کی اپج ہے جن میں مودودی صاحب کی فکری تشکیل ہوئی تھی جب کہ دوسرا نکتہ اسی خیال کی تعبیر نو تھا جسے ماضی میں بھی ایک خاص طبقہ پیش کرتا رہا ہے-

مودودی صاحب کے ۱۱۲/صفحات کے جواب میں علامہ مدنی میاں صاحب نے ۲۸۷/صفحات پر علم و تحقیق کے جوہر بکھیرے ہیں- اس سے انداز ہوتا ہے کہ مدنی میاں صاحب نے مودودی صاحب کی کتاب کو بہت زیادہ اہمیت دے دی ہے- ویسے اس سے یہ فائدہ ضرور ہوگیا کہ اس بہانے بالواسطہ طور پر جماعت اسلامی کے پورے لٹریری سرمایے کا اجمالی احتساب ہوگیا ہے جو اپنے آپ میں ایک مستقل کام ہے- اس کے ساتھ بالواسطہ طور پر تفہیم دین کا ایک توانا مواد جمع ہوگیا ہے جس کی وجہ سے ان کتابوں نے بجائے خود مستقل تصنیفات اور اسلامی علمی ذخیرے میں گراں مایہ اضافے کی حیثیت حاصل کر لی ہے- ان کتابوں کا اگر مودودی صاحب کی کتاب کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو مودودی صاحب کی کتاب کو ادبی اور خطابی کہنا پڑے گا جس میں علمی رنگ بھی ہے جب کہ مدنی صاحب کی یہ کتابیں علمی اور تحقیقی نوعیت کی ہیں جن میں ادبی رنگ بھی پایا جاتا ہے- اسی طرح مودودی صاحب کی کتاب ان کی فکر زرخیز کی فصل تازہ ہے جب کہ مدنی میاں صاحب کی کتابیں اسلاف امت کے متوارث فہم دین اور قدیم فکر اسلامی کی تشریح و تعبیر ہیں- مدنی میاں صاحب کی ان تینوں کتابوں کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی ترتیب تقریباً اسی نہج پر ہے جس پر مودودی صاحب کی کتاب ہے یعنی پہلے ہر اصطلاح کی لغوی تحقیق اور اس کے بعد چند ذیلی عناوین کے تحت متعلقہ مباحث کا جائزہ- مدنی میاں صاحب نے اکثر مزید عنوانات کو باندھا ہے جو مودودی صاحب کے ہیں اور پھر کچھ اپنی طرف سے بھی عنوانات قائم کر کے متعلقہ مسائل پر گفتگو کر دی ہے- اب ذیل میں ان میں سے ہر ایک کتاب کی تحقیقات و تنقیدات کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب: (۱) یہ کتاب ’’لغوی تحقیق‘‘ سے شروع ہوتی ہے جیسا کہ مودودی صاحب نے الٰہ پر اسی طرح گفتگو کی ہے- لیکن دونوں کی ’’لغوی تحقیق‘‘ میں جو جلی فرق ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب نے کسی کتاب لغت کا حوالہ دیے بغیر ہی تمام لغوی گتھیاں سلجھا دی ہیں جب کہ مدنی میاں صاحب کو اس کام کے لیے مصباح اللغات، صراح، منتخب اللغات، تبیان، منتہی الارب، قاموس، بیضاوی، مدارک اور اکلیل جیسی کتب لغت و تفسیر کا سہارا لینا پڑا- یہی حال بالعموم دوسری اصطلاحوں کا بھی ہے- اسی سے دونوں کی کتابوں کے علمی و ادبی رنگ کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے-

(۲) مدنی میاں صاحب نے کتب لغت و تفسیر کے تفصیلی حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ الٰہ کا مادہ ا-ل-ہ یا و-ل-ہ ہے، جب کہ مودودی صاحب نے الٰہ کے مادے کے سلسلے میں اپنی لغوی تحقیق صرف اسی فقرے میں مکمل فرما دی ہے: ’’اس لفظ کا مادہ ال ہ ہے-‘‘

(۳) مدنی میاں صاحب مودودی صاحب کی لغوی تحقیق پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’آپ کی حیرت کی انتہا نہ ہوگی جب آپ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ مودودی صاحب نے تمام ماخذوں میں ’’ **لاہ یلیہ لیہا و لاہا** ‘‘ کو بھی شمار کیا ہے، حالاں کہ نہ **لاہ** کا مادہ ا، ل، ہ ہے اور نہ الٰہ اس سے مشتق ہے- کسی پنج گنج اور علم الصیغہ پڑھنے والے معمولی طالب علم سے دریافت کر لیجیے وہ بھی کہہ دے گا کہ **لاہ** دراصل **لیہ** تھا جو تعلیل کے بعد **لاہ** ہوگیا-‘‘ (ص: ۳۵)

(۴) آگے لکھتے ہیں:

’’مودودی صاحب نے الٰہ کے معنی اور اس کے ماخذوں کے معانی کے مابین مناسبت معنوی کی تشریح کے لیے چار مقدموں کی تشکیل کی ہے، جس میں نمبر ۲ و نمبر ۳ کا اکثر حصہ **الٰہ** اور **لاہَ** کے معنوں کے مابین مناسبت کی توضیح میں ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ **لاہَ، الٰہ** کا ماخذ نہیں تو مقدمہ نمبر ۲ و نمبر ۳ کی پوری عمارت زمین پر آ رہی- اب اگر اس مقدمہ پر مزید بحث و نظر نہ کی جائے جب بھی کافی ہے، اس لیے کہ جس بنیاد پر اس عمارت کی تعمیر کی گئی تھی جب وہ بنیاد ہی نہ رہی تو پھر عمارت کہاں سے رہے گی- کاش کہ میں اس کو مودودی صاحب کا سہو قرار دے سکتا- لیکن میرے سامنے اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن ہے- یہ کیسا سہو کہ کتاب کے چار ایڈیشن بازار میں آ گئے اور آنکھ

نہ کھلی- ویسے بھی ہم اس بنیاد کو سہو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں جس پر ایک عمارت تعمیر کی گئی ہو-'' (ص:۴۰)

(۵) مدنی میاں صاحب مزید لکھتے ہیں:

''مودودی صاحب اور مودودیت نواز تمام حضرات کی خاص توجہ درکار ہے- لاہَ ، الٰہ کی نہیں بلکہ لفظ اللّٰہ کی اصل ہے-'' (ص:۴۱) پھر یہ لکھا ہے کہ اللہ کی اصل کے حوالے سے بیضاوی نے جن چار اقوال کو پسند کیا ہے ان میں ایک لاہَ بھی ہے-

(۶) مودودی صاحب الٰہ کی لغوی تحقیق فرماتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

''ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ الہ یاله الھٰة کے معنی عبادت (پرستش) اور الٰہ کے معنی معبود کس مناسب سے پیدا ہوئے-'' (ص:۱۱)

اس پر سید مدنی میاں صاحب کا ریمارک پڑھیے اور ان کی ژرف نگاہی کو داد دیجیے-

''مودودی صاحب نے اس فقرے کو تحریر فرماتے وقت غالبًا اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ وہ اَلہَ یاله الھة کے ماخذوں کو شمار نہیں کرا رہے ہیں بلکہ الٰہ کے ماخذوں کا احصا فرما رہے ہیں اور الٰہ کے جملہ ماخذوں میں اَلہ یاله ا لھة کو بھی ایک ماخذ کی حیثیت سے تحریر کیا ہے.......... مودودی صاحب کی اس عبارت کا انداز بالکل اس سے ملتا جلتا ہے کہ کہا جائے ''ان تمام معانی مصدریہ پر غور کرنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اَلہَ اذا تحیر کے معنی حیرانی و سرگشتگی اور الٰہ کے معنیٰ معبود کس مناسبت سے پیدا ہوئے-'' اگر اس عبارت کو اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے مہمل قرار دیا جاسکتا ہے تو اس عبارت کی بھی اہمال سرائی میں کسی شک کی کیا گنجائش ہے جو مودودی صاحب نے تحریر کی ہے؟'' (اسلام کا تصور الٰہ، ص:۴۴)

(۷) مودودی صاحب الٰہ کی معنوی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پرستش کا تصور میرے ذہن میں صرف اسی حالت میں پیدا ہوسکتا ہے جب کہ کسی کی شخصیت یا اس کی طاقت یا اس کی حاجت روائی واثر اندازی کی کیفیت پر راز کا پردہ پڑا ہوا ہو-''

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۱۲)

سید مدنی میاں صاحب اس عبارت کو سیاق وسباق کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس وقت تک کسی کو الٰہ بنایا نہیں جاسکتا جب تک کہ بنانے والا اس کو اپنے گمان میں فوق الادراک معنی میں حاجت روا، پناہ دہندہ، سکون بخش، بالاتر، الحاصل فوق الادراک اقتدار و اختیار کا مالک نہ سمجھ لے- اب مودودی صاحب کی اسی کتاب کے اسی مضموان کی عبارت ذیل کو بھی ملاحظہ کر لیجیے-

''ان آیات میں الٰہ کا ایک مفہوم اور ملتا ہے جو پہلے مفہومات سے بالکل مختلف ہے- یہاں فوق الطبیعی اقتدار کا کوئی تصور نہیں ہے-''

(اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص:۵۱-۵۲)

(۸) مودودی صاحب نے حاجت روائی کو دو خانوں میں بانٹا ہے- پہلی جو فوق اسباب ہو اور دوسری جو تحت اسباب ہو-

اس پر علامہ مدنی میاں فرماتے ہیں:

''مخلوق سے پہلی قسم کی حاجت روائی کے عقیدے کو وہ اسے الٰہ بنانا قرار دیتے ہیں جب کہ دوسری قسم کو ان آیات سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جن میں غیر اللہ سے استمداد کی نفی کی گئی ہے-

اس سلسلے میں میرے خیال میں اتنی گزارش کافی ہے کہ مخلوقات سے پہلی قسم کی حاجت روائی کی نفی کے لیے مودودی صاحب نے جن آیات کو پیش کیا ہے، ان کے باہمی عموم واطلاق میں کوئی ایسی تخصیص وتقئید نہیں جس سے یہ اشارہ ہی ہوسکے کہ دوسرے قسم کے حاجت روا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں.......... اور اگر مودودی صاحب کے سامنے کوئی ایسی نص قطعی ہو جس میں حاجت روائی کی کسی قسم کو مخلوقات کے لیے ثابت کیا گیا ہو اور دوسری قسم کی اس سے نفی کی گئی ہو تو اس کو پیش کرنا چاہیے تھا- اس سوال کا مودودی صاحب کی طرف سے یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ وہ آیات گو اپنے اندر عموم اور اطلاق رکھتی ہیں لیکن ان کو دوسری آیتوں سے ''جن میں مخلوق کی حاجت روائی کا صراحتہً ثبوت ہے'' مخصوص کر دیا گیا ہے- لہٰذا ماتحت الادراک توانائی والوں کو حاجت روا کہہ سکتے ہیں- گویا وہ آیات ''مخصوص منہ البعض'' ہیں- میں عرض کروں گا کہ اس تخصیص میں اگر کوئی مضائقہ نہیں تو پھر اس تخصیص کے بعد اس تخصیص میں کیا مضائقہ ہوسکتا ہے جو اہل حق بتاتے رہے ہیں کہ قرآن کریم نے بعض ایسی شخصیتوں کے حاجت روا ہونے کی

تصریح کی ہے جو اپنے محتاج کے نزدیک مافوق الادراک توانائیوں کے مالک تھے- لہذا الٰہی توانائیوں اور غیر الٰہی طاقتوں کے درمیان فوق الادراک یا تحت الادراک کی تفریق غیر صحیح ہے- بلکہ دونوں قسم کی توانائیوں میں فرق کرنے کی سب سے آسان، واضح اور مناسب ترین صورت یہ ہے کہ اللہ حقیقی حاجت روا ہے، اس کی توانائیاں ذاتی ہیں، کسی کی مرہون منت نہیں، سب کی حاجت روائی در حقیقت اسی کی حاجت روائی ہے- اس لیے کہ سب اسی کی عطا کردہ توانائیوں سے حاجت روائی کرتے ہیں-''

(اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص:۵٦-۵۷-۵۸)

(۹) مودودی صاحب نے کتب تفسیر پر چوٹ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا......دور آخر کی کتب لغت و تفسیر و اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معنی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے- مثلاً لفظ الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا-'' (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۸-۹)

علامہ مدنی میاں مولانا مودودی کی برہمی کی اصولی تفہیم فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کے بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معنیٰ و مراد کے تعین سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ جس آیت کریمہ میں یہ مذکور ہیں، ان کا تخاطب کس سے ہو رہا ہے، وہ کس کے بارے میں نازل کی گئی ہے- موقع و محل کے بدلنے سے ایک ہی لفظ کے مختلف معنی مراد ہو سکتے ہیں..........اب رہ گیا سوال کہ کس آیت میں الٰہ کا کیا معنیٰ ہے؟ اور پھر اس سے کیا مراد ہے؟ اس کا شان نزول اور استعمال کے موقع و محل کو سمجھ کر مفسرین نے کر دیا ہے- مثلاً قرآن کریم میں ہے واتخذوا من دون اللّٰہ اٰلھة یہ آیت چوں کہ ان کفار کے متعلق نازل ہوئی ہے جو بت پرست تھے- (وہ بت خواہ ملائکہ کے نام سے موسوم کر دیے گئے ہوں یا کسی اور کے نام سے) اس لیے متعین ہو گیا کہ اس آیت مذکورہ میں اٰلھة اصنام ہی ہیں- لہذا اب اس کی تشریح و تفسیر اصنام ہی سے کی جائے گی اور اصنام کے سوا کچھ اور مراد لینا کلام کی تحریف کہی جائے گی-''

(اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، ص:٦٦-۷۰)

اس بحث کو بہت ہی تحقیق تفصیل سے اور متعدد مثالوں کی روشنی میں پیش کرنے کے بعد علامہ مدنی میاں صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن مودودی صاحب بھلا اس دیانت تحقیق پر کیسے مطمئن ہو سکتے ہیں، جن کے مشن کا پورا زور اسی پر ہے کہ وہ ان آیات کو جو خاص کر بتوں کے لیے نازل کی گئی ہیں، ان کو انبیا و اولیا پر چسپاں کر دیں-''

(ایضا، ص:۷۱)

(۱۰) مودودی صاحب کا خیال ہے کہ کسی مخلوق کو سمیع و بصیر سمجھنا اور عالم اسباب پر اس کی فرماں روائی تسلیم کرنا اس کو الٰہ بنانا ہے-

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صفحہ نمبر ۱۴-۱۵)

اس پر علامہ مدنی میاں صاحب نے عقلی و نقلی گفتگو فرماتے ہوئے ایسی دس احادیث و آثار پیش کیے ہیں جن میں بندوں کی غیر حسی سماعت و بصارت کا ثبوت اور عالم اسباب پر فرماں روائی کے واقعات کا ذکر ہے- اس کے بعد لکھتے ہیں:

''ان سارے واقعات کے علاوہ بیماروں کو شفا دینا، طعام قلیل کو کثیر بنا دینا، مستجاب الدعوات ہونا، حیوانات کی طاعت و کلام اور ان کا سجدہ مثلاً اونٹ کی شکایت اور سجدہ، بھیڑیے کی شکایت اور طاعت، شیر کی طاعت، نباتات کا کلام و طاعت اور سلام و شہادت، جمادات کی طاعت اور تسبیح و سلام وغیرہ وغیرہ جن سے کتب احادیث و سیر بھری پڑی ہیں-'' (ایضا: ص:۱۰۴)

یہاں قرآنی شواہد مثلاً انسان کے ذریعے مردے زندہ کرنا، بیمار کو شفا دینا، پلک جھپکتے ہزاروں میل کی مسافت طے کرنا اور اس طرح کے درجنوں واقعات بھی پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں ایمان کے دعوے کے ساتھ شک کی گنجائش ممکن ہی نہیں ہے-

تصور الٰہ سے متعلق مباحث پر مدنی صاحب کی تنقیدات کی یہ چند جھلک ہیں- تفصیل کے لیے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے-

اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب: (۱) مودودی صاحب نے عبادت کا لغوی معنیٰ ''طاعت مع الخضوع'' قرار دیا ہے اور لسان العرب کے حوالے سے اس کے مشتقات کے اور معنی بھی لکھے ہیں اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں-

''اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مادہ عبد کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی وبرتری تسلیم کرکے اس کے مقابلے میں اپنی آزادی وخودمختاری سے دست بردار ہوجانا، سرتابی ومزاحمت چھوڑ دینا اوراس کے لیے رام ہوجانا ہے- یہی حقیقت بندگی اور غلامی کی ہے-''
(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۸۲-۸۳)

علامہ مدنی میاں صاحب نے یہاں پر ''لغوی تحقیق'' کے بجائے ''لفظی تحقیق'' کا عنوان قائم کیا ہے اور حاشیے میں اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ''لفظی تحقیق کے عنوان کے تحت لغوی تحقیق کے ساتھ ساتھ عبادت کے اس اصطلاحی معنی کی تحقیق بھی شامل کی جاسکتی ہے جو اصطلاح شرع کے پیش نظر اہل اصطلاح لفظ عبادت سے مراد لیتے ہیں-'' مدنی میاں صاحب نے بھی عبادت کے معنی ''ازروئے لغت ''**طاعة مع الخضوع** ''ہی قرار دیا ہے- پھر بیضاوی، حاشیۂ بیضاوی، جلالین، حاشیۂ جلالین، کشاف، مدارک وغیرہ کے حوالوں سے اس کا اصطلاحی معنی **اقصی غایة الخضوع والتذلل** آخری درجے کی فروتنی قرار دیا ہے- اس ضمن میں انہوں نے قرآن کے دوسرے الفاظ مثلاً **الصلوٰة** وغیرہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی کی بھی تحقیق فرمائی ہے اور ان میں فرق کو بتاتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ قرآن نے کس طرح عرب میں پہلے سے موجود الفاظ کو اپنی خاص اصطلاح میں استعمال کیا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ مثلاً صوم وصلوٰة کے صرف لغوی معنی مراد لیے جانے لگیں اور ان کے اصطلاحی معنی سے صرف نظر کر لیا جائے تو کس طرح شریعت بازیچۂ اطفال بن کررہ جائے گی- مدنی میاں صاحب نے بتایا ہے کہ قرآن میں لفظ عبادت اطاعت کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے لیکن وہ استعمال، شرعی اصطلاح کے اعتبار سے معنی مجازی میں استعمال ہے- مدنی میاں صاحب نے یہ تحقیق بھی فرمائی ہے کہ الفاظ کب اپنے اصل معنی میں استعمال ہوں گے اور کب ان سے ان کے مجازی معنی مراد لیے جائیں گے- اس کے بعد لکھتے ہیں:

''لفظ عبادت کا ایک لغوی معنی ہے اور ایک اصطلاحی معنی- لغت میں جہاں عبادت کا معنی کھلے لفظوں میں پرستش بتایا گیا ہے وہیں اس کی تشریح **طاعة مع الخضوع** سے بھی کی گئی ہے- اس کے علاوہ صلہ اور متعلق کے پیش نظر دوسرے معانی بھی بتائے گئے ہیں- لیکن اصطلاح شرع میں اس کا صرف ایک معنی ہے جس کو فارسی میں پرستش اور ہندی میں پوجا کہا جاتا ہے- لہٰذا اب کتب شریعت میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال کیا جائے یا اہل شریعت جب بھی اس لفظ کو بولیں تو وہاں پرستش کے سوا کچھ اور مراد لینا تحقیق نہیں تحریف ہے-'' (اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب، ص:۲۳-۲۴)

مدنی میاں صاحب اپنی لفظی تحقیق کو مکمل کرتے ہوئے افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں:

''ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں عبادت کی مودودی تشریحات دیکھی جائیں تو اس میں ایک کمی کا شدید احساس ہوتا ہے کہ اس میں عبادت کے اصطلاحی معنی کی وضاحت تو بڑی چیز اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا ہے-'' (ایضا ص:۲۶)

(۲) مولانا مودودی لکھتے ہیں:

''عربی زبان میں عبودة، عبودیة اور عبدیة کے اصل معنی خضوع اور تذلل کے ہیں- یعنی تابع ہو جانا رام ہوجانا، کسی کے سامنے اس طرح سپر ڈال دینا کہ اس کے مقابلے میں کوئی مزاحمت یا انحراف وسرتابی نہ ہو اور وہ منشا کے مطابق جس طرح چاہے خدمت لے-''
(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۸۱)

مودودی صاحب کی اس عروس فکر کی نقاب کشائی مدنی میاں صاحب کے خامۂ گرہ کشا نے جس خوب صورتی سے کیا ہے وہ صرف اسی کا حصہ ہوسکتا ہے- یہاں مدنی میاں صاحب کی ژرف نگاہی اور دقت نظر کو بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے- لکھتے ہیں:

''کیا مودودی صاحب یا مودودی نواز حضرات اس عبارت مذکورہ کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دینے کی زحمت گوارہ کریں گے:

(۱) خضوع وتذلل کے معنی تابع ہوجانا، رام ہوجانا، کہاں سے ہاتھ آیا؟

(۲) کیا عاجزی، خاک ساری اور فروتنی فرماں برداری کے مرادف ہے؟

حقیقت حال یہ ہے کہ خضوع وتذلل کے معنی تابع ہوجانا اور رام ہوجانا نہیں، بلکہ اس کا اصل معنی عاجزی، انکساری، فروتنی اور خاک ساری کرنا اور سرفگندہ ہوجانا ہے- اگر طاعت اور خضوع کا ایک ہی معنی ہوتا تو پھر عبادت کی تشریح **الطاعة مع الخضوع** سے نہ کی جاتی- لسان العرب کی اس تشریح نے بتادیا کہ طاعت وفرماں برداری اور ہے

اور خضوع اور تذلل اور- بنیادی اصطلاحیں میں، ص:۱۹ پر لکھتے ہیں:

''**العبادۃ الطاعۃ مع الخضوع** عبادت اس طاعت کو کہتے ہیں جو پوری فرماں برداری کے ساتھ ہو-''

معلوم نہیں کہ اگر لفظ اطاعت ، طاعت کا ترجمہ ہے تو فرماں برداری کس لفظ کا ترجمہ ہے اور اگر لفظ فرماں برداری، لفظ طاعت کا ترجمہ ہے تو پھر لفظ اطاعت کی زیادتی کی ضرورت کیا تھی؟ نیز بے چارے خضوع نے کیا قصور کا تھا جس کو بے ترجمہ ہی چھوڑ دیا گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ لفظ فرماں برداری کو، لفظ خضوع کا ترجمہ کیا گیا ہو؟ مودودی صاحب جیسے خالص عربیت کا ذوق رکھنے والوں سے یہ کوئی بعید بات بھی نہیں-'' (اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب، ص:۳۰-۳۱)

(۳) عبادت کی لغوی تحقیق کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے مودودی صاحب نے لکھا ہے:

''اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مادۂ عبد کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کرکے اس کے مقابلے میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہوجانا، سرتابی و مزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لیے رام ہوجانا ہے، یہی حقیقت بندگی اور غلامی کی ہے-'' عبادت کی یہ تشریح اس جملے پر ختم ہوتی ہے-

''رہے باقی دو تصورات (بندگی و غلامی- اطاعت و فرماں برداری -مصباحی) تو وہ دراصل عبدیت کے ضمنی تصورات ہیں، اصلی اور بنیادی نہیں-'' (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۸۲-۸۳)

اس پر مدنی میاں صاحب فرماتے ہیں:

''دیکھا آپ نے! آغاز کلام میں جس تصور کو عبدیت کا اصلی و بنیادی تصور کے طور پر پیش کیا گیا تھا اور حقیقت میں جو عبدیت کا اصلی و بنیادی تصور بھی ہے وہ اب ضمنی ہوگیا اور جو تصور ان تصورات کے بعد دوسرے خیالات کی آمیزش سے پیدا ہوگیا تھا وہ اب اصلی و بنیادی نہ ہونے کے باوجود اصلی و بنیادی ہوگیا ؎

وحشت میں ہر اک نقشہ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے''

(اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب، ص:۵۰)

(۴) مولانا مودودی نے تفہیمات (۱/۳۹) میں لکھا ہے: ''جس قدر لوگ کسی حکومت کے حدود میں رہتے ہیں اور اس کے قوانین کی پابندی کرتے ہیں ان کے متعلق ہم کہا کرتے ہیں کہ وہ فلاں حکومت کی فرماں برداری و اطاعت کر رہے ہیں اگر ہم ان الفاظ کی جگہ مذہبی اصطلاح استعمال کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس کی بندگی و عبادت کر رہے ہیں-''

اس پر علامہ مدنی میاں حدود کا تعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میری سابقہ تحریروں نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ عبادت و پرستش میں اصطلاح شرع میں اختلاف زبان کے سوا کوئی فرق نہیں- دونوں کی حقیقت میں ''انتہائی درجہ کی فروتنی'' داخل ہے- صرف کسی کی اطاعت اس کی عبادت و پرستش نہیں- غور فرمایے اگر کسی کی اطاعت ہی کا نام اس کی عبادت ہوتا تو پھر **اطیعوا الرسول** کے الفاظ اس قرآن میں نہ ملتے جو ذات خدا ہی کو مستحق عبادت قرار دے رہا ہو-''

(اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب، ص:۵۲)

(۵) علامہ مدنی میاں صاحب نے ایک عنوان قائم کیا ہے ''مودودی صاحب کی پریشان خیالیاں'' اس کے تحت وہ لکھتے ہیں:

''مودودی صاحب کی عقل پرستی نیز ان کے جذبۂ فریب دہی نے انہیں کافی حد تک تضاد بیان بنا دیا ہے، جس کی چند مثالیں گزر چکی ہیں- انہیں مثالوں میں ایک اس کا بھی اضافہ فرما لیجیے، بندگی کی تعریف میں وہ فرماتے ہیں:

''بندگی کے معنی ہیں کسی بالاتر قوت کی بڑائی تسلیم کرکے اس کی فرماں برداری و اطاعت کرنا-'' (تفہیمات، اول، ص:۲۸) ظاہر ہے کہ اس تعریف کی رو سے بندگی ایک امر اختیاری ہے جس سے امر و نہی دونوں متعلق ہو سکتے ہیں- لیجیے اب دوسری تعریف سنیے:

''بندگی یعنی قانون فطرت کی ٹھیک ٹھیک پیروی اور اس سے منحرف نہ ہونا- (تفہیمات، اول، ص:۵۳)

دیکھا آپ نے ص:۳۸ میں جو چیز اختیاری تھی، ص:۵۳ تک پہنچتے پہنچتے اضطراری و غیر اختیاری ہوگئی- اسی طرح بنیادی اصطلاحیں میں ص:۱۰۸ سے لے کر ص:۱۱۱ تک عبادت لفظ مشترک ہے جس کے پانچ معانی ہیں ان میں تین یہ ہیں (۱) بندگی و غلامی (۲) اطاعت (۳) پرستش لیکن تفہیمات، اول، ص:۳۸ و ص ۳۹ میں بندگی و اطاعت دو الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک شے کی دو تعبیریں ہیں- تفہیمات اول: ص ۵۳ میں بندگی اور پرستش دو مد مقابل کی چیزیں ہیں الغرض بندگی کو پرستش کا قسیم قرار دینے

میں یعنی مدمقابل بتانے میں بنیادی اصطلاحیں اور تفہیمات دونوں متحد ہیں مگر جب تفہیمات اول، ص: ۴۹ دیکھیے گا تو یہ جملہ نظر آئے گا کہ پرستش دراصل بندگی کی فرع ہے- اسی سے ملتی جلتی بات ص: ۳۸ پر بھی ملتی ہے یعنی بندگی و پرستش ایک دوسرے کی قسیم و مدمقابل نہیں-

غور فرمائیے! جب اس قدر پریشان خیالیوں اور تضاد بانیوں سے سابقہ پڑ جائے تو کس کو صحیح مانا جائے اور کس کو غلط؟ کس پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے اور کس کو نظر انداز کر دیا جائے؟ اب مودودی صاحب ہی سے کوئی پوچھے کہ ان کے جملہ بیانات میں کون بیان صحیح ہے؟‘‘

(اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب، ص: ۷۱-۷۲)

مدنی میاں صاحب کی کتاب اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب کا ہر صفحہ تحقیقات و معارضات کا اعلیٰ نمونہ ہے- ہر سطر دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے- جی چاہتا ہے کہ مثالوں پر مثالیں دیتے چلے جائیں مگر ہائے رے شکوہ تنگ دامانی!

دین اور اقامت دین: (۱) مودودی صاحب نے دور آخر کی ’’کتب لغت و تفسیر‘‘ کا نقص بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ’’دین کو دھرم اور مذہب اور (Religion) کے مقابلے کا لفظ قرار دیا گیا-‘‘

’’یہی حال دین کا ہے کہ اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی ’’مذہب اسلام‘‘ قبول کر لے اور ہندو، عیسائی یا یہودی نہ رہے-‘‘

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مودودی صاحب دین اور مذہب میں فرق کے قائل ہیں - اسی لیے علامہ مدنی میاں صاحب نے دین اور مذہب کی تحقیق بہت ہی تفصیل سے قاموس، اقرب الموارد، اور منتہی الارب وغیرہ سے کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان دونوں لفظوں میں از روے لغت کوئی فرق نہیں ہے- فرماتے ہیں:

’’ہاں ان کے مابین اگر کوئی فرق ہے تو وہ محض اعتباری ہے یا از روئے استعمال ہے- از روئے لغت ہر دین مذہب ہے اور ہر مذہب دین ہے- مودودی صاحب کو اس مقام پر چاہیے تھا کہ وہ دین اسلام اور مذہب اسلام کے فرق کو محسوس کرانے کے لیے مثال کے طور پر فرماتے کہ فلاں فلاں امور دین اسلام میں تو ہیں مگر مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور فلاں فلاں امور مذہب اسلام میں ہیں مگر دین اسلام میں نہیں ہیں-‘‘ (دین اور اقامت دین، ص: ۳۹)

(۲) قرآن میں جگہ جگہ دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کا حکم دیا گیا ہے- مودودی صاحب بھی اس پر زور دیتے ہیں لیکن اخلاص فی الدین کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے:

’’اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حاکمیت، فرماں روائی، حکم رانی اللہ کے سوا کسی کی تسلیم نہ کرے اور اپنی اطاعت و بندگی کو اللہ کے لیے اس طرح خالص کر دے کہ کسی دوسرے کی مستقل بالذات بندگی و اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ شریک نہ کرے-‘‘ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص: ۱۰۴)

مودودی صاحب کی اس نکتہ آفرینی سے مدنی میاں صاحب کو اتفاق نہیں ہے- اب اس پر ان کی نکتہ سنجی دیکھیے:

’’دین کے خالص کرنے کا یہ معنی بھی مودودی صاحب کے زرخیز دماغ کے پیداوار ہے- اس تعریف کا نقص اسی سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر بالفرض کوئی انسان اللہ کے سوا کسی کی حاکمیت و فرماں روائی تسلیم نہ کرے اور صرف خدا ہی کی مستقل بالذات اطاعت و بندگی کرے تو اس تعریف مذکور کی رو سے اس کا شمار مخلصین میں ہوگا- حالاں کہ ابھی وہ اپنے مذکورہ عقیدہ و عمل کے سبب صرف مومن ہوا ہے- کسی نظریہ اور کسی عمل میں اخلاص کی صورت یہ ہے کہ وہ نظریہ یا وہ عمل صرف رضائے الٰہی کے لیے ہو اور اس کا محرک و داعی صرف انقیاد و امتثال امر ہو، اس کو اپنانے میں ریا یا سمعہ کا دخل نہ ہو..........مودودی صاحب نے جو تعریف کی ہے وہ دین میں اخلاص کی تعریف نہیں بلکہ دین پر ایمان کی تعریف ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان اور شے ہے اور اخلاص اور شے- اگر یہ دونوں دو چیزیں نہ ہوتیں تو مومنین کو اخلاص کا امر نہ دیا جاتا-‘‘ (دین اور اقامت دین، ص: ۱۴۳)

(۳) مودودی صاحب لکھتے ہیں: ’’چوتھی آیت میں دین اسلام کے پیروؤں کو حکم دیا گیا ہے کہ دنیا سے لڑو اور اس وقت تک دم نہ لو جب تک فتنہ یعنی ان نظامات کا وجود دنیا سے مٹ نہ جائے، جن کی بنیاد خدا سے بغاوت پر قائم ہے اور پورا نظام اطاعت و بندگی اللہ کے لیے خالص نہ ہو جائے-‘‘ (بنیادی اصطلاحیں، ص: ۱۱۱)

آیت کریمہ **وقاتلوهم حتیٰ لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله** (الانفال، : ۳۹) کی تفسیر و تحقیق کرتے ہوئے مدنی میاں صاحب نے یہ واضح کیا ہے کہ مودودی صاحب کے مذکورہ بالا

خیالات کئی وجوہ سے غلط ہیں:

(الف) معتبر تفسیروں سے یہ ثابت ہے کہ یہاں مشرکین عرب سے جنگ کرنے کی بات کی گئی ہے جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بعد اتمام حجت ہو چکا تھا- اس حکم کو عام کر دینا تو بالواسطہ طور پر یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام پوری دنیا میں جنگ چاہتا ہے، جو مستشرقین کا الزام ہے-

(ب) حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس آیت میں ''فتـــنة'' سے مراد مشرکین عرب کا کفر و شرک ہے نہ کہ ساری دنیا کا باطل نظام-

(ج) اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اس آیت پر رسول اور اصحاب رسول نے پورے طور پر عمل نہیں کیا کیوں کہ انہوں نے پوری دنیا سے جنگ نہیں کی اور یہ ایک جسارت ہے- سوالات سے بچتے ہوئے صرف انہی مثالوں پر اکتفا کر رہا ہوں-

راقم کی معروضات: -مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں اپنی افتاد طبع کے مطابق مذہب کے سیاسی پہلو کو بہت نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور باطل حکومتوں اور نظاموں کی ماتحتی کو توحید فی الالوھیت والربوبیت کے منافی، غیر اللہ کی عبادت اور دین کی خلاف ورزی بتایا ہے- انبیا و اولیا سے استمداد و استغاثے کو بھی مولانا اسی خانے میں رکھتے ہیں- انہوں نے اپنے اس دعوے پر متعدد قرآنی آیات سے استشہاد کیا ہے لیکن یہ استشہاد ایسا ہے جس کی تائید کتب تفسیر و لغت سے نہیں ہوتی- اسی لیے انہوں نے کتاب کے ''مقدمہ'' میں سب سے پہلے کتب تفسیر و لغت کو عہد نزول قرآن میں الفاظ قرآن کے جو مفاہیم تھے ان سے بے واسطہ لکھ کر غیر معتبر ٹھہرا دیا ہے- اس طرح انہوں نے اصطلاحات اربعہ الہ، رب، عبادت، اور دین کے جو معنی متعین کیے ہیں وہ صرف ان کی طبع زاد ہیں جن کی تائید انہوں نے تفاسیر و لغات سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی فہم کے سہارے قرآنی آیات سے لی ہے- پھر اس پر ادیبانہ تقریریں کی ہیں اور جذبات کی رو میں کہیں سے کہیں چلے گئے ہیں-

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں میں مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ ''بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا-'' (ص:۸) اور ''نتیجہ یہ ہوا ہے کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا-'' (ص:۹)

مودودی صاحب نے اس کتاب کے ذریعے اصطلاحات اربعہ کے مفاہیم کی توسیع کرنے اور ان کے صحیح معنی متعین کرنے کی کوشش کی ہے- ان کو شکوہ ہے کہ ''الہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا-'' (ص:۹) اس معنی کی تصحیح و توسیع کرتے ہوئے مودودی صاحب نے بتایا ہے کہ ''اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو ضرور اس کو الہ بنانا اور اس سے دعا مانگنا ہے-'' (ص:۱۵)

علامہ سید محمد مدنی صاحب نے اس بحث کو اپنی کتاب ''اسلام کا تصور الہ اور مودودی صاحب'' (۸۹-۱۰۷) میں بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے اور اولیاء الشیطٰن کی بجائے اولیاء الرحمٰن سے استغاثہ و استمداد کو تاریخ و سیرت کے معتبر حوالوں سے ثابت کیا ہے- یہاں میں صرف اتنا کہوں گا کہ مودودی صاحب نے لفظ الہ کی کوئی نئی توسیع نہیں فرمائی ہے بلکہ ان سے پیشتر دوسرے ''بزرگ'' مثلاً شیخ ابن عبدالوھاب اور شیخ اسماعیل دہلوی وغیرہ فرما چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اولیا اور انبیا سے توسل و استغاثہ کے قائل اطراف عالم کے مسلمان صدیوں سے مشرک ہو چکے ہیں- **اللّٰھم ھدایة الحق**-

مودودی صاحب نے خدا کے حضور کسی کو اپنا شفیع ٹھہرانے کو بھی اسے الہ بنانے کے ہم معنی قرار دیا ہے لیکن اس بات پر جب ان کو اطمینان قلب حاصل نہ ہوا تو فوراً ہی یہ حاشیہ لگا دیا:

''یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سفارشیں دو قسم کی ہیں- ایک وہ جو کسی نہ کسی نوع کے زور اثر پر مبنی ہو، اور بہر حال منوا کر ہی چھوڑی جائے- دوسرے وہ جو محض ایک التجا اور درخواست کی حیثیت میں ہو اور جس کے پیچھے کوئی منوا لینے کا زور نہ ہو- پہلے مفہوم کے لحاظ سے کسی کو شفیع یا سفارشی سمجھنا اسے الہ بنانا اور خدا میں اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے اور قرآن اسی شفاعت کی تردید کرتا ہے- رہا دوسرا مفہوم، تو اس کے لحاظ سے انبیا، ملائکہ، صلحا، اہل ایمان اور سب بندے دوسرے بندوں کے حق میں شفاعت کر سکتے ہیں اور خدا کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ کسی کی شفاعت قبول کرے یا نہ کرے-''

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۱۷)

کاش مودودی صاحب استغاثہ و استمداد کی بھی اسی طرح کی کوئی

تقسیم فرما دیتے تو کم از وہ اہل ایمان دائرہ اسلام سے باہر نہ نکلتے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے مردے کو زندہ اور بیماروں کو شفایاب کرا رہے تھے جس کی شہادت قرآن میں ہے اور اسی طرح اصحاب رسول کا ایمان بھی مشکوک ہونے سے بچ جاتا جو قحط سالی یا اور کسی مصیبت میں تنگ آ کر مسجد کا رخ کرنے کی بجائے بارگاہ رسالت کا رخ کرتے تھے اور نبی اپنی دعا سے بارشیں برسا دیتے تھے- ایسی شہادتیں بخاری اور دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں-

اگر مودودی صاحب ایسا کر دیتے تو ان کی بات پوری طرح بامعنی ہو جاتی اور اگر وہ اس نوع کی قرآنی اور حدیثی شہادتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے تو پھر انہیں یہ لکھتے ہوئے سو بار سوچنا پڑتا کہ ’’جو شخص خداوند اعلیٰ کے ماننے کے باوجود اس کے سوا دوسروں کی طرف اپنی حاجات کے لیے رجوع کرتا ہے، اس کے اس فعل کی علت بھی صرف یہی ہے کہ خداوندی کے اقتدار میں وہ ان کو کسی نہ کسی طرح کا حصہ دار سمجھ رہا ہے-‘‘ (ص:۱۹)

’’الوہیت کے باب میں املاک‘‘ کا خلاصہ مودودی صاحب نے ان لفظوں میں کیا ہے: ’’پس الوہیت کی اصل روح اقتدار ہے، خواہ وہ اقتدار اس معنی میں سمجھا جائے کہ نظام کائنات پر اس کی فرماں روائی فوق الطبعی نوعیت کی ہے یا وہ اس معنی میں تسلیم کیا جائے کہ دنیوی زندگی میں انسان اس کے تحت امر ہے اور اس کا حکم بذات خود واجب الاطاعت ہے-‘‘ (ص:۱۹،۲۰)

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نظام کائنات پر ایک نوع کی فرماں روائی تھی، اس کی شہادت قرآن دے رہا ہے- ایسے میں اس عقیدے کو درست کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہاں بھی ’’بالذات‘‘ کی قید لگا دی جائے جیسا کہ مودودی صاحب نے غیر اللہ کے احکام کے واجب الاطاعت ہونے میں ’’بذات خود‘‘ کی قید لگائی ہے، جس کی وجہ سے باطل حکومتوں کی اطاعت کو غیر اللہ کی الوہیت ثابت کرنے کی جو انہوں نے کوشش کی ہے اس کی پوری عمارت از خود زمیں بوس ہو گئی ہے- کیوں کہ کوئی مومن باطل اقتدار کو بالذات واجب الاتباع نہیں سمجھتا بلکہ مجبوری میں اسے گوارا کرتا ہے اور اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ گراں بار نہیں فرماتا- (بقرہ:۲۸۶)

بالذات اور بالواسطہ کی قید اگر مودودی صاحب ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھ لیتے تو شاید ان سے اختلاف کرنے کی کسی کو نہ ضرورت ہوتی اور نہ جرأت اور اہل نظر ان سے اختلاف کرنے کی بجائے ان کے اس قول کو آب زر سے لکھ کر آویزاں کر دیتے-

’’جب حقیقت میں کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے تو تمہارا ہر فعل جو تم دوسروں کو الٰہ سمجھتے ہوئے کرتے ہو اصلاً غلط ہے، خواہ دعا مانگنے یا پناہ ڈھونڈنے کا فعل ہو یا خوف و رجا کا فعل ہو یا سفارشی بنانے کا فعل ہو یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو-‘‘

لیکن یہ اسی وقت ممکن تھا جب الٰہ کی توضیح میں مودودی صاحب کی وہ باتیں جو اس بات سے متضاد ہیں، محو کر دی جاتیں-

مودودی صاحب کی ترتیب کے مطابق قرآن کی دوسری بنیادی اصطلاح ’’رب کو پالنے او رپوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرا دیا گیا-‘‘ اس لیے مودودی صاحب اس لفظ کے مفہوم کی توسیع اور قرآنی معنی کی تعیین کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

’’قرآن ربوبیت کو بالکل حاکمیت اور سلطانی (Sovereignty) کا ہم معنی قرار دیتا ہے اور رب کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سلطان مطلق اور لاشریک مالک و حاکم ہے-‘‘

مودودی صاحب نے اس تحقیق کے لیے جو جاں فشانی کی ہے اس کا کوئی واضح مقصد اور حاصل میری سمجھ میں نہیں آیا- کیوں کہ اگر رب واقعی حاکم اور سلطان کا ہم معنی ہے تو مودودی صاحب کو اس کا ترجمہ قرآن میں ہر جگہ حاکم یا سلطان سے کرنا چاہیے تھا جب کہ وہ اکثر مقام پر رب ہی کا استعمال کرتے ہیں اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کرتے- وہ **قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس** کا ترجمہ ’’کہو میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اس کی جو انسانوں کا رب، انسانوں کا بادشاہ اور انسانوں کا معبود ہے‘‘ (بنیادی اصطلاحیں، ص:۷۹) سے کرتے ہیں- یہاں ان کی مجبوری یہ ہے کہ **ملک الناس** کا فقرہ جب موجود ہے، تو نہ رب کا معنی بھی سلطان یا بادشاہ کر دیتے تو ترجمہ عجیب ہو جاتا اور اس کا اثر آیت پر بھی پڑتا ہے کہ جب ملک الناس اور رب الناس ایک ہی ہیں تو دونوں کو ایک جگہ ایک ساتھ کیوں لایا گیا؟ مودودی صاحب انے اپنی گلو خلاصی کے لیے یہاں رب کا ترجمہ رب ہی کر دیا لیکن لگے ہاتھوں ان مترجمین و مفسرین پر مفاہیم قرآن کو محدود کرنے کا الزام لگا دیا جو ’’پروردگار‘‘ کو رب سے قریب سمجھ کر رب کا ترجمہ پروردگار کرتے ہیں- سوال ہے کہ ان

مفسرین یا مترجمین نے یہ کب انکار کیا ہے کہ جو رب الناس اور رب العالمین ہے وہ ''کائنات کا سلطان مطلق اور لاشریک مالک وحاکم نہیں ہے-'' اور جب انکار نہیں کیا تو پھر مودودی صاحب کی ان جدید تحقیقات ومعارضات کا حاصل کیا ہے؟

کتب لغت وتفسیر کے ذریعے قرآنی الفاظ کے محدود ومبہم کیے جانے کی داستان بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے جانے لگے-'' لیکن افسوس کے مودودی صاحب تلاش بسیار اور تحقیق طویل کے باوجود پوجا اور پرستش کی جگہ کوئی دوسرا لفظ نہیں لا سکے جس کو عبادت کا معنی قرار دیا جاتا- انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف عبادت کے مفہوم وتصور کی تحقیق کی ہے- اگر وہ تمام مفاہیم وتصورات جو عبادت میں ہیں اگر پوجا اور پرستش میں بھی موجود ہوں جیسا کہ مدنی میاں صاحب نے اپنی کتاب ''اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب'' میں ثابت کیا ہے تو پھر مودودی صاحب کا احتجاج بے معنی ہے- ان کا احتجاج صرف اسی صورت میں درست ہوتا جب وہ خود ''عبادت کے معنی پوجا اور پرستش'' نہ بتا کر کچھ اور بتا دیتے- لیکن افسوس کہ وہ ایسا نہ کر سکے-

مودودی صاحب کو اس بات کا بھی بڑا دکھ ہے اور اس کے لیے وہ ارباب لغت اور مفسرین کے شاکی ہیں کہ ''دین کو دھرم اور مذہب اور (Religion) کے مقابلے کا لفظ قرار دیا گیا-'' لیکن یہاں بھی وہ کوئی دوسرا لفظ نہیں دے سکے جسے صحیح معنوں میں ''دین کا مقابل'' کہا جاتا- نہ انہوں نے یہ بتانے کی زحمت کی کہ اگر دین، مذہب دھرم اور Religion کے مقابلے کا لفظ نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟ انہوں نے یہاں پر جو کچھ کیا ہے وہ صرف یہ دین کی معنویت کا بیان ہے لیکن صرف دین کی معنویت بیان کر دینے سے دین مذہب، دھرم اور Religion میں فرق نہیں ہو جاتا اور نہ اس سے دین کا صحیح مقابل لفظ ملتا ہے- اسی لیے بجا طور پر مدنی میاں صاحب نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ''مودودی صاحب کو اس مقام پر چاہیے تھا کہ وہ دین اسلام اور مذہب اسلام کے فرق کو محسوس کرانے کے لیے مثال کے طور پر فرماتے کہ فلاں فلاں امور دین اسلام میں تو ہیں مگر مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور فلاں فلاں امور مذہب اسلام میں ہیں مگر دین اسلام میں نہیں ہیں-'' (دین اور اقامت دین، ص:۳۹)

یہاں برسبیل تذکرہ یہ لکھنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب نے دین اور مذہب میں تو فرق نہیں کیا ہے لیکن انہوں نے دھرم کو غالباً اس کی ''ہندیت'' کی وجہ سے محدود معنی کا حامل بتایا کہ ''بسا اوقات مذہب کو اس معنی میں بھی مجازاً استعمال کیا جاتا ہے-'' (ایضاً، ص:۴۰) مجھے ڈر ہے کہ کوئی ہندی بھکت حضرت مدنی میاں صاحب کے ہی لفظوں میں یہ احتجاج نہ کر دے کہ

''مدنی میاں صاحب کو اس مقام پر چاہیے تھا کہ وہ مذہب اسلام اور اسلام دھرم کے فرق کو محسوس کرانے کے لیے مثال کے طور پر فرماتے کہ فلاں فلاں امور مذہب اسلام میں تو ہیں مگر اسلام دھرم میں نہیں ہیں اور فلاں فلاں امور اسلام دھرم میں ہیں مگر مذہب اسلام میں نہیں ہیں-''

سچائی یہ ہے کہ دین، مذہب، دھرم اور Religion میں زبان اور مادے (Root Word) کا تو فرق ہے لیکن بطور اصطلاح پوری دنیا میں یہ الفاظ اختلاف زبان کے ساتھ ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں- ایسا ہوسکتا ہے کہ مادے کے اعتبار سے جو وسعت دین میں ہے وہ مذہب میں نہ ہو، جو مذہب میں ہے وہ دھرم میں نہ ہو اور جو دھرم میں ہے وہ Religion میں نہ ہو، لیکن یہ تمام الفاظ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو تفریق کرنے والے حضرات کو محسوس مثالوں سے اپنی بات واضح کرنی چاہیے، نیز دین کا ترجمہ ہندی اور انگریزی میں کن الفاظ سے کرنا مناسب ہے اس کی بھی نشاندہی کرنی چاہیے- باتیں اور بھی ہیں، مگر میں نے صرف بنیادی اور اصولی بحث کو سامنے رکھ کر اپنی معروضات پیش کر دیں- قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات اور اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب اور دین اور اقامت دین کے مطالعے کے بعد کئی ایک ضمنی مسائل ومباحث ذہن میں پیدا ہوئے ہیں جن کا ذکر مستقبل میں کبھی کیا جائے گا-

مراجع: (۱) قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، طبع ششم، مئی ۱۹۹۴ء مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی (۲) اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، طبع دوم، ۱۹۹۶ء، شیخ الاسلام اکیڈمی، بھاگل پور، (بہار) (۳) اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب، طبع دوم ۱۹۹۶ء شیخ الاسلام اکیڈمی، بھاگل پور (بہار) (۴) دین اور اقامت دین، طبع اول اکتوبر ۱۹۹۷ء شیخ الاسلام اکیڈمی، بھاگل پور (بہار) (۵) تعبیر کی غلطی، طبع ثالث مکرر، ۲۰۰۲ء مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی- ❑❑❑

صاحبزادہ سید حسن مثنیٰ انور☆

فن نعت گوئی کا ارتقا اور اختر کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری

حمد، نعت اور منقبت تینوں الفاظ یوں تو مشترک المعنیٰ ہیں، یعنی سب تعریف وتوصیف ہی کی نشاندہی کرتے ہیں، البتہ علماے دین وادب نے محل استعمال کو نسبت سے مقید کر رکھا ہے۔ مثلاً جب تعریف وتوصیف کی نسبت رب ذوالجلال کی طرف ہوگی تو اسے حمد کہیں گے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہوگی تو اسے نعت سمجھیں گے، جب صحابی، ولی یا کوئی باکمال بزرگ تعریف وتوصیف کا مقصود ہوگا تو اسے منقبت سے تعبیر کریں گے۔

اس نسبتی فرق وامتیاز نے اگر ایک طرف عقیدہ ونظریہ کی شدت وحدت کی حصار بندی کی ہے تو دوسری جانب طائر تخیل کو بھی پابند کر دیا ہے کہ وہ اپنی حد سے باہر پرواز نہ کرے۔

اصناف شاعری میں حمد، نعت اور منقبت کی کوئی مخصوص اور متعین ہیئت (form) نہیں ہے۔ سارے اصناف سخن میں ان سب کی جلوہ گری پائی جاتی ہے، تاہم یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ حمد ونعت کی اصل پہچان صرف افکار ومیلانات سے ہوتی ہے، ان کا معتبر ومستند ماخذ کتاب وسنت ہیں، تاریخ وسیر ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ نعت کا مرکز ومحور رسول عربی ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ یہ عظیم المرتبت ذات منصب نبوت ورسالت پر فائز ہے اور خالق ومخلوق کے درمیان کی وہ بنیادی کڑی ہے جو مخلوق کو خالق سے ملاتی ہے۔ عارفوں کی زبان میں اس بنیادی کڑی کا دوسرا نام واسطۃ الفیض ہے، اس اعتبار سے منصب نبوت ورسالت کے دو اہم تقاضے سامنے آتے ہیں۔ اول خالق سے اس کے احکام وفرامین کو حاصل کرنا، دوم انہیں مخلوق کو ارسال کرنا اور اپنی ذات کو ان کا نمونۂ عمل بنانا۔ ذرا غور کیجیے کہ ایسی باعظمت اور بے مثل شخصیت کی مدح وستائش کس قدر دشوار ہے جہاں فکری اور لسانی دونوں لحاظ سے افراط وتفریط کی کوئی گنجائش نہیں۔ افراط میں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں اس واسطۃ الفیض کو خدانخواستہ کوئی خدا نہ سمجھے اور تفریط میں یہ دھڑکن رہتی ہے کہ کہیں اسے کوئی اپنی طرح نہ سمجھنے لگے، اسی لیے نعتیہ شاعری کے لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس نزاکت وسنگینی کا احساس عرفی شیرازی کو ہوا تو بول پڑا

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

بیدل جیسے قادر الکلام شاعر نے بھی بے ساختہ کہہ دیا:

زلافِ حمد ونعت اولیٰ ست برخاک ادب خفتن
سجودے می تواں کردن درودے می تواں گفتن

جب ہم نعت کی ابتدا تلاش کرتے ہیں تو ہمارے سامنے وہ پہلا منظر آتا ہے، جب خالق کائنات نے اپنے محبوب کے نور کی تخلیق کی اور اعزاز نبوت سے سرفراز کیا اور عالم ارواح ہی میں تمام انبیا ومرسلین کی روحوں سے اپنی ربوبیت کاملہ کا عہد لیا اور اسی کے ساتھ یہ اقرار بھی کہ اپنے اپنے عہد میں اس نور اول کے آنے کی بشارت دینا، فضیلت بیان کرنا اور مدد پہنچانا۔ اسی عہد میثاق نے حمد ونعت کی داغ بیل ڈالی ہے دوسرا منظر وہ ہے کہ رب کائنات نے اسی نور اول سے سارے جہانوں کی تخلیق فرمائی اور سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت مبارک میں اس نور کو رکھ کر سارے ملائکہ کو حکم دیا کہ اب آدم کا سجدۂ تعظیمی کرو۔ عارفوں کا کہنا ہے کہ حضرت آدم کی تعظیم وتوقیر اور ان کا مسجود ملائک ہونا اسی نور اول کی جلوہ گری کی بدولت تھا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (ف ۸۰ھ) رضی اللہ عنہ مجموعۂ قصائد میں کیا خوب فرماتے ہیں۔ یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) آپ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔

(۲) آپ وہ ہیں کہ آپ کے نور سے چاند کو روشنی حاصل ہے اور آفتاب آپ ہی کے نور سے منور ہے۔

(۳) آپ وہ ہیں کہ جب آدم نے لغزش کے سبب آپ کا وسیلہ پایا تو وہ کامیاب ہوگئے حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں۔

(۴) آپ ہی کے وسیلے سے خلیل نے دعا مانگی تو آپ کے

☆Al-Ashraf,Sector-B,Surender Nagar,Ismail Ganj,Faizabad Road,Lucknow(U.P)

روشن نور سے آگ ان پر ٹھنڈی ہوگئی-

(۵) حضرت ایوب نے اپنی مصیبت میں آپ کو پکارا تو اس کے باعث ان کی مصیبت دور ہوگئی-

(۶) حضرت مسیح آپ ہی کی بشارت اور صفاتِ حسنہ کی خبر دیتے ہوئے آئے-

(۷) اسی طرح حضرت موسیٰ آپ کا وسیلہ اختیار کرنے والے اور قیامت میں آپ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے ہیں-

(۸) انبیا اور تمام مخلوقات میں ہر مخلوق، رسول اور ملائکہ آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے-

انہیں خیالات وافکار کو مولانا جامی نے اپنے مخصوص انداز میں یوں پیش کیا ہے:

وصلی اللہ علی نورے کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا
محمد احمد ومحمود وے را خالقش بستود
کزوشد بود ہر موجود زو شد دیدہا بینا
اگر نام محمد را نیا و ردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے تو بہ نہ نوح از غرق نجینا
نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت وجاہت
نہ عیسیٰ آں مسیحا دم نہ موسیٰ آں ید بیضا

اس طور سے صنف نعت نے اپنی پہلی ارتقائی منزل طے کی- اس پہلی منزل یعنی عالم ارواح میں رب کائنات، ملائکہ اور انبیا ومرسلین سب ہی نے نعت نور محمدی کا نمونہ پیش کیا اور جب وہی نور اول جامۂ بشری میں اس جہان خاکی کی اصلاح وترتیب کی خاطر بھیجا گیا تو رسول عربی ﷺ کی صورت میں نمودار ہوا- آپ نے ۴۰ سالہ زندگی خاموشی کے ساتھ ذکر وفکر اور عبادت وریاضت میں گزاری اور سب کی نگاہوں میں امین وصادق رہے- پھر آپ نے اعلانِ نبوت فرمایا اور نزول الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا- دورِ جاہلیت کے ادب کو دیکھیے تو اندازہ ہوگا کہ عربی زبان کا جاہ وجلال اور کر وفر کا احساس نمایاں طور پر چھایا ہوا ہے- قصیدہ نگاری کا عام مذاق تھا- قبائلی رنجش، چپقلش، سماجی انتشار وافتراق نیز باہمی جنگ وجدال شاعری کے مخصوص موضوعات تھے- قرآنی اسلوب نے فکری اور لسانی دونوں اعتبار سے عربی زبان وادب کو متاثر کیا- اب طلوع اسلام کے بعد ایک طرف مشرکین مکہ اپنے عقائد میں پیغمبر اسلام کے خلاف سبک روی کی راہ اختیار کرنے لگے اور دوسری جانب اسلام پسندوں نے ان کی آوارہ خیالی کا منظوم جواب دینے کے ساتھ اسلام کی صداقت اور نبی ﷺ کے اوصاف جلیلہ واخلاق حمیدہ کو نمایاں کرنے میں لگ گئے- اس فکری آویزش نے بھی نعت کے فن کو خاص جلا بخشی اور عربی ادب میں پیغمبر اسلام کے تعلق سے صدق مقال، حسن کردار، صفتِ حیا، عدل وانصاف اور خلق عظیم کے مضامین شامل ہوئے- شعرائے عرب میں خلفائے راشدین اور ائمہ اہل بیت کی شمولیت کے ساتھ حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبد اللہ بن رواحہ، کعب بن زہیر وغیرہ کے اسمائے گرامی روز روشن کی طرح چمک رہے ہیں- حسان بن ثابت کا یہ ارشاد گرامی کہ ''اپنے حسن کلام سے خدا کے محبوب کو زینت مت دو بلکہ محبوب خدا کے حسن وجمال سے اپنے کلام کو سنوارو'' آج بھی نعتیہ شاعری کے ضابطۂ فن کی شرط اول ہے- علاوہ ازیں نزول قرآن کے تسلسل نے اگر ایک جانب رب ذوالجلال کی الٰہیت والوہیت کو بے نقاب کیا تو دوسری جانب محبوب کردگار کی سیرت وشخصیت کے ایسے نادر ونایاب پہلو اجاگر کیے، جس کی مثال گزشتہ کسی صحیفۂ آسمانی میں نہیں ملتی- قرآن حکیم میں رب کائنات نے انبیا علیہم السلام کا نام لے کر عام طور پر مخاطب کیا ہے، مثلاً یا آدم، یا نوح، یا موسیٰ، یا عیسیٰ وغیرہ مگر جب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا تو اس انداز سے:

یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول، یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر، طٰہٰ، یٰسین وغیرہ-

اور جب کبھی نام لینا ضروری ہوا تو کسی نہ کسی وصف کے ساتھ مربوط کردیا- مثلاً

ومامحمد الا رسول (آل عمران:۱۵)

محمد رسول الله (فتح:۴)

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰه وخاتم النبیین وکان اللّٰه بکل شیء علیما- (احزاب:۵)

اسی طرح رب تعالیٰ نے ممانعت فرمادی کہ کوئی اس کے محبوب کا نام لے کر نہ پکارے:

لاتجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (نور:۹)

انتہا یہ ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے اسم گرامی کے ساتھ اپنے محبوب ترین رسول کو بھی شریک کیا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (نساء:۸)

یا ایھا الذین آمنوا اطیعو اللّٰہ ورسولہ (انفال:۳)

ومن یطع اللّٰہ ورسولہ (نساء ع۲)

قل الانفال للّٰہ والرسول (انفال: ابتدائی)

اسی پر بس نہیں بلکہ اللہ جل شانہ نے اپنے کلام مقدس (قرآن حکیم) میں اپنے محبوب کا خلق عظیم، صبر وشکر، عفوو درگزر، وسعت علم، شفقت ورحمت، سخاوت وایثار، عزم واستقلال، قوت وشجاعت، صدق وصفا، عفت وحیا، عدل وانصاف، ذوق عبادت اور مقام قرب خاص کا صراحت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے- اس غایت درجہ کی محبت وشفقت دلیل کی حیثیت رکھتی ہے کہ رب کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کی بطور خاص ثنا خوانی کی ہے تا کہ بشری عقل ودانش کے لیے نعت نگاری کے رہنما اصول بنائے جا سکیں-

جب اسلام عرب سے چل کر عجم میں داخل ہوا تو اس کو سب سے پہلے ایرانی تہذیب وثقافت کا سامنا کرنا پڑا- قرآنی اسلوب فکر اور طرز نگارش نے فارسی شاعری کو حد درجہ متاثر کیا- چنانچہ صنف نعت کے مذکورہ رہنما اصولوں کی روش پر فارسی شعرا نے فکر قرآنی کو محاسن شعری میں ڈھال کر نعت کے فن کو عروج وکمال بخشا- اس ضمن میں فردوسی، رودکی، سعدی، حافظ، مولانا روم، جامی، خاقانی، قاآنی، نظامی، عرفی، عطار وغیرہم کے اسمائے گرامی کلیدی حیثیت رکھتے ہیں-

جب نعت نگاری کی صنف براہ فارسی اردو زبان کے اقلیم میں پہنچی تو ہندوستان کی آب وہوا میں اس کے پھلنے پھولنے کے بہتر مواقع میسر آئے- یوں تو یہاں بھی پہلے فارسی زبان میں ہی شعر گوئی کا چلن تھا لیکن بعد میں جب اردو زبان نے اپنے بال وپر نکالے تو دیگر اصناف سخن کی طرح نعت نگاری کا فن بھی اردو زبان میں گھل مل گیا- گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستوں میں اس فن کی بڑی پذیرائی ہوئی- پھر جب اس فن نے دکن سے شمالی ہند کی طرف رخ کیا تو پہلے خانقاہوں میں اس کی آؤ بھگت ہوتی رہی- بعدہٗ یہاں سے بن سنور کے یہ فن حلقۂ دانشوراں میں پہنچا اور اس کی مقبولیت اس حد تک بڑھ گئی کہ شعرا نے اپنی نجات وعاقبت اور قلبی وذہنی امن وسکون کی خاطر اس فن کے تقدس میں چار چاند لگا دیے-

نعت نگاری میں تصوف کے مضامین کو شامل کیا، عشق رسول کو فروغ دیا، محبوب رب جلیل وجمیل کے خصائص کبریٰ اور فضائل عظمیٰ کے ساتھ ان کا پرنور سراپا کھینچا- ان کی جلوت، ان کی خلوت، ان کا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا، سب کو موضوع سخن بنایا- کمالِ اخلاص ومحبت، وفور عقیدت، عاجزی وفروتنی اور وارفتگی وسپردگی کے احساس فراواں کے ساتھ صنف نعت کی معنوی توسیع کی- نتیجہ یہ ہوا کہ سوچنے سمجھنے کے پیمانے بدلے، اسالیب بیان کی سمتیں متعین ہوئیں، لفظوں کے رموز وعلائم نے نئی شکلیں اختیار کیں، نادر استعارے اور تازہ دم تشبیہوں نے زبان کی رمزیت کو اجاگر کیا-

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ میر، سودا، خواجہ میر درد، مرزا مظہر جانِ جاناں، غالب، ظفر، اقبال، محسن کاکوروی، امیر مینائی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی، حسن بریلوی، مولانا آسی غازی پوری، مولانا سید علی حسن احسن جائسی، مولانا سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی، مولانا حکیم سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی اور مولانا محمد محدث کچھوچھوی وغیرہم کی مساعی جمیلہ کی رنگارنگی نے اصناف سخن میں خصوصیت کے ساتھ نعت نگاری کی ایک کہکشاں بنائی جس کی آب وتاب آسمان شعر وادب پر پھیلی ہوئی ہے-

اسی تاریخی پس منظر میں ''بارانِ رحمت'' کا مطالعہ کیجیے جو مجموعہ نعت ومنقبت ہے اور مولانا سید محمد مدنی اختر کچھوچھوی کی تخلیق ہے- مولانا کو شاعری ورثے میں ملی ہے- وہ ایک ہی وقت میں منقولات ومعقولات پر کامل دسترس رکھنے والے عالم بھی ہیں، بین الاقوامی سطح کے خطیب بھی ہیں، تفقہ میں منفرد بھی ہیں، مسندِ رشد وہدایت کی زینت بھی ہیں اور معتبر ادیب وشاعر بھی ہیں- مولانا کی درجنوں تصنیفات اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں-

میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ مولانا موروثی شاعر ہیں- ان سے پہلے ان کے والد گرامی محدث اعظم ہند مولانا ابوالمحامد سید محمد اشرفی

جیلانی (ف: ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء) کا مجموعہ کلام ''فرش پر عرش'' طبع ہوکر ملک و بیرون ملک میں پھیل چکا ہے- مولانا کے دادا مولانا حکیم سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی (ف: ۲۱ نومبر ۱۹۳۹ء) اپنے وقت کے زبردست عالم ودانشور تھے- فن طبابت وحکمت میں ان کا وجود لاثانی تھا- شعر وادب میں بھی غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے- ان کی زندگی کا بڑا حصہ جائس ضلع رائے بریلی کے علمی وادبی ماحول میں گزرا- انہوں نے اپنے حقیقی ماموں مولانا سید علی حسن احسن جائسی سے اکتساب علم وفن کیا- دلی کے قیام کے دوران داغ دہلوی سے بھی زبان وبیان کا ہنر سیکھا- کچھوچھہ شریف میں علمی وادبی انجمن آرائی ان ہی کی مرہون منت رہی ہے-

افسوس صد افسوس اس بات پر ہے کہ ان کا شعری سرمایہ محفوظ نہ رہ سکا، جس کے ہاتھ لگا وہ مالک بن بیٹھا، یہاں ان کے کلام کی چند جھلکیاں پیش کرنا غالبًا نامناسب نہ ہوگا- ملاحظہ ہو:

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے رحمۃ للعالمیں ہو
شریک عیش وعشرت سب ہیں لیکن
مصیبت کاٹنے والے تمہیں ہو

……

عروج کی شب عجیب شب تھی عجب تھا جلو سماں تھا
زمیں تھی ساکت، پہاڑ بے حس، عجیب چکر میں آسماں تھا
ستارے باہم تھے نور افشاں، فلک کا ہر حصہ تھا چراغاں
جہاں میں ذرے چمک رہے تھے، زمیں کا ہر گوشہ کہکشاں تھا
محبّ ومحبوب کی تجلی سے سب حجابات اٹھ گئے تھے
عجب تماشا تھا چار جانب عیاں نمایاں، نہاں عیاں تھا

……

حضرت فاضلؔ کا رنگ تغزل بھی دیکھئے:

موسم گل کو کیا کروں دل ہی نہیں قرار میں
زخم جگر ہرے ہوئے آگ لگے بہار میں

ان کا عارفانہ طرز سخن بھی ملاحظہ ہو:

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم بریں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
نگاہش جانب من چشم من محو تماشایش
منم دیوانہ لیکن بادل ہشیار می رقصم
زہے رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را
خوشا تقویٰ کہ من باجبہ ودستار می رقصم
بیا جاناں تماشہ کن کہ درانبوہ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم
تو آں قاتل کہ از بہر تماشہ خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجر خونخوار می رقصم
برائے شعلہ می رقصم تپش چوں حالتی آرد
خلش چوں لذتی بخشد بنوکِ خار می رقصم
زہے رنگ تماشایش خوشا ذوق دلم فاضلؔ
کہ می بیند چوں او یکبار من صد بار می رقصم

(ماخوذ از رسالہ اشرفی بابت ماہ ستمبر ۱۹۲۴ء)

حضرت فاضلؔ کچھوچھوی کے اور بھی اشعار ہیں- ان کی منقبت بھی ہے، ملی نظم بھی ہے اور منظوم ترجمے بھی ہیں، جنہیں طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے- اس مختصر تحریر سے اندازا ہو گیا ہوگا کہ جس علمی اور ادبی اور دینی ماحول میں مولانا سید محمد مدنی اختر کچھوچھوی نے آنکھیں کھولی ہیں اور ذہنی تربیت حاصل کی ہے، وہ ہمیشہ ایک غیر معمولی اہمیت وافادیت کا حامل رہا ہے-

بارانِ رحمت کا آغاز حمد الٰہی کے ان چار مصرعوں سے ہوتا ہے:

ذرّے ذرّے سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے
میرے معبود! تری پردہ نشینی ہے عجیب
دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال
اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب

ان چار مصرعوں میں کتاب اللہ کی جلوہ گری ہے اور **ونحن اقرب الیہ من حبل الورید** کی صدائے ربانی کی گونج سنائی دیتی ہے- مولانا اختر کچھوچھوی کے تخلیقی ذہن نے اس حقیقت مطلقہ کی معرفت کرائی ہے جو مستور بھی ہے اور نمایاں بھی، بعید تر بھی ہے اور قریب تر بھی- مزید برآں اس کی پردہ نشینی عقل انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈالے ہوئے ہے- اس فکری کشمکش سے مولانا آسی غازی پوری کو بھی دوچار ہونا پڑا تھا- ملاحظہ ہو:

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار
اس پر یہ گھونگھٹ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

مگر مولانا اختر کچھوچھوی کا رنگ دوسرا ہے- وہ اپنے معبود کو مخاطب کرتے ہیں کمالِ ادب کے ساتھ اور حیرت واستعجاب کا اظہار کر کے گویا جاننا چاہتے ہیں کہ اس پردہ نشینی کے دو مختلف مظاہر والوان کا راز کیا ہے -اس لحاظ سے مولانا کا فکری ارتفاع ایک جداگانہ انفرادیت رکھتا ہے اور اسلوبِ بیان کی سادگی و پرکاری نے اسے غیر معمولی جلا بخشی ہے-

حمد باری تعالیٰ کا خوب صورت نمونہ ایک نظم میں بھی پایا جاتا ہے جو اظہار تشکر کے عنوان سے بارانِ رحمت میں شامل ہے، ملاحظہ کیجیے-

اے خدا شکر ترا، شکر ترا، شکرترا
خاک بے مایہ سے انسان بنایا مجھ کو
زیورِ دانش وحکمت سے سجایا مجھ کو
نقش پائے شہ عالم پہ چلایا مجھ کو
اے خدا شکر ترا، شکر ترا، شکرترا
ساقیِ کوثر وتسنیم کا میخوار کیا
بادۂ حب نبی سے مجھے سرشار کیا
دل تاریک کو رشک مہِ ضوبار کیا
اے خدا شکر ترا، شکر ترا، شکرترا
ماندگی مجھ میں جو پاتی ہے عنایت تیری
سرمہ نیند لگاتی ہے عنایت تیری
میرا دکھ درد مٹاتی ہے عنایت تیری

مذکورہ نظم میں ہر بند کی پیشانی پر ''اے خدا شکر ترا، شکرترا، شکرترا'' کی تکرار کے ساتھ رب ذوالجلال کے فضل بے پایاں، رحمت بے کراں اور الطاف فراواں کے جو نقش ونگار پیش کیے گئے ہیں وہ شاعر کی عارفانہ بصیرت اور دینی شعور کی آئینہ داری کرتے ہیں- کیا عجب کہ مولانا اختر کچھوچھوی کے ذہن رسا نے صنعت تکرار کا یہ دل ربا انداز قرآن حکیم کی سورہ رحمٰن سے مستعار لیا ہو جہاں **فبایِّ اٰلاء ربکما تکذبٰن** کی تکرار کے ساتھ رب تعالیٰ اپنے فضل وکرم، انعام واکرام اور داد ودہش کی رنگارنگی کو شمار کراتا ہے- یہ فرق ضروری ہے کہ ایک جگہ ہر نعمت کے ذکر کے بعد **فبایِ اٰلاء ربکما تکذبان** کی تکرار سے اصلاحی طور پر کریدنے اور جھنجھوڑنے کا اہتمام ہے اور دوسری جگہ نعمتوں کے حصول کا اعتراف واقرار ہے اور بارگاہِ رب العزت میں جذبہ احسان مندی لیے سرنیاز جھکانے کی ادا ہے- چنانچہ دونوں جگہ لذت تکرار نے کلام کی معنویت میں دل کشی پیدا کر دی ہے-

مولانا اختر کچھوچھوی کی نعتیہ شاعری اپنی انفرادی شان رکھتی ہے- ان کی شاعرانہ طبیعت کا مرکز ومحور ''عشق رسول'' ہے- وہ کامل ایمان وایقان کے ساتھ اپنے مرکزِ شعری سے والہانہ تعلق خاطر رکھتے ہیں- ان کی نظر میں محمد رسول اللہ دلیل **لا الٰہ الا اللہ** ہیں لہٰذا دلیل کو سمجھنے اور ماننے بغیر دعویٰ کی تفہیم ممکن ہی نہیں ہے- بقول اقبال

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

(ارمغان حجاز)

یہی وجہ ہے کہ وہ اس دلیل کے گرد گھومتے رہتے ہیں اور فکری مواد حاصل کرتے ہیں- کتاب وسنت سے ان کی وابستگی اس دلیل کی بوقلمونی کو مزید نمایاں کرتی ہے- ان کی ایک نعت ملاحظہ ہو:

خدائے بر تر و بالا ہمیں پتہ کیا ہے
ترے حبیب مکرم کا مرتبہ کیا ہے
جبین حضرت جبرئیل پہ کفِ پا ہے
ہے ابتدا کا یہ عالم تو انتہا کیا ہے
خدا کی شان جلال وجمال کے مظہر
ہر ایک سمت ہے تو ہی تیرے سوا کیا ہے
سمجھ لو عہد رسالت کے جاں نثاروں سے
کمال صدق وصفا، رشتہ وفا کیا ہے
بشر کے بھیس میں لا کالبشر کی شان رہی
یہ معجزہ جو نہیں ہے تو معجزہ کیا ہے
غم فراق نبی میں جو آنکھ سے نکلے
خدا ہی جانے ان اشکوں کا مرتبہ کیا ہے
جو میری جان سے زیادہ قریب ہیں مجھ سے
ان ہی کو ڈھونڈ رہا ہوں مجھے ہوا کیا ہے
چلو دیار مدینہ جو دیکھنا چاہو
زمیں سے عرش معلّٰی کا فاصلہ کیا ہے

اس موقع پر مولانا کی دوسری نعت بھی پیش کی جاتی ہے جو فکر و فن کے امتزاج کا حسین مرقع ہے۔

اس دیارِ قدس میں لازم ہے اے دل احتیاط
بے ادب ہیں کر نہیں پاتے جو غافل احتیاط
جی میں آتا ہے لپٹ جاؤں مزار پاک سے
کیا کروں، ہے میرے ارمانوں کی قاتل احتیاط
اضطراب عشق کا اظہار ہو بے حرف و صوت
اے غم دل، احتیاط، اے وحشتِ دل احتیاط
آ بتاؤں تجھ کو میں ارشاد او ادنیٰ کا راز
ان کے ذکرِ قرب میں لازم ہے کامل احتیاط
بس اسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق
جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط
اس ادب ناآشنا ماحول میں اختر کہیں
رہ نہ جائے ہو کے مثلِ حرفِ باطل احتیاط

مذکورہ بالا دونوں نعتوں میں فکر کی جولانی، جذبہ کا کڑھاؤ، فنی چابک دستی، کتاب و سنت سے ممارست سب مل کر اسی ایک سرچشمۂ حیات کی نشاندہی کرتے ہیں جس کا نام عشق رسول ہے۔ اسی عشق کے نقش ہائے رنگ رنگ ان اشعار میں بھی دیکھیے:

بڑے لطیف ہیں، نازک سے گھر میں رہتے ہیں
مرے حضور مری چشم تر میں رہتے ہیں
یہ واقعہ ہے لباسِ بشر بھی دھوکا ہے
یہ معجزہ ہے لباسِ بشر میں رہتے ہیں
خدا کے نور کو اپنی طرح سمجھتے ہیں
یہ کون لوگ ہیں کس کے اثر میں رہتے ہیں!
حسن خورشید نہ مہتاب کا جلوہ دیکھو
آؤ احمد کے کفِ پا کا کرشمہ دیکھو
دیکھنے والو! دیارِ شہ بطحا دیکھو
فرش کی گود میں ہے عرش معلیٰ دیکھو
سوچتا ہوں کیا کہوں میں، کیا نظر آنے لگا
وہ ریاض برزخ کبریٰ نظر آنے لگا
آنکھ جب تک بند تھی اک آدمی سمجھا تجھے
اور جب وا ہوگئی کیا کیا نظر آنے لگا
ان کی یادوں میں جو ٹپکا اشک اختر آنکھ سے
منزلت میں عرش کا تارا نظر آنے لگا
اے حسین ابن علی تیری شہادت کو سلام
دین حق اب نہ کسی دور میں تنہا ہوگا
رب نے چاہا تو قیامت میں سبھی دیکھیں گے
ان کے قدموں میں پڑا اختر خستہ ہوگا
اس روئے والضحیٰ کی صفا کچھ نہ پوچھیے
آئینہ جمالِ خدا کچھ نہ پوچھیے
قوسین پر وہ نورِ او ادنیٰ میں چھپ گئے
پھر کیا ہوا ہوا جو ہوا، کچھ نہ پوچھیے
روشن زمیں ہوئی تو حسیں آسماں ہوا
نورِ رخ نبی سے منور جہاں ہوا
کیا خوب ہے کمالِ تصرف کی یہ مثال
پروردۂ نبی پہ خدا کا گماں ہوا
نعتِ رسول، آیۂ رحمت کا ہے کرم
میں ہم زبانِ انجمن قدسیاں ہوا
صرف اتنا ہی نہیں غم سے رہائی مل جائے
وہ جو مل جائیں تو پھر ساری خدائی مل جائے
میں یہ سمجھوں گا مجھے دولتِ کونین ملی
راہ طیبہ کی اگر آبلہ پائی مل جائے
سرِ مژگاں پہ کچھ سیال موتی جگمگاتے ہیں
اسے میں روشنی ان کی کہوں یا روشنی اپنی

مولانا اختر کچھوچھوی نے ۱۲؍اشعار پر مشتمل ایک ساقی نامہ بھی لکھا ہے جس کا مطلع ہے:

تمہاری آمد لیے ہوئے ہے نوید صبح بہار ساقی
گلوں کے لب پہ ہے مسکراہٹ، غریق شادی ہیں خار ساقی

یہاں ساقی سے مراد محبوب رب ذوالجلال کی ذات والا صفات ہے۔ مولانا محاسن شعری کے ساتھ اپنے قلبی واردات کو پیش کرتے ہوئے حضور آیۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شخصیت کے کئی نادر پہلوؤں کو زینتِ قرطاس بنایا ہے:

اگر پلک کو ہو ایک جنبش تو ڈوبتا مہر لوٹ آئے
ترے اشارے پہ ہے نچھاور یہ دور لیل و نہار ساقی
سنا ہے وارِ سنان ابرو تراش دیتا ہے انگلیوں کو
مگر تری جنبش نظر پہ سرِ دو عالم نثار ساقی
لرز اٹھے تارِ عنکبوتی کے مثل، ایوان باطلوں کے
تری صدا ہے، قسم خدا کی، صدائے پروردگار ساقی
اگر نگاہِ کرم اٹھے تو گناہ گاروں کی بھی بن آئے
خدا نے بخشا ہے تجھ کو سارے جہان کا اختیار ساقی

بڑی فرض ناشناسی ہوگی اگر مولانا اختر کچھوچھوی کی اس نعت کا ذکر نہ کیا جائے جس کا مطلع ہے:

ساقی کوثر مرا جب میر میخانہ بنا
چاند سورج خم بنے، ہر نجم پیمانہ بنا

اسی نعت کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

اللہ اللہ رفعتِ اشکِ غمِ ہجر نبی
جوں ہی ٹپکا آنکھ سے، تسبیح کا دانہ بنا
آج بھی سورج پلٹ سکتا ہے تیرے واسطے
اپنے دل کو الفتِ احمد کا کاشانہ بنا
چاند کی رفعت کو چھو لینا کہاں کی عقل ہے
عقل یہ ہے چاند کو خود اپنا دیوانہ بنا
جانے کتنی ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا ہوں میں
مجھ کو محروم تمنا میرے مولیٰ نہ بنا
دھو کے اپنے نطق کو مدحِ نبی کے آب سے
اپنی ہر ہر بات اے اختر حکیمانہ بنا

مذکورہ بالا نعت عقیدہ کی پختگی، عشق رسول سے کامل وابستگی، فروتنی و خود سپردگی اور عصری میلان کا شدید احساس دلاتی ہے- اپنی ہر ہر بات کو حکیمانہ بنانے کا گر بھی اس نعت میں بتایا گیا ہے- ابلاغ و ترسیل کا ہنر ہم دوش قلب و نظر ہونے کے سبب ایسی ادبی فضا بنائے ہوئے ہے جہاں حسن و لطافت بھی ہے اور اثر آفرینی بھی-

ان کے مجموعۂ کلام میں تاریخ و سن نہ ہونے کے باعث یہ اندازہ لگانا ذرا دشوار لگتا ہے کہ مولانا اختر کچھوچھوی کے تخلیقی ذہن کے ارتقائی منازل کی نشاندہی کی جائے تاہم ایک خاصہ حصہ ان کے نعتیہ کلام میں ایسا ہے جو ان کے ابتدائی نقوش شاعری کی اپنے اندرونی شواہد کی بنا پر گواہی دیتا ہے- اگر اسے ابتدائی نقوش کے عنوان سے علیحدہ شامل کر دیا جائے تو شاید نامناسب نہ ہوگا-

مجموعہ کلام میں چند منقبتیں بھی ہیں، تضمین بھی ہے اور متفرق اشعار بھی ہیں، ان سب میں حزم و احتیاط، حسن عقیدت، فکر کا بانکپن، جذبہ کی حرارت، لفظ و بیان کی تہہ دار معنویت اور مواعظ حسنہ کی دل کشی سب کچھ موجود ہے- مولانا اختر کے مواعظ حسنہ کے تعلق سے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے:

بجھ گئی عشق کی آگ اندھیر ہے وہ حرارت گئی وہ شرارہ گیا
دعوتِ حسنِ کردار بے سود ہے، تھا جو حسنِ عمل کا سہارا گیا
جس میں پاسِ شریعت نہ خوف خدا وہ رہا کیا رہا وہ گیا کیا گیا
ایک تصویر تھی جو مٹا دی گئی یہ غلط ہے مسلمان مارا گیا
مر کے طیبہ میں اختر یہ ظاہر ہوا کچھ نہیں فرش سے عرش کا فاصلہ
گود میں لے لیا رفعتِ عرش نے قبر میں جس گھڑی میں اتارا گیا

شعر و ادب کے اس معیار و امتیاز کے باوجود مولانا اختر کچھوچھوی کا یہ ارشاد محل نظر ہے کہ

مرے اشعار کو میزان فن پر تولنے والو
فقط دل کی تسلی کے لیے ہے شاعری اپنی

حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ مولانا کے عزیز و احباب ان کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہیں- ان کی منکسر المزاجی کو اچھی طرح جانتے ہیں اور ادبی ماحول کی رنگارنگی میں ان کی خلوت پسند فطرت سادہ کو خوب سمجھتے ہیں- پروفیسر رشید احمد صدیقی کے لفظوں میں ''یہ وہ حیا اور احتیاط ہے جس کو اسلام میں ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اور شرفائے ادب کا بڑا امتیاز ہے''-

(مکتوب بنام پروفیسر اسلوب احمد انصاری، مشمولہ ''آئینہ خانے میں'' ص:۱۲۸)

مجھے بے حد مسرت ہے کہ مولانا نے اپنی ادبی وراثت کو آگے بڑھایا ہے اور اس میں توانائی پیدا کی ہے-

❑❑❑